خطباتِ حکیم الامت

بسلسلہ خطبات حکیم الامت جلد-۲۵

حدود و قیود

(جدید ایڈیشن)

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

(061-4540513-4519240

حدود و قیود

تاریخ اشاعت............ شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ
ناشر........................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت....................سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ... چوک فوارہ... ملتان
ادارہ اسلامیات........انارکلی.......لاہور
مکتبہ سید احمد شہید.......اردو بازار......لاہور
مکتبہ رحمانیہ....... اُردو بازار .... لاہور
مکتبہ رشیدیہ........راجہ بازار........راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی.... خیبر بازار...... پشاور
ادارۃ الانور........نیو ٹاؤن........کراچی نمبر 5
مکتبہ المنظور الاسلامیہ... جامعہ حسینیہ... علی پور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

عرض ناشر

خطبات حکیم الامت جلد نمبر ۲۵ ''حدود و قیود''

جدید اشاعت سے مزین آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اللہ کے فضل و کرم اور اپنے اکابرین کی دعاؤں کے طفیل کافی

عرصہ سے خطبات کی اشاعت کا ادارہ کو شرف حاصل ہو رہا ہے۔

بہت سے بزرگوں کی تمنا تھی کہ ان کی احادیث مبارکہ کی تخریج ہو

جائے۔ ادارہ نے زر کثیر خرچ کر کے یہ کام محترم جناب مولانا زاہد محمود

صاحب (فاضل جامعہ قاسم العلوم ملتان) سے یہ کام کرایا۔

عنوانات اور فارسی اشعار اور عربی عبارات کا ترجمہ اور اس

کے ساتھ ساتھ تصحیح کا کام حضرت صوفی محمد اقبال قریشی

صاحب مدظلہ نے سرانجام دیا۔

اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے آمین

احقر: محمد اسحٰق عفی عنہ

شعبان ۱۴۲۹ھ بمطابق اگست 2008ء

اجمالی فہرست

فہرست عنوانات

الحدود والقیود

بمقام خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ بروز سوموار ۳ گھنٹہ کرسی پر بیٹھ کر یہ وعظ ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۶۰ تھی۔

خطبہ ماثورہ

الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرورانفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ ونشھد ان لاالہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ والہ واصحابہ وبارک وسلم امابعد.

فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ من الشَّیْطَانِ الرَّجِیم. بِسْمِ اللّٰہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم. التائبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ الرَّاکِعُونَ السَّاجِدُوْنَ الاٰمِرُون بِالْمَعْرُوفِ والنَّاھُوْنَ عَنِ المنکرِ وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُودِ اللّٰہِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ. (التوبہ:۱۱۲)

ترجمہ۔وہ ایسے ہیں جوگناہوں سے توبہ کرنے والے ہیں اوراللہ کی عبادت کرنے والے اور حمد کرنے والے روزہ رکھنے والے اور رکوع کرنے والے اور سجدہ کرنے والے اور نیک باتوں کی تعلیم کرنے والےاور بری باتوں سے باز رکھنےوالےاوراللہ کی حدوں کا (یعنی اس کےاحکام کا) خیال رکھنےوالے ہیں اورایسے مومنین کوخوشخبری سنایئے۔

آجکل ترقی کا حاصل

میں نے برکت کے واسطے پوری آیت کی تلاوت کردی ہے۔مگر مقصود صرف ایک جزو کا بیان کرنا ہے کیونکہ جومضمون اس وقت ذہن میں ہے جس کے بیان کی ضرورت ہےاس سے آیت کے ایک جزو ہی کومناسبت ہے۔یوں مطلق مناسبت تو ہر جزو سے ہوسکتی ہے۔مگر مناسبت قریبہ ایک ہی جزو سے ہےاور چونکہ مضمون مختصر ہےاس لئے مختصر ہی بیان ہوگا ان شاءاللہ تعالٰی دوسری طبیعت بھی اس وقت ضعیف ہورہی ہے۔دماغ زیادہ طویل کا متحمل نہیں جس مضمون کومیں بیان کرنا چاہتا ہوں وہ پہلے سے بھی ذہن میں تھااور خیال تھا کہ کسی موقع پراس کو بیان کروں گا۔چنانچہ اب درخواست کی گئی ہےاس لئے اب اس کو بیان کرتا ہوں۔اوروہ مضمون اس طرح ذہن میں آیا تھا کہ ایک بار مجلس میں ترقی کا ذکر ہورہا تھامیں نے یہ کہا کہ آج کل ترقی کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شے حدپر نہ رہے کسی شے کیلئے کوئی حد نہ ہوبس جس چیز کے درپے ہوتے ہیں اس میں بڑھے چلے جاتے ہیں۔کسی حد

پر نہیں رکتے اور یہ ترقی نہیں بلکہ ترقی کا ہیضہ ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص دہلی کی سیر کو جائے تو ترقی فی سیر الدہلی تو یہ ہے کہ دہلی کے حدود کے اندر رہ کر اس کے تمام عجائبات کو دیکھے ہر گلی اور ہر محلہ کی سیر کرے۔ اور اگر وہ دہلی سے باہر چلا جائے تو یہ ترقی فی المقصود نہیں بلکہ ترقی عن المقصود ہے کہ مقصود کی حد سے آگے نکل گیا۔

ترقی کی حد:

اسی طرح ایک شخص گھر کے اندر تھا۔ اب اس نے ترقی کی کہ کوٹھے پر چڑھ گیا۔ لیکن اگر وہ کوٹھے پر جا کر باہر کی طرف کودنے لگے۔ تو یہ ترقی فی المقصود نہیں بلکہ ترقی عن المقصود ہے۔ اس مجلس میں یہ بھی ذکر تھا کہ آجکل امریکہ میں عورتیں بال مونڈانے لگی ہیں اور بعض ننگی رہنے لگی ہیں۔ گو حکومت نے ابھی ان کو شہر میں اس حالت سے آنے کی اجازت نہیں دی مگر سنا ہے ان کی جماعت بڑھ رہی ہے۔ میں نے کہا کہ اس کا منشا بھی وہی ہے کہ ان کے نزدیک ترقی کی کوئی حد نہیں ہوتی تو انہوں نے لباس میں ترقی کی کہ اس میں نئے نئے فیشن نکالے جب لباس میں ترقی کر چکے تو اب یہ نئی بات نکالی کہ لباس سے ترقی کی یعنی لباس ہی کو چھوڑ دیا۔ اسی طرح بالوں کی زینت میں اول یوں ترقی کی کہ ان کے واسطے قسم قسم کے فیشن نکالے گئے حتیٰ کہ میموں کو صرف بالوں کے درست کرنے میں ایک بال کو الگ کرنے میں کئی گھنٹے روزانہ صرف کرنا پڑتے تھے۔ جب اس کی کوئی حد نہ رہی تو اب بال منڈوانے لگیں۔ مگر اس کا یہ اثر ہوا کہ سر کے بال مونڈنے سے عورتوں کے منہ پر داڑھی نکلنے لگی ہے اب تو بڑی گھبرائیں اور بال منڈوانا چھوڑ دیا اب سنا ہے کہ مردوں کی طرح پٹھے رکھنے لگی ہیں۔ اب دیکھئے اس میں کیا بات نکلتی ہے اگر اس میں کوئی بات نکل آئی تو نہ معلوم پھر کیا صورت اختیار کریں گے۔ تو یہ کچھ ترقی ہے ہرگز نہیں بلکہ وبال جان ہے کیونکہ جس شخص کی ترقی کی کوئی حد ہی نہ ہو کسی وقت بھی مطمئن نہیں بلکہ ہر قدم پر پریشان ہے چنانچہ اخباروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اب بعض اہل سائنس چاند میں جانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ بقول بعض ان کا یہ خیال ہے کہ وہاں جا کر سلطنت کرینگے اس کا منشا بھی وہی ہے کہ ان کے نزدیک ترقی کی کوئی حد نہیں۔ کیونکہ اگر اس سے ان کو محض تحقیق علمی مقصود ہے سلطنت مقصود نہیں تب بھی یہ تجاوز عن الحد ہے اس لئے کہ شمس و قمر سے جو مصالح متعلق ہیں وہ ان تحقیقات پر موقوف نہیں

بدون اس تحقیق کے بھی وہ منافع ہم کو پہنچ رہے ہیں پھر غیر مقصود کے درپے ہوتا تجاوز عن الحد نہیں تو کیا ہے؟ اور اگر یہ مقصود ہے کہ چاند میں پہنچ کر سلطنت کرینگے جیسا بعض کا قول ہے تب بھی یہ تجاوز عن الحد ہے کیونکہ سلطنت سے مقصود یہ ہے کہ جہاں تک ہمارے تعلقات وابستہ ہیں وہاں تک ہم دوسروں سے مامون رہیں اور دوسرے ہم سے مامون رہیں تا کہ اطمینان کے ساتھ زندگی بسر ہو اور نظام تمدن قائم رہے۔ اور ظاہر ہے کہ چاند کے کرہ میں اول تو کسی مخلوق کا آباد ہونا محقق نہیں۔ چنانچہ خود اہل سائنس کو اقرار ہے کہ کرہ قمر ویراں وغیر آباد ہے اس صورت میں وہاں جا کر آباد کیا اور پھر سلطنت کی تو اس سے کیا فائدہ یہ مخلوق اس وقت جہاں آباد ہے تم وہیں ان پر سلطنت کرو دوسری جگہ لیجانے کی کیا ضرورت ہے ہاں اگر یہ صورت ہوتی کہ زمین ان کے آباد ہونے کو کافی نہ ہوتی۔ تو خیر مگر زمین تو اس قدر وسیع ہے کہ اب بھی اس کا بہت بڑا رقبہ ویران پڑا ہوا ہے۔ اور اگر وہاں کوئی مخلوق آباد بھی ہو تب بھی یہ امر یقینی ہے کہ ہمارے تعلقات ان سے اور ان کے ہم سے وابستہ نہیں اور ہم کو ان کی طرف سے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں پھر وہاں جا کر سلطنت کی ہوس کرنا یقیناً عبث ہے اور اسی کا نام تجاوز عن الحد ہے کہ سلطنت سے جو مقصود تھا یہ لوگ اس سے آگے بڑھ رہے ہوں اول تو مجھے اسی میں کلام ہے کہ یہ لوگ کرہ قمر میں پہنچیں گے بھی یا نہیں گو میں اس کو پاگل بھی نہیں کہتا کیونکہ تدابیر میں حق تعالیٰ نے خاص اثر رکھا ہے ممکن ہے کہ تدبیر کرتے کرتے کسی دن یہ لوگ کامیاب ہو جائیں اور ہم تو جس دن یہ لوگ کرہ قمر میں پہنچ جائینگے خوش ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں گے کیونکہ اس دن ہم ملحدین کا یعنی انہی سائنس دانوں کا منہ بند کردینگے جو واقعہ معراج پر اعتراض کرتے اور اس کو محال بتلاتے ہیں خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم کو اس نے محال وخلاف عادت میں فرق بتلا دیا ہے اسی لئے ہم امریکہ والوں کی چاند میں جانے کی تدبیر محال نہیں سمجھتے یہ جہل انہی لوگوں کو مبارک ہو کہ وہ محال وخلاف عادت کو ایک سمجھتے ہیں دونوں میں فرق نہیں کرتے چنانچہ معراج کے محال ہونے کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ اوپر ایک طبقہ ایسا ہے جہاں ہوا نہیں ہے اس میں کوئی متنفس زندہ نہیں رہ سکتا۔ مگر اس سے استحالہ لازمی نہیں آیا صرف مستبعد لازم آیا کیونکہ انسان کے لئے تنفس عقلاً لازم نہیں صرف عادۃً لازم ہے عقلاً یہ ممکن ہے کہ انسان بدون تنفس کے زندہ رہے۔ اور زیادہ نہیں تو کچھ عرصہ تک

تو بدون تنفس کے زندہ رہنا مشاہد ہے جن لوگوں کو حبس دم کی مشق ہے وہ کئی روز تک اور بعضے کئی مہینوں تک حبس دم کیے رہتے ہیں۔ اور زندہ رہتے ہیں۔ پس انسان کا اس طبقہ میں جہاں ہوا نہیں ہے زندہ رہنا عقلاً ممکن ہے گو عادۃً مستبعد ہے اور معجزہ تو خارق عادت ہوتا ہی ہے اگر معجزہ خارق عادت نہ ہو تو معجزہ ہی کیا ہوا۔

معراج ایک خرق عادت واقعہ ہے

اور اہل اسلام جو حضور ﷺ کے لئے معراج کے قائل ہیں بطور اعجاز وخرق عادت ہی کے قائل ہیں۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ تنفس کیلئے مکث طویل کی ضرورت ہے۔ تھوڑی سی دیر کے لئے تنفس لازم نہیں۔ بس اگر اس کے قائل ہوں کہ حضور ﷺ اس طبقہ میں بہت دیر تک ٹھہرے ہیں جب تو ہم پر یہ اشکال وارد ہو سکتا ہے کہ بدون تنفس کے آپ وہاں کیونکر زندہ رہے مگر جو شخص معراج کا قائل ہے وہ آپ کے لئے سرعت سیر کا بھی قائل ہے پس اگر ہم یوں کہیں کہ حضور ﷺ اس طبقہ سے ایک منٹ میں پار ہو گئے تھے۔ تو بتلائے اب کیا اشکال رہا۔ اور جب معراج خود خرق عادت ہے اور عادت سے بہت بعید ہے تو اگر اس کے مقدمات میں جو اس قدر بعید بھی نہیں ہم خرق عادت کے قائل ہوں تو کیا بُعد ہے۔ حضرت صدیقؓ نے کفار کو یہی جواب دیا تھا جب حضور ﷺ نے شب معراج کی صبح کو یہ واقعہ بیان فرمایا کہ رات مجھ کو سموات کی معراج ہوئی ہے۔ تو کفار دوڑے ہوئے حضرت صدیقؓ کے پاس آئے کہ تم نے اور بھی کچھ سنا ہے تمہارے دوست محمد ﷺ آج یہ دعوی کر رہے ہیں کہ ایک رات میں انہوں نے مکہ سے بیت المقدس تک اور وہاں سے ساتویں آسمان تک پہنچے اور صبح سے پہلے واپس بھی آ گئے کیا اب بھی تم ان کی تصدیق کرو گے۔ حضرت صدیقؓ نے فوراً جواب دیا کہ میں تو اس سے زیادہ عجیب بات کی پہلے ہی تصدیق کر چکا ہوں کہ آسمان والے ان کے پاس آتے ہیں۔ اور خدا کا کلام ان پر نازل ہوتا ہے اور جس کے پاس آسمان والے آتے ہوں وہ اگر آسمان پر بلا لیا جائے تو کیا تعجب ہے؟

نظیر اور دلیل میں فرق

دیکھو جس کے پاس بادشاہ خود آتا ہو اگر اس کو بادشاہ کبھی اپنے پاس بلا لے

تو کیا تعجب ہے۔ بادشاہ کے پاس کسی کا جانا تو عجیب نہیں ہاں بادشاہ کا کسی کے پاس خود آنا زیادہ عجیب ہے تو حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ اگر محمد ﷺ معراج سموات کا دعوی کرتے ہیں تو میں اس کی بھی تصدیق کرونگا۔ کیونکہ میں اس سے عجیب تر کی تصدیق پہلے ہی سے کر رہا ہوں تو حضرت صدیقؓ کے جواب کا حاصل یہی ہے کہ جب میں بُعد کا قائل ہوں تو بعید کا قائل ہونا کیا مشکل ہے اس طرح ہم کہتے ہیں کہ جب ہم حضور ﷺ کیلئے خرق عادت کے طور پر معراج کے جوکہ بعد ہے قائل ہیں تو اسی خرق عادت کے طور پر آپ کے لئے سرعت سیر کے بھی جوکہ صرف بعید ہے۔ قائل ہوں تو کیا بعد ہے اور سرعت سیر کی حالت میں نہ اس طبقہ میں جو ہوا سے خالی ہے تنفس کی ضرورت ہے نہ اس حالت میں کرہ نار سے گزرنے میں احتراق لازم آتا ہے کیونکہ احتراق کیلئے بھی مکث فی النار کی ضرورت ہے۔ اور اگر کوئی شخص بجلی کی طرح کرہ نار سے نکل جائے تو اس کا بال بھی نہ جلے گا چراغ کی لو میں جلدی انگلی نکالنے سے آگ کا ذرا بھی اثر نہیں ہوتا۔ رہا یہ سوال کہ حضور ﷺ کو یہ سرعت سیر کیونکر میسر ہوئی اس وقت تو ریل اور ہوائی جہاز اور موٹر بھی ایجاد نہ ہوئے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چیزیں دنیا والوں کے پاس ایجاد نہیں ہوئی تھیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے یہاں ان سے بھی زیادہ سریع السیر آلات موجود ہیں چنانچہ حدیثوں میں مصرح ہے کہ آپ کو براق پر سوار کر کے معراج کرائی گئی۔ اور براق ایک تیز رو سواری ہے جس کا قدم اس کی مسافت بصر پر پڑتا تھا۔ بہرحال معراج میں استحالہ کی کوئی بات نہیں ہاں استبعاد ضرور ہے اور یہ ہم کو مضر نہیں بلکہ معجزات کے لئے استبعاد تو ضروری ہے ورنہ اعجاز ہی نہ ہوگا۔ مگر آج کل کے سائنس دان علوم عقلیہ سے بالکل بے بہرہ ہیں کہ محال و مستبعد میں بھی فرق نہیں کرتے۔ اسی طرح نظیر اور دلیل میں بھی فرق نہیں کرتے آج کل یہ بھی عجیب جہل ہے کہ مدعی سے نظیر کا مطالبہ کیا جاتا ہے حالانکہ مدعی کے ذمہ صرف دلیل قائم کرنا ہے نظیر تو دعوی کی توضیح کر دیتی ہے اس سے اثبات مدعی نہیں ہوتا مگر نو تعلیم یافتہ جماعت نظیر ہی کو ثبوت سمجھتی ہے۔

فضول کاموں میں جان دینا ایک فضول حرکت ہے

غرض یہ لوگ اگر کرہ قمر میں پہنچ جائیں تو ہم تو خوش ہوں گے۔ مگر ہاں اس احتمال

سے کہ شاید وہاں جا کر ہلاک و برباد ہوں۔ ہمدردی انسانی کی وجہ سے جی کڑھتا ہے اور دل یہ چاہتا ہے کہ ان کو رستہ ہی نہ ملے تو اچھا ہے کیونکہ چاند کی خاصیت ابھی تک محقق نہیں ہوئی اس میں کشش کا وہ مادہ بھی ہے یا نہیں جو زمین میں ہے۔ کیونکہ حکماء کا اس پر اتفاق ہے کہ زمین پر انسان وغیرہ کا استقرار اسو جیسے ہے کہ اس میں کشش کا مادہ ہے اگر یہ مادہ نہ ہوتا تو آدمی کا زمین پر رہنا اور دوسرے کرات میں نہ چلا جانا ترجیح بلا مرجح ہے۔ آسانی کے لئے یوں سمجھئے کہ زمین کی اور اس پر رہنے والی مخلوق کی یہ صورت ہے کہ سب کے قدم تو زمین پر جمے ہوئے ہیں مگر سر کسی کا اوپر کو ہے اور کسی کا دوسرے کے اعتبار سے نیچے کو ہے۔ اس کے صورت میں یقیناً اگر زمین میں کشش کا مادہ نہ ہوتا تو انسان و حیوانات کا اس پر مستقر ہونا سخت دشوار ہوتا۔ اور قمر میں مادہ کشش کا ہونا اب تک سائنس والوں کو بھی محقق نہیں ہوا۔ بس یہ لوگ دور سے ہی حساب لگا رہے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہیں ان کے حساب کی وہی مثال نہ ہو جو بنئے کو حساب کی ہوئی تھی کہ لیکھا جوں کا توں کنبہ ڈوبا کیوں مگر آج کل اس پر بھی فخر ہے کہ جس نے تحقیق میں جانیں دی ہیں حالانکہ فضول باتوں میں جان دینا ایک فضول حرکت ہے۔ تمہارے جان دینے پر جب کوئی ثمرہ مرتب نہ ہوا تو اس پر فخر کرنا ایسا ہے جیسے کوئی سنکھیا کھا کر جان دے اور فخر کرے کہ میں بڑا بہادر ہوں مگر اس کو کوئی بہادری نہیں کہتا بلکہ حماقت کہتے ہیں۔ اسی طرح ان فضول تحقیقات کے پیچھے جان دینا ہمارے نزدیک تو حماقت ہی حماقت ہے۔ صاحبو! یہ جان آپ کی نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی امانت ہے اس کو بدون خدا کے حکم کے صرف کرنا جائز نہیں اور اسی بناء پر خودکشی سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا. اپنی جانوں کو ہلاک نہ کرو بیشک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے۔ اہل اللہ کو یہ مسئلہ پوری طرح منکشف ہو گیا ہے کہ یہ جان ہماری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی چیز ہے اس لئے وہ اپنی جان کی بہت حفاظت کرتے ہیں۔ اور کوئی کام بدون رضائے خدا کی نیت کے نہیں کرتے۔ چنانچہ ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہاں اللہ تعالیٰ جان دینا پسند کرتے ہیں تو وہ سب سے زیادہ جان دینے میں دلیر ہوتے ہیں۔ اور جب یہ معلوم ہو کہ یہاں جان دینا خدا کو پسند نہیں تو وہ سب سے زیادہ اپنی جان کی حفاظت

کرتے ہیں لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کو اپنے جسم وروح سے بہت محبت ہے حالانکہ حقیقت میں ان کو خدا سے محبت ہے اور اس وجہ سے خدا کی ہر چیز سے محبت ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است ☆ افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

مجھ کو اپنی آنکھوں پر ناز ہے کہ انہوں نے تیرے جمال کو دیکھا ہے اور اپنے پاؤں پر رشک کرتا ہوں کہ وہ تیرے کوچے میں پہنچے ہیں۔

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را ☆ کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

ہر گھڑی اپنے ہاتھوں کو ہزار بوسہ دیتا ہوں کہ انہوں نے تیرا دامن پکڑ کر میری طرف کھینچا ہے۔

ان کو اپنے اعضاء سے محض اس لئے محبت ہے کہ یہ خدا کی امانتیں ہیں اور ان کے ذریعہ سے مرضیات الٰہیہ کی تعمیل ہوتی ہے اور کوئی وجہ نہیں صاحبو! آج جو خیال امریکہ والوں کے دماغ میں آیا ہے کہ چاند میں پہنچنا چاہیے یہ خیال پہلے بھی بعض سلاطین کو ہوا ہے چنانچہ فرعون نے آسمان پر چڑھنے کا ارادہ کیا تھا۔ قال فرعون یاھامان ابن لی صرحا لعلی ابلغ الاسباب اسباب السموات فاطلع الی الہ موسی۔ فرعون نے کہا اے ہامان میرے واسطے ایک اونچا محل بنا شاید میں رستوں میں پہنچ جاؤں آسمان کے رستوں میں جھانک کر دیکھوں موسیٰ کے خدا کو۔ پھر یہ معلوم نہیں کہ اس نے اس ارادہ کے بعد تدابیر کا اہتمام کیا یا نہیں اور کیا تدبیر کی اسی طرح نمرود کو خیال ہوا تھا اور اس نے تدبیر بھی کی جیسا کہ سیر میں مذکور ہے کہ اس نے چار کرگس پالے اور کرگس بڑا مضبوط جانور ہے پھر ان کو تخت کے چاروں پایوں سے منسلک کیا اور چاروں پایوں پر چار بانس باندھے اور ان کے سروں پر گوشت لٹکا دیا کرگس گوشت کو دیکھ کر تخت کو لے آڑے اور بہت دور تک میلوں اڑے چلے گئے یہ پہلی منزل تھی اگر اس کے بعد دوسرے سلاطین بھی ارادہ کرتے تو اس میں ترقی کر لیتے اور کوئی اس سے بھی سہل تدبیر نکالتے مگر سب نے اس کو فضول سمجھا اسی لئے سلاطین اسلام نے اس کا کبھی قصد نہیں کیا کیونکہ وہ لغو اور فضول سمجھتے تھے۔ اور اسلام نے لغو سے منع کیا ہے۔ والذین ھم عن اللغو معرضون اور جو لوگ لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔ گو لغویات میں جہنم کا عذاب نہ ہو مگر منع ضرور ہے اسی لئے ایک بزرگ تیس برس تک اس وجہ سے

روئے کہ ان کی زبان سے ایک فضول کلمہ نکل گیا تھا۔ حدیث میں ہے من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ (مجمع الزوائد ۸:۱۸-کنز العمال ۳:۸۲۹۱) آدمی کے کمال اسلام کی علامت یہ ہے کہ وہ فضول وعبث سے احتراض کرے۔ اسی لئے ہم دعوی کرتے ہیں کہ رسول ﷺ کا کوئی فعل وقول خالی عن الحکمۃ نہیں ہوتا گو کسی فعل میں ہم کو حکمت معلوم نہ ہو تو ہمارے عمل وعلم سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع میں بھی وہاں حکمت نہیں۔

حضور ﷺ کے مزاح میں حکمت

مثلاً حضور ﷺ مزاح فرماتے تھے اس میں بھی حکمت تھی۔ ایک حکمت تو تطیب قلوب اصحابہ تھی۔ اور دوستوں کا دل خوش کرنا بھی عبادت ہے میں نے اپنے استاد مولانا فتح محمد صاحبؒ سے سنا ہے کہ ایک دفعہ وہ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کی خدمت میں دیر تک بیٹھے رہے اور باتیں کرتے رہے جب اٹھنے لگے تو حضرت سے عرض کیا کہ آج میں نے حضرت کا بہت وقت ضائع کیا حضرت کی عبادت میں خلل ڈالا حاجی صاحب نے فرمایا کیا نفلیں ہی پڑھنا عبادت ہے۔ دوستوں سے باتیں کرنا عبادت نہیں؟ یہ تم نے کیا کہا کہ وقت ضائع کیا نہیں بلکہ یہ سارا وقت عبادت ہی میں گزرا اسی طرح حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ صبح کی نماز کے بعد بعض دفعہ مصلے پر بیٹھے رہتے تھے اور اشراق کے وقت تک دوستوں سے باتیں کرتے تھے۔ آدمی تو یہ سمجھتا ہوگا۔ کہ یہ وقت عبادت سے خالی گزرا مگر مولانا اس کو بھی عبادت میں مشغول سمجھتے تھے۔ کیونکہ تطیب قلب مومن بھی عبادت ہے۔ بس ایک حکمت تو حضور ﷺ کے مزاح میں یہ تھی دوسری حکمت وہ تھی جو مجھے خواب میں بتلائی گئی۔ میں نے شباب میں خواب دیکھا تھا کہ ملکہ وکٹوریہ ایک ایسی سواری میں سوار ہے جس میں نہ انجن ہے نہ گھوڑا ہے نہ بیل۔ اس وقت تو میں اس سواری کی حقیقت کو نہیں سمجھا تھا۔ مگر اب موٹر کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ وہ سواری لاری موٹر کی شکل تھی اور میں نے دیکھا کہ ملکہ سوار تھی تھانہ بھون کی گلیوں اور سڑکوں میں پھر رہی ہے پھر تھوڑی دیر کے بعد میں نے اپنے کو بھی اس سواری پر سوار دیکھا۔ اس وقت ملکہ نے مجھے کہا کہ مجھے حقانیت اسلام میں اور کوئی شبہ نہیں صرف ایک بات کھٹکتی ہے۔ اگر وہ حل ہو جائے تو پھر اسلام کے حق

ہونے میں مجھے کوئی اشکال نہ رہیگا میں نے کہا آپ بیان کیجئے۔ وہ کیا شبہ ہے۔ کہا حدیث میں آتا ہے کہ رسول ﷺ مزاح بھی فرماتے ہیں۔ اور مزاح وقار کے خلاف ہے اور نبی کیلئے باوقار ہونا ضروری ہے یہ اشکال سلاطین ہی کے مذاق کے مناسب ہے کیونکہ وقار وخودداری کا سب سے زیادہ اہتمام انہی کو ہوتا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ رسول ﷺ کے مزاح میں ایک بڑی حکمت تھی۔

دبدبہ سرور دو عالم ﷺ

وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رعب جلال اس درجہ فرمایا تھا کہ ہرقل وکسریٰ اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے آپ کے نام سے تھراتے تھے۔ حدیث میں ہے نصرت بالرعب مسیرۃ شھر (سنن النسائی' الجھاد ب ۱-مسند احمد ۲:۲۶۸) کہ اللہ تعالیٰ نے میری مدد رعب سے بھی کی ہے جو ایک مہینہ کی مسافت تک پہنچا ہوا ہے یعنی اس مخلوق پر بھی آپ کا رعب طاری تھا جو بقدر ایک مہینہ کی مسافت کے آپ سے دور تھے۔ پاس والوں کا تو کیا ذکر اور حضور تو بڑی چیز ہیں حضور ﷺ کے غلامان غلام کے نام سے بھی سلاطین کانپتے تھے۔ جیسے حضرت عمرؓ وحضرت خالدؓ اور یہ معلوم ہے کہ حضور ﷺ سلطان نہ تھے بلکہ رسول بھی تھے اور رسول کا کام یہ ہے کہ امت کی ظاہری باطنی اصلاح کرے جس کے لئے افادہ واستفادہ کی ضرورت ہے اور افادہ واستفادہ کی شرط یہ ہے کہ مستفیدین کا دل مربی سے کھلا ہوا ہوتا کہ وہ بے تکلف اپنی حالت کو ظاہر کر کے اصلاح کر سکیں اور جس قدر رعب وجلال خداتعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا وہ صحابہؓ کو استفادہ سے مانع ہوتا تھا۔ اس لئے حضور ﷺ گاہ گاہ اس مصلحت سے مزاح فرماتے تھے کہ صحابہ کے دل کھل جائیں اور وہ ہر وقت مرعوب رہ کر اپنے دل کو باتوں کے بیان کرنے سے رکیں اور یہ مسلم نہیں کہ مزاح خلاف وقار ہے خلاف وقار صرف وہ مزاح ہے جس میں کوئی مصلحت وحکمت نہ ہو۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضور ﷺ کے مزاح سے آپ کے وقار وعظمت میں کمی نہ آتی تھی بلکہ اس کا اثر صرف یہ تھا کہ صحابہؓ کے قلوب میں انشراح پیدا ہوتا اور وہ انقباض جاتا رہتا تھا۔ جو غایت اور رعب کی وجہ سے قلوب میں عادۃً پیدا ہوتا ہے جس کا ثمرہ یہ تھا کہ قلوب میں آپ

کی محبت جاگزیں ہوتی تھی اگر آپ مزاح نہ فرماتے تو صحابہؓ کے اوپر آپ کا خوف ہی خوف غالب ہوتا محبت غالب نہ ہوتی۔ اور جب مزاح سے آپ کی محبت غالب ہوئی تو آپ کے وقار وعظمت میں کچھ بھی کمی نہ ہوئی۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ہوگئی۔ کیونکہ پہلے تو وقار وعظمت کا منشا صرف خوف تھا اب محبت وخوف دونوں مل کر کام کرنے لگے۔ اور اگر کوئی یوں کہے کہ مزاح سے تو خوف زائل ہوجاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہاں ہوتا ہے، جہاں مزاح کرنے والے میں شان رعب کم ہو اور وہ مزاح بکثرت کرے اور اگر شان رعب بہت زیادہ ہو جیسا کہ حضور ﷺ کی بابت احادیث میں وارد ہے اور مزاح بھی کثرت سے نہ ہو تو اس صورت میں مخاطب بے خوف نہیں ہوسکتا چنانچہ مشاہدہ اس کی دلیل ہے اور احادیث سے معلوم ہوسکتا ہے کہ حضرات صحابہؓ کے قلوب میں حضور ﷺ کی عظمت کس قدر تھی اور جب کبھی کسی بات پر آپ کو غصہ آ گیا تو صحابہ کی کیا حالت ہوتی تھی۔ کہ حضرت عمرؓ جیسے قوی القلب شجاع بھی تھراجاتے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عاجزانہ التجا کرنے لگتے تھے۔ اس جواب کے بعد ملکہ نے کہا کہ اب میرا اطمینان ہوگیا! اور اب مجھے حقانیت اسلام میں کوئی شبہ نہیں رہا یہ گفتگو اس پر چلی تھی کہ میں نے کہا تھا کہ ہم دعوی کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کا کوئی قول وفعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ حضور ﷺ تو بڑی چیز ہیں میں کہتا ہوں کہ حضور ﷺ کے غلامان بھی کوئی فعل عبث نہیں کرتے ان کے ہر فعل میں نیت صالح ہوتی ہے اور اگر کسی فعل میں کوئی خاص نیت نہ ہو۔

اظہار عبدیت شرعاً مطلوب ہے

کیونکہ بعض دفعہ ہر فعل میں نیت تراشنا مشکل ہوتا ہے تو اس میں اظہار عبدیت کی حکمت ہوتی ہے۔ کہ ہم ایسے عاجز ہیں کہ ہم سے نیت صالحہ بھی نہیں ہوسکتی اور اظہار عبدیت شرعاً مطلوب ہے رسول ﷺ نے محض اظہار عبدیت کیلئے بھی بعض افعال کئے ہیں چنانچہ کھانا کھا کر آپ اول خدا کی حمد فرماتے تھے۔ الحمدللہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین۔ (سنن الترمذی ۳۳۹۶-الصحیح المسلم' الذکر والدعاء ۶۴) تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہم کو کھانا کھلایا۔ اس کے بعد فرماتے

غیر مودع ولامکفی ولامستغنی عنه ربنا. اے اللہ ہم اس کھانے کو ہمیشہ کے لئے رخصت نہیں کرتے۔ بلکہ دوسرے وقت پھر اس کی طلب کرینگے۔ اور نہ اس کی بیقدری کی گئی ہے۔ بلکہ پیٹ بھرنے کے بعد بھی ہم اس کے ویسے ہی قدردان ہیں جیسے بھوک کی حالت میں تھے۔ اور نہ اس سے ہم کو استغناء ہوا ہے بلکہ ہر حال میں اس کے محتاج ہیں مگر اس وقت دسترخوان اس لئے اٹھا دیا گیا کہ اب گنجائش نہیں رہی۔ اب کہاں ہیں اہل طامات وشطحیات جو جنت سے بھی بے پرواہ بنتے ہیں کہ ہم کو نہ جنت کی پرواہ ہے نہ دوزخ کا خوف ہے ارے تمہارے رسول تو روٹی کے دو لقموں کا بھی اپنے کو محتاج فرماتے ہیں تم جنت جیسی نعمت سے مستغنی کس طرح ہو گئے۔ موسیٰؑ کو جس وقت بھوک لگی ہے تو وہ فرماتے ہیں رب بما انزلت الی من خیر فقیر. وہ بھی اپنے کو روٹیوں کا محتاج اور فقیر ظاہر کرتے تھے کیا تم انبیاء سے بھی بڑھ گئے کہ دنیا کی نعمتوں سے گزر کر آخرت کی نعمتوں سے بھی بے پرواہ اور مستغنی ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت سے اظہار استغناء منافی ادب ہے

ان لوگوں میں ادب نہیں ہے اگر ادب ہوتا تو حق تعالیٰ کی کسی نعمت سے بھی استغناء ظاہر نہ کرتے ان کی بے ادبی کی یہ حالت ہے کہ ایک ظالم نے میرے سامنے یہ بات کہی کہ آج تو نعوذ باللہ نعوذ باللہ اللہ میاں کی ناک دکھ رہی ہے میں نے کہا کمبخت کیا بکتا ہے تو آپ نے یہ تاویل کی کہ ہر چیز تو خدا ہی کی ہے زمین بھی آسمان بھی تم بھی میں بھی۔

تو میری ناک بھی اللہ ہی کی ہے میں نے کہا سبحان اللہ۔ اگر یہی تاویل ہے تو کل تو تم یوں بھی کہو گے کہ اللہ میاں کی بیوی مر گئی۔ نعوذ باللہ منہ اگر کبھی تمہاری بیوی مر جائے اور اپنے بیٹے کو کہہ دینا کہ یہ اللہ کا بیٹا ہے پھر یہود ونصاریٰ کو جو اللہ تعالیٰ نے اس بات پر دھمکایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کیلئے بیوی اور بچے تجویز کرتے تھے۔ یہ سب لغو ہی ہو جائے گا اور اگر یہود ونصاریٰ کا وہ قول کفر ہے تو تمہارا قول کفر ہے تو تمہارا یہ قول بھی کفر ہے۔ آخر ادب بھی کوئی چیز ہے یا نہیں شریعت میں تو ادب کلام کی اس قدر رعایت ہے کہ حضرت موسیٰ نے ایک سائل کے جواب میں جس نے سوال کیا تھا من اعلم الناس الیوم آج کل سب سے بڑا عالم کون ہے بلاقید کے یہ فرمادیا تھا انا اعلم کہ میں سب سے بڑا عالم

ہوں۔ تو اس لفظ پر عتاب ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا حالانکہ بظاہر موسیٰ کا کلام بالکل صحیح تھا کیونکہ مقصود ان کا یہی تھا کہ علم شرائع واحکام میں سب سے زیادہ اس وقت عالم ہوں اور ظاہر ہے کہ موسیٰؑ سے بڑا نبی اس وقت کوئی نہ تھا جتنے انبیاءؑ اس وقت تھے سب ان کے تابع تھے۔ بلکہ ان کے بعد بھی ہزار برس سے زیادہ تک جملہ انبیاءؑ شریعت موسویہ ہی کے تابع ہوئے۔

علم خضر علیہ السلام کی مثال

اور علم خضر کی مثال ان کے سامنے ایسی تھی جیسے وائسرائے کے علم کے سامنے کوتوال کا علم کہ جزئیات ووقائع کا علم کوتوال کو وائسرائے سے زیادہ ہوتا ہے مگر اصول سلطنت اور کلیات قانون کے علم میں وائسرائے کی برابر کوئی حاکم بھی نہیں ہوتا۔ خضرؑ کا مرتبہ علم باطن میں بھی موسیٰؑ سے بڑھا ہوا تھا کیونکہ علم باطن بھی شریعت ہی کا ایک جزو ہے کیونکہ شریعت نام ہے مجموعہ احکام ظاہرہ وباطنہ کا اور علم باطن کی حقیقت احکام باطنہ ہے اور جب یہ بھی علم شریعت ہی کا جزو ہے تو یقیناً موسیٰ اس میں خضرؑ سے اکمل تھے کیونکہ موسیٰ انبیاء اور اولوالعزم سے ہیں۔ اور خضرؑ کی نبوت خود مختلف فیہ ہے اور نبی کے لئے علم شرائع میں غیر نبی سے اور اس طرح اس شخص سے بھی جس کی نبوت مختلف فیہ ہے کامل ہونا ضروری ہے پس خضرؑ سے علم باطن میں بھی موسیٰ اکمل تھے اور یہ میں نے اس لئے بیان کر دیا کہ اس میں بہت لوگوں کو دھوکہ ہو گیا ہے بعض لوگ خضرؑ کو علم باطن میں موسیٰ سے افضل سمجھتے ہیں اور غضب یہ ہے کہ بعض علماء بھی اس غلطی میں مبتلا ہو گئے مگر یہ علماء وہ ہیں جو صرف اہل ظاہر ہیں جنہوں نے علم باطن کی حقیقت کو نہیں سمجھا ان کو دھوکہ اس سے ہوا کہ قرآن میں جو وقائع خضرؑ کے مذکور ہیں جس کی حقیقت موسیٰ کو ابتداء میں معلوم نہیں ہوئی ان حضرات نے ان واقعات کو علم باطن کی قبیل سے سمجھا ہے حالانکہ ان کو علم باطن سے کچھ تعلق نہیں بلکہ ان کا تعلق صرف کشف کونی سے ہے اور کشف کونی ہی میں خضر سے بڑھے ہوئے تھے اور کشف کونی کو علم موسیٰ سے کچھ بھی نسبت نہیں اس کی مثال بالکل وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ کوتوال کو شہر کے واقعات وحالات کا علم وائسرائے سے زیادہ ہوتا ہے مگر اس سے کوتوال کا درجہ وائسرائے سے نہیں بڑھ جاتا کیونکہ

اس علم کو اس علم سے کچھ بھی نسبت نہیں جو وانسرائے کو حاصل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ علم ظاہر اور علم باطن اور کشف الٰہی میں جس سے اسرار و حکم معلوم ہوتے اور معرفت ذات وصفات میں ترقی ہوتی ہے۔ موسیٰ ہی افضل تھے صرف کشف کونی میں جس کو قرب حق میں کچھ بھی دخل نہیں گو بعض مقربین کو عطا ہو جاتا ہے۔ خضرؑ بڑھے ہوئے تھے اور اوپر معلوم ہو چکا کہ اُس علم کو موسیٰ کے علم سے کچھ بھی نسبت نہ تھی۔ مگر چونکہ ظاہر میں یہ بھی ایک علم ہے اور لذیذ علم ہے جس میں عجیب وغریب تماشے نظر آتے ہیں۔ اور اسی لئے حضور ﷺ نے یہ فرمایا کہ کاش موسیٰ کچھ اور صبر فرماتے تا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے ان کے اور واقعات بیان فرماتے تو حضور ﷺ کے اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں کہ کشف کونی علم موسیٰ سے بڑھا ہوا ہے بلکہ یہ تمنا آپ نے اس لئے کہ کہ اس علم سے عجائبات عالم کا انکشاف زیادہ ہوتا ہے پس اس کے علم ہونے میں اور عجیب ہونے میں کلام نہیں۔ اس واسطے موسیٰ کو بلا قید انا اعلم نہ فرمانا چاہیے تھا۔ بلکہ احتمال ہونا چاہیے تھا کہ شاید کسی دوسرے علم میں گو وہ میرے علم سے کمتر ہی ہو کوئی دوسرا بڑھا ہوا ہو اور اس احتمال کی رعایت کر کے انا اعلم کو قید کے ساتھ مقید کرنا چاہیے تھا کہ انا اعلم بالشرائع مثلاً باوجود یہ کہ ان کی مراد مطلق سے مقید ہی تھی اور ان کے علم کے سامنے دوسرے علوم کی کچھ حقیقت بھی نہ تھی۔ موسیٰ پر اطلاق کلام کی وجہ سے عتاب ہوا اور ادب کی تعلیم کا اس درجہ اہتمام کیا گیا کہ ان کو خضرؑ کی شاگردی کا حکم ہوا۔ جس کے واسطے مجمع البحرین تک سفر کرنا پڑا اور خضرؑ سے درخواست کرنا پڑی۔ **هل اتبعك على ان تعلمن مما علمت رشدا**۔ اگر آپ کہیں تو آپ کے ساتھ رہوں اس بات پر کہ مجھے سکھلا دیں جو کچھ آپ کو بھی راہ بتلائی گئی ہے۔ بزرگوں نے اس سے یہ ادب مستنبط کیا ہے کہ کسی شخص کے ساتھ رہنے کے لئے بھی اس سے اجازت لینی چاہیے جیسا کہ موسیٰ نے خضرؑ سے اجازت طلب کی اس پر خضرؑ نے جواب دیا **انك لن تستطيع معي صبرا**۔ آپ میرے ساتھ ٹھہر نہ سکیں گے۔ کہ آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکیں گے۔ **وكيف تصبر على مالم تحط به خبرا**۔ اس میں ساتھ نہ رہ سکنے کی وجہ بتائی ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے افعال کے اسباب ومناشی کا آپ کو علم نہ ہوگا۔

اور ظاہری صورت ان کی منکر ہوگی تو آپ سے اس پر کیوں کر صبر ہوگا۔ موسیٰ نے اس پر صبر کا وعدہ کیا اور خضرؑ نے اس شرط سے ان کو ساتھ رکھنا منظور فرمایا کہ میں جو کچھ بھی کروں اس کے متعلق مجھے کچھ باز پرس نہ کی جائے جب تک میں خود ہی اس کی وجہ نہ بتلادوں۔ موسیٰ نے اس کو منظور کیا اور ساتھ ہو لئے پھر انہوں نے راستے میں اول ایک کشتی کا تختہ اکھاڑ دیا پھر ایک لڑکے کو جان سے مار ڈالا موسیٰ نے بے ساختہ اس پر باز پرس کی کہ یہ کیا حرکت ہے کہ تم نے ایک معصوم بچہ کو جان سے ناحق مار ڈالا خضرؑ نے وعدہ یاد دلایا کہ آپ نے وعدہ خلافی کی میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ آپ سے صبر نہ ہوگا۔ موسیٰ نے فرمایا کہ اب سے اگر وعدہ خلافی کروں تو مجھ کو ساتھ نہ رکھئے گا۔ اس کے بعد موسیٰ نے پھر ایک بات پر باز پرس کی اور خضرؑ نے فرمایا هذا فراق بيني وبينك اور ایسی بات کو دیکھ کر جس کا سمجھنا تمہارے قابو میں نہیں کیونکر ٹھہرو گے میرے اور تمہارے درمیان اب جدائی ہے۔ اور اس کے بعد اپنے سب افعال کی حقیقت ظاہر کی جس کا مفصل ذکر قرآن میں مذکور ہے۔

علم باطن کے شرائط وآداب

یہاں سے بزرگوں نے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ شیخ پر مواخذہ وانکار پر عجلت نہ کرنا چاہیے۔ ورنہ اس کا نتیجہ وہی ہوگا جو اس قصہ میں ہوا کہ شیخ بھی خضرؑ کی طرح کہہ دے گا ہذا فراق مولانا فرماتے ہیں

گر خضر در بحر کشتی را شکست ☆ صد درستی در شکست خضر ہست

اگر خضرؑ نے سمندر میں کشتی توڑ دی تو خضرؑ کے کشتی توڑنے میں سینکڑوں درستگی ہیں۔

صبر کن در کار خضر ای بے نفاق ☆ تا نگوید خضر رو ہذا فراق

اے بے نفاق خضرؑ کے کام میں بھی صبر کرتا کہ خضر علیہ السلام اس راہ میں نہ کہہ دیں کہ یہ جدائی ہے۔

مولانا کے اس کلام کا یہ مطلب نہیں کہ خضرؑ باطن میں موسیٰ علیہ السلام سے کامل تھے بلکہ تشبیہ شیخ کو خضرؑ قرار دے کر کلام فرما رہے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب علم خضر میں جو علم باطن یعنی موسیٰ کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا اس قدر شرائط وآداب ہیں کہ علم باطن میں جو اس سے افضل ہے ضرور ان آداب کی رعایت کرنا چاہیے۔ مگر آج کل لوگ ذرا ادب نہیں

کرتے اور یوں تاویل تو ہر بات میں ہو سکتی ہے۔ لطیفہ میں ایک شخص نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ میں تو آپ کو بجائے باپ ہی کے سمجھتا ہوں۔ یقیناً یہ شخص گستاخ نالائق نہ تھا۔ گو یہ تاویل وہ بھی کرسکتا تھا کہ لفظ بجائے زائد ہے جیسے پیشوائے چو مصطفیٰ داریم میں حرف تسبیہ زائد ہے بہرحال ہماری ہر چیز خدا کی ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ بے ادبی کرنے لگو اور بے ادبی کو جائز سمجھ کر اپنی ناک کو خدا کی ناک اور اپنی بیوی کو خدا کی بیوی کہنے لگو نعوذ باللہ من ذالک۔

ممانعت قتل نفس کی حکمت

میں یہ کہہ رہا تھا کہ جو لوگ فضول تحقیقات کے پیچھے جان دینے کو بہادری سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں کیونکہ جان تمہاری نہیں بلکہ خدا کی چیز ہے جس میں بدون اجازت کے تصرف جائز نہیں اور ممانعت قتل نفس کی حکمت فقط رحمت ہی نہیں بلکہ یہ وجہ بھی ہے کہ ہماری جان ہماری نہیں۔ بس اب اگر کسی مسلمان کو چاند میں جانے کا خیال ہوا تو اس کو علماء سے استفتاء کرنا واجب ہوگا۔ اس پر مفتی یہ سوال کرے گا کہ اس سفر میں خطرہ تو یہ تو نہیں اس کے جواب میں مستفتی یہ خطرات بیان کریگا کہ نہ معلوم چاند میں کشش ہے یا نہیں اگر کشش نہ ہوئی تو ہم وہاں پہنچ کر بھی اس پر قرار نہیں پکڑ سکتے۔ خدا جانے کہاں گر پڑیں اور نہ معلوم اس کی سردی کا تحمل ہو سکے گا یا نہیں اس پر مفتی کہے گا کہ جب اس سفر کا نفع تو موہوم اور غیر ضروری اور خطرہ غالب تو یہ سفر حرام ہے۔ **فقد قال اللہ تعالی و لاتقتلوا انفسکم ان اللّٰہ کان بکم رحیماوقال ایضاً و لاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ** آپس میں خون نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے۔ اپنے آپ کو خود سے ہلاکت میں مت ڈالو۔ اس جواب کا حاصل یہی ہے کہ شریعت میں ترقی کی حد ہے اور یہ کہ انسان کی جان اس کی ملک نہیں کہ اس میں جو چاہے تصرف کرے۔

آجکل کی ترقی کا منشاء

آجکل جو لوگ ترقی ترقی پکارتے ہیں ان کی ترقی کا منشاء یہ ہے کہ وہ اپنی جان کو اپنی ملک سمجھتے ہیں خدا کی چیز نہیں سمجھتے دوسرے ان کے یہاں ترقی کی کوئی حد نہیں بعض

لوگ قطب جنوبی کی تحقیق کو گئے اور بہت آدمی اس خبط میں ہلاک ہو گئے بھلا یہ بھی کچھ عافیت ہے بلکہ یہ تو آفت ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس میں یہ نفع ہے کہ ہمارا نام ہوگا میں کہتا ہوں اگر اس سے تم کو کیا نفع ہوا تم تو ہلاک ہو کر نہ معلوم جہنم کے کس طبقہ میں ہو گے۔ پیچھے اگر نام ہوا بھی تو تم کو کیا فائدہ جیسے بعض لوگ جائداد حرام وحلال سے جمع کر کے چھوڑ جاتے ہیں تاکہ اولاد کے کام آئے میں کہتا ہوں اولاد کے کام آنے سے تم کو کیا فائدہ ہوگا۔ تم جہنم میں جلتے ہو گے اور اولاد گلچھرے اڑاتی ہوگی۔ اب بتلاؤ نام سے کیا فائدہ ہوا اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ نام بھی تو مطلوب ہے چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے اس کے لئے دعا فرمائی ہے واجعل لی لسان صدق فی الاخرین، اور میرے لئے پیچھے آنے والے آدمیوں میں نیک نامی باقی رکھئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ

کار بوزینہ نیست نجاری   بندر کا کام ترکھان کا نہیں ہے

بندر بھی آدمی کی نقل کیا کرتا ہے مگر اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ جو اس بندر کا ہوا تھا جس نے بڑھئی کی نقل کی تھی کہ اس کا سارا سرمایہ کھونٹی نکالنے سے دو لکڑیوں کے بیچ میں پھنس گیا اور وہ لگا چیخنے چلانے ادھر سے بڑھئی آ گیا اس نے بھی خوب مرمت کی۔ صاحبو! ابراہیمؑ پر تم اپنے کو قیاس نہ کرو ورنہ تمہاری مثال اس بندر جیسی ہوگی۔ حضرت ابراہیمؑ نے جو نیک نام کی تمنا کی ہے اس کا منشا یہ تھا کہ اس طرح میرے اقوال وافعال بھی محفوظ رہیں گے اور میرا اتباع زیادہ کیا جائیگا۔ تو ثواب بھی مجھے زیادہ ملے گا اور قرب و درجات میں بھی ترقی ہوگی۔ ان کو محض شہرت مطلوب نہ تھی۔ بہرحال آج کل لوگوں میں ترقی کی بہت ہوس ہے اور مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ یورپ کی تقلید کر کے ترقی کریں۔

کورانہ تقلید کی ممانعت

مگر آج تک ان لوگوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ یورپ کی ترقی کی حقیقت کیا ہے بس انہوں نے تو ترقی کا نام سن لیا اور اندھے ہو کر ان کے پیچھے ہو لئے یہ بھی نہ سوچا کہ ترقی کی حقیقت کیا ہے۔ اور وہ ہمارے امام کو حاصل بھی ہے یا نہیں اسی کا نام کورانہ تقلید ہے اور اسی کو شریعت نے منع کیا ہے اور اسی کے بارہ میں مولانا فرماتے ہیں۔

خلق را تقلید شان بر باد داد ☆ کہ دو صد لعنت بریں تقلید باد

مخلوق ایسی تقلید سے برباد ہوئی کہ ایسی تقلید پر دو سو لعنتیں۔

بعض لوگ جو تقلید فی الاحکام کے منکر ہیں مقلدین کے مقابلہ میں مولانا کا یہ شعر پڑھ دیا کرتے ہیں کہ دیکھو مولانا نے تقلید پر لعنت فرمائی ہے مگر یہ ان کا جہل ہے مولانا نے مطلق تقلید پر لعنت نہیں فرمائی بلکہ خاص تقلید پر لعنت فرمائی ہے کیونکہ انہوں نے یوں نہیں فرمایا کہ دو صد لعنت بر تقلید باد بلکہ بریں تقلید باد فرمایا۔ جس میں اشارہ اس تقلید پر جس کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے اور اسے پہلے یہ قصہ بیان فرمایا ہے کہ ایک صوفی گدھے پر سوار ہو کر ایک خانقاہ میں پہنچے خانقاہ والے سچے متوکل تھے بلکہ رہزن طریق نام کے متوکل تھے۔ اور اس وقت ان کے یہاں کئی وقت کا فاقہ تھا۔ صوفی کو گدھے پر سوار دیکھ کر خوش ہوئے۔ کہ شکار ہاتھ لگا۔ بس اس کے گدھے کو بیچ کر دو چار دن مزے اڑائیں گے۔ چنانچہ صوفی کی خوب خاطر کی اور گدھے کو اصطبل میں بھیج دیا۔ پھر ایک آدمی کے ہاتھ بازار میں بھیج کر فروخت کرا دیا اور اس کی قیمت سے عمدہ عمدہ کھانے تیار کرائے گئے۔ رات کو کھانے کے بعد سماع شروع ہوا تو ایک شخص نے قوال سے کہہ دیا کہ یہ گانا

خر برفت وخر برفت وخر برفت

گدھا گیا اور گدھا گیا اور گدھا چلا گیا

قوال نے ایسا ہی کہا۔ کیونکہ خانقاہ والوں کو سب لطف امروزہ اسی کی بدولت تھا ان کو وجد ہونے لگا اور اس کا تکرار شروع کر دیا سب کی دیکھا دیکھی وہ درویش بھی یہی کہنے لگے۔ خر برفت وخر برفت وخر برفت۔ کچھ عرصہ کے بعد مجلس سماع ختم ہوئی اور سب لوگ پڑ کر سو رہے صبح درویش نے اپنے خادم سے کہا کہ گدھے پر زین کسو تا کہ آگے روانہ ہوں خادم نے کہا حضور گدھا تو رات ہی سے غائب ہے نہ معلوم کون لے گیا۔ درویش نے کہا ارے کمبخت تو نے رات ہی کیوں نہ اطلاع کی تا کہ تفتیش کی جاتی خادم نے کہا حضور میں تو اطلاع کرنے گیا تھا مگر جب آپ کے پاس پہنچا تو میں نے مجلس سماع میں آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا خر برفت وخر برفت وخر برفت میں سمجھا کہ حضور کو گدھے کے جانے کا کشف ہو گیا ہے۔ درویش نے کہا کمبخت مجھے تو کچھ بھی خبر نہ تھی

میں تو دوسروں کے دیکھا دیکھی کہہ رہا تھا مولانا اس تقلید کی نسبت فرماتے ہیں۔

خلق را تقلید شان برباد داد ☆ کہ دوصد لعنت بریں تقلید باد

کہ ایسی تقلید جیسی اس درویش نے کی تھی یعنی بے سمجھے اس تقلید پر مولانا لعنت فرما رہے ہیں۔

کاملین اور محققین کی تقلید کا حکم

کاملین و محققین کی تقلید کو اور حقیقت سمجھنے کے بعد جو تقلید ہو اس پر مولانا لعنت نہیں فرماتے بلکہ اس کا تو امر فرماتے ہیں۔

چوں گزیدی پیر ہین تسلیم شو ☆ ہم چو موسیٰ زیر حکم خضر رو

جب کسی کو پیر بنایا تو اس کی اطاعت ہر بات میں کرو۔ اور اس کی تو اس قدر تاکید فرماتے ہیں کہ کامل کے سامنے بولنے کو بھی منع فرماتے ہیں۔

صبر کن در کار خضر اے بے نفاق ☆ تانگوید خضر روہذا فراق

اے بے نفاق خضرؑ کے کام میں صبر کرو تاکہ خضرؑ یہ نہ کہہ دیں کہ جدائی ہے۔

قال را بگذار مرد حال شو ☆ پیش مرد کاملے پامال شو

قال کو چھوڑو، حال کے مرد بنو کسی اللہ والے کے سامنے روندے جاؤ۔

اور لقائے تو جواب ہر سوال ☆ مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

آپ کی ملاقات ہر سوال کا جواب ہے اور بغیر بحث مباحثہ کے آپ کی ملاقات سے ہر مشکل حل ہو جاتی ہے۔

اور شیخ کی سختی پر اور اسکے امتحان پر ثابت قدم رہنے کی تاکید فرماتے ہیں۔

چوں بیک زخمے گریزانی زعشق ☆ تو بجز نامے چہ مے دانی زعشق

جب تو ایک ہی زخم سے عشق سے بھاگتا ہے تو سوائے عشق کے نام کے اور کیا جانتا ہے۔

گرنداری طاقت سوزن زدن ☆ ازچنیں شیر ژیاں بس دم مزن

جب تم کو سوئی چبھنے کو برداشت نہیں تو پھر ایک شیر کا نام مت لینا۔

تو جو لوگ مولانا کے ایک شعر سے مطلق تقلید کی مذمت ثابت کرتے ہیں وہ مولانا کے اس کلام کو بھی تو دیکھیں کہ اس میں وہ کس تاکید سے تقلید کا امر فرما رہے ہیں۔ سب

مجموعہ کو ملا کر حاصل یہ نکلے گا کہ مولانا کورانہ تقلید کی مذمت فرماتے ہیں نہ اس تقلید کی جو بصیرت اور تحقیق کے ساتھ ہو چنانچہ فرماتے ہیں۔

ایک شعر کا صحیح مفہوم

کور کورا نہ مرد در کربلا ☆ تانفتی چوں حسین اندر بلا

(تم اندھے ہو کر کربلا نہ جاؤ جب تک حضرت حسینؓ کی مجاہدات سے تصفیہ باطن نہ کرلو)

اس میں صاف طور تقلید کورانہ سے منع فرما رہے ہیں مگر اس شعر کا صحیح مطلب بھی سن لیجئے کیونکہ بہت لوگ اس کا مطلب غلط سمجھے ہوئے ہیں عام طور سے اس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ اندھے بن کر کربلا میں نہ جاؤ کہیں تم بھی حسین رضی اللہ عنہ کی طرح گرفتار بلا نہ ہو جاؤ پھر اس پر اشکال کرتے ہیں کہ اس میں حسینؓ کی تنقیص لازم آتی ہے سبحان اللہ ترجمہ تو غلط تم کرو اور تنقیص کا الزام مولانا پر رکھو۔ اسکا صحیح ترجمہ یوں ہے کہ لفظ تا تعلیل کے واسطے نہیں بلکہ غایت کے واسطے ہی یعنی تم اندھے ہو کر کربلا میں نہ جاؤ جب تک کہ امام حسینؓ کی طرح بلا مجاہدہ کا تحمل نہ کرلو یعنی پہلے مجاہدات سے تصفیہ باطن کرو پھر کربلا میں جانے کا نام لینا کیونکہ امام حسینؓ بھی مجاہدہ سے فارغ ہو کر کربلا میں گئے تھے۔ اس لئے پہلے نہیں گئے اس پر کچھ بھی اشکال نہیں اور اس توجیہ کی ضرورت اس وقت ہے کہ یہ شعر مولانا کا ہو مگر میرے نزدیک یہ شعر مولانا کا نہیں ہے کیونکہ مثنوی میں میری نظر سے نہیں گزرا۔ بہرحال ممانعت کورانہ تقلید سے ہے۔ اور حقیقت سمجھ کر تقلید کرنے کا مضائقہ نہیں وہ ایک درجہ تحقیق ہی ہے۔

تحقیق کی دو قسمیں

کیونکہ تحقیق کی دو قسمیں ہیں ایک تفصیلی ایک اجمالی اور تقلید تحقیق تفصیلی کا تو قسم ہے اور تحقیق اجمالی کی قسم ہے ہر مقلد کو اجمالاً اتنی تحقیق ہے کہ ہم اس امام کے مقلد ہیں وہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کو اچھی طرح سمجھتا ہو۔

یورپی تقلید کا حاصل

ہاں ترقی کے بارہ میں جو آج کل یورپ کی تقلید کی جارہی ہے یہ البتہ کورانہ تقلید

ہے کیونکہ ان لوگوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ انکی ترقی کا حاصل کیا ہے سو میں نے بتلادیا ؎ ۔اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی شے کیلئے کوئی حد نہیں ۔ان کے یہاں تجاوز عن الحدود کا نام ترقی ہے۔ مگر اس کو کوئی عاقل ترقی نہیں کہہ سکتا۔اور اسلام تو یقیناً نہیں کہہ سکتا کیونکہ اسلام میں ہر شے کی ایک حد ہے۔اور ہم دعوی سے کہتے ہیں کہ حقیقی ترقی اسلام نے ہی سکھائی ہے۔اور اہل یورپ کی ترقی حقیقت میں ترقی نہیں بلکہ جہل وحماقت ہے جس سے عافیت کے بجائے انسان آفت میں گرفتار ہوجاتا ہے۔میرا یہ مطلب نہیں کہ اہل یورپ کی ایجادات سے منتفع ہونا حرام ہے۔ میں اسباب راحت سے انتفاع کو منع نہیں کرتا ہوں میرا مطلب یہ ہے کہ حدود سے تجاوز کرنا جائز نہیں تم شوق سے ایجادات کرو۔ اور دوسروں کی ایجادات سے نفع بھی حاصل کرو مگر حدود سے تجاوز نہ کرو۔اور جن امور میں وہ لوگ حدود سے تجاوز کررہے ہیں ان میں ان کی تقلید نہ کرو اس زمانہ میں مسلمانوں کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ یورپ کی ہر چیز کو ترقی میں دخیل سمجھتے ہیں حتیٰ کہ لباس اور وضع میں بھی انکی تقلید کرنے لگے۔ بھلا کوئی پوچھے کہ اس کو ترقی میں کیا دخل ہے۔دین کی ترقی میں دخل نہ ہونا ظاہر ہے میں کہتا ہوں کہ دنیا کی بھی اس میں کچھ ترقی نہیں بلکہ تنزل ہے کیونکہ ان کے فیشن کا اتباع کرنا بدون زیادہ روپے خرچ کرنے کے دشوار ہے۔ ہندوستانی لباس ایک دوروپیہ میں تیار ہوسکتا ہے اور کوٹ پتلون بوٹ سوٹ پندرہ بیس روپے سے کم میں تیار نہیں ہوسکتا۔ پھر اس کے لوازمات بھی چار پانچ روپے سے کم میں تیار نہیں ہوسکتے ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس کو ترقی دنیا کہنا کس حد تک صحیح ہے۔

شعار قومی میں تشبہ حرام ہے

بہر حال میں ایجادات یورپ سے انتفاع کو منع نہ کرتا ہوں تشبہ اور کورانہ تقلید سے منع کرتا ہوں اور تشبہ بالکفار جو کہ شریعت میں حرام ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ تشبہ بالکفار امور مذہبیہ میں تو حرام ہے اور شعار قومی میں مکروہ تحریمی ہے باقی ایجادات وانتظامات میں جائز ہے وہ درحقیقت تشبہ ہی نہیں بعض لوگ ان احکامات کو خارج شریعت سمجھتے ہیں اس لئے میں نے اس مضمون کو بیان کردیا اور بتلادیا کہ شعار قومی ،میں بھی تشبہ حرام ہے۔ گو قسم اول کے درجہ میں نہ ہو مگر پیشاب پاخانہ میں فرق ہونے سے کیا کوئی پیشاب پینا گوارا کرلے

گا ہرگز نہیں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے کوٹ پتلون پہن کر ٹوپی تو اسلامی پہن لی ہے۔ اب تشبہ کہاں رہا۔ میں کہتا ہوں تشبہ کامل نہ سہی ناقص تو ہوا اگر آپ ایسا کرسکیں تو سارا لباس زنانہ پہن کر اوپر سے مردانہ ٹوپی پہن لیں اور اس سے محفل میں جاسکیں تو ہم آپ کو اسلامی ٹوپی اور کفری پاجامہ کی بھی اجازت دے دینگے۔ صاحبو! مشتبہ صورت بھی ممنوع ہے۔

مشتبہ صورت بھی ممنوع ہے

ہمارے یہاں ایک طالب علم کنویں کے پاس پاجامہ دھو رہے ہیں میں نے پوچھا یہ پاجامہ پاک ہے یا ناپاک کہا مشتبہ ہے میں نے کہا پھر تم اس کو کنویں کے پاس دھوتے ہو اور یہی ہاتھ ڈول رسی کو لگاتے ہو جس سے سارا کنواں مشتبہ ہو جائے گا۔ تم خانقاہ سے نکلو تم کو ہدایہ پڑھ کر بھی پاکی ناپاکی کا خیال نہیں کہنے لگے مجھے عقل نہیں میں نے کہا اس جواب سے جرم کی تو نفی ہوگئی۔ مگر ضرورت اخراج کی نفی نہیں ہوئی۔ کیونکہ اخراج کیلئے یہ ضرور نہیں کہ جرم ہی پر اخراج ہو بلکہ کم عقلی بھی موجب اخراج ہے۔

غرض انکو خانقاہ سے نکال دیا گیا۔ تو یہ آپ نے دیکھا کہ مشتبہ پاجامہ کو ناپاک ہی کا حکم دیا گیا جیسے ناپاک کپڑوں کا دھونا کنویں کے پاس جرم ہے۔ ایسے ہی مشتبہ کپڑے کا دھونا بھی جرم ہے۔ اسی طرح آپ اس کو سمجھ لیجئے کہ اسلامی ٹوپی اور کفری پاجامہ پہننے سے گو آپ بالکل ناپاک تو نہ ہوں گے مگر مشتبہ تو ہو جائیں گے اور اسلام نے مشتبہ صورت سے بھی منع کیا ہے۔ صاحبو! کیا یہ حیرت نہیں ہے کہ ایک برطانوی جرنیل کو تو یہ حق ہو کہ وہ جرمنی وردی کو جرم قرار دے کیونکہ وہ برطانیہ کا دشمن ہے اور رسول ﷺ کو یہ حق نہ ہو کہ آپ ﷺ دشمنان خدا کی وضع کو جرم قرار دیں۔

تشبہ بالکفار کی تفصیل

مگر اسلام میں تعصب نہیں چنانچہ تشبہ بالکفار کے مسئلہ میں شریعت نے تفصیل کی ہے کہ جو چیز کفار ہی کے پاس ہو اور مسلمانوں کے یہاں اس کا بدل نہ ہو اور وہ شے کفار کی شعار قومی یا امر مذہبی نہ ہو تو اس کا اختیار کرنا جائز ہے جیسے بندوق، توپ، ہوائی جہاز، موٹر وغیرہ۔ چنانچہ ایک بزرگ نے رسول ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے دست

مبارک میں بندوق ہے اور آپ اس کی طرف اشارہ کر کے فرمارہے ہیں۔ نعم السلاح کہ بہت اچھا ہتھیار ہے میں اس خواب سے استدلال نہیں کرتا صرف تائید بیان کر دیا ورنہ اصل استدلال قواعد فقہیہ سے ہے اور اس قاعدہ کی بناء پر نہ ہم ایجادات سے منع کرتے ہیں اور نہ ایجادات یورپ کے استعمال سے منع کرتے ہیں گو اسلام میں ایجادات کی تعلیم بھی نہیں ہے۔ اور نہ اسلام کا کمال ہے کہ اس میں صرف مقاصد کی تعلیم ہے۔ غیر مقاصد کی تعلیم نہیں اس کی ایسی مثال ہے جیسے بی اے کے سکول میں جوتا بنانے کی تعلیم نہیں ہوتی۔ اور یہ اس کے لئے نقص نہیں بلکہ کمال ہے اور اگر کسی سکول میں بی اے کیساتھ جوتا سینے اور پاخانہ کمانے کی بھی تعلیم دی جاتی ہو تو یہ اس کے لئے نقص ہوگا کمال نہ ہوگا۔

اسلام میں تعصب نہیں

حکیم محمود خاں کا یہ کمال تھا کہ وہ جوتا بنانے کی ترکیب نہیں سکھاتے تھے ہاں یہ بتاتے تھے کہ جوتا اس طرح مت سلواؤ کہ اس کی میخیں ابھری ہوئی ہوں جس سے پیر زخمی ہو جائے اس طرح اسلام ایجادات نہیں سکھلاتا ہاں یہ سکھاتا ہے کہ کسی ایجاد کو اس طرح اختیار نہ کرو جس سے دین میں خلل ہو یا جان کا خطرہ ہو اسی طرح یہ بتاتا ہے کہ بے ضرورت ایجادات کے درپے ہو کہ ضروری کاموں کا ضائع نہ کرو اور ضروری ایجادات میں بھی اس کا لحاظ رکھو کہ موہوم منفعت کے لئے خطرہ قویہ کا تحمل نہ کرو غرض اصول تو ہر ایجاد کے متعلق بتلا دیئے ہیں مگر ان کی ترکیب نہیں بتلائی کیونکہ یہ مقصود اسلام سے الگ ہے اور کمال اسی کا نام ہے۔ کہ مقصود سے تجاوز نہ کیا جائے۔ یہ تو ان ایجادات کا حکم تھا جنکا بدل مسلمانوں کے یہاں نہیں ہے اور جو ایجاد ایسی ہو جس کا بدل مسلمانوں کے یہاں بھی موجود ہے اس میں تشبہ مکروہ ہے جیسے رسول اللہ ﷺ نے فارسی کمان کے استعمال سے منع فرمایا ہے اور فرمایا **علیکم بالقوس العربی بها یفتح اللہ علیکم** او کما قال کہ عربی کمان کا استعمال کیا کرو اللہ تعالیٰ تم کو اسی کے ذریعہ سے فتوحات دیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے عربی اسلحہ ہی سے صحابہ کو فتوحات عطا فرمائیں تو آپ نے فارسی کمان سے اس لئے منع فرمایا کہ اس کا بدل مسلمانوں کے پاس عربی کمان موجود تھی۔ اور دونوں کی منفعت

برابر تھی صرف ساخت کا فرق تھا۔ غرض اسلام میں تعصب نہیں جیسا کہ اس تفصیل سے معلوم ہو گیا ہو گا ہاں اسلام میں غیرت ہے کہ جو چیز مسلمانوں کے پاس بھی ہے اور کفار کے پاس بھی ہے صرف وضع قطع کا فرق ہے اس میں اسلام نے تشبہ بالکفار سے منع کیا ہے کہ اس میں علاوہ گناہ کے ایک بے غیرتی بھی تو ہے کہ بلاوجہ اپنے کو دوسری قوموں کا محتاج ظاہر کیا جائے۔ مگر آجکل مسلمانوں میں غیرت نہیں رہی۔ کہ یہ اپنے گھر سے نیچر ہو کر بلکہ یوں کہئے کہ اپنے گھر کو آگ لگا کر دوسروں کی عادت و معاشرت کا اتباع کرنے لگے بس نئی مثال ایسی ہے جیسے مولانا فرماتے ہیں

یک سبد پر نان ترا بر فرق سر ☆ تو ہمی جوئی لب نان دربدر

روٹیوں کا ایک بھرا تھال پیر سے سر پر ہے اور تو ندی کے کنارے دربدر روٹی ڈھونڈ رہا ہے۔

تا بہ زانوی میان قعر آب ☆ وز عطش وز جوع کشتی خراب

پانی کی گہرائی کے درمیان زانو تک پیاس اور بھوک سے کشتی خراب ہے۔

آزادی نسواں اور تقلید

چنانچہ آج کل بے پردگی میں بھی مسلمان یورپ کی تقلید کرنے لگے ہیں حالانکہ یورپ والے عورتوں کی آزادی سے خود بہت گھبرائے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ عورتوں کو مردوں کے ساتھ مساوات دینا چاہتے ہیں یہ سبق بھی یورپ ہی سے سیکھا ہے اور یورپ والے اس سے بھی گھبرائے ہیں۔ کیونکہ عورتوں نے ان کا ناطقہ بند کر دیا ہے۔ اخبارات کے دیکھنے سے معلوم ہو گا اہل یورپ کو عورتوں نے کیسے پریشان کر رکھا ہے۔ صاحبو! اسلام کی تعلیم کی قدر کرو اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ **ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجہ** یعنی حقوق میں تو عورتیں مردوں کے مساوی ہیں مگر درجہ میں مرد بڑھے ہوئے ہیں جس کو دوسرے مقام پر صاف طور پر بیان فرمایا ہے **الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض وبما انفقوا من اموالھم** کہ مرد عورتوں پر سردار ہیں کیونکہ خدا نے ان کو فضیلت دی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عورتیں مردوں کی امام نہیں بن سکتیں اور نہ ان پر حکومت کر سکتی ہیں۔ **للرجال علیھن درجہ** کے بعد ارشاد فرماتے ہیں **واللہ**

عزیز حکیم کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں اگر وہ چاہتے تو مرد وعورت دونوں کو برابر کر دیتے مگر وہ حکیم بھی ہیں حکمت کا تقاضا یہی) ہے کہ برابر نہ ہوں اگر عورتوں کو آزادی دے دی جائے تو پھر ان کی آزادی کی روک تھام بہت دشوار ہوگی۔ جیسا کہ اہل یورپ کو دشواریاں پیش آرہی ہیں۔ کیونکہ اول تو آزادی کی روک تھام عقل سے ہوتی ہے اور عورتوں میں عقل نہیں۔ ان کا ناقص العقل ہونا مشاہد ہے دوسرے طبعی قاعدہ ہے کہ جو قوت ایک زمانہ تک بند رہی ہو جب اس کو آزادی ملتی ہے تو ایک دم سے ابل پڑتی ہے۔ جیسے امریکہ والے ایک عرصہ تک جاہل رہے جب ان کو تعلیم حاصل ہوئی تو ایک دم سے ایسے ابل پڑے کہ اپنے استاد سے بھی آگے بڑھ گئے۔ اس قاعدہ کی بنا پر ہندوستان کی عورتوں کو بلکہ مسلمانوں کی عورتوں کو تو ہرگز آزادی دینا مناسب نہیں۔ کیونکہ اب تک وہ قید میں رہیں اگر انکو آزادی مل گئی تو یقیناً ایک دم سے ابل پڑیں گے۔ غرض اسلام میں عورتوں کو مردوں کے ساتھ مساوات تو نہیں ہے۔ مگر حقوق کی اس قدر رعایت ہے کہ رسول ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ مسابقت کی ہے اور یہی حضور ﷺ کی حقانیت کی دلیل ہے۔ واللہ بناہوا مدعی کبھی ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ ان کو اندیشہ ہر وقت رہے گا کہ میں ایسا فعل نہ کروں جس پر کسی کو اعتراض ہو یا کسی نظر میں سبکی ہو مگر آپ سچے تھے اور سچا آدمی بے نظیر ہوتا ہے کہ میرے اوپر اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ میری سچائی کے دلائل قویہ موجود ہیں اور اگر اس پر بھی کوئی اعتراض کرے گا تو اپنی عاقبت خود خراب کریگا۔ اسی طرح قرآن میں جو آیات آپ کے لئے لفظاً متضمن عتاب ہیں آپ کا ان کو ظاہر کر دینا بھی آپ کی حقانیت کی دلیل ہے اگر نعوذ باللہ قرآن آپ کی تصنیف ہوتا تو ان آیات کو آپ کیوں تصنیف کرتے کیونکہ کوئی شخص اپنے اوپر خود کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں دیا کرتا مگر آپ سچے رسول ﷺ تھے اس لئے قرآن کی سب آیات ظاہر کر دیں وہ بھی جن میں آپ کی مدح وثنا تھی اور وہ بھی جن میں آپ پر لفظاً کسی قدر عتاب تھا۔ غرض اسلام میں عورتوں کے حقوق معاشرت کی اس درجہ رعایت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ مسابقت کی ہے اور ایک دفعہ آپ نے حضرت عائشہؓ کو حبشی لڑکوں کا ورزشی کھیل دکھایا ہے۔ جو عید کے دن مسجد نبوی ﷺ کے پاس نیزے وغیرہ سے کھیل رہے تھے۔

مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہ مرد حاکم ہے اور عورتیں محکوم ہیں یہ نہیں کہ دونوں کا درجہ مساوی ہو بلکہ حدود کی رعایت ضروری ہے۔

اولاد کے حقوق

عورتوں کے ساتھ بھی اور اولاد کے ساتھ بھی۔ اولاد کے بہت سے حقوق والدین کے ذمہ ہیں۔ مگر اسی کے ساتھ اولاد کا درجہ والدین کے مساوی نہیں بلکہ اولاد محکوم ہے اور والدین حاکم ہیں۔ چنانچہ اولاد کا ایک حق والدین کے ذمہ یہ بھی ہے کہ ان کے اخلاق کی اصلاح کریں انکو تعلیم دیں بعض لوگ اولاد کو تعلیم نہیں دیتے بلکہ ناز و نعم میں پالتے ہیں اس کا انجام یہ ہوتا ہے۔ جو میں نے کانپور میں دیکھا کہ ایک نواب صاحب ماہوار پر جامع مسجد کا سقاوہ بھرا کرتے تھے سب لوگ ان کو نواب نواب کہتے تھے میں نے اول تو یہ سمجھا کہ اس کا نام ہی نواب ہوگا پھر معلوم ہوا کہ نہیں یہ واقع میں نواب تھے انکے پاس بڑی ریاست تھی مگر عیاشی میں سب برباد کردی اور اس وقت ان کی زندگی بہت تلخ تھی۔ صاحبو! جب بچپن میں اولاد کے اخلاق کی اصلاح نہ ہو اور تعلیم نہ دی جائے تو بڑے ہو کر جب اس کے ہاتھ میں ریاست آئے گی تو اس کا یہی انجام ہوگا۔ جوان نواب صاحب کا ہوا۔ ہمارے ماموں صاحب کا ایک شعر ایسے رئیسوں کے بارہ میں بڑا عمدہ ہے فرماتے ہیں۔

ہے شرافت تو کہاں بس شر و آفت ہے فقط ☆ ست ریاست سے گیا صرف ریا باقی ہے

اور اس کا تمام تر بربادی کا منشا وہی تجاوز عن الحدود ہے کہ مثلاً اولاد کو اس کی حدود پر رکھا جس سے بسا اوقات تجاوز عن المقصود ہو جاتا ہے۔ اسی لئے شریعت نے حفظ حدود کا بہت اہتمام کیا ہے اسی کا ذکر ہے **والحفظون لحدود اللّٰہ**۔ (اور اللہ تعالیٰ کے حدود کی حفاظت کرنے والے) میں اس کے بعد فرماتے ہیں **وبشر المؤمنین** کہ ایسے مسلمانوں کو بشارت دیجئے کس چیز کی؟ جنت کی جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ **ان اللّٰہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ**۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال خرید لیا اس قیمت پر کہ ان کے واسطے جنت ہے۔ میں سبحان اللہ کس قدر کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو تعلیم بھی دیتے ہیں اور اس کے اوپر انعام بھی دیتے ہیں اگر کوئی باپ بچہ

کو تعلیم دے تو یہ اس کا بڑا احسان ہے اور اگر کوئی باپ ہر روز دو روپے بھی دیا کرے تو بڑا کامل شفیق ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے انعامات کے برابر کسی باپ کے انعامات نہیں ہو سکتے کیونکہ جنت کے برابر کوئی انعام نہیں ہو سکتا۔

جنت بہت بڑا انعام ہے

مولانا محمد یعقوب صاحب مجازی معنی کے اعتبار سے فرماتے تھے کہ جنت کیا ہوگی گویا چھوٹی سی خدائی ہوگی کیونکہ آدمی وہاں جس چیز کی خواہش کرے گا فوراً موجود ہو جائے گی۔ ولکم فیھا ماتشتھی انفسکم ولکم فیھا ماتدعون۔ اور تمہارے واسطے وہاں ہے جو چاہے دل تمہارا اور تمہارے لئے ہے جو کچھ مانگو۔ اور اللہ تعالیٰ دل کی بات کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں بس ادھر آپ کے دل میں خواہش پیدا ہوئی اور ادھر اس کا ظہور ہو گیا بس اللہ تعالیٰ کے دربار کی ایسی شان ہے کہ:

نیم جان بستاند وصد جاں دہد ☆ انچہ در وہمت نیاید آں دہد

فانی اور حقیر جان لیتے ہیں اور اس کے بدلے میں باقی جان عطا فرماتے ہیں جو وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا۔

کس نیابد ایں چنیں بازار را ☆ کہ بیک گل میخری گلزار را

تم ایسا بازار کہاں سے لاؤ گے کہ ایک پھول کے بدلے پورا باغ خرید لو۔

وہ ایک گل کے بدلے میں باغ دیتے ہیں اور تمہارا گل بھی تم کو واپس دیتے ہیں کیونکہ جنت کی نعمتیں اعمال کی مثالی صورتیں ہیں حدیث میں ہے۔ ان الجنة قیعان وغراسھا سبحان اللہ والحمد للہ ولاالہ الا اللہ واللہ اکبر (المعجم الکبیر للطبرانی ۱۰: ۲۱۴) کہ جنت کا میدان صاف ہے اس کی پودیہ کلمات ہیں سبحان اللہ والحمدللہ ادھر تم نے سبحان اللہ کہا ادھر جنت میں ایک درخت لگ گیا آیت قالوا ھذاالذی رزقنا من قبل کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ جنتی جنت کی نعمتوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ یہ تو وہی اعمال ہیں جو ہم کو دنیا میں دئے گئے تھے۔ اور اس جگہ بشرالمؤمنین (ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے) میں اعمال اس واسطے رکھا گیا تا کہ

ہر شخص کو اپنی تمنا و آرزو میں آزادی رہے۔ کہ جس چیز کا جی چاہے گا وہ اسی کی بشارت سمجھ لے ورنہ اگر بعض نعمتوں کا ذکر ہوتا۔ کیوں کہ تمام کا ذکر تو تطویل کلام کو مستلزم ہے۔ تو شاید کسی کو ان کے علاوہ کسی نعمت کی تمنا ہو اس لئے تفصیل کی بجائے اجمال پر اکتفا کیا گیا۔

حفاظت حدود پر بشارت

بہر حال یہ حق تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ حالانکہ حفظ حدود وغیرہ میں ہماری ہی مصلحت ہے مگر اللہ تعالیٰ ہم کو اس پر جنت کی بشارت بھی دیتے ہیں اور یہ بشارت اصل میں رعایت حدود ہی پر ہے کیونکہ جس قدر اعمال یہاں مذکور ہیں سب میں حفظ حدود ملحوظ ہے جیسا کہ آئندہ معلوم ہو جائے گا دوسرے بشر المؤمنون (ایمان والوں کو بشارت دیجئے) کو الحافظون لحدود اللّٰہ (اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے) سے لفظی اتصال بھی ہے بس بشارت کا تعلق اس کے ساتھ قوی ہے۔

مقاصد کی دو قسمیں

اب میں کہتا ہوں کہ مقاصد دو قسم کے ہیں ایک مقاصد دینیہ دوسرے مقاصد دینویہ اور دنیا مقصود بالذات ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ترقی فی الدنیا ترقی فی غیر المقصود ہے اور ترقی فی الدین ترقی فی المقصود ہے۔ اس کا مقتضا یہ تھا کہ ترقی فی الدین کے لئے کوئی حد نہ ہوتی۔ کیونکہ ظاہر میں یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مقصود میں جس قدر بھی ترقی ہو بہتر ہی ہے مگر ترقی فی الدین کے لئے بھی حدود ہیں بلکہ حدود کے ساتھ قیود بھی ہیں۔ میرے نزدیک حدود اور قیود میں فرق ہے۔ جو غالباً لغت کے موافق ہے حدود ہے جو کسی شے کا منتہا ہوا اور قید وہ ہے جو اس حد کے اندر اس شے میں تخصیص کردے مثلاً نماز کی ایک تو حد ہے کہ عصر کی نماز میں چار رکعات ہیں اس سے زیادہ کرنا منع ہے اور قیود یہ میں جیسے نماز کے لئے باوضو ہونا مستقبل قبلہ ہونا اسی طرح طہارت مکان ولباس وغیرہ اور اطلاق ان دونوں کا تقابل ہے حد بھی اطلاق کے منافی ہے اور قید بھی۔

تمام مقاصد دینیہ میں حدود

اور غور کر کے دیکھا جائے تو تمام مقاصد دینیہ میں حدود وقیود دونوں موجود ہیں

چنانچہ نماز تمام مقاصد میں سب سے اعلیٰ ہے نماز میں بڑی خوبی یہ ہے کہ اجمالی درجہ میں یہ تمام عبادات کی جامع ہے۔ روزہ کی شان اسی میں موجود ہے کیونکہ نماز کے اندر کھانا پینا جماع کرنا بوس وکنار کرنا حرام ہے۔ حتیٰ کہ حنفیہ کے یہاں تو محاذات نساء بھی مبطل صلوۃ ہے۔ حالانکہ روزہ محاذات کو کیا معانقات سے بھی باطل نہیں ہوتا۔ اور حج کی شان بھی اس میں موجود ہے کیونکہ استقبال قبلہ نماز میں فرض ہے اور حج کی روح تعظیم ہی ہے جو استقبال سے حاصل ہے زکوٰۃ بھی اس میں موجود ہے۔ کیونکہ بدوں انفاق مال کے لباس وغیرہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور ستر عورت نماز میں فرض ہے اعتکاف بھی اس میں موجود ہے کیونکہ جب تک نمازی نماز میں ہے اس وقت تک وہ اسی جگہ محبوس ہے وہاں سے کہیں جا نہیں سکتا اور ایک بات اعتکاف سے بھی زیادہ ہے کہ نماز میں بات چیت بھی نہیں کرسکتا۔ اور قربانی کی شان بھی اس میں موجود ہے مولانا فرماتے ہیں۔

معنی تکبیر ایں است اے امیم ☆ کاے خدا پیش تو ما قربان شدیم

اے امیم تکبیر کے معنی ہیں کہ اے اللہ ہم تیرے سامنے قربان ہوتے ہیں۔

ہمچنیں در ذبح نفس کشتنی ☆ وقت ذبح اللہ اکبر می کنی

اسی طرح نفس کے زیر کرتے وقت کہ جس طرح ذبح کے وقت تو اللہ اکبر کہتا ہے۔

قربانی سے مقصود

کہ یہ اللہ اکبر جو نماز میں کہا جاتا ہے یہ وہی ہے جو جانور کے ذبح کے وقت کہا جاتا ہے وہاں جانور کو اللہ کے نام پر قربان کرتے ہو۔ نماز میں اپنے نفس کو قربان کرتے ہو اور یہ محض شاعری نہیں بلکہ حقیقت ہے کیونکہ قربانی سے مقصود اظہار عظمت حق ہے کہ ہم نے اپنی محبوب چیز کو اللہ کے نام پر قربان کردیا اور یہ مقصود نماز میں اس سے زیادہ حاصل ہے کیونکہ یہاں انسان تکبیر کہہ کر دست بستہ کھڑا ہو جاتا اور اللہ اکبر کہہ کر خدا کے سامنے جھکتا اور زمین پر سر رکھ دیتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اپنی عزت اور بڑائی کو خدا کے سامنے فنا کردیا اور دماغ سے تکبر کا خناس نکال دیا۔ صاحبو! مال کو خدا کے نام پر قربان کرنے سے یہ زیادہ دشوار ہے چنانچہ متکبرین کو خیرات کرنا قربانی کرنا آسان ہے مگر نماز دشوار ہے۔ کیونکہ

اس میں عاجزی اور غلامی کی ایسی صورت بنانا پڑتی ہے جو تکبر سے نہیں ہو سکتی غرض نماز میں توجہ الی اللہ شرط ہے۔ جو بدون افناء غیر کے نہیں ہو سکتی۔ قربانی میں تو افناء حیوان ہی تھا یہاں افناء نفس وافنائے صفات نفس ہے اور گویا یہ بات زبان سے اللہ اکبر کہنے کے بغیر بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر زبان سے اس لئے کہا جاتا ہے کہ عظمت حق کا دل میں رسوخ ہو جائے کیونکہ مشاہدہ ہے کہ ذکر لسانی سے قلب میں ذکر کو رسوخ ہوتا ہے اسی لئے شاعر کہتا ہے

الا فاسقنی خمرا وقل لی ھی الخمر ☆ ولا تسقنی سرا متی امکن الجھر

خبردار مجھے شراب پلا اور کہہ یہ شراب ہے اور مجھے چھپا کر شراب مت پلا جب تک اس کا ظاہر کرنا ممکن ہو۔

کہ مجھ کو شراب پلا دو اور یہ بھی کہتا رہ کہ یہ شراب ہے کیوں؟ اس لئے کہ اس سے شراب کی لذت بڑھتی ہے۔

لیلیٰ مجنوں کی سچی محبت

مجنوں کا قصہ ہے کہ اس کو کسی نے جنگل میں ریت کے اوپر انگلی سے کچھ لکھتے ہوئے دیکھا اور یہ سوال وجواب ہوا۔

دید مجنوں را یکے صحرانورد ☆ در بیابان غمش بنشستہ فرد

مجنوں کو کسی نے جنگل بیابان میں دیکھا کہ اکیلا ہی بیٹھا ہے۔

ریگ کاغذ بود وانگشتان قلم ☆ مے نویسی بہر کس نامہ رقم

ریت اس کا کاغذ ہے اور انگلیاں قلم ہیں اور انگلیوں سے ریت پر لکھ رہا ہے۔

گفت اے مجنوں شیدا چیست این ☆ مے نویسی نامہ بہر کیست ایں

اس نے کہا لیلیٰ لکھ رہا ہوں اور اپنے دل کو تسلی دے رہا ہوں۔

کہ لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں۔ حالانکہ مجنوں کی یہ کیفیت تھی کہ لیلیٰ اس کے دل میں رچی ہوئی تھی حتیٰ کہ ایک بار لیلیٰ اس کے سامنے آئی اور کہا اے مجنوں میں لیلیٰ ہوں اس نے جواب دیا الیک عنی فان حبک قدشغلنی عنک کہ بس جاؤ اب مجھے ضرورت نہیں تیری محبت نے مجھے تجھ سے بھی مستغنی کر دیا تو جس کے دل میں محبوب اس قدر

رچا ہوا ہو اس کو مشق نام کی کیا ضرورت تھی؟ بس ضرورت یہ تھی کہ اس سے عشق کورسوخ ہوجاتا ہے۔ ترک ذکر سے کچھ دنوں میں عشق زائل ہو جاتا ہے اور مجنوں کو زیادت عشق مطلوب تھی۔ اس لئے لیلیٰ کے نام زبان پر بھی لیتا اور انگلیوں سے بھی لکھتا تھا ایک دفعہ مجنوں کا باپ اس کو حج کے واسطے لے گیا اور خانہ کعبہ کے پاس لیجا کر کہا کہ غلاف کعبہ ہاتھ میں لیکر دعا کر اللھم اسلبنی حب لیلی کہ اللہ میرے دل سے لیلیٰ کی محبت نکال دے مجنوں غلاف کعبہ پکڑ کر کہنے لگا۔ اللھم زدنی حب لیلی اے اللہ مجھے لیلیٰ کی محبت اور بڑھادے۔ یہ کہہ کر رونے لگا اور یہ کہا

الھی تبت عن کل المعاصی ☆ ولکن حب لیلی لا اتوب

اے اللہ میں ہر گناہ سے توبہ کرتا ہوں لیکن لیلیٰ کی محبت سے توبہ نہیں کرتا۔

مجنوں نیک مسلمان تھا اس کو لیلیٰ سے سچی محبت تھی آج کل کے فساق جیسی محبت نہ تھی مگر باوجود اتنی محبت کے بھی وہ ذکر لیلیٰ کو ترک نہ کرتا تھا۔ تاکہ محبت اور زیادہ ہو اسی وجہ سے نماز میں زبان اللہ اکبر کہا جاتا ہے تاکہ بار بار کی تکبیر سے دل پر چوٹ لگے اور ہر تکبیر کے ساتھ دل عظمت حق سے بھر جائے اس وقت معلوم ہوگا کہ یہ قول

وقت ذبح اللہ اکبر می کنی ☆ ہمچنیں در ذبح نفس کشتنی

ذبح کے وقت اللہ اکبر کرتے ہو اسی طرح نفس کے قتل کرنے کے وقت کہتے رہو۔ حقیقت ہے شاعری محض نہیں ہے۔

نماز تمام عبادات کی میزان الکل ہے

غرض نماز ایسی شے ہے جو تمام عبادات کی میزان الکل ہے۔ گو ظاہر میں مختصر شے ہے۔ اور میزان الکل تو ذرا سا ہوتا ہے دیکھو کئی لاکھ کا حساب کر کے میزان الکل تو اس کا اسی طرح میں لکھ دیا جاتا ہے مگر تفصیل میں کئی رم کاغذ صرف ہوجائینگے تو چاہیے تھا کہ نماز میں حدود و قیود بالکل نہ ہوتے بلکہ اطلاق ہی اطلاق ہوتا مثل مشہور ہے کہ مصری کی ڈلی ہے جدھر سے چاہو منہ مارو مگر یہاں مصری کی ڈلی میں بھی حدود ہیں ایک بار میں دیوبند میں بیمار ہو گیا تھا۔ مولانا محمد یعقوب صاحب سے نسخہ لکھوایا کیونکہ مولانا بڑے حاذق طبیب

بھی تھے۔ جب مولانا نسخہ لکھ چکے تو میں نے پوچھا حضرت اس کا پرہیز کیا ہے۔ فرمایا گناہ سے پرہیز ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے مصری کی رغبت زیادہ ہے وہ کھالوں یا نہیں فرمایا ہاں کھالو مگر سیر دو سیر نہ کھانا۔ غرض نماز جیسی شے بھی حدود و قیود ہیں حالانکہ قاعدہ عقلیہ ہے کہ حدود و قیود موجب تقلیل محدود ہیں۔ دیکھو رجل میں کیسا عموم تھا اس کے ساتھ جب عالم کی قید بڑھادی گئی تو اس کی تقلیل ہوگئی۔ اسی طرح اگر نماز میں اطلاق ہوتا تو اس کا وجود کثیر ہوتا حدود و قیود کی وجہ سے اس میں تقلیل ہوگئی۔ مگر شریعت کو تکثیر مطلوب نہیں بلکہ کمال مطلوب ہے گو قلت ہی کے ساتھ ہو۔ اب میں کہتا ہوں کہ جب مقاصد میں اتنی قیود و حدود ہیں جن سے مقاصد کی تقلیل ہوگئی اب اگر غیر مقاصد میں قیود ہوں تو کیا عجب ہے۔

زکوٰۃ کے حدود

نماز کے بعد زکوٰۃ کا درجہ ہے زکوٰۃ میں حدود و قیود ہیں کہ نصاب فاضل شرط ہے۔ حولان حول شرط ہے۔ مصرف میں بہت سی قیود ہیں روزہ کو لیجئے تو اس میں بھی حدود و قیود ہیں کہ رات کو روزہ حرام ہے دن میں ہی ہونا ضروری ہے۔ صوم وصال مکروہ ہے۔ غروب سے ایک منٹ پہلے افطار ہو جائے تو روزہ فاسد ہے طلوع صبح کے ایک منٹ بعد سحری کھائے تو روزہ فاسد ہے ایام منہی عنہا میں روزہ حرام ہے۔

حج کے حدود و قیود

حج کے لئے بھی حدود و قیود ہیں۔ احرام شرط ہے وقوف عرفہ خاص تاریخ میں ضروری ہے۔ اگر وہ تاریخ نکل جائے تو سال بھر تک حج نہیں ہوسکتا۔ اس سے پہلے حج کیا جائے تو لغو ہے۔ قربانی میں بھی حدود ہیں کہ خاص ایام ہی میں ہوسکتی ہے۔ ان ایام کے بعد ہزار جانور ذبح کرنے سے کچھ نہ ہوگا۔ پھر جانور میں ایسا ہو ایسا نہ ہو وغیرہ وغیرہ جب مقاصد میں اتنی حدود ہیں پھر غیر مقاصد میں کیوں نہ ہوں پس آج کل جو لوگوں نے ترقی دنیا کی یہ صورت اختیار کی ہے کہ کسی شے کیلئے کوئی حد نہیں یقیناً یہ صورت اسلام کے بھی خلاف ہے۔ اور عقل کے خلاف ہونا اوپر معلوم ہو چکا۔ اب میں ان چیزوں کے حدود و قیود کا ذکر کرتا ہوں۔ جن کا اس آیت میں ذکر ہے تا کہ انکا بھی کچھ بیان ہو جائے اور اس سے

یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہاں جتنے امور مذکور ہیں سب میں حفظ حدود بھی مرعی ہے سب سے پہلے یہاں پر التائبون ہے اوپر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کی جان و مال کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔ اب انکی تعریف بیان فرماتے ہیں۔ کہ وہ مسلمان کیسے ہیں تو فرماتے ہیں کہ وہ توبہ کرنے والے ہیں۔

گناہ کے حدود و قیود

سب کو معلوم ہے کہ توبہ کیسی چیز ہے جس سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ کفر جیسے سنگین جرم کا علاج بھی توبہ ہی ہے مگر اس میں بھی حدود ہیں کہ گناہ سر کی توبہ میں اعلان جائز نہیں بلکہ جو گناہ چھپ کر کیا ہو اس سے توبہ بھی مخفی طور پر کی جائے ہاں گناہ اعلانیہ کی توبہ علانیہ واجب ہے۔ یعنی جن لوگوں کے سامنے وہ گناہ ہوا تھا۔ ان پر توبہ کا بھی اظہار کر دے تاکہ وہ سوء ظن سے محفوظ رہیں۔ اور اس کے فعل سے استدلال نہ کریں اگر یہ شخص مقتدا ہو اور جن لوگوں کو گناہ کا علم نہیں ہوا ان کے سامنے گناہ علانیہ کی توبہ کا بھی اظہار نہ کرے ہاں ایک صورت اظہار کی جائز ہے۔ وہ یہ کہ کوئی شخص اپنے کسی مرض باطنی کے معالجہ سے عاجز ہو گیا ہو اس لئے شیخ کو اطلاع کرنے کی ضرورت ہو تو شیخ سے بغرض علاج اس کا اظہار جائز ہے۔ جیسا کہ طبیب کے سامنے بدن مستور کا کھولنا بغرض علاج جائز ہے اور توبہ کے افراد میں سے استغفار بھی ہے اس میں بھی حدود و قیود ہیں چنانچہ ارشاد ہے کہ اذا نعس احدکم فلیر قد فلعله یستغفر فیسب نفسه او کما قال (سنن الترمذی ۳۵۵، مشکوۃ المصابیح ۱۲۴۵) کہ جب کوئی شخص استغفار کرتے ہوئے اونگھنے لگے تو اس کو چاہیے کہ ابھی استغفار بند کر دے اور سو رہے کیونکہ ممکن ہے کہ بجائے اپنے نزدیک استغفار کرے اور زبان سے بددعا نکل جائے۔

نیند کا اعتدال

اسی واسطے جب کوئی ذاکر مولانا گنگوہیؒ سے پوچھتا کہ ذکر میں نیند آتی ہے۔ ایسے وقت کیا کرے مولانا یہ فرماتے ہیں کہ تکیہ سر کے نیچے رکھ کر سو رہے۔ مگر اس میں میرا اجتہاد یہ کہ جو شخص رات بھر خر خر کرے جس میں گویا اپنے خر ہونے کا اقرار ہے اور اسی سے پہلے اتنا مقدر

ہے یعنی انا خرانا خر۔ اس کے واسطے یہ حکم نہیں بلکہ اس کے واسطے میری تجویز یہ ہے کہ سیاہ مرچیں جیب میں رکھ لیا کرے جب نیند کا غلبہ ہو ایک مرچ چبالے یہ مقوی دماغ بھی ہے اس واسطے مضر بھی نہ ہوگی۔ کیونکہ جو شخص رات بھر سوتا رہے پھر بھی اس کو ذکر میں نیند آئے تو اس نیند کا منشاء کسل ہے ہاں جو شخص رات کے وقت معتد بہ جاگتا ہو پھر ذکر کرنے بیٹھا اور ذکر میں نیند آنے لگی تو اس کے واسطے وہی حکم ہے کہ سو رہے پھر کچھ دیر آرام کر کے ذکر میں مشغول ہو۔

بھوک کی دو قسمیں

غرض بھوک کی دو قسمیں ہیں ایک اشتہائے صادق ایک کاذب۔

تکسیر اعمال سے ممانعت

اسی طرح نیند کی بھی دو قسمیں ہیں ایک نوم صادق ایک کاذب۔ جو شخص رات بھر خرخر کرے اس کی نیند ذکر میں کاذب ہے اور جو رات کو جاگتا ہو اس کی نیند صادق ہے اس کو اس وقت سو رہنا چاہیے حضور ﷺ نے ایک بار مسجد کے دو ستونوں کے درمیان میں رسی بندھی ہوئی دیکھی پوچھا یہ کیا ہے معلوم ہوا کہ حضرت زینب نے یہ رسی اس واسطے باندھ رکھی ہے کہ جب نیند آتی ہے یا عبادت میں کسل ہوتا ہے تو اس سے سہارا لے لیتی ہیں۔ حضور ﷺ نے رسی کو کاٹ ڈالا اور فرمایا **علیکم من الاعمال بماتطیقون** (الصحیح المسلم، صلاۃ المسافرین ب ۳۰ رقم ۲۱۵، کنز العمال ۵۳۰۲) کہ کام میں اپنی طاقت کے موافق کرو۔ طاقت سے زیادہ کام نہ کرو اس حدیث کی شرح میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ یہ تکثیر اعمال سے نہیں بلکہ دراصل تقلیل اعمال سے ہے کیونکہ جب شخص طاقت کے موافق کام کرے گا وہ نباہ کر سکے گا اور جو طاقت سے زیادہ کام کرے گا وہ چند دن کے بعد کام سے معطل ہو جائے گا بس کثرت بالشاء سے ممانعت نہیں بلکہ کسرت بالسنین سے ممانعت ہے کہ اتنا کام نہ کرو جس میں بدن ٹوٹنے لگے۔

محنت علم میں ضرورت اعتدال

اب میں مدرسین و متدرسین سے کہتا ہوں کہ محنت اتنی کرو اور اتنی محنت لو جس کا تحمل ہو سکے بعض مدرسین طلبہ کو بعضی کتابیں حفظ کراتے ہیں یاد رکھو یہ محض فضول ہے اس کی کچھ ضرورت نہیں بس طالبان علم تین باتوں کا لحاظ رکھے اور ہمیشہ کے لئے ان پر دوام رکھے ان شاء اللہ اس کی استعداد اچھی ہوگی اور یہی تین باتیں اس کے واسطے کافی ہونگی۔ ایک یہ کہ سبق سے پہلے مطالعہ کرے دوسرے سبق سمجھ کر پڑھے بدون سمجھے آگے نہ چلے تیسرے یہ کہ سبق پڑھنے کے بعد ایک بار اس کی تقریر کر لیا کرے خواہ تنہا یا جماعت کے ساتھ تکرار کر کے اس سے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ زیادہ محنت کا انجام اچھا نہیں۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے ایک بار فرمایا کہ شوق باقی رکھ کر کام کیا کرو یعنی سارا شوق پورا کر کے کام سے نہ اٹھا کرو بلکہ ایسے حال میں اٹھ کھڑے ہو کہ کچھ حصہ شوق کا باقی ہو پھر فرمایا کہ تم نے چکی پھرائی ہے۔ میں نے کہا حضرت نہیں۔ فرمایا تم نے دنیا کو کیا خاک دیکھا۔ ہمارے اکابر کیسے زندہ دل تھے یوں چاہتے تھے کہ بچے کھیلنے کے زمانہ میں کھیلیں اور کام کے وقت اچھی طرح کام کریں۔ پھر خود ہی بتایا کہ چکی پر ڈورا لپیٹ کر اس کو پھراتے ہیں اور چکی پھراتے ہوئے سارا ڈور نہیں اتارا کرتے بلکہ تھوڑا سا ڈور چھوڑ دیتے ہیں تاکہ سہولت سے پھر لوٹ آئے اگر سارا ڈور اتر جائے تو دوبارہ چڑھانا پڑے گا اسی طرح سارا شوق ختم کر کے کتاب چھوڑو گے تو دوسرے دن از سر نو شوق پیدا کرنا پڑیگا۔ نہیں اس لئے تھوڑا سا شوق باقی رکھ کر کتاب چھوڑا کرو تاکہ اگلے دن کتاب پڑھنے کو خود جی چاہے اطباء بھی تو کہتے ہیں کھانا تھوڑی سی بھوک باقی رکھ کر چھوڑنا چاہیے تاکہ دوسرے وقت اشتہائے صادق ہو ورنہ مشورہ کے لئے کمیٹی کرنا پڑے گی۔ اس وقت کھاؤں یا نہ کھاؤں پھر یار دوست سوڈا واٹر اور نمک سلیمانی کی رائے دینگے اور اس کا انجام یہ ہوگا کہ کبھی بند پڑ جائیگا تو حقنہ کرانا پڑے گا۔ دلی کے اطباء تو علم کم دیتے ہیں بہت ہی سخت ضرورت ہو تو عمل کراتے ہیں۔

نادر شاہ اور ایک طبیب کی حکایت

ہاں بعض شہر میں اس کا بہت رواج ہے۔ ذرا ذرا سی بات اطباء عمل بتلاتے ہیں

وہاں کے باشندوں کا یہ خیال ہے کہ جیسے حقہ ویسے ہی حقنہ دونوں سے معدے ہی کا علاج ہوتا ہے ادھر سے پی لیا تو کیا ہوا ادھر سے پی لیا تو کیا۔ ایک حکیم نے یہ غضب کیا کہ نادر شاہ کے پیٹ میں درد ہو گیا تھا آپ نے اس کے لئے حقنہ تجویز کیا۔ سلاطین کے لئے یہ تجویز نہایت ہی خلاف تہذیب ہے نادر شاہ کو سنتے ہی غصہ آ گیا اور للکار کر پوچھا درکون تو یا درکون من۔ غریب کے منہ سے بدحواسی میں یہ نکل گیا کہ درکون من نادر شاہ نے کہا بلے بلے اور اسی وقت حکم دیا کہ حکیم صاحب کے حقنہ کیا جائے۔ اتفاق کی بات ہے کہ حکیم کے جو حقنہ کیا گیا تو نادر شاہ کے پیٹ کا درد اچھا ہو گیا۔ اب تو وہ ان کو اپنے ساتھ لے گیا اور جب پیٹ میں درد ہوتا حکیم صاحب کے حقنہ کرایا جاتا آخر کہاں تک غریب عمل لیتے لیتے تھک گیا تو ایک دن نادر شاہ سے عرض کیا کہ حضور میں بددل ہو چکا ہوں اور بددل طبیب کا علاج کرانا مناسب ہے اب مجھے وطن جانے کی اجازت دی جائے نادر شاہ ہنسا اور کہا اچھا جاؤ خبردار کسی بادشاہ کے لئے ایسا علاج تجویز نہ کرنا اسکے بعد خلعت وانعام دے کر رخصت کیا۔

ہر چیز کی حد

ہر چیز کیلئے ایک حد ہے جس سے تجاوز کرنا جائز نہیں اور بعض اعمال میں تجاوز سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ حد سے قریب بھی نہ ہو اسی لئے حق تعالیٰ نے کہیں تو فرمایا ہے۔ **تلک حدود اللہ فلاتعتدوھا**۔ (یہ اللہ تعالیٰ کے مقررہ حدود ہیں پس ان سے تجاوز نہ کرو) اور کہیں فرمایا ہے **تلک حدود اللہ فلاتقربوھا** (یہ اللہ تعالیٰ کے مقررہ حدود ہیں پس ان کے پاس بھی نہ پھٹکو) اور گو اصل مقصود نہی عن الحدود ہی ہے مگر حدیث میں ہے **لکل ملک حمی وان حمی اللہ محارمہ ومن یرع حول الحمی یوشک ان یقع فیہ**، (**المعجم الکبیر للطبرانی ۱۰:۴۰۵**) ہر بادشاہ کے لئے ایک خاص چراگاہ محدود ہوتی ہے۔ اور اللہ کی ایسی چراگاہ اس کے حرام کردہ اعمال ہیں اور جو شخص باڑہ کے اردگرد چرائے گا وہ کسی دن باڑہ کے اندر بھی پہنچ جائے گا۔ اس لئے تجاوز عن الحدود سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ حدود کے قریب ہی نہ جائے۔

حمد الٰہی کے حدود و قیود

اس کے بعد ارشاد ہے العابدون کہ وہ ایسے مسلمان ہیں جو توبہ کے بعد عبادت
کرنے والے بھی ہیں یہ نہیں کہ توبہ ہی پر اکتفا کریں اور عبادت ایک عام لفظ ہے جو نماز زکوٰۃ
حج وغیرہ سب کو شامل ہے اور میں عبادت کے حدود و قیود کو اوپر بیان کر چکا ہوں اس کے بعد
ہے الحامدون کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرنیوالے ہیں ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تعظیم و تحمیم
شان سراپا محمود ہے سب جانتے ہیں کہ حمد کیسی اچھی چیز ہے مگر اس میں بھی حدود و قیود ہیں
چنانچہ حمد الٰہی کا ایک ادب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی نام اپنی طرف سے نہ گھڑے علماء
کا اس پر اتفاق ہے کہ اسماء الٰہیہ توقیفی ہیں جو سماع پر موقوف ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ کو شافی
کہنا جائز ہے طبیب کہنا جائز نہیں کیونکہ گو شافی اور طبیب بھی معنیٰ قریب ہے مگر ایک فرق بھی
ہے وہ یہ کہ طب بمعنی پیشہ طب بھی آتا ہے جس سے خدا تعالیٰ مبرا ہیں لہٰذا ابہام کی وجہ سے اس
لفظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ممنوع ہے اور اسی لئے ادعیہ ماثورہ کے ساتھ دعا کرنا افضل ہے۔

دعا کے حدود و قیود

دعا کیسی اچھی چیز ہے جس کو حضور ﷺ نے عبادت کا مغز بتایا ہے مگر اس کے
لئے بھی حدود و قیود ہیں کہ دعا میں فضول قیدیں نہ بڑھائے جیسے ایک صحابی زادہ نے دعا کی
تھی۔ **اللھم انی اسئلک القصر الابیض عن یمین الجنة**: کہ اے اللہ میں جنت
کے دائیں جانب والا کوشک ابیض آپ سے مانگتا ہوں ان کے باپ نے اس پر ٹوکا کہ یہ قید
کیسی ہے خدا سے جنت الفردوس مانگو یہ کیا کہ دائیں جانب کا حصہ ہو اور سفید محل ہو۔ یہ
تجاوز عن الحدود ہے اور میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا میں حد سے تجاوز
کو پسند نہیں فرماتے اسی طرح یہ بھی دعاء کا ادب ہے کہ بے تمیزی کی دعا نہ کرے اسی لئے
میں نے مناجات مقبول اور بعض بزرگان سلف نے حزب اعظم وغیرہ تالیف کی ہے جس
میں ادعیہ ماثورہ کو جمع کیا گیا ہے۔ تاکہ لوگ اپنی طرف سے گھڑ گھڑ کر دعا نہ کیا کریں۔
کیونکہ اختراعی دعا میں بے ادبی کا اندیشہ ہے کیونکہ جاہل آدمی کا ادب ہی کیا ممکن ہے وہ

اپنی جہالت سے بے ادبی کو ادب سمجھ جائے جاہلوں کا ادب تو ایسا ہوتا ہے جیسے ایک گنوار کا اپنے ربیب کے ساتھ مقدمہ تھا ڈپٹی نے اس سے پوچھا کہ یہ لڑکا تیرا کیا لگتا ہے کہا یہ میرا کڈھیلوا ہے ڈپٹی صاحب نے یہ وحشی لغت کیوں سنا تھا پوچھا کڈھیلوا کیا بلا ہے گنوار نے کہا تو نہیں جانتا لے میں تجھے بتاؤں کڈھیلوا اسے کہیں جیسا تیرا باپو مر جا اور تیری ماں مجھے کر لے اور تو اس کی گیلوں آئے تو تو میرا کڈھیلوا ہوگا اب بھی سمجھا ڈپٹی نے کہا کہ ایسا سمجھا کہ عمر بھر نہ بھولوں گا مولانا جاہلوں کے ادب کی مثال دیتے ہیں۔

شاہ را گوید کسے جولاہ نیست ☆ ایں نہ مدح ست او مگر آگاہ نیست

بادشاہ کو اگر کوئی جولاہا کہے کہ تو یہ اس کی تعریف نہیں ہے مگر وہ اس کے مرتبہ سے واقف نہیں ہے۔

شباں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حکایت

اس کے بعد شباں موسیٰ علیہ السلام کی حکایت لکھی ہے کہ ایک چرواہا اللہ تعالیٰ کو خطاب کر کے کہہ رہا تھا کہ اے میرے خدا تو کہاں ہے اگر تم مجھے مل جائے تو میں تیری ٹانگیں دباؤں سر میں تیل کنگھی کروں اور بکریوں کا دودھ پلاؤں۔

زیں نمط بیہودہ میگفت آں شباں ☆ گفت موسیٰ با کیست اے فلاں

اس قسم کی باتیں کر رہا تھا کہ موسیٰ کا اس پر گزر ہوا پوچھا ارے تو یہ کس کو کہہ رہا ہے۔

گفت با آن کہ مارا آفرید ☆ ایں زمان وچرخ از وآمدید

اس نے کہا میں اس کو کہہ رہا ہوں جس نے ہمیں پیدا کیا آسمان اور زمین پیدا کئے۔

گفت موسیٰ ہائے خیرہ سر شدی ☆ خود مسلماں ناشدہ کافر شدی

موسیٰ نے کہا ارے غضب! تو تو کافر ہو گیا تیرا خدا تو ان باتوں سے پاک ہے یہ سن کر چرواہا افسردہ خاطر ہو کر خاموش ہو گیا فوراً موسیٰ پر وحی نازل ہوئی۔

وحی آمد سوئے موسیٰ از خدا ☆ بندہ مارا چرا کردی جدا

حضرت موسیٰ کے پاس وحی آئی کہ ہمارے بندے کو ہم سے کیوں جدا کر دیا۔

تو برائے وصل کردن آمدی ☆ نے برائے فصل کردن آمدی

موسیا آدب داناں دیگرند ☆ سوختہ جاں درداناں دیگر

اے موسیٰ جاننے والوں کے اور آداب ہیں اور سوختہ جاناں انجان لوگوں کے اور آداب ہیں۔

یہ شخص مجذوب تھا اس لئے معذور تھا مگر کامل نہ تھا ناقص تھا مجاذیب کی شان چھوٹے بچوں جیسی ہے کہ چھوٹا بچہ باپ کے اوپر ہگ بھی دیتا ہے موت بھی دیتا ہے۔ اور باپ کو دھکا بھی لیتا ہے کبھی کبھی ڈاڑھی بھی کھینچ لیتا ہے اس کی یہ حرکتیں ناگوار نہیں ہوتیں مگر اس سے واقع میں یہ افعال اچھے نہیں ہو جاتے واقع میں یہ افعال برے ہی ہیں۔ چنانچہ بڑا لڑکا تو یہ حرکتیں کر کے دیکھے جو گردن نہ ماری جائے۔ اس کے بعد ہے السائحون اس کی دو تفسیریں ہیں ایک ساعون یعنی روزہ رکھنے والے اس کے لئے بھی حدود و قیود کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ایک تفسیر ہے المہاجرون یعنی ہجرت کرنے والے اس کے لئے بھی حدود و قیود ہیں۔ سب سے اول تو ہجرت کیلئے اخلاص نیت شرط ہے ورنہ محض نام کے لئے ہجرت کرنا اس کا مصداق ہے۔

بطواف کعبہ رفتم بحرم اہم ندادند ☆ تو بروں درچہ کردی کہ دروں خانہ آئی

جب میں خانہ کعبہ کے طواف کو گیا تو حرم نے مجھ کو رستہ نہ دیا کہ تیرے جرم نے کیا کیا ہے جو اندر آنا چاہتا ہے۔

بزمین چو سجدہ کردم زیر زمین ندا برآمد ☆ کہ مرا خراب کردی تو بسجدہ ریائی

اخلاص پیدا ہونے کا طریقہ

اخلاص پیدا ہونے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کو ایک دوسرے شعر میں بتاتے ہیں۔

صنمارہ قلندر سزدار بمن نمائی ☆ کہ تراز و دور دیدم رہ ورسم پارسائی

کہ اس کا طریق عشق و محبت ہے۔ عشق و محبت وہ چیز ہے جو محبوب کے سوا ہر چیز

کوجلا پھونک کر رکھ دیتی ہے رہ قلندر رسے مراد یہی ہے مولانا فرماتے ہیں۔

عشق آن شعلہ ست کوچوں برفروخت ☆ ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

عشق وہ شعلہ ہے جب وہ روشن ہوجاتا ہے تو محبوب کے علاوہ سب کو فنا کردیتا ہے۔

تیغ لادر قتل غیرحق براند ☆ درنگر آخر کہ بعدلا چہ ماند

الہ کی تلوار اپنی غرض فاسد پر چلاواسکے بعد نتیجہ دیکھو کہ لا کے بعد کیا رہ گیا ہے۔

ماندالا اللہ وباقی جملہ رفت ☆ مرحبا عشق شرکت سوزوزفت

سوائے الا اللہ کے باقی سب جل گیا۔ اے عشق مبارک ہوسب شریک کوجلادیا۔

عاشق کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اس کا کوئی فعل وقول غیر کیلئے نہیں ہوتا وہ جو کچھ کرتا ہے محبوب کیلئے کرتا ہے۔ ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لاشریک لہ میری نماز میری قربانی میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے جو پروردگار ہے کل جہانوں کا جس کا کوئی شریک نہیں۔ اس طریق سے اخلاص بہت جلد حاصل ہوتا ہے پھر محبت کے بعد عادۃً کچھ خطرہ نہیں رہتا کیونکہ جب بندہ کو خدا سے محبت ہوتی ہے تو ان کو بھی اس سے محبت ہوتی ہے بلکہ وہ اپنا عشق اسی کو دیتے ہیں جس سے پہلے ان کو محبت ہوتی ہے۔

عشق اول دردل معشوق پیدا می شود

عشق پہلے معشوق کے دل میں پیدا ہوتا ہے مگر عاشق کے عشق کی اور شان ہے یہ تو دنیا میں غل مچادیتا ہے اور محبوب کی محبت کی دوسری شان ہے مولانا اسی کو فرماتے ہیں۔

محبوب کی محبت کی حالت

عشق معشوقاں نہاں ست وستیر ☆ عشق عاشق بادوصد طبل ونفیر

معشوق کا عشق پوشیدہ اور ستیر ہے اور عاشقوں کا عشق دوصد طبل ونفیر کے ساتھ۔ (اس وقت مجمع کی عجیب حالت تھی گویا ذبح کردیا گیا تھا)۔ جب یہ محبوب بھی ہے پھر اس کو عادۃً کیا خطرہ کیونکہ اسباب خطرہ کے ساتھ تو اس کی یہ حالت ہوتی ہے۔

نشو د نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ☆ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ آپ کی تلوار سے ہلاک ہو آپ کی خنجر آزمائی کے لئے دوستوں کا سر سلامت رہے۔ اور یہ حالت ہوتی ہے۔

ناخوش تو خوش بود بر جان من ☆ دل فدائے یار دل رنجان من

تیرا رنجیدہ کرنا مجھے اچھا لگتا ہے دل اپنے یار پر قربان۔

نجدیوں کی ایک کمی

اس لئے عراقی راہ عشق کی تمنا کرتے ہیں کہ اس طریق سے اخلاص بہت دیر میں حاصل ہوتا ہے رہ پارسائی سے مراد زہد خشک ہے جیسے نجدی میں تو کہا کرتا ہوں کہ نجدیوں میں اتنی ہی کمی ہے کہ وہ وجدی نہیں۔ دوسری شرط ہجرت کے لئے یہ ہے کہ ہجرت میں ثواب زیادہ ہو اور اگر ہجرت نہ کرنے میں ثواب زیادہ ہو تو ہجرت افضل نہ ہوگی۔ اسی لئے ہمارے حاجی صاحب علماء کو ہندوستان سے ہجرت کرنے کی اجازت نہیں دیا کرتے تھے کہ تم ہندوستان میں زیادہ کام کر رہے ہو تمہارا وہیں رہنا بہتر ہے اگر علماء وہاں سے ہجرت کرینگے تو نہ معلوم ہندوستان میں دین کا کیا حال ہوجائیگا ایسے ہی لوگوں کے متعلق حضرت مسعود بکؒ فرماتے ہیں۔

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید ☆ معشوق دریں جاست بیائید بیائید

اے قوم جو حج کو گئی ہے کہاں ہے؟ محبوب حقیقی تو یہاں ہے واپس آ ئے واپس آ ئے۔

امر بالمعروف کے حدود و قیود

اس کے بعد ہے الامرون بالمعروف والناھون عن المنکر۔ کہ وہ امر بالمعروف کرتے ہیں اور منکرات سے منع کرتے ہیں۔ یہ تو سر سے پیر تک حدود و ضوابط سے نہایت مقید ہے۔ نصاب الاحتساب اس کے جاننے کے لئے کافی ہے۔ جاہل کو امر بالمعروف جائز نہیں کیونکہ وہ اصلاح سے زیادہ فساد کرے گا جیسے مکہ میں ایک جاہل نے مجھے امر بالمعروف کیا کہ تم عمامہ کیوں نہیں باندھتے یہ سنت ہے۔ میں نے کہا تم پاجامہ کی

جگہ لنگی کیوں نہیں باندھتے یہ سنت ہے۔ اس پر تو بڑے چپ ہوئے سوچ کر کہنے لگا کہ مجھے عذر ہے میں بوڑھا ہوں لنگی میری جسم پر ٹھہرتی نہیں ڈھلک جاتی ہے۔ میں نے کہا میں جواں ہوں عمامہ سے مجھے گرمی لگتی ہے۔ اس جواب پر تو بڑے جھلائے کہنے لگے۔ خدا کرے تمہارے دماغ میں اور گرمی بڑھ جائے۔ بھلا ایسے جاہلوں کو جوامر بالمعروف سے پہلے مخاطب کی حالت بھی دریافت نہ کریں اور ایک سنت زائد کے ساتھ اس سختی کے ساتھ امر بالمعروف کریں امر بالمعروف کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔ اور میں نے جواس کو اس طرح جواب دیا اس کا منشاء اس کی جہالت ہی تھی ورنہ میری عادت اس طرح جواب وسوال کی نہیں ہے دوسرے اس وقت میری بھی جوانی تھی مجھے اس کی سختی پر غصہ آ گیا۔

حضرت شیخ عبدالقدوسؒ اور مولانا حسامی محتسب کی حکایت

حضرات سلف کا طریقہ امر بالمعروف کا یہ تھا کہ شیخ عبدالقدوس کے زمانہ میں مولانا حسام الدین محتسب تھے ایک بار وہ گنگوہ آئے یہاں آکر معلوم ہوا کہ شیخ صاحب سماع ہیں تو انہوں نے شیخ کا کتنا ادب کیا کہ اول ان کو خط لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ صاحب سماع ہیں۔ اس میں بھی حدود شرعیہ کی رعایت کی کہ محض روایات کی بنا پر جزم نہیں۔ اور یہ خلاف سنت ہے اس کو ترک کر دیجئے۔ میں آپ کو تبلیغ کرتا ہوں۔ یہ تو ان کا ادب تھا۔ اب شیخ کا ادب دیکھئے کہ باوجود یہ کہ شیخ خود عالم ہیں مگر انہوں نے اپنے فعل کی یہ تاویل نہیں کی کہ میں مغلوب ہوں۔ یا شرائط کی رعایت سے سنتا ہوں بلکہ یہ جواب دیا کہ حکم شریعت سر آنکھوں پر میں آج سے توبہ کرتا ہوں پھر نہ سنوں گا۔ چنانچہ سماع موقوف ہو گیا اور مجلس سرد پڑ گئی۔ پھر چٹخارہ والوں نے جن کو سماع میں ہی لطف آتا تھا۔ اور کسی چیز میں مزہ نہ آتا تھا۔ ایک کو جو شیخ کے مکان کے پاس رہتی تھی ایک دوہرہ سکھا دیا کہ چکی پیستے ہوئے آج یہ دوہرہ پڑھ لیجئے اس نے وہ دوہرہ پڑھا اور شیخ پر وجد طاری ہوا کیونکہ ان کا حال کسی قوال یا باجہ پر تھوڑا موقوف تھا۔

کسانیکہ یزداں پرستی کنند ☆ برآواز دولاب مستی کنند

جولوگ حق تعالیٰ شانہ کی عبادت کرتے ہیں وہ چکی کی آواز پر بھی مستی کرتے ہیں۔ ان کے لئے چکی کی آواز بھی سماع کا کام دیتی ہے۔ یہ نہیں جیسا کہ آج کل کے صاحب سماع ہیں کہ ان کو ستار کی تن تن ہی پر حال طاری ہوتا ہے۔ اس کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ جب شیخ پر وجد طاری ہوا تو اس کے بجھانے کی صورت عادیہ تو یہی تھی کہ مجلس سماع منعقد ہوتی اور چٹخارہ والوں کا مدعا بھی یہی ہے مگر شیخ نے ادب کیا کہ مجلس سماع منعقد کرنے سے پہلے مولانا حسام الدین کو خط لکھا کہ ایک شوریدہ حال کے جان وتن میں آگ لگ رہی ہے اگر تم اس کو بجھا سکو تو بجھا دو۔ مولانا حسام الدین اس وقت درہ لے کر کھڑے ہوئے کہ توبہ کے بعد پھر وہی حرکت اب تو اقراری جرم اور آپ کیساتھ پولیس بھی چلی تو محتسب کے ساتھ شاہی حکم سے رہا کرتی تھی۔ تاکہ وہ احکام شرعیہ کو قوت کے ساتھ جاری کر سکیں چنانچہ آپ درہ لے کر فوج کے ساتھ روانہ ہوئے مگر جس وقت خانقاہ میں قدم رکھا ہے پیر کانپنے لگے۔ بدن پر رعشہ پڑ گیا۔ اور شیخ کی صورت دیکھ کر یہ خود بھی مغلوب الحال ہو گئے تو آپ نے اسی وقت فوج کو اپنے منصب کے کاغذات حوالہ کر کے واپس کر دیا کہ بادشاہ سے عرض کر دیں کہ میں اب اس منصب کا کام نہیں کر سکتا اور اس کے بعد جا کر شیخ کے قدموں پر گر پڑے اور بیعت کی درخواست کی۔

حکایت حضرت قاضی ضیاء الدین سنامیؒ اور حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ

ایک دوسری حکایت میں میں نے نصاب الاحتساب کے مصنف قاضی ضیاء الدین سنامی کے ایک بزرگ سے سنی ہے جو الہ آباد میں مجھ سے ملے ہیں وہ اپنے کسی بزرگ کی کتاب سے نقل کرتے تھے اور وہ ایسے بزرگ تھے جن سے حضرت خضر علیہ السلام ملا کرتے تھے ان کے یہاں ایک کتاب پر حضرت خضر علیہ السلام کے ہاتھ کی ف لکھی ہوئی ہے شاید انہوں نے حاشیہ کے طور پر کوئی فائدہ لکھنا چاہا تھا۔ مگر ف لکھ کر آگے نہیں لکھ سکے۔ وہ کتاب تبرک کے طور پر ان کے کتاب خانہ میں رکھی ہوئی ہے۔ ان واقعات پر جزم تو نہیں

کیا جاسکتا مگر تکذیب کی بھی کوئی حد نہیں کہ میرے نزدیک راوی غیر معتبر نہیں ہے تو ان بزرگ سے کسی نے سماع کی بابت سوال کیا تھا کہ اس میں آپ کا فیصلہ کیا ہے یہ جائز ہے یا نہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ عزیز من تم نے ایسی بات کا سوال کیا ہے جس کا فیصلہ کرنا ہمارا تمہارا کام نہیں بس میں بجائے جواب کے تم کو ایک حکایت سناتا ہوں۔ وہ یہ کہ قاضی ضیاء الدین سنامی حضرت سلطان الاولیا سلطان نظام الدینؒ کے ہم عصر ہیں سلطان جی صاحب سمع تھے سنامی ان کو سماع سے منع کرتے تھے۔ ایک بار قاضی صاحب کو معلوم ہوا کہ سلطان جی کے یہاں سماع ہورہا ہے تو وہ اپنی فوج کو ساتھ لے کر روکنے آئے یہاں پہنچ کر دیکھا تو ایک بڑا شامیانہ قائم تھا اور اس کے اندر سلطان جی کی جماعت کا اس قدر ہجوم تھا کہ قاضی صاحب کو اندر جانے کی جگہ نہ ملی تو انہوں نے حکم دیا کہ خیمہ کی طنابیں کاٹ دو تا کہ مجمع منتشر ہو جائے فوج نے خیمہ کی طنابیں کاٹ دیں مگر خیمہ اسی طرح ہوا پر معلق رہا مگر انہیں قاضی صاحب نے اپنی جماعت سے فرمایا کہ اس سے دھوکہ نہ کھانا بدعتی سے خوارق کا صدور ہوسکتا ہے۔ اور یہ موجب قبول نہیں اس وقت تو وہ واپس ہو گئے۔ دوسرے وقت حضرت سلطان جی کے مکان پر گئے اور فرمایا کہ تم سماع سے توبہ نہ کرو گے۔ سلطان جی نے فرمایا اچھا اگر ہم حضور ﷺ سے پچھوادیں جب تو تم منع نہ کرو گے کہا اچھا پچھوادو قاضی صاحب کو سلطان جی کی بزرگی کا علم تھا جانتے تھے۔ کہ حضور ﷺ کی زیارت کرا سکتے ہوں اس لئے سوچا کہ اس دولت کو کیوں چھوڑوں۔ چنانچہ سلطان جی نے ان کی طرف توجہ کی تو انکو حضور ﷺ کی روحانیت مکشوف ہوئی کہ حضور ﷺ ان سے فرمارہے ہیں کہ فقیر کو تنگ کرتے ہو قاضی سنامی نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ مجھے کچھ خبر نہیں کہ میں کس حال میں ہوں جاگ رہا ہوں یا سورہا ہوں۔ اور صحیح طور پر سن رہا ہوں اور سمجھ رہا ہوں یا مدہوش ہوں اور حضور ﷺ کے جو ارشادات حضرات صحابہ نے بحالت یقظہ آپ سے سن کر بیان فرماتے ہیں۔ وہ اس ارشاد سے اولی واقدم ہیں جو میں اس وقت سن رہا ہوں اس پر حضور ﷺ نے تبسم فرمایا۔ اور یہ حالت ختم ہوگئی۔ تو سلطان جی نے فرمایا کہ دیکھا حضور ﷺ نے کیا فرمایا قاضی صاحب نے کہا اور دیکھا ہم نے کیا عرض کیا۔ پھر سلطان جی نے قاضی

صاحب کے سامنے ہی منشد کو یعنی قوال کو اشارہ کیا اس نے سماع شروع کیا۔ قاضی صاحب بھی بیٹھے رہے کہ اس بدعت کو یہیں بیٹھ کر توڑوں گا۔ قوال نے کوئی شعر پڑھا۔ سلطان جی کو وجد ہوا اور وہ کھڑے ہوگئے۔ قاضی صاحب نے اس دفعہ بھی ان کو بٹھلا دیا تھوڑی دیر میں غلبہ وجد سے سلطان جی پھر کھڑے ہوئے اور قاضی صاحب نے اس دفعہ بھی ان کو بٹھا دیا تیسری دفعہ سلطان جی پھر کھڑے ہوئے اس دفعہ قاضی صاحب نے ہاتھ باندھ کر سلطان جی کے سامنے کھڑے ہوگئے۔ اس پر قاضی صاحب کی جماعت کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کیا ہونے لگا۔ سب کا خیال ہوا کہ بس اب آئندہ قاضی صاحب سلطان جی کو سماع سے منع نہ کریں گے مگر جب مجلس سماع ختم ہوئی تو قاضی صاحب یہ کہہ کر اٹھے اچھا میں پھر کبھی آؤنگا اور تم کو اس بدعت سے روکوں گا واپسی کے وقت قاضی صاحب کی جماعت نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا بات تھی۔ کہ تیسری دفعہ میں آپ سلطان جی کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوگئے۔ فرمایا بات یہ ہے کہ سلطان جی کو پہلی بار جو وجد ہوا تو ان کی روح آسمان اول تک پہنچی یہاں تک میری بھی رسائی تھی میں ان کو وہاں سے واپس لے آیا۔ اور بٹھا دیا۔ دوسری بار جو وجد ہوا تو ان کی روح عرش کے نیچے پہنچی یہاں تک بھی میری رسائی تھی میں وہاں سے بھی انکو واپس لے آیا۔ تیسری بار جو وجد ہوا تو ان کی روح فوق العرش پہنچی میں نے چاہا کہ وہاں سے بھی واپس لاؤں کہ ملائکہ عرش نے مجھے روک دیا کہ عرش کے اوپر نظام الدین ہی جاسکتے ہیں تم نہیں جاسکتے۔

اس وقت مجمع کی عجیب حالت تھی۔ اور اس وقت مجھے عرش کی تجلیاں تک نظر آئیں میں ان تجلیات کے سامنے دست بستہ کھڑا ہوگیا تھا اس بدعتی کے سامنے تھوڑا ہی دست بستہ ہوا تھا وہ چاہے عرش سے اوپر پہنچ جائے مگر اس بدعت سے پھر بھی اس کو منع کرونگا۔ وہ بھی بڑے پکے تھے کہ سلطان جی کے مقامات سے بھی واقف تھے اور خود بھی صاحب مقامات تھے اور جانتے تھے کہ سلطان جی کا مقام مجھ سے اعلیٰ وارفع ہے مگر بایں ہمہ بدعت ہی سمجھتے ہیں یہ بڑا کمال ہے ورنہ ناقص تو ایسے وقت دھوکہ میں آجائے اور بدعت کے بدعت ہونے میں تامل کرنے لگے مگر قاضی صاحب کو اس پر بھی تامل نہیں ہوا یہ انکے

کمال کی دلیل تھی اور واقعی ایسے ہی صاحب کمال کو سلطان جی جیسے پر احتساب کا حق بھی تھا۔ پھر اتفاق ایسا ہوا کہ قاضی صاحب کا وقت وصال سلطان جی سے پہلے آیا سلطان جی ان کو عیادت کو گئے اور دروازہ پر پہنچ کر اجازت مانگی قاضی صاحب نے فرمایا کہ سلطان جی سے کہہ دو کہ یہ وقت وصال حق کا وقت ہے اس وقت میں بدعتی کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتا سلطان جی نے جواب دیا کہ قاضی صاحب سے عرض کر دو کہ وہ بدعتی ایسا بے ادب نہیں کہ بارگاہ سنت میں بدعت سے ملوث ہو کر آتا وہ حضرت والا کے مذاق سے واقف ہے اور آپ کے مذاق کی پوری رعایت کر کے حاضر ہوا ہے میں اس بدعت سے توبہ کر کے حاضر ہوا ہوں۔ اس پر مجمع گویا ذبح ہو گیا تھا۔ یہ جواب سن کر قاضی صاحب پر حالت طاری ہو گئی اور آبدیدہ ہو کر اپنا عمامہ سر سے اتار کر خادم کو دے دیا۔ کہ سلطان جی سے کہو کہ اس عمامہ پر پاؤں رکھتے ہوئے تشریف لائیں۔ بس ان میں یہی ایک کسر تھی جو جاتی رہی باقی ان کے مقامات عالیہ اور کمالات سے میں ناواقف نہیں ہوں۔

گر برسرو چشم من نشینی ☆ نازت بکشم کہ نازنینی

اگر تو میرے سر اور آنکھوں پر بیٹھے تو تیرا آنا آٹھاؤں اس سے کہ تو نازنیں ہے۔

خادم قاضی صاحب کا عمامہ لے کر سلطان جی کے پاس حاضر ہوا تو آپ نے عمامہ کو سر پر رکھ لیا کہ یہ عمامہ شریعت ہے میں اس کو اپنے سر پر رکھ کر حاضر ہوں گا چنانچہ تشریف لائے اور قاضی صاحب نے فرمایا۔

آنانکہ خاک رابنظر کیمیا کنند ☆ آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند

وہ گوشہ جو تیری خاک ہے مٹی کو کیمیا بناتے ہیں کیا وہاں ہماری جانب رسائی ہے۔

حضرت اب میرا آخری وقت ہے اللہ میرے اوپر توجہ فرمائے چنانچہ حضرت سلطان جی نے توجہ شروع کی اور ایسی توجہ کی کہ قاضی صاحب کی روح نہایت فرح وشادمانی کے ساتھ عالم بالا کو پرواز ہو گئی۔ حضرت قاضی صاحب کا وصال ہو گیا تو سلطان جی روتے تھے اور فرماتے تھے کہ افسوس شریعت کا ستون گر گیا۔ اس حکایت کو ذکر کر کے وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ بھائی نہ میں نظام الدین ہوں جو اجازت دوں نہ ضیاء الدین ہوں جو منع

کروں یہ حکایت میں نے اخبار الاخیار میں بھی دیکھی ہے مگر مختصر۔

حضرات سلف صالحین کا طریقہ امر بالمعروف

حضرت یہ تھا ہمارے سلف صالحین کا طریقہ امر بالمعروف میں کہ ایک دوسرے کا ادب بھی کرتے تھے اور نصیحت بھی کرتے تھے۔ اب میں حضرت قاضی سنامی کے اس جواب پر کہ میں تجلیات آلہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوا تھا سلطان جی کے سامنے میں نے ہاتھ نہیں باندھے ایک علمی فائدہ متفرع کرتا ہوں۔

صلوۃ الکسوف میں حنفیہ اور شافعیہ کے اختلاف کا سبب

وہ یہ کہ صلوۃ الکسوف میں امام ابوحنیفہؒ ایک ہی رکوع کے قائل ہیں جیسا کہ سب نمازوں میں ایک ہی رکوع معروف ہے اور شافعیہ دو رکوع کے قائل ہیں۔ کیونکہ بعض روایات صحیح میں یہ وارد ہے کہ حضور ﷺ نے صلوۃ الکسوف میں دو رکوع کئے تھے حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صلوۃ الکسوف کے بارہ میں فرمایا ہے **صلوا کاحدث صلوۃ صلیتموھا** کہ اس سے پہلے جو نماز سب سے قریب تم پر پڑھی ہے اسی طرح دو رکعتیں پڑھو اور نماز کسوف سے قریب تر نماز فجر ہے اور اس میں ایک ہی رکوع ہے تو اس جیسی نماز بھیا یک ہی رکوع سے ہوگی اور یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ (رواہ النسائی والحاکم وصحہ علی شرطھا)۔

اور قولی ہے اور فعلی حدیث سے قولی مقدم ہے۔ یہ تو حنفیہ کی دلیل تھی مگر چونکہ حدیث فعلی بھی صحیح ہے اس لئے اس میں تاویل ضروری ہے تو علماء ظاہر نے تو یہ کہا ہے کہ حضور ﷺ نے اس نماز میں رکوع تو ایک ہی کیا تھا مگر طویل بہت تھا۔ تو ممکن ہے بعض لوگوں کو طول کی وجہ سے یہ شبہ ہوا کہ شاید حضور کھڑے ہوگئے ہوں اور ہم نے **سمع اللہ لمن حمدہ** کی آواز نہ سنی ہو اس لئے وہ کھڑے ہوگئے انکو دیکھ کر پچھلی صف والے بھی کھڑے ہوگئے۔ پھر اگلوں نے دیکھا کہ حضور ﷺ ابھی تک رکوع ہی میں ہیں تو وہ پھر رکوع میں چلے گئے پچھلی صف والے بھی ان کو دیکھ کر رکوع میں چلے گئے اب اگلوں کو تو اپنے کھڑے ہونے اور دوبارہ رکوع میں جانے کی حقیقت معلوم تھی مگر پچھلے یہ سمجھے۔ کہ اگلوں نے حضور

علیہ السلام کو دیکھ کر دو رکوع کئے ہیں اور اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے دو رکوع کئے ہیں۔ یہ تاویل اس معنی کو کافی ہے کہ مانع کا احتمال کافی ہے مگر اس میں یہ کلام ہے کہ بعض روایات سے رکوعین کے درمیان قیام طویل ثابت ہے اور اس شبہ کی حالت میں قیام طویل نہیں ہو سکتا۔

تجلیات خاصہ کا حق

مولانا محمد یعقوب صاحب نے جو کہ عارف کامل تھے حدیث فعلی کا یہ جواب دیا ہے کہ نماز میں جو قیام و رکوع و سجدہ ہے یہ تجلیات خاصہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر اس نماز میں تجلیات کا تعاقب تھا جس وقت آپ رکوع میں گئے کچھ دیر کے بعد آپ پر وہ تجلی منکشف ہوئی جس کا حق قیام تھا اس لئے آپ کھڑے ہو گئے۔ پھر دوسری تجلی منکشف ہوئی جس کا حق رکوع تھا اس لئے آپ پھر رکوع میں چلے گئے یہ وجہ تھی آپ کے بار بار قیام و رکوع کی مگر یہ امر آپ کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ اس کا منشا انکشاف خاص تھا اور ہم لوگوں کو تجلی کی خبر تو ہوتی نہیں اس لئے ہمکو قاعدہ ہی کا اتباع کرنا چاہیے۔ خلاف ضابطہ دو رکوع اور دو قیام نہ کرنا چاہیے اس کی ایسی مثال ہے کہ دربار شاہی میں جا کر سب لوگ ایک دفعہ آداب بجالاتے ہیں اس کے بعد ہر شخص اپنے اپنے درجہ بیٹھ جاتا ہے۔ لیکن وزیر کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ ایک بار آداب بجالا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر بادشاہ نے اس کی طرف دیکھا تو وہ دوبارہ آداب بجالاتا ہے۔ پھر اس نے بیٹھنے کا حکم دیا تو تیسری بار آداب بجالاتا ہے پھر کسی بات پر بادشاہ نے تبسم کیا تو چوتھی بار آداب بجالاتا ہے پھر کسی بات پر وزیر کی تعریف کی تو پانچویں بار آداب بجالاتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ وزیر کی ان حرکات کا منشا خاص تجلیات ہیں۔ جو بادشاہ کی طرف سے اس پر ہو رہی ہیں۔ اب اگر کوئی شخص جس کو ان تجلیات کی اور انکے مقتضیات کی خبر نہیں محض وزیر کو دیکھ کر بجائے ایک دفعہ کے پانچ دفعہ آداب بجالایا کرے تو وہ معتوب ہوگا کیونکہ اس کی یہ حرکات بے موقع ہیں اور وزیر کی حرکات با موقع ہیں کیونکہ وہ تجلیات کو دیکھ کر انکا حق ادا کر رہا ہے۔ دوسروں کو اس کا اتباع اس امر میں نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ ان کو ضابطہ پر عمل کرنا چاہیے جو ان کو بتلا دیا گیا ہے میرے خیال میں حدیث فعلی کی یہ توجیہ سب سے بہتر ہے۔

دین میں حدود الٰہیہ

اس کے بعد ہی والحافظون لحدود اللّٰہ کہ وہ مسلمان ایسے ہیں جو حدود الٰہیہ کی حفاظت کرتے ہیں یہ وہی جزو ہے جس کا بیان میں اس وقت کرنا چاہتا ہوں۔ سو میں نے بتا دیا کہ دین حفظ حدود کا نہایت درجہ اہتمام ہے۔ اعمال ظاہرہ میں حفظ حدود کا اہتمام بیان کر چکا ہوں اسی کا تتمہ ہے۔ انفاق میں اعتدال جو اس آیت میں مذکور ہے لَمْ یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواماً نہ بیجا اڑائیں اور نہ تنگی کریں اور اس کے درمیان ایک سیدھی گزران ہے۔

اعمال باطنہ کے حدود

اب سنئے کہ اعمال باطنہ میں بھی حدود ہیں۔ چنانچہ خوف میں بھی ایک حد ہے چنانچہ الحمد للہ ایک حدیث سے میں اس کو سمجھا ہوں۔ حدیث میں آپ کی یہ دعا مذکور ہے اللھم انی اسئلک من خشیتک ماتحول به بینی وبین معاصیک. (موارد الظمآن للهیثمی بلفظ آخر ۹ ۰ ۵) اے اللہ میں آپ سے آپ کی خشیت کا وہ درجہ مانگتا ہوں جس سے میں معاصی سے بچ جاؤں معلوم ہوا کہ زیادہ خوف مطلوب نہیں۔ ورنہ وہ حال ہوگا جو ایک وکیل صاحب کا حال ہوا تھا جو میرے ہم نام تھے صرف اتنا فرق تھا کہ ان کے نام میں علی نہ تھا انہوں نے احیاء العلوم کا باب الخوف دیکھا تو اس کو دیکھ کر ان پر ایسا خوف طاری ہوا کہ یاس کے قریب ہوگئے۔ وہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے جب ہر حالت میں سوء خاتمہ کا خطرہ ہے پھر عمل سے کیا نفع؟ میں نے کہا کہ آپ کو احیاء العلوم کی کتاب الخوف دیکھنا جائز نہیں آپ کو اس کا باب الرجاء دیکھنا چاہیے اور مشکوٰۃ وغیرہ میں احادیث رجاء کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ حضرت امام غزالی پر خوف کا بہت غلبہ ہے اس لئے کتاب الخوف میں ان پر یہ حال غالب ہے اسی کا یہ اثر ہے کہ اس باب کے مطالعہ کا تحمل نہیں ہوسکتا۔ امام غزالی پر خوف کا غلبہ ایسا رہا کہ دس برس تک اس کی وجہ سے قبض میں مبتلا رہے۔ اور صحرا اقدس میں پھرتے رہے۔ معتقدین نے ایک طبیب نصرانی کو جسے ڈاکٹر کہنا چاہیے

آپ کا قارورہ دکھلایا اس نے تشخیص میں کمال کیا کہ قارورہ دیکھ کر کہا کہ صاحب قارورہ کو کوئی ظاہری مرض نہیں ہے اس پر خالق کا خوف غالب ہے اس کا علاج خدا ہی کے پاس ہے وہ وکیل صاحب بھی مغلوب الحال تھے اس لئے کتاب الخوف کو دیکھ کر یہ خیال ہو گیا کہ عمل سے کیا نفع اگر صاحب مقام ہوتے تو وہ بات کہتے جو۔

مذاق عاشق

امام سعدیؒ نے ایک حکایت میں ایک بزرگ کا قول نقل کیا ہے۔

توانی ازاں دل بہ پرداختن ☆ کہ دانی کہ بے اوتواں ساختن

اس سے دل خالی کر سکتے ہو جس کے بغیر گزارہ نہیں کر سکتے۔

ان کو ایک رات غیب سے آواز آئی تھی کہ جو چاہے کر یہاں کچھ قبول نہیں اور ایسے زور سے آواز آئی۔ کہ ایک مرید نے بھی سن لیا مگر وہ بزرگ بدستور اپنا معمول پورا کرنے چلے اگلے دن پھر لوٹا لیکر تہجد کو اٹھے مرید نے کہا کہ ایسی بھی کیا بے غرتی ہے جب وہ کچھ نہیں پوچھتے تو اس محنت سے کیا نفع؟ شیخ نے جواب دیا کہ بیٹا یہ تو صحیح کہ وہ نہیں پوچھتے مگر تم ہی یہ بتلاؤ کہ میں اور کہاں جاؤں کیا اور کوئی دروازہ ہے جسے خدا کے دروازہ کو چھوڑ کر اختیار کر لوں اور جب اور کوئی دروازہ نہیں تو پھر چاہے وہ ماریں یا چھوڑیں میں تو انہی کو لپٹا رہوں گا۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو ☆ دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

اور یہ کہا

اگر آپ زندہ کریں یہ آپ کی عطا ہے اور اگر قتل کریں تو میں آپ پر قربان ہوں جو بھی آپ کریں میں آپ سے راضی ہوں۔

توانی ازاں دل بہ پرداختن ☆ کہ دانی کہ بے اوتواں ساختن

اس پر دوبارہ آواز آئی۔

اس سے دل خالی کر سکتے ہو جس کے بغیر گزارہ نہیں کر سکتے۔

قبولت گرچہ ہنر نیستت ☆ کہ جز ماپناہ دگر نیستت

اگر چہ تمہاری عبادت تو کسی ڈھنگ کی نہیں لیکن خیر جبکہ ہمارے سوا کوئی دوسرا نہیں۔
اس میں بھی ایک چرکہ لگادیا کہ گو کسی قابل تو نہیں ہو مگر رحم کر کے قبول کئے لیتے
ہیں۔ حضرت! عاشق کا مذاق یہی ہوتا ہے کہ اگر اس کو یقین بھی ہو جائے کہ جہنم میں جاؤں گا
جب بھی عمل سے ناز نہیں آتا اور برابر طلب میں بڑھتا رہتا ہے ایک مرید نے شیخ کو لکھا کہ
ذکر کے وقت روزانہ یہ آواز آتی ہے کہ تو کافر ہو کر مریگا۔ شیخ نے لکھا کہ یہ محبت ہے کچھ خطرہ
نہ کرو وہ اپنے چاہنے والوں کو یونہی تنگ کیا کرتے ہیں۔

حکایت حضرت شاہ ابوالمعالیؒ

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ نے اپنے ایک مرید سے جو سفر حج کو جارہا تھا فرمایا کہ
روضہ اقدس پر میرا سلام عرض کر دینا اس نے سلام عرض کیا تو جواب آیا کہ اپنے بدعتی پیر
کو ہمارا بھی سلام کہنا مرید بڑا گھبرایا کہ شیخ سے الفاظ کیونکر عرض کروں واپسی پر شیخ نے
جو پوچھا کہ ہمارا سلام عرض کیا تھا کہ جی ہاں عرض کیا تھا حضور نے بھی آپ کو سلام فرمایا
ہے۔ کہا وہی کہو جو حضور نے فرمایا تھا بات کیوں بدلتے ہو کہا جب تو آپ مجھ ہی سے کیوں
پوچھتے ہیں فرمایا کہ وہ بات تم تھوڑا ہی کہو گے تم تو قاصد ہو قاصد سفیر محض ہوتا ہے اور محبوب
کا پیام سننے میں اور مزہ ہے کہ جانتے ہیں وہ مزا نہیں چنانچہ اس نے حضور ہی کے الفاظ
میں پیام کو ادا کیا شیخ پر وجد طاری ہو گیا اور کہا

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی ☆ جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

غرض عاشق کو جو عارف بھی ہو جس وقت یہ وسوسہ نہیں ہوتا کہ محبوب کو چھوڑ دے اس
کی طلب ہر وقت ترقی پر رہتی ہے خواہ قبض ہو یا بسط ہو انعام ہو یا دشنام ہو سعدیؒ فرماتے ہیں۔

گدایان از بادشاہی نفور ☆ بامیدش اندر گدائی صبور
دمادم شراب الم درکشند ☆ وگر تلخ بینند دم درکشند
نہ گویم کہ برآب قادر نیند ☆ کہ بر ساحل نیل مستسقیند

شوق کی حد

اب سنئے کہ شوق کے لئے بھی ایک حد ہے حدیث میں ہے واسئلک شوقاً الی لقائک فی غیر ضراء مضرۃ و فتنۃ مضلۃ۔ اور میں آپ سے آپ کی بقاء کا شوق مانگتا ہوں جس میں نہ کوئی جسمانی تکلیف ہو اور نہ ایسا فتنہ ہو جو گمراہ کر دے۔ ضراء مضرۃ تو یہی ہے کہ ایسا شوق غالب ہو کہ جسم کو گھلا دے جیسا کہ بعض عشاق شوق میں گھل گئے ہیں اور فتنۃ مضلۃ یہ ہے کہ شوق بقاء میں تشبیہ و تجسیم میں مبتلا ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی خاص صورت میں تصور کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ ایسے ہونگے ویسے ہونگے۔ جس کی نسبت مولانا فرماتے ہیں۔

گہ ترا گوید زمستی بوالحسن ☆ یاصغیر السن یارطب البدن

یہ غلبہ شوق ہی کا اثر ہے آگے اس سے بتری کرتے ہیں۔

اے بروں از وہم وقال وقیل من ☆ خاک برفرق من و تمثیل من

اس تمثیل کا عذر بتاتی ہیں۔

بندہ نشکیبد ز تصویر خوشت ☆ ہردمت گوید کہ جانم مفرشت

مولانا تو صاحب مقام ہیں اس لئے تمثیل کو تمثیل کے درجہ پر رکھتے ہیں اور اس سے بھی برائت ظاہر کرتے ہیں لیکن صاحب حال کو غلبہ شوق میں حدود کا خیال نہیں رہتا وہ اس تشبیہ و تمثیل کو اعتقاد میں داخل کر لیتا ہے اور غائب کو حاضر پر قیاس کرنے لگتا ہے اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا ولا فتنۃ مضلۃ نیز شوق میں بعض دفعہ حد ادب سے بھی نکل جاتا ہے نہ زبان قابو میں رہتی اس درجہ کی بھی حضور ﷺ نے نفی کی ہے بس شوق مطلوب شوق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف چلائے اور جو شوق ادھر سے ہٹانے لگے وہ مطلوب نہیں۔ تو وہ شوق کیلئے بھی حد ثابت ہوئی۔ جب شریعت میں تمام امور کیلئے حدود کیوں نہ ہونگے ؟ یقیناً ہیں اور ترقی جس کے معنی آج کل سمجھے جاتے ہیں کہ کسی شے کیلئے حد نہ ہو سراسر مضر ہے۔ یہ غلط ہے اب اس کا فیصلہ کہ وہ حدود کیا ہیں حکماء شریعت و حکماء عقل نے یہ کہا ہے کہ

انسان میں تین قوتیں ہیں ایک عقلیہ ایک شہویہ ایک غضبیہ (قوت شہویہ سے مراد وہ قوت ہے جو منافع کو حاصل کرنا چاہتی ہے اور قوت غضبیہ وہ قوت ہے جو مضرتوں کو رفع کرنا چاہتی ہے۔ شہوت سے صرف عورتوں کی خواہش اور غضب سے غصہ مراد نہیں بلکہ یہ دونوں بھی ان کے افراد میں سے ہیں) اور ان میں ہر ایک کے تین درجے ہیں۔

اعتدال کے درجات

افراط، تفریط، اعتدال، مثلاً قوت عقلیہ میں تفریط کا درجہ حماقت ہے اور درجہ افراط کا نام جزیرہ جس کا ترجمہ ہے۔ چہ برا یعنی بہت تیز اور درجہ اعتدال کا نام حکمت ہے اسی طرح قوت شہوت میں ایک درجہ افراط کا ہے جس کا نام فجور ہے ایک درجہ تفریط کا ہے جس کا نام خمود ہے۔ ایک درجہ اعتدال کا ہے جس کا نام عفت۔ اور قوت غضب میں افراط کا نام تہور ہے اور تفریط کا نام جبن ہے اور اعتدال کا نام شجاعت ہے یہ کل ۹۰ درجے ہوئے جنکی مفصل تعریف کتب حکمت واخلاق میں مذکور ہے جن میں سے مطلوب صرف تین درجے ہیں اور ان تینوں کے مجموعہ کا نام عدالت ہے۔ چھ درجے مطلوب نہیں حکما کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان کا کمال یہ ہے کہ ان تینوں قوتوں میں اعتدال کا درجہ حاصل کرے اور اگر افراط کا درجہ ہو یا تفریط کا تو یہ کمال نہیں بلکہ نقص ہے۔ پس آج کل جو ترقی کا مفہوم یہ ہے کہ کسی حد پر نہ ٹھہرو یہ باتفاق حکماء غلط اور باطل ہے۔ اور علماء اسلام کے نزدیک تو باطل ہے ہی کیونکہ اسلام میں اعتدال ہی کی تعلیم ہے۔ اسی لیے اس امت کو امت عادلہ اور امت وسط قرآن میں کہا گیا ہے۔ اور شہود میں اور روایت حدیث میں جو عدالت شرط ہے اس کے معنی یہی ہیں کہ ان نو درجوں میں سے تین معتدل درجے حاصل کیے ہوئے ہوں اور افراط وتفریط کے درجات سے مبرا ہوں۔ ہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اعتدال کے بھی درجے ہیں ایک تو اعتدال حقیقی بالمعنی اللغوی ہے۔ اس پر تو بجز رسول اللہ ﷺ کے کوئی قادر نہیں اسی لئے حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

اعتدال کی قسمیں

لن یشادالدین احدالا غلبه فسددوا وقاربوا (الصحیح للبخاری ۱ : ۱۶' سنن النسائی الایمان ۲۸) کہ دین پر کوئی غالب نہیں آسکتا یعنی درجہ کمال حقیقی پر۔ پس سیدھے چلتے رہو اور قریب قریب چلتے رہو اور ایک اعتدال حقیقی اصطلاحی ہے یعنی ایسا اعتدال جس پر عام طور پر سب کو قدرت ہے۔ مامور بہ اور مطلوب یہی اعتدال ہے۔ اب میں ایک لطیف بات کہتا ہوں کہ جس مسافت پر چلا جائے اس کا وسط حقیقی یعنی وسط بہ تحریک الا وسط غیر متجزی ہوگا۔ پھر طرفین اور وسط نکلیں گے تو وسط وسط رہا۔ اس لئے لازم ہے کہ وسط غیر متجزی ہو یعنی عرضاً کیونکہ طولاً تو ضروری متجزی ہے جبکہ اس کو مسافت تسلیم کیا گیا ہے۔ جس پر سیر کی جارہی ہے پس اعمال کا وسط حقیقی غیر متجزی ہوگا۔ اور یہی دین کا طریق غیر متجزی قیامت کے روز بشکل پل صراط متمثل ہوگا۔ جس کو حدیث میں احد من السیف وادق من الشعر کہا گیا ہے حقیقت وہ اعتدال حقیقی غیر متجزی کی مثال صورت ہے اور جو غیر متجزی ہوگا اس دق من الشعر ہونا ضرور ہے کیونکہ بال عرضاً متجزی ہوتا ہے اور چونکہ اس پر چلنا قدرے دشوار ہے اس لئے احد من السیف بھی ہوگا پس جو لوگ یہاں شریعت پر چل رہے ہیں وہ وہاں بھی پل صراط پر چلیں گے اور اسی طرح چلیں گے جس طرح یہاں چل رہے ہیں اور احد من السیف وادق من الشعر پر چلنا عقلاً محال نہیں گو یہاں مستبعد رہے مگر یہاں کے استبعاد سے حدیث پر اشکال نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس عالم کی خاصیت جدا ہے اس عالم کی جدا ہے اس کو اس پر قیاس کرنا غلط ہے اس عالم کو اس عالم کے ساتھ ایسا تعلق سمجھے جیسا یہاں ذہن اور خارج میں تعلق ہے کہ جو چیز خارج میں ہے وہ ذہن میں بھی ہے مگر خارج میں اس کی خاصیت اور ہے۔ ذہن میں وہ خاصیت نہیں ہے۔

چنانچہ جوہر ذہن میں فی موضوع ہے اور خارج ہیں لا فی موضوع پس جو لوگ عقل کے بہت درپے ہیں وہ پہلے ہمیں اس کی وجہ بتائیں کہ خارج اور ذہن کی خاصیت میں کیوں فرق ہے۔ مگر آج کل عقل تو لوگوں کو ہے نہیں۔ خواہ مخواہ عاقل ہونے کا دعویٰ کرتے

ہیں۔ بس ان کے یہاں تو بڑی عقل یہ ہے کہ بی اے ایم اے ہو گئے اور اچھا کھانے اچھا پہننے لگے یہی ان کے نزدیک ترقی کا معیار ہے یہی عقل کا میں کہتا ہوں کہ کھانے پینے میں تو حیوانات تم سے اچھے ہیں اور تم سے زیادہ کھاتے پیتے ہیں اور جس چیز میں حیوانات بھی آپ کے شریک بلکہ آپ سے اچھے ہیں وہ کمال نہیں ہو سکتا کمال یہ ہے کہ انسانی کمالات کو حاصل کیا جائے اور اس کمال کی یہ خاصیت ہے کہ صاحب کمال کو کھانے پینے پہننے کی پرواہ نہیں رہتی۔

اے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی ☆ بے زر و گنج بصد حشمت قارون باشی

اے دل شراب محبت حقیقی سے خراب اور بغیر مال وزر اور خزانوں کے قارون سے بڑا کون۔

بس انسان کا بڑا کمال اقتصاد و اعتدال ہے تمام حکماء کا اس پر اتفاق ہے انہی لوگوں کی حق تعالیٰ نے مدح فرمائی ہے یعنی مقتصدین کی چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں **فمنهم مقتصد وما يجحد بايٰتنا الا كل ختار كفور** (پس بعضے تو ان میں اعتدال پر رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کے بس وہی لوگ منکر ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہیں) اس مقام پر اہل کتاب کے بارہ میں ارشاد ہے۔ **منهم امة مقتصدة و كثير منهم ساء ما يعملون** (ان میں ایک جماعت راہ راست پر چلنے والی ہے اور زیادہ ان میں سے ایسے ہیں کہ ان کے کردار بہت برے ہیں) ایک مقام پر ارشاد ہے **و كذلك جعلنا كم امة وسطا** (اور ہم نے تم کو ایک ہی ایسی جماعت بنادی ہے جو ہر پہلو سے اعتدال پر ہے)۔

بڑا کمال اقتصاد و اعتدال

اس سے صاف معلوم ہوا ہے کہ اقتصاد توسط ہی بڑا کمال ہے اور یہی مطلوب ہے پس قرآن وحدیث سے ثابت ہو گیا ہے اقتصاد ہی اعلیٰ درجہ ہے۔ اب میں ایک شبہ کا جواب دینا چاہتا ہوں جو قرآن ہی سے پڑ سکتا ہے مگر ان لوگوں کو جو محض ترجمہ دیکھ کر مولانا بن جاتے ہیں اشکال یہ ہے کہ ایک مقام پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں **ثم اورثنا الكتب الذين اصطفينا من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخيرات باذن الله** (پھر یہ کتاب ہم نے ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچائی جن کو ہم نے اپنے تمام دنیا کے

بندوں میں سے پسند فرمایا پھر بعضے تو ان میں سے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعضے ان میں سے متوسط درجہ کے ہیں اور بعضے ان میں سے خدا کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے جاتے ہیں)۔ پھر ہم نے وارث کئے کتاب کے وہ لوگ جن کو چن لیا ہم نے اپنے بندوں میں سے پھر کوئی ان میں برا کرتا ہے اپنا اور کوئی ان میں ہے بیچ کی چال پر اور کوئی ان میں آگے بڑھ گیا ہے خوبیاں لیکر اللہ کے حکم سے۔

یہاں امت محمدیہ ﷺ کی تعریف کی گئی ہے کہ امم سابقہ کے بعد ہم نے اپنے ان بندوں کو کتاب الٰہی کا وارث بنایا جن کو ہم نے برگزیدہ کیا ہے پھر ان میں بعض تو اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں یعنی گناہ گار ہیں اور بعض میانہ رو مقتصد ہیں اور بعض سابقین بالخیرات ہیں۔ یہاں امت محمدیہ ﷺ کے لئے کیسی بشارت ہے کہ ان کے گنہگار بھی برگزیدہ بندوں میں داخل ہیں تو یہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اقتصاد اعلیٰ درجہ نہیں بلکہ اس سے بھی آگے ایک درجہ ہے جن کو سابقین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ذرا اس اشکال کا جواب وہ لوگ بیان تو کریں جو محض لیڈری سے مولانا بن گئے ہیں۔ فہم القرآن آسان نہیں اس کے لئے پورے قرآن کا احاطہ ضروری ہے اور علوم قرآن سے واقف ہونا لازم ہے۔ مگر آجکل جو لوگ لیڈر ہیں اور اس زمانہ میں سب لیڈر مقتدا اور مولانا ہیں ان کی یہ حالت ہے۔

گر بہ میر و سگ وزیر و موش را دیواں کنند ☆ ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند

شاید تم یہ کہو کہ مولوی کام نہ کریں تو لیڈر کیا کرتے انہوں نے قومی سیاسیات کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ غلط ہے کہ مولوی کام نہیں کرتے جو کام مولویوں کا ہے وہ برابر کرتے ہیں اور ہمیشہ کریں گے اور کیونکر نہ کریں آخر کیا وہ گوہ کے ٹوکرے کمائیں گے۔ ہم کو لیڈروں سے یہ شکایت نہیں کہ انہوں نے سیاسیات قومی کو اپنے ہاتھ میں کیوں لیا۔ بلکہ شکایت اس کی ہے کہ اس کام میں بھی دخل دینے لگے جو مولویوں کا تھا اور ان کا کام نہ تھا وہ یہ کہ یہ لوگ احکام شرعیہ کا فیصلہ بھی اپنی رائے سے کرتے ہیں ان کو لازم تھا کہ یہ جو کچھ طریقے ترقی قومی کے سوچیں ان کو پہلے مولویوں کے سامنے پیش کر کے فتوی شرعی حاصل کرلیا کریں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔ جب علماء فتوی دیں اس کے

بعد ان سیاسی تدابیر پر عمل کیا جائے۔

علماء کا کام

علماء کا کام صرف یہی ہے کہ وہ قانون شرعی کے موافق آپ کی تدابیر وطریق کا جواز یا عدم جواز بتائیں۔ اس سے زائد علماء کا کچھ کام نہیں اور بتائے اور اس کام سے علماء نے کب پہلوتہی کیا ہے۔ اب اگر تم یہ چاہو کہ وہ اس کام سے آگے بڑھ کر سیاسیات میں عملاً بھی حصہ لیں اور تمہارے سیاسی جلسوں اور مظاہروں میں شریک ہوا کریں تو یہ کام ان کا نہیں ہے اور نہ تم کو اس پر انہیں مجبور کرنے کا کوئی حق ہے تم نے مولویوں کو سمجھا کیا ہے۔ علماء جس کام کو کر رہے ہیں وہ اس قدر اہم اور ضروری ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جس بستی میں ایک ہی عالم ہو اور جہاد شروع ہو جائے تو اس عالم کو میدان جہاد میں جانا جائز نہیں ہے کیونکہ علماء اگر مر جائیں گے تو علم دین کون سنبھالے گا۔ اس لئے ہمارے حاجی صاحبؒ علماء کو ہجرت سے منع کرتے تھے۔ کہ اگر تم ہندوستان کو چھوڑ دو گے تو ہندوستان میں دین کا کیا حال ہوگا؟

علماء و سیاسیات

اب لوگ اس کو تو دیکھتے نہیں کہ علماء کو سیاسیات میں پڑنے سے خود فقہا اسلام نے منع کیا ہے بس انکو تو الزام دینے سے کام ہے۔ مسلمانوں پر جو مصیبت بھی آئے اس کا الزام سب سے پہلے علماء پر ہے۔ بس ان کا وہ حال ہے جو انوری نے بیان کیا ہے۔

ہر بلائے کز آسماں آید ☆ گرچہ بر دیگر اں روا باشد
برزمیں تاز رسیدہ می پرسد ☆ خانہ مولوی کجا باشد

(ہر بلا آسمان سے آتی ہے اگر چہ حالات دگرگوں ہوں بطور ناز زمین سوال کرتی ہے کہ مولوی کا گھر کہاں ہے)

میں نے آخری مصرعہ میں انوری کی جگہ مولوی کر دیا ہے۔

دندان شکن جواب

میں کہتا ہوں کہ اگر مولوی قوم کے حق میں ایسے مضر ہیں کہ سارا تنزل انہی کی وجہ

سے ہے ترقی سے مانع بھی یہی ہیں۔ تو تم ان سب کو ایک جہاز میں بھر کر سمندر میں غرق کر دو۔ مگر میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ عادۃ اللہ یہ ہے کہ تم ہی غرق ہو جاؤ گے اور مولوی ساحل پر کھڑے ہوئے ہنسیں گے۔ اور جواب ایسا ہے جیسا جواب سلطان عبدالحمید خاںؒ نے جرمنی کے بادشاہ کو دیا تھا اس نے طنز کے طور پر ترکی کی کمزوری ظاہر کرتے ہوئے سلطان سے یہ کہا تھا کہ یورپ میں آپ کی ایسی حالت ہے جیسے بتیس دانتوں میں ایک زبان۔ یعنی چار طرف سے تم گھرے ہوئے ہو کچھ کر نہیں سکتے۔ تو سلطان نے جواب دیا۔ کہ یہ صحیح ہے مگر عادۃ اللہ یہ ہے کہ دانت سب گر جاتے ہیں اور زبان قائم رہتی ہے خوب ہے۔ دندان شکن جواب تھا۔ اس پر شاید کوئی کہے کہ سلطان نے جس عادۃ اللہ کا حوالہ دیا ہے وہ تو مشاہد ہے مگر تم نے جس عادۃ اللہ کا حوالہ دیا ہے اس کی کیا دلیل ہے کیا تمہارے پاس کوئی وحی آئی ہے۔ تو ہم کہیں گے ہاں وحی گو آئی نہیں مگر پہنچی ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے کیونکہ آپ فرما گئے ہیں۔

لایزال طائفة من امتي منصور ين علی الحق لايضرهم من خذلهم حتی ياتي امر الله.(الصحيح للبخاري ۹: ۱۲۵ بلفظ آخر) میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ حق پر فائز رہے گا جو کوئی ان کو رسوا کرنا چاہے ان کا بال بیکا نہ کر سکے گا حتی کہ قیامت آجائے گی۔ اس وجہ سے تم جو چاہو کر وان شاء اللہ علماء اہل حق دنیا سے ناپید نہیں ہو سکتے بعض لوگ علماء کو یہ رائے دیا کرتے ہیں کہ ان کو لیڈروں کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیے۔ کیونکہ مل کر کام کرنے سے قوت ہوتی ہے میں کہتا ہوں کہ انہوں نے مل کر کام کرنے کا مطلب ہی نہیں سمجھا۔ مل کر کام کرنے کی صورت یہ ہے جیسے بڑھی اور معمار مل کر تعمیر کا کام کرتے ہیں۔ کہ وہ الگ اپنا کام کرتا ہے اور وہ الگ پھر ان کو جمع کر دیا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ معمار اور بڑھی دونوں لکڑی کے کام پر لگ جائیں۔ یا دونوں اینٹ کے کام پر لگ جائیں اسی طرح یہاں ہونا چاہیے۔ کہ علماء الگ اپنا کام کریں اور لیڈر الگ۔ اور پھر دونوں جمع ہو جائیں اور جمع کی صورت یہ ہے کہ لیڈر علماء سے استفتاء کر کے کام کریں یہ نہیں کہ مولوی صاحب بھی لیڈروں کے ساتھ جھنڈا لے کر پہنچ جائیں۔

ہر قوم کے لئے تقسیم خدمات ضروری ہے

صاحبو! ہر قوم کے لئے تقسیم خدمات ضروری ہے بدون اس کے کام نہیں چل سکتا تمام اہل تمدن اس کی ضرورت پر متفق ہیں۔ چنانچہ جنگ میں فوج جاتی ہے فوجی افسر جاتے ہیں منشی محرر کیلکٹر اور جج۔ وغیرہ نہیں جاتے پھر نہ معلوم مولویوں کے ذمہ سارا کام کیوں رکھا جاتا ہے کہ وہ حدیث وفقہ وتفسیر کا علم بھی حاصل کریں۔ فتوی بھی لکھیں وعظ بھی کہیں درس وتدریس بھی کریں، مدرسے بھی قائم کریں، مدارس کے لئے چندہ بھی کریں، مناظرہ بھی کریں، اور لیڈروں کے ساتھ جھنڈا لیکر سیاسیات میں بھی شریک ہوں یہ طریقہ تقسیم خدمات کے بالکل خلاف ہے میں یہ کہہ رہا تھا کہ علماء کا جو کام ہے وہ اس سے کسی وقت غافل نہیں اس لئے یہ اعتراض لغو ہے کہ جب مولوی علماء کا جو کام نہ کریں تو لیڈر کیا کریں۔ انہوں نے دین کی خدمت کرنا شروع کردی۔ سو میں نے بتادیا ہے کہ جو خدمت مولویوں کے ذمہ ہے یعنی معانی قرآن وحدیث کا حل کرنا احکام شرعیہ بیان کرنا وہ اس خدمت کو بخوبی انجام دے رہے ہیں اس میں لیڈروں کو دخل دار معقول کی کیا ضرورت ہے۔ مطالب قرآن وحدیث اور احکام تو لیڈروں کو علماء سے پوچھنا چاہیے اور ترقی قومی کے اسباب ووسائل لیڈروں کو سوچنا چاہئے اور ہر تدبیر کے جواز وعدم جواز کو اپنی رائے سے طے نہ کیا کریں بلکہ اول علماء سے استفتاء کرلیا کریں ورنہ محض ترجمہ پڑھنے سے قرآن حل نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اس شبہ کا جواب جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ لیڈر ہرگز نہیں دے سکتے۔ بلکہ یہ شبہ عربی داں علماء ہی سے حل ہوگا۔ ان کے یہاں اس کا جواب بہت سہل کہ قرآن کے محاورہ میں اقتصاد کبھی اعتدال کے معنی میں آتا ہے اور کبھی توسط بین الاعلی والادنی کے معنی میں آتا ہے اور سورۃ فاطر کی آیت مذکورہ میں دوسرے معنی مراد ہیں اس لئے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اقتصاد بالمعنی الاول بھی اعلیٰ درجہ نہ ہو اب میں ختم کرتا ہوں۔

خلاصہ وعظ

خلاصہ بیان کا یہ ہوا کہ مقصود شریعت اعتدال واقتصاد ہے اور یہ بدون حفظ حدود کے حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ اعتدال کیلئے افراط وتفریط سے احتراز لازم ہے۔ پس ہر شے کو اس کی حد پر رکھنا ضروری ہے۔ اسی کا ذکر ہے والحفظون لحدود اللہ میں اور اسی کا بیان کرنا مجھے مقصود تھا۔ اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو فہم سلیم اور توفیق عمل عطا فرمائیں آمین۔

وصلی اللّٰہ تعالی علی خیر خلقه سیدنا
ومولانا محمد و علی آله واصحابه اجمعین
واخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العلمین

حرمات الحدود

بمقام جامع مسجد مچھلی شہر ضلع جون پور ۸ شعبان ۱۳۴۱ھ بعد نماز جمعہ ۲ گھنٹہ کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۲۰۰ تھی۔ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے قلمبند فرمایا۔

خطبہ ماثورہ

الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرورانفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ ونشھد ان لاالہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ والہ واصحابہ وبارک وسلم۔

امابعد فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ من الشَّیْطَانِ الرَّجِیم۔ بِسْمِ اللّٰہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم۔ یاَیُّھَا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحصواالعدۃ واتقوا اللّٰہ ربکم لاتخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ وتلک حدوداللّٰہ ومن یتعد حدود اللّٰہ فقد ظلم نفسہ لاتدری لعل اللّٰہ یحدث بعدذالک امرا۔ (الطلاق: ۱)

(اے پیغمبر ﷺ آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگے تو ان کو زمانہ عدت سے پہلے طلاق دو اور عدت کو یاد رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے اور عدت میں ان مطلقہ عورتوں کو انکے رہنے کے گھروں میں سے نہ نکالو اور وہ عورتیں خود نہ نکلیں مگر ہاں کھلی ہوئی بے حیائی کریں تو اور بات ہے یہ سب خدا کے مقرر کیے ہوئے حدود ہیں جو شخص ان حدود خداوندی سے تجاوز کرے گا تو اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا تم کو معلوم نہیں شاید اللہ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دیں)۔

موضوع وعظ کا تعین

اس وقت جس آیت کی میں نے تلاوت کی ہے اس کے خاص حصہ سے مجھے مقصود کو مستنبط کرنا ہے اس مقصود کی تعین عنقریب ہو جائے گی اس کا ضروری اور مہتم بالشان ہونا بھی معلوم ہو جائے گا جس مضمون کو میں نے اس وقت اختیار کیا ہے اس کا مجھے یہاں آنے سے پہلے خیال نہ تھا بلکہ یہاں آ کر بھی از خود ذہن میں نہیں آیا میرے یہاں آنے

کے بعد جب بیان کا تذکرہ ہوا تو میں سوچتا تھا کہ کیا بیان کروں کیونکہ عادت یہ ہے کہ بیان کے موافق موقع و مصلحت ہو، کیف ما اتفق (جیسا کہ اتفاق ہو) کسی مضمون سے بیان کر دینے کی عادت نہیں ہے اس لئے مجھ کو پریشانی تھی کہ اتفاقاً آج رات کو بعض احباب کے ساتھ حفاظت حدود احکام کے متعلق تذکرہ ہوا انہوں نے یہ کہا تھا کہ ہم کو مسائل و احکام تو کتابوں سے معلوم ہو جاتے ہیں مگر احکام کی حدود معلوم نہیں ہوتیں اس لئے بعض دفعہ سخت خلجان ہوتا ہے اس کے ساتھ انہوں نے یہ درخواست بھی کی تھی کہ اگر کوئی رسالہ اس بحث پر لکھ دیا جائے جس میں ضروری احکام کے حدود بیان کر دیے جائیں تو بہت اچھا ہو۔ اس وقت میں نے یہ جواب دیدیا تھا کہ احکام تو بہت ہیں جزئیات کا احصاء بہت مشکل ہے اگر کوئی رسالہ لکھا گیا تو اس میں خاص خاص جزئیات ہی سے بحث ہوگی اور ان کی تعین بھی مجھے خود کرنا پڑیگی اس صورت میں ممکن ہے کہ بعض وہ جزئیات رہ جائیں جن کی حدود معلوم ہونے کی آپ کو ضرورت ہے تو وہ رسالہ بھی ناکافی ہوگا اس کی سہل صورت یہ ہے کہ آپ حضرات کو جن جزئیات کے حدود معلوم کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے آپ ان کو سوال کی صورت میں لکھ کر بھیجتے رہا کریں میں اس کا جواب لکھ دیا کروں گا۔ اسی طرح بعض اور احباب سے کہا جائے کہ ان کو جو مسائل ایسے پیش آئیں جن کی حدود ان کو معلوم نہ ہوں وہ بھی ان کو قلم بند کر کے سوال کی صورت میں تھانہ بھون بھیج دیا کریں کچھ عرصہ میں ان جزئیات کا کافی ذخیرہ جمع ہو جائیگا پھر اس کو رسالہ کی صورت میں جمع کر دیا جائے گا اس رائے کو سب نے پسند کیا اور سوالات بھیجنے کا وعدہ کیا یہ تذکرہ تو ہو چکا۔

مسلمانوں کی علمی و عملی کوتاہیاں

لیکن میرے خیال میں اسی وقت یہ بات آئی ہے کہ مضمون واقعی بہت ضروری اور مہتمم بالشان ہے کیونکہ آجکل مسلمانوں کی علمی اور عملی کوتاہیوں کا زیادہ تر سبب یہی ہے کہ ہم حدود کی رعایت نہیں کرتے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کو اس مضمون کی طرف رغبت بھی ہے اور حدود معلوم کرنے کے منتظر ہیں اس لئے مناسب یہ ہے کہ مختصر طور پر اسی کا بیان آج کے وعظ میں ہو جائے۔ مختصر اس لئے کہا کہ یہ بیان اس وقت کلی ہوگا جزئی نہ ہوگا کیونکہ

جزئیات کا احصاء ہو نہیں سکتا بالخصوص ایک جلسہ میں لیکن میں نے یہ خیال کیا کہ ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ جس چیز کو پورا حاصل نہ کیا جا سکے اس کو بالکل چھوڑ دینا بھی مناسب نہیں۔ جب یہ مضمون ضروری ہے تو جتنا ایک جلسہ میں مجھ سے بیان ہو سکتا ہے مجھے بیان کر دینا چاہیے باقی تکمیل خود احباب کے ہاتھ میں ہے اگر وہ واقعات و جزئیات حادثہ سے سوال کریں گے تو اور بھی ذخیرہ تو جمع ہو جائے گا ورنہ یہ بیان ہی ضبط ہو کر اس بحث میں کام دے گا۔ پس ہر چند کہ یہ بیان مختصر ہوگا لیکن پھر بھی ان شاء اللہ کافی ہو جائے گا قواعد کلیہ پر تنبیہ ہو جانے سے بھی کسی درجہ میں کفایت ہو جائے گی ورنہ احصاء تو کتب بینی سے اور صحبت اہل اللہ سے اور جزئیات میں غور کرنے سے ہوگا۔

تفاخر کی نیت سے کھانا کھلانا حرام ہے

اس وقت ہماری یہ حالت ہے کہ جس کام کو ہم نیک سمجھتے ہیں اس میں بڑھتے چلے جاتے ہیں اور جس کو برا سمجھتے ہیں اس کو چھوڑتے چلے جاتے ہیں۔ بس ہمارے ذہن میں یہ دو کلیے جمع ہوئے ہیں کہ نیک کام میں جتنا بڑھ سکیں بڑھنا چاہیے اور برے کام کو جتنا چھوڑ سکیں چھوڑنا چاہیے ہمارے نزدیک یہ نیک کام کرنے کی کوئی حد ہے نہ برے کام کے چھوڑنے کی مثلاً ہم نے یہ سمجھ لیا کہ خرچ کرنا اچھا کام ہے تو اب اس میں بڑھتے چلے جاتے ہیں نہ اسراف کا خیال ہے نہ اس کی فکر ہے کہ اہل و عیال کو اس سے پریشانی لاحق ہوگی نہ اس کا اندیشہ ہے کہ ہم مقروض ہو جائیں گے اور زمین و جائیداد قرضہ میں نیلام ہو جائے گا ہمارے نزدیک صرف رنڈی بھڑوں میں خرچ کرنا ہی گناہ ہے اس کے سوا اور کسی موقع پر خرچ کرنا گناہ ہی نہیں۔ چنانچہ تفاخر کی نیت سے خرچ کرنے کو گناہ نہیں سمجھا جاتا حالانکہ حدیث میں اس کی صاف ممانعت ہے۔

نهى رسول الله ﷺ عن طعام المتبارين (سنن ابی داؤد ۳۷۵۴، مستدرک حاکم ۴:۱۲۹-سنن ابی داؤد ۴۰۹۱، سنن الترمذی ۱۹۹۸) رسول نے بہ نیت تفاخر کھانا کھلانے والوں کے کھانے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ آجکل شادیوں کے موقع پر کھانا کھلایا جاتا ہے کہ اس میں اپنی آمدنی اور حیثیت کو بھی نہیں دیکھا جاتا بلکہ یہ

تحقیق کی جاتی ہے کہ فلاں شخص نے اپنے بیٹے کی شادی میں کتنے کھانے پکائے تھے اور کتنے آدمیوں کو بلایا تھا پھر اس کی کوشش ہوتی ہے کہ اس سے زیادہ کھانے پکائے جائیں اس سے زیادہ مجمع کیا جائے اگر زیادہ نہ ہو تو کم از کم اس کے برابر تو ہوتا کہ وہ ہم سے بڑھا ہوا نہ رہے یہ ہے طعام المتبارین جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا۔ افسوس ہے کہ دعوت کھانے والے نہیں دیکھتے کہ داعی کی نیت کیا ہے نہ داعی کو اس کا خیال ہوتا ہے کہ میری نیت درست ہے یا نہیں۔

رہا قرض وغیرہ اس کے لئے تو ہندی مثل مشہور ہے کہ چڑھ جا بیٹے سولی پر خدا بھلی کرے گا۔ بے دھڑک قرض لیتے ہیں اور یہ سوچ لیا ہے کہ اولاد بعد میں خود ادا کر دے گی ہمیں اس کی فکر کی ضرورت نہیں ہے صاحبو اگر آپ کے باپ دادا بھی یہی سمجھ لیتے تو آج آپ کو ان کی متروکہ جائیداد میں یہ گلچھڑے اڑانے کا موقع نہ ملتا نہ آپ کو اس ناموری کا وسوسہ آتا ساری جائیداد ان کے قرضہ میں نیلام ہوگئی ہوتی۔ پس افسوس ہے آپ کے باپ دادا نے تو اپنا خون پسینہ ایک کر کے یہ جائیداد آپ کی راحت وآسائش کے لئے چھوڑی تھی اور آپ ایسے ظالم نکلے کہ آپ کو اپنے اہل وعیال کی راحت کا ذرا خیال نہیں کہ وہ آپ کے بعد کیسے پریشان ہوں گے۔ جبکہ ساری زمین و جائیداد قرضہ میں نیلام ہو جائے گی کیا اہل وعیال کا آپ پر کچھ بھی حق نہیں۔

تہائی مال میں وصیت کی اجازت

حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ حضرت سعد بن وقاصؓ کی عیادت کیلئے ایک بار تشریف لے گئے وہ سخت بیمار تھے کہ اپنی زندگی سے مایوس تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اپنے مال میں خدا کے لئے وصیت کرنا چاہتا ہوں کیا سارے مال کی وصیت کر دوں، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں کچھ اپنے اہل وعیال کے واسطے بھی تو چھوڑ دو انہوں نے نصف مال کی وصیت کا قصد کیا۔ آپ نے اس سے بھی منع فرمایا پھر انہوں نے تہائی مال کی وصیت کرنا چاہی۔ آپ ﷺ نے تہائی کی وصیت کی اجازت دی اور فرمایا تہائی بھی بہت ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر تم اپنے اہل وعیال کو خوش حال چھوڑ کر جاؤ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ ان کو خالی ہاتھ چھوڑ کر جاؤ کہ وہ دوسروں کے ہاتھ کو تکتے پھریں۔ دیکھئے آپ ﷺ نے

اللہ تعالیٰ کے واسطے بھی اس طرح وصیت کرنے سے منع فرمایا۔ جس سے اہل وعیال کو تنگی پیش آئے۔ جب نیک کاموں میں خرچ کر کے بھی اہل وعیال کو تنگ کرنا جائز نہیں تو تفاخر اور ناموری میں خرچ کر کے ان کو پریشان کرنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔ مگر ہم لوگوں کو اس کا مطلق خیال نہیں بیدھڑک خرچ کرتے ہیں قرض پر قرض چڑھائے چلے جاتے ہیں اور سارا بوجھ اولاد پر ڈال جاتے ہیں۔ کہ بعض دفعہ ان کے پاس رہنے کو مکان بھی نہیں رہتا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے)۔

نام اور شہرت لا حاصل شئی ہیں

ضلع سہارنپور کے ایک قصبہ میں ایک رئیس نے بڑی بڑھیا دعوت کی تھی جس میں ہزاروں آدمیوں کو مدعو کیا اور بھنگیوں چماروں کو بھی پلاؤ زردہ کھلایا تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے ان کو حکیمانہ طور پر نصیحت کی کہ شیخ صاحب آپ نے ہمت سے بھی زیادہ کام کیا، ظاہر میں تو یہ تعریف تھی مگر حقیقت میں ان کی حماقت ظاہر کی تھی کہ تم نے اسراف سے کام لیا۔ اپنی رقم برباد کی اور پھر یہ فرمایا کہ لیکن اس کا افسوس ہے کہ آپ نے اس کے عوض وہ چیز خریدی ہے کہ اگر کبھی ضرورت ہو تو کانی کوڑی کی بھی نہیں بک سکتی یعنی نام اور شہرت اور یہ بھی لوگوں کا خیال ہی ہے کہ بڑھیا دعوت سے تعریف ہوتی ہے صرف دو تین دن کچھ تذکرہ رہتا ہے اس کے بعد کوئی نام بھی نہیں لیتا بلکہ بعض دفعہ تو شروع میں بھی تعریف نہیں ہوتی کیونکہ آجکل لوگوں میں حسد کا مرض بہت ہے تعریف کون کرتا ہے بلکہ مذمت کے درپے رہتے ہیں ایک شخص ہزاروں لاکھوں روپے پر پانی پھیر کر دعوت کرتا ہے اور کھانے والوں کی یہ حالت ہے کہ جہاں ذرا سی بات میں کسر رہ گئی انہوں نے اس کو زبان پر لانا شروع کیا اس کا نام بھی کوئی نہیں لیتا کہ اس بیچارہ نے کتنی رقم خرچ کی ذرا کسی مہمان کو حقہ ملنے میں دیر ہوگئی ہو یا پان کچھ دیر تک نہ ملا ہو بس وہ اسی کا رونا روتے رہتے ہیں تعریف کبھی نہیں کرتے۔

تفاخر میں خرچ کرنا گناہ ہے

ایک بزرگ سے میں نے حکایت سنی ہے کہ ایک بنئے نے اپنی بیٹی کی شادی میں

بڑے زور کی دعوت کی تھی علاوہ انواع واقسام کے کھانوں کے اس نے ہر باراتی کو ایک ایک اشرفی بھی تقسیم کی تھی۔ جب بارات رخصت ہوئی تو بنیے کو خیال ہوا کہ آج ضرور سب باراتی میری تعریف کرتے جائیں گے راستہ میں چل کر سننا چاہیے کیا کیا تعریفیں ہوتی ہیں چنانچہ وہ بارات کے راستہ میں جا کر چھپ کر بیٹھ گیا۔ بس یہ مقصود ہوتا ہے اسراف اور فضول خرچی سے کہ چند باتیں سن کر جی خوش کریں۔ آدمی فربہ شود از راہ گوش (آدمی موٹا ہوتا ہے تعریف سننے سے)۔

مگر افسوس ان لوگوں کو یہ بھی نصیب نہیں ہوتا چنانچہ بہلیاں گزرنا شروع ہوئیں تو وہاں سناٹا تھا کسی نے بھی بنئے کی تعریف نہ کی، اسے بڑا غصہ آیا کہ یہ لوگ نرے نمک حرام ہیں۔ میں نے تو اتنا خرچ کیا اور یہ ایک دو بات بھی میری تعریف میں نہیں کہتے۔ خیر خدا خدا کر کے ایک بہلی سے کچھ آواز آئی۔ ایک گاڑی بان دوسرے گاڑی بان سے کہہ رہا تھا کہ بھائی لالہ جی نے بڑے زور کی شادی کی کہ کھانا تو کھلایا ہی تھا ایک ایک اشرفی بھی دی، تو وہ دوسرا کہتا ہے کہ میاں کیا کیا سسرے کے یہاں اشرفیوں کے صندوق بھرے پڑے ہیں دو دو ہی بانٹ دیتا تو اس کے گھر میں کیا کمی آجاتی، سسرے نے ایک ہی اشرفی دی لیجئے یہ تعریف ہوئی لالہ جی کو بھی حقیقت معلوم ہوگئی کہ ایک تو میں نے روپیہ خرچ کیا اوپر سے گاڑی بان بھی میری بیٹی کو سنگوانے لگا غرض اتنا خرچ کرنے پر بھی لوگوں نے عیب ہی نکالا اور کچھ نہ سہی یہی عیب نکال دیا کہ اس سے زیادہ کیوں نہ کیا اور واقعی یہ عیب تو ایسا ہے ہر شخص میں نکل سکتا ہے کہ اتنا ہی کیوں کیا اسے زیادہ کیوں نہ کیا کیونکہ زیادہ کی کہیں حد ہی نہیں۔ پس لوگوں کا محض گمان ہی گمان ہے کہ ان فضول خرچیوں سے ہمارا نام ہوتا ہے۔ چند خوشامدیوں کی باتوں سے وہ سب کو ایسا ہی سمجھتے ہیں تحقیق کے بعد معلوم ہوسکتا ہے کہ تعریف کرنے والے کتنے ہیں اور عیب نکالنے والے کتنے۔ پھر اگر تعریف ہوئی تھی تو تم کو کیا مل گیا۔ تعریف کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک ہوا ہے جو منہ سے نکلتی ہے اور بس اس کے لئے روپیہ برباد کرنا سراسر حماقت ہے۔ خصوصاً ایسے لوگوں کو کھلانا جو وقت پر کام بھی نہ آئیں کیونکہ باراتوں میں اکثر ایسے لوگ آتے ہیں جن کی صورت سے بھی آپ آشنا نہیں ہوتے اور پہلے تو کیا آشنا ہوتے بارات

آنے کے بعد بھی آپ کو خبر نہیں ہوتی کہ کون کون آیا ہے ان میں زیادہ تر ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ وقت پر آپ سے آنکھیں چرالیں گے مگر باوجود ان سب باتوں کے آجکل مسلمانوں کا روپیہ اس حماقت میں بہت برباد ہو رہا ہے پھر افسوس یہ ہے کہ گناہ کرتے ہیں اور اس کو گناہ نہیں سمجھتے ان کو اس کا وہم بھی نہیں ہوتا کہ تفاخر میں خرچ کرنا گناہ ہے حالانکہ یہ ایسی کھلی ہوئی بات ہے جس کا گناہ ہونا ظاہر ہے کیونکہ تفاخر کا منشاء تکبر ہے کہ ہمارا نام ہوگا ہم بڑے آدمی سمجھے جائیں گے اور تکبر ایسا گناہ ہے کہ اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں تمام گناہوں کی جڑ یہی تکبر ہے مولانا فرماتے ہیں۔

علت ابلیس انا خیر بداست ☆ ایں مرض درنفس ہر مخلوق ہست

ابلیس کی علت یہی انانیت تو تھی اور یہ مرض ہر شخص کے اندر کم وبیش موجود ہے۔

اسراف اور تفاخر کا منشاء

حدیث مسلم میں ہے لایدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من کبر. (سنن ابی داوٗد: ۴۰۹۱، سنن الترمذی: ۱۹۹۸) جس کے دل میں رائی برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ غرض ہماری حالت یہ ہے کہ ہم نے خرچ کرنے کو اچھا سمجھ لیا ہے تو اب خرچ کرتے چلے جاتے ہیں اسراف کی بھی پرواہ نہیں کرتے حالانکہ خرچ کی شریعت میں ایک حد ہے۔ جس سے آگے بڑھنا اسراف ہے اور اسراف کی سخت ممانعت ہے بلکہ اس پر اتنی سخت وعید ہے کہ مسرف کو شیطان کا بھائی فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین و کان الشیطان لربہ کفورا۔

تحقیق فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔

اور اس میں راز وہی ہے جو میں نے ابھی بتلایا ہے کہ اسراف کا منشا تفاخر ہے اور تفاخر کا منشا کبر ہے اور تکبر علت ابلیس ہے۔

مردودیت شیطان کا سبب

شیطان کے مردود ہونے کا سبب یہی تھا کہ اس نے اپنے کو آدمؑ سے افضل سمجھا اس لئے باوجود حکم خداوندی کے سجدہ آدم سے انکار کیا یہ تو خرچ کرنے میں ہماری حالت ہے اس کے مقابل بعض لوگوں نے کفایت شعاری کا سبق پڑھا ہے، بعض لوگوں نے کسی سے یہ سن لیا تھا کہ کفایت شعاری اچھی چیز ہے۔ بس اب وہ ایسے کفایت شعار بنے کہ بالکل ہی ہاتھ روک لیا۔ بیوی بچوں کو تنگ رکھتے ہیں، ضروریات میں خرچ نہیں کرتے دین کے کاموں میں بھی خرچ نہ کرنے کیلئے بہانے ڈھونڈتے ہیں پیسہ پیسہ پر جان دیتے ہیں یہ بھی حد سے تجاوز ہے۔

انفاق میں ضروریات اعتدال

شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ انسان کو جب خدا دے تو خود بھی آرام سے رہے اور اہل وعیال کو بھی آرام سے رکھے مگر ہمارے کاموں کے کوئی اصول نہیں ہم جس کام کو اچھا سمجھتے ہیں اس کے ہر درجہ کو اور ہر موقعہ کو اچھا سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلطی ہے۔ خرچ کرنا مطلقاً اچھا نہیں بلکہ اچھا بھی ہے اور برا بھی اسی طرح خرچ نہ کرنا مطلقاً برا نہیں بلکہ برا بھی اور اچھا بھی اب یہ سمجھنا کہ کس موقع پر خرچ کرنا اچھا نہیں اور کتنا خرچ کرنا چاہے کتنا نہ چاہیے یہی رعایت حدود ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولا تجعل یدک مغلولة الی عنقک ولاتبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا۔

نہ اپنے ہاتھ کو گردن سے باندھ لو (کچھ خرچ ہی نہ کرو) اور نہ پوری طرح کھول دو پھر تم نشانہ ملامت ہو جاؤ گے (یعنی بخل کی صورت میں) اور مفلس کنگال ہو جاؤ گے (اسراف کی صورت میں) دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ **والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما۔**

اور (وہ نیک بندے) جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی

کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ نہ انفاق مطلقاً محمود ہے نہ اقتار بلکہ دونوں میں اعتدال مطلوب ہے جس کی تفصیل فقہاء کے کلام میں ملتی ہے۔ فضول خرچی یہ ہے کہ معصیت میں خرچ کیا جائے اسراف میں صرف رنڈی بھڑوں میں خرچ کرنا ہی داخل نہیں بلکہ تفاخر اور ناموری کیلئے خرچ کرنا بھی معصیت کی فرد ہے اس طرح مباحات میں بلا ضرورت اپنی استطاعت سے زیادہ خرچ کرنا بھی اسراف میں داخل ہے اسی طرح طاعات ضروریہ میں استطاعت سے زیادہ صرف کرنا جس کا انجام اخیر میں بے صبری اور حرص و بدنیتی ہو یہ بھی اسراف ہے کیونکہ حرص و بدنیتی اور بے صبری یہ امور معصیت ہیں اور اس کا سبب ہوا استطاعت سے زیادہ صرف کرنا اور مفضی الی المعصیت) گناہ کی طرف پہنچانے والا) بھی معصیت ہوتا ہے لہذا یہ انفاق معصیت ہوا۔ خلاصہ یہ کہ معصیت میں خرچ کرنا تو مطلقاً اسراف ہے اور طاعات ضروریہ میں بالکل خرچ نہ کیا جائے یا حکم شرعی سے کم ادا کیا جائے۔ اسی طرح مستحبات و مباحات میں اتنی تنگی کی جائے جس سے اپنے کو یا اہل و عیال کو تکلیف ہو یہ بھی ناجائز ہے۔

ہر کام میں تعین حدود کا منشاء

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں خستہ حالی کے ساتھ آیا آپ کو اس کی حالت دیکھ کر رنج ہوا بعد میں معلوم ہوا کہ یہ تو خوش حال آدمی ہے تو آپ نے فرمایا لیری اثر النعمة علیک (او کما قال) یعنی خدا کی نعمت کا اثر تمہارے اوپر ظاہر ہونا چاہیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مباحات میں اتنی تنگی کرنا جس سے دوسروں کو یہ گمان ہو کہ اس کے پاس کچھ نہیں بیچارہ پر فاقے گزرتے ہوں گے ناجائز ہے۔ کیونکہ اس میں نعمت الٰہی کی ناشکری ہے نیز خواہ مخواہ اپنے کو بلاوجہ نظروں سے ذلیل کرنا ہے اور جو کوئی ذلیل بھی نہ سمجھے تو اس کا دل دکھے گا بلاوجہ مسلمانوں کا دل دکھانا بھی برا ہے۔ صاحبو اس تفصیل سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ شریعت نے جو ہر کام کی حدود مقرر کی ہیں اس سے مقصود یہ ہے کہ آپ راحت کے ساتھ زندگی بسر کریں تکلیف نہ برداشت کریں اس لئے

اتنا خرچ کرنے کی بھی ممانعت ہے جس کا انجام کلفت ہو۔ اور اتنی کفایت شعاری کی بھی ممانعت ہے جس سے اپنے کو یا اہل وعیال کو تکلیف ہو۔ افسوس اب بھی لوگ شریعت کی قدر نہیں کرتے غرض خرچ کی بھی ایک حد ہے۔ اور کفایت شعاری کی بھی ایک حد ہے۔ ان حدود سے باہر قدم رکھنا ہمیشہ موجب کلفت ہے اور گناہ ہوا وہ الگ۔ یہ تو خرچ کے متعلق ہماری حالت تھی اب دوسری باتوں کو بھی دیکھ لیا جائے اگر کسی نے بولنے کو اچھا سمجھا ہے تو اس کے بولنے کی کوئی حد نہیں جب باتیں کرنے پر آئیں گے تو گھنٹوں بولتے چلے جائیں گے نہ غیبت کی پرواہ ہے نہ شکایت کی نہ اس کا خیال ہے کہ ہمارے منہ سے بعض باتیں بے تحقیق نکل رہی ہیں نہ اس کا خیال کہ بعض باتوں میں ہم خود اپنی مدح کر رہے اگر ترک کلام کو اختیار کیا تو بس گم سم بنے بیٹھے ہیں اگر کسی سے بات بھی کریں گے تو ادھوری اس کی پروا ہی نہیں کہ بات گول مول رہ جاتی ہے جس سے دوسرے کو تکلیف ہوگی۔ اگر کسی نے کھانے کو اچھا سمجھا تو وہ ہر وقت کھانے کے ہی میں ہے لذیذ اور عمدہ غذاؤں میں منہمک ہے اس کی پرواہ نہیں کہ یہ حلال ذریعہ سے حاصل ہوا یا حرام طریقہ سے بس جو آیا کھانے سے کام ہے کوئی دو وقت کھاتا ہے تو یہ حضرت چار وقت پر بھی بس نہیں کرتے چاہے ہضم ہو یا نہ ہو ان کا گلا ہر وقت چلنا چاہیے اور اگر تقلیل غذا کو اچھا سمجھا تو اس میں حد سے بڑھ گئے دو وقت کی جگہ ایک وقت کھانے لگے چاہے دماغ خشک ہو جائے بدن ضعیف ہو جائے مگر یہ ایک وقت سے زیادہ کھانا جانتے ہی نہیں پھر اسی پر بس نہیں بلکہ لوگوں کی برائی کرتے ہیں جو اعتدال کے ساتھ دو وقت کھانا کھاتے ہیں جب بیٹھیں گے کم کھانے کے فضائل بیان کریں گے جس میں در پردہ اپنی تعریف مقصود ہوگی بس ہمارا یہ حال ہے

چوں گرسنہ می شوی سگ می شوی ☆ چونکہ خوردی تند و بدرگ می شوی

(جب بھوکا ہوتا ہے تو کتے کی طرح حریص ہوتا ہے اور جب کھانے کو ملتا ہے تو، تو تند و بدرگ ہوتا ہے)۔

غرض ہمارے کسی کام کی بھی حد مقرر نہیں جو کام ہے حد سے باہر ہے صاحبو نماز

سے بہتر کیا چیز ہے اگر حدود نہ ہوں تو اس کی کوئی حد نہ ہونی چاہیے تھی بس یہ حکم دیدیا جاتا کہ جتنی چاہو نماز پڑھتے رہو اور جب چاہو پڑھ لو حالانکہ ایسا نہیں۔

اوقات مکروہ نماز

چنانچہ طلوع فجر کے بعد فرض ادا ہونے تک دوسنتوں سے زیادہ نفل نماز مکروہ ہے۔ اور فجر وعصر کے فرضوں کے بعد بھی طلوع وغروب تک نفلیں مکروہ ہیں اور عین طلوع وغروب واستواء کے وقت تو کوئی نماز بھی جائز نہیں نہ فرض نہ نفل بجز اسی دن کے عصر کے اور وہ بھی کراہت کے ساتھ پھر ہر نماز فرض کا وقت مقرر ہے یہ نہیں کہ ظہر کی نماز عصر کے وقت پڑھ لو عصر کی مغرب کے وقت۔

روزہ کی حدود

اسی طرح روزہ کیسی عمدہ عبادت ہے مگر اس کے واسطے بھی حدود ہیں یہ نہیں کہ جب چاہو روزہ رکھ لو سال بھر میں بعض ایام ایسے بھی ہیں جن میں روزہ رکھنا حرام ہے یعنی عید کے دن اور بقرعید کے دن اور ایام تشریق میں روزہ مکروہ تحریمی ہے۔

حج کے حدود

حج کیسی اچھی عبادت ہے مگر اس کے واسطے بھی حدود ہیں عرفات میں جانے کا خاص دن مقرر ہے، منیٰ میں آنے کا خاص دن معین ہے ان تاریخوں کے بغیر حج نہیں ہوسکتا اگر یہ حدود نہ ہوتے تو جب چاہتے حج کر لیتے مگر اب اگر عرفات کا دن نکل جائے تو سال بھر تک حج نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح احرام باندھنے کے مہینے مقرر ہیں۔ اشہر حج سے تقدیم احرام مکروہ ہے اشہر حج شوال سے شروع ہوتے ہیں گو ان سب میں حج نہیں ہوتا حج صرف ذی الحجہ کی بعض تاریخوں میں ہوتا ہے لیکن ان مہینوں میں احرام باندھنے کی اجازت ہے ان سے پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے۔ پس یہ مہینے چونکہ محل احرام ہیں اور احرام شرط حج ہے۔ اس لئے ان سب کو اشہر حج کہا جاتا ہے۔ غور کیجئے ان اعمال سے بڑھ کر کونسا عمل ہوگا مگر ان سب کی حدود ہیں۔

حدود معاملات

اسی طرح معاملات کو دیکھ لیا جائے ان میں بھی حدود ہیں نکاح کی بھی ایک حد ہے کہ چار بیبیوں سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ اسی طرح ہر عورت سے نکاح جائز نہیں بلکہ بعض حلال ہیں بعض حرام بہت سی عورتیں نسب کی وجہ سے حرام ہیں بعض رضاع کی وجہ سے بعض مصاہرت کی وجہ سے بیع وشراء کے لئے بھی حدود ہیں بعض صورتیں ربوا میں داخل ہیں بعض صورتیں بیوع فاسدہ ہیں بعض صورتیں بیوع باطلہ ہیں۔

حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں جابجا احکام کو ذکر فرما کر اکثر موقعہ پر **تلک حدود اللّٰہ** (یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں) فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ تمام احکام شرعیہ حدود ہی ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا ہے **تلک حدود اللّٰہ فلاتقربوھا** (یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں ان کے پاس بھی نہ جاؤ) طلاق کے مسائل کے بعد فرمایا **تلک حدود اللّٰہ فلاتعتدوھا** (یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں پس ان سے تجاوز نہ کرو)۔

شریعت میں رعایت حدود کا حکم

گویا تمام شریعت میں حدود ہی حدود ہیں ان کو مہمل سمجھنا کتنی بڑی غلطی ہے مگر آجکل اس میں ابتلاء عام ہو رہا ہے لوگ عام طور پر کاموں میں حدود کی رعایت نہیں کرتے اس لئے ضرورت ہے کہ اس مبحث پر قدرے گفتگو کی جائے۔ اور احکام کی حدود سے لوگوں کو مطلع کیا جائے۔ چنانچہ اس آیت میں بھی جس کو میں نے ابھی تلاوت کیا ہے حق تعالیٰ نے بعض احکام بیان فرما کر **تلک حدود اللّٰہ** (یہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود ہیں) فرمایا ہے مجھے اس آیت میں اخیر کا حصہ مقصود ہے۔ پہلا حصہ مقصود نہیں شاید آپ کو پوری آیت سن کر تعجب ہوا ہوگا کہ طلاق کے ذکر کو اس مقام سے کیا مناسبت۔ مگر میں نے پوری آیت کو تبرکاً پڑھ دیا ہے مقصود اخیر کا حصہ ہے۔ کیونکہ اس میں رعایت حدود کی تاکید مخصوص طور پر مذکور ہے جو دوسرے مقام پر نہیں۔

احکام طلاق کے حدود میں حکمت

حق تعالیٰ نے اس جگہ اول طلاق کے احکام بیان فرمائے ہیں اس کے بعد ارشاد

ہے۔ تلک حدود اللّٰہ ومن یتعد حدوداللّٰہ فقد ظلم نفسہ۔ یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں اور جو شخص اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرے اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ ظلم اخروی تو ظاہر ہے کہ تعدی حدود سے گناہ ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ آخرت میں بہت سخت ہے تو یہ شخص اپنے ہاتھوں مصیبت آخرت کو خریدتا ہے مگر تعدی حدود میں اپنے نفس پر ظلم دنیوی بھی ہے کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ان حدود کے مقرر کرنے سے یہ بھی مقصود ہے کہ لوگ راحت سے زندگی بسر کریں تو ان سے تعدی کرنے میں دنیوی پریشانی بھی ضرور لاحق ہوتی ہے۔ لہٰذا اس میں اپنے نفس پر ظلم دنیوی بھی ہے۔ آگے فرماتے ہیں لاتدری لعل اللّٰہ یحدث بعدذالک امرا۔ تم نہیں جانتے ممکن ہے حق تعالیٰ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کردیں۔ یہ حکمت ہے ان حدود کی جو طلاق کے متعلق اس جگہ ذکر کیے گئے ہیں اور یہی وہ مضمون ہے جو اس مقام میں خاص طور پر مذکور ہے۔ دوسرے مقام پر مذکور نہیں لاتدری (تم نہیں جانتے) میں خطاب بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن حقیقت میں خطاب امت کو ہے جیسے یاایُّھَا النَّبِیُّ اذا طلقتم النساء۔ اے نبی جب تم عورتوں کو طلاق دو) میں اول ندا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور آگے طلقتم صیغہ جمع کا ہے جس کے مخاطب سب ہیں اور نکتہ اس میں یہ ہے کہ بتلا دیا گیا کہ امت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسا تعلق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کرنا گویا امت کو ندا کرنا ہے۔ اسی طرح لاتدری (تم نہیں جانتے) کو خطاب بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن واقع میں یہ خطاب عام ہے اور اس میں بھی وہی نکتہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور امت میں ایسا تعلق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرنا گویا امت کو خطاب کرنا ہے۔

حق تعالیٰ کے ذمہ علت احکام بیان کرنا نہیں

الغرض لاتدری لعل اللّٰہ یحدث بعدذالک امرا۔ (تم نہیں جانتے ممکن ہے کہ حق تعالیٰ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کردیں) میں ایک حکمت کی طرف اشارہ ہے اور گو حق تعالیٰ کے ذمہ حکمت کا بیان کرنا نہیں ہے کیونکہ ہمارے میں اور حق تعالیٰ

میں حاکم ومحکوم کا علاقہ ہے۔ برابری کا علاقہ نہیں اور حکمت بیان کرنا دوستوں اور بھائیوں میں مناسب ہوتا ہے کیونکہ وہاں حکومت نہیں ہے۔پس دوستوں اور بھائیوں سے جب کوئی کام لینا ہو وہاں احکام کی حکمت بتلانا ضروری ہے لیکن حکام وقت اپنے احکام میں حکمتیں نہیں بیان کرتے وہ اپنی حکومت کی بناء پر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو حکمتیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔بس جو نہ مانے گا مجرم ہوگا اور سزا بھگتے گا۔

اسی قاعدہ پر حق تعالیٰ کے ذمہ بھی حکمتیں بیان کرنا نہیں ہے۔لیکن ان کی رحمت نہایت درجہ ہے وہ چاہتے ہیں کہ سامعین کی اصلاح ہو ہی جاوے۔کیونکہ بعضے ایسے بھی ہیں جو بدون حکمت کے ویسے احکام کو نہ مانیں گے اس لئے کہیں کہیں انہوں نے احکام کی حکمت بھی بیان کردی ہے مگر بعض جگہ نہیں بھی بیان کی تا کہ سامعین کو حکمت معلوم کرنے کی عادت نہ ہوجاوے اور کسی جگہ حکمت غامض ہوتی ہے جس کو ہر شخص نہ سمجھ سکے گا اور عادت پڑ گئی ہے حکمت سن کر عمل کرنے کی تو وہ عمل بھی نہ کرے گا اور گنہگار ہوگا اس لئے خدا تعالیٰ نے نہ تو ہر جگہ حکمت بیان کی نہ یہ کہ کہیں بھی ذکر نہ ہو۔

تفسیر آیت متلوہ

اب پوری آیت کی تفسیر سنئے اس سے حکمت کی حقیقت واضح ہوجائے گی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقو ھن لعدتھن ۔اے پیغمبر ﷺ آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کو زمانہ عدت سے پہلے طلاق دو یہاں سب کے نزدیک حسب روایت لعدتھن کے معنی فی قبل عدتھن (ان کی عدت سے پہلے) ہیں پھر قبل کے معنی میں حنفیہ وشافعیہ کا اختلاف ہے۔حنفیہ کے نزدیک عدت حیض سے شمار ہوتی ہے تو ان کے نزدیک قبل کے معنی استقبال وآمد کے ہیں۔مطلب یہ ہوا کہ حیض آنے سے پہلے یعنی طہر میں طلاق دو۔اور شافعیہ کے نزدیک عدت طہر سے ہے ان کے نزدیک قبل کے معنی ابتداء کے ہیں یعنی زمانہ عدت کے شروع میں طلاق دو۔اس کا حاصل بھی وہی ہوا کہ طلاق طہر میں ہونی چاہیے لیکن جس طہر میں طلاق دی

جائے گی حنفیہ کے نزدیک وہ عدت میں شمار نہ ہوگا۔ بلکہ عدت حیض سے شمار ہوگی اور شافعیہ کے نزدیک وہ طہر بھی عدت میں شمار ہوگا۔ کتب اصول میں فریقین کے دلائل مذکور ہیں اس وقت میں ان کو بیان کرنا نہیں چاہتا۔ آگے فرماتے ہیں **واحصوا العدة** یعنی طلاق دینے کے بعد تم عدت کو یاد رکھو **واتقوا اللہ ربکم**۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ جو تمہارا رب ہے یعنی طلاق کے متعلق جو خدا کے احکام ہیں ان کے خلاف نہ کرو۔ مثلاً یہ کہ حدیث میں تین طلاق دفعۃً دینے کی ممانعت ہے تو ایسا نہ کرو اور حیض میں طلاق مت دو وغیرہ وغیرہ۔

اور ایک حکم آگے مذکور ہے **لاتخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ**۔ یعنی عدت میں ان مطلقہ عورتوں کو ان کے رہنے کے گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں مگر ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں تو اور بات ہے مثلاً بدکاری یا سرقہ کی مرتکب ہوں اس صورت میں سزا کے لئے گھر سے نکالی جاویں یا بقول بعض علماء کے وہ زبان درازی اور ہر وقت کا رنج و تکرار رکھتی ہوں تو ان کو نکال دینا اور باپ کے گھر بھیج دینا جائز ہے۔

تلک حدود اللہ ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسه، یہ سب خدا کے مقرر کئے ہوئے حدود ہیں اور جو شخص حدود خداوندی سے تجاوز کرے گا (مثلاً تین طلاقیں دفعۃً دیدیں یا طلاق کے بعد عورت کو گھر سے نکال دیا) تو اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ (یعنی گنہگار ہوا آگے طلاق دینے والے کو ترغیب دیتے ہیں کہ طلاق میں رجعی بہتر ہے طلاق مغلظہ نہ دینی چاہیے فرماتے ہیں۔ **لاتدری لعل اللہ یحدث بعدذلک امرا**۔ اے طلاق دینے والے تجھ کو خبر نہیں شاید اللہ تعالیٰ اس طلاق کے بعد کوئی نئی بات تیرے دل میں پیدا کردے۔ مثلاً طلاق پر ندامت ہو تو رجعی طلاق میں اس کا تدارک تو ہو سکے گا۔

لاتدری کی توجیہ

مفسرین نے **لاتدری** الخ کی توجیہ میں اختلاف کیا ہے بعض نے یہ کہا ہے کہ ایک طلاق دینی چاہیے تین نہ دینی چاہئیں۔ اور ایک توجیہ یہ کہ تین دفعۃً مت دو۔ اگر تین

ہی دینی ہوں تو ایک طہر میں ایک طلاق پھر دوسرے طہر میں دوسری طلاق متفرقاً دینی چاہئیں۔ مجھے سب توجیہوں کا بیان کرنا مقصود نہیں صرف یہ بتلانا ہے کہ اس جگہ طلاق کی حد مذکور ہے کہ ایک وقت میں ایک دینی چاہیے ایک دم سے تین نہ دینی چاہئیں اور اس کی حکمت یہ بتلائی ہے کہ تم کو کیا معلوم ہے کہ اس کے بعد تمہارے دل میں کیا بات پیدا ہو تو ایک طلاق دینے میں یا تین متفرقاً دینے میں مصالح ومنافع کی رعایت ہے اور تین دفعہ دینے میں معاملہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ پھر اگر ندامت ہو تو سوائے حسرت کے کچھ نہیں ہوسکتا۔ آجکل لوگوں کو تین طلاقیں دینے کا بہت شوق ہے بعض لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ ایک یا دو سے طلاق ہی نہیں ہوتی اس کا منشاء جہل بالاحکام ہے اور بعض جانتے ہیں کہ ایک یا دو سے بھی طلاق ہو جاتی ہے مگر وہ تین اس واسطے دیتے ہیں کہ عورت اس سے مری رہے گی۔

نکاح ایک طلاق سے بھی مرجاتا ہے

صاحبو! نکاح تو ایک طلاق سے بھی مرجاتا ہے ہاں اس صورت میں سسک سسک کر مرتا ہے کہ عدت کے بعد ٹوٹتا ہے اور تین میں اسی وقت مرجاتا ہے تو بعض لوگ عورت کو ستانے کے لئے تین طلاق دیتے ہیں کہ اس کو رجعت کی امید کیوں دلائی جائے اور بعض یہ سمجھتے ہیں کہ شاید ایک طلاق کے بعد کہیں ہماری ہی رائے نہ بدل جاوے اور اس کا رکھنا منظور نہیں اس لئے تین ہی دیدیتے ہیں۔ ان کی حالت بہت افسوس ناک ہے کہ خدا نے ان کو عقل اور سمجھ دی تھی مگر یہ اس سے کام نہیں لیتے ان سے کوئی پوچھے مت دو چنانچہ فقہی مسئلہ ہے۔

ابغض المباحات عندالله الطلاق (تلخیص الحبیر لابن حجر ۳:۲۰۵)

(مباحات میں مبغوض تر اللہ کے نزدیک طلاق ہے)۔

اور یہ مضمون ایک حدیث کا بھی ہے جس کا مرسل ہونا صحیح ہے اور رفع ضعیف ہے۔

کذا فی المقاصد الحسنہ للسخاوی ۱۲ جامع (جیسا کہ سخاوی کی کتاب مقاصد حسنہ میں مذکور ہے)۔

کہ اگر بعد میں تمہاری رائے بدل گئی اور اس کو اپنے پاس رکھنا چاہا تو اس کی

گنجائش رکھنے میں تمہارا کیا حرج ہے عقل کی بات تو یہ ہے کہ انسان جب کوئی کام کرے تو اس کے تمام پہلوؤں کی رعایت کر لے خصوصاً اکثر غصہ میں ہوا کرتی ہے اس میں گنجائش رکھنا اور سمجھ کر کام کرنا بہت ہی ضروری ہے کیونکہ بعض دفعہ عورت سے محبت ہوتی ہے لیکن اتفاقاً ناگواری پیش آ گئی ایسی حالت میں تین طلاق دینا اپنے کو سخت پریشان کرنا ہے۔ جب دل میں اس کی محبت ہے تو جدائی کی کلفت ہوگی۔ اور اگر ہمت سے کام لیا تو ارتکاب حرام کا بھی اندیشہ ہے۔ بعض دفعہ عورت سے محبت نہیں ہوتی مگر اس سے اولاد ہو چکی ہے تین طلاق دینے کے بعد جب اولاد کی ویرانی اور پریشانی کا خیال ہوتا ہے تو سوائے حسرت وندامت کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اگر اولاد کو اس سے جدا کیا جائے تو مرد سے ان کی تربیت اور دیکھ بھال دشوار ہے اگر جدا نہ کیا جائے اور اس کے پاس رکھا جائے تو اولاد کو ماں سے زیادہ ہمدردی ہوگی، باپ کی خاک بھی وقعت ان کے دلوں میں نہ ہوگی۔ بلکہ اس کو اپنا دشمن سمجھیں گے کہ اس نے ہماری ماں کو گھر سے نکال دیا۔

بعض دفعہ طلاق کے بعد اس شخص کو دوسری بیوی نہیں ملتی اور طلاق دینے والوں کو اکثر نہیں ملتی، خاندان میں بدنام ہو جاتا ہے کہ اس کو کون لڑکی دے یہ تو ظالم ہے طلاق دیدیتا ہے پھر یا تو صبر سے کام لینا پڑتا ہے اور ایسے بہت کم ہیں یا رنڈیوں اور لڑکوں سے خراب خستہ ہوتے ہیں جس میں دنیا کی بھی ذلت آخرت کی بھی بربادی اور گھر تباہ ہوا وہ الگ کیونکہ عورت کے بغیر گھر کا انتظام نہیں ہو سکتا تجربہ کر لیا جائے۔ ان واقعات کی بناء پر شریعت نے طلاق کیلئے بہت حدود مقرر کی ہیں۔ اول تو یہ حکم ہے کہ طلاق کو جہاں تک ٹال سکو ٹالو۔ دوسری تدبیروں سے کام لو۔

عورتوں سے مساویانہ سلوک نہ کرنے کا حکم

نیز حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ الرجال قوامون على النساء بمافضل الله بعضهم على بعض وبما انفقوا من اموالهم فالصلحت قنتت حفظت للغيب بما حفظ الله۔

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں

پر (قدرتی) فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال (عورتوں) پر خرچ کیے ہیں (اس میں بتلا دیا گیا کہ عورتیں تمہارے قبضہ میں ہیں ان کی اصلاح کچھ مشکل نہیں ،طلاق کی کیا ضرورت ہے اول تو خدا نے تم کو قدرتی طور پر عورتوں کا حاکم بنایا ہے، دوسرے تم ان پر مالی احسانات کرتے ہو)۔تو جو عورتیں نیک اور لائق ہیں مرد کی عدم موجودگی میں بھی بحفاظت وتوفیق الٰہ (اس کی آبرو اور مال کی) نگہداشت کرتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اگر تم دو باتوں کی رعایت کرو تو شائستہ اور نیک عورتیں تو فوراً تمہاری تابعدار ہو جائیں گی ایک یہ کہ تم حاکم بن کر رہو، برابری اور غلامی کے ساتھ نہ رہو۔ کیونکہ جو شخص ابتداء میں عورتوں کے ساتھ برابری کا برتاؤ کرتا یا ان کی غلامی اختیار کرتا ہے تو پھر وہ ساری عمر اسی برتاؤ کی منتظر رہتی ہیں لہٰذا تم کو اول ہی سے ایسا برتاؤ کرنا چاہیے جیسا کہ حاکم محکوم سے کرتا ہے۔

دوسرے تم ان کے ساتھ مالی احسانات کرو مثلاً مہر کی ادائیگی میں جلدی کرو۔نفقہ اور کپڑے میں تنگی نہ کرو۔ان کی ولداری اور دل جوئی کا خیال رکھو اس برتاؤ کی خاصیت ہے کہ شریفوں کے دل کو مسخر کر لیتا ہے۔ہاں اگر کوئی بہت ہی بدطینت عورت ہو وہ ممکن ہے کہ اس برتاؤ سے مسخر نہ ہو اس کیلئے آگے دوسری تدبیر بتلاتے ہیں کہ اگر کوئی عورت بددماغ ہے تو اس کو بھی طلاق دینے کی ضرورت نہیں بلکہ حکمت اور تدبیر سے کام لو۔

بدطینت عورت کا طریق تنبیہ

والتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن۔

اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو (قرائن سے) ان کی بددماغی کا احتمال (قوی) ہو (محض گمان اور خیال ہی نہ ہو) تو ان کو (اول) زبانی نصیحت کرو اور (اگر اس سے نہ مانیں تو) ان کو خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو (یعنی ان کے پاس مت لیٹو اس کا بھی عورت پر بہت اثر ہوتا ہے) اور (اس سے بھی نہ مانیں تو) ان کو (اعتدال سے مارو) حدیث میں اس کی تفسیر آئی ہے ضربا غیر مبرح کہ ایسا مارو جس سے ہڈی پر صدمہ نہ پہنچے، خون نہ نکلے، سبحان اللہ کیسی حدود ہیں) فان اطعنکم فلاتبغوا علیھن سبیلا۔ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت

کرنے لگیں تو ان پر (زیادتی کرنے کیلئے) بہانہ (اور موقعہ) مت ڈھونڈو۔ ان اللہ کان علیا کبیرا۔ کیونکہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی رفعت وعظمت والے ہیں۔

یہ عجیب مراقبہ بتلایا گیا یعنی اگر تم عورتوں پر زیادتی کرنے کیلئے بہانے ڈھونڈو گے تو یہ سمجھ لو کہ تمہارے اوپر بھی ایک حاکم ہے وہ کون خدا تعالیٰ۔ ان کے حقوق اور علم وقدرت سب سے زیادہ ہیں۔ اگر وہ بھی تمہارے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرنے لگیں اور تم کو مجرم بنانے کیلئے تو بہانے ڈھونڈھنے کی بھی ضرورت نہیں واقعی جرائم بے انتہا ہیں تو تمہارا کہاں پتہ رہے پس تم کو اپنے محکوموں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرنا چاہیے جو حق تعالیٰ تمہارے ساتھ کرتے ہیں کہ باوجود تمہاری نافرمانی کے توبہ واستغفار کے بعد سب معاف کر دیتے ہیں۔ اور پچھلے گناہوں کا کچھ اثر نہیں رکھتے نیز چھوٹی چھوٹی خطاؤں کو ویسے ہی معاف کرتے رہتے ہیں چنانچہ وضو اور نماز اور جماعت وغیرہ سے گناہ صغیرہ معاف ہوتے رہتے ہیں۔

طلاق سے قبل ضرورت پنچ

اگر اس سے بھی کسی عورت کو تنبیہ نہ ہو تو اس کے لئے کیا عجیب بات بیان فرماتے ہیں۔ وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا۔ اس میں خطاب زوجین کو نہیں ہے بلکہ اوپر والے آدمیوں کو خطاب ہے کہ اگر قرائن سے تم کو ان دونوں میاں بیوی میں (ایسی) کشاکش کا اندیشہ ہو (جس کو وہ باہم نہ سلجھا سکیں) تو تم لوگ ایک ایسا آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی ایسا ہی عورت کے خاندان سے (تجویز کر کے اس کشاکش کے رفع کرنے کیلئے انکے پاس بھیجو (کہ وہ جا کر تحقیق حال کریں اور جو بے راہی پر ہو اس کو سمجھا دیں) دیکھئے یہ کیسی اچھی ترکیب ہے کہ جب تک زوجین اپنے معاملہ کو خود سلجھا سکیں اس وقت تک خود سلجھانے کی کوشش کریں۔ اور جب ان سے سلجھ نہ سکے تو کسی کو حکم مقرر کریں کیونکہ اپنا معاملہ فریقین سے طے نہیں ہو سکتا اسلئے پنچ کی ضرورت ہوئی۔

آگے حق تعالیٰ ان پنچوں کی بابت ارشاد فرماتے ہیں۔ ان یرید ا اصلاحا

یوفق اللہ بینھما۔ اگران دونوں پنچوں میں اصلاح معاملہ منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان دونوں زن وشوہر کو اصلاح کی توفیق دیدیں گے اس میں اپنی اعانت کا وعدہ ہے کہ اس صورت میں ہم بھی معاملہ کے سلجھنے میں امداد کریں گے۔ مگر اس کے لئے ایک شرط ہے وہ یہ کہ اگران دونوں پنچوں کو سچے دل سے اصلاح معاملہ منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بی بی میں اتفاق پیدا کریں گے (بشرطیکہ وہ ان دونوں کی رائے پر بھی عمل کریں ان اللہ کان علیما خبیرا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑے خبر والے ہیں یعنی جس طریق سے زوجین میں باہم مصالحت ہوسکتی ہے اس کو وہ خوب جانتے ہیں پس جب حکمین کی نیت ٹھیک دیکھیں گے وہ طریق انکے قلب میں القا فرمادیں گے۔ دیکھئے حق تعالیٰ نے طلاق سے بچنے کی کتنی عمدہ ترکیبیں بتلائی ہیں اگر لوگ ان طریقوں سے کام لیں تو انشاء اللہ تعالیٰ کبھی طلاق کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ اور اگر بدون طلاق کے چارہ ہی نہ رہے تو اس کے لئے یہ تعلیم ہے کہ اول ایک طلاق دو اس سے عورت کا ناز ٹوٹ جائے گا اور اگر اس میں کچھ بھی صلاحیت ہوگی تو وہ سنور جائے گی شریعت نے نہ تو طلاق سے ممانعت کی کہ چاہے باہم کیسا ہی اختلاف ہو طلاق دے ہی نہ سکے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو شوہر ہمیشہ اندر ہی اندر گھٹا کرتا۔ اپنے غصہ کا بھڑاس نہ نکال سکتا۔ اس لئے غصہ نکالنے کی اجازت دی کہ ضرورت کے وقت دے سکتے ہو مگر حدود کے ساتھ شریعت میں جذبات کی بہت رعایت کی گئی ہے۔

احکام شرعیہ میں رعایت جذبات

چنانچہ ایک حدیث ہے لایحل لاحدان یھجراخاہ فوق ثلثة ایام (الادب المفرد للبخاری ۳۹۹) کسی مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ بول چال وغیرہ موقوف رکھے دیکھئے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ چاہے آپس میں کیسا ہی رنج وتکرار ہو بولنا مت چھوڑ و حالانکہ شریعت کو یہ بھی اختیار تھا کہ ایسا حکم دیدیتی چنانچہ بعض مشائخ نے طالبین کی اصلاح کیلئے کبھی ایسا حکم دیا ہے مگر ایسی ہمت سالکین کو ہوسکتی ہے۔ ہر شخص کو نہیں ہوسکتی۔ رنج وتکرار کا طبعی تقاضا ہے کہ جس سے تکرار ہو اس سے کلام نہ کیا جاوے۔ چونکہ احکام شرعیہ عام ہیں اس لئے اس جذبہ کی رعایت کر کے حکم دیا گیا کہ

غصہ اور رنج میں بول چال چھوڑ دینا جائز ہے مگر اس کی حدود مقرر ہیں کہ تین دن سے زیادہ نہ ہونا چاہیے اس میں نکتہ یہ ہے کہ رنج و تکرار کے بعد فوراً سلام و کلام کرنے میں غصہ کو گھونٹنا پڑے گا اور غصہ کے گھونٹنے سے کینہ اور حسد پیدا ہو جاتا ہے اس لئے غصہ نکالنے کی اجازت دی گئی۔ کہ بول چال ترک کر سکتے ہو۔ مشائخ کو بھی ایسے موقع پر غصہ گھونٹنے کا حکم نہ دینا چاہیے بلکہ موقع اور حالت کو دیکھ کر حکم دینا چاہیے اسی لئے شیخ بننا بڑا مشکل ہے غرض عام حکم یہ ہے کہ تین دن تک نہ بولنا جائز ہے اور تین دن سے زیادہ ترک کلام جائز نہیں کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ تھوڑی دیر گزر جانے سے غصہ کم ہو جاتا ہے۔ پھر رات گزر جانے سے اگلے دن طبیعت ہلکی ہو جاتی ہے بوجھ نہیں رہتا۔ پھر تیسرے دن غصہ نکل جاتا رہتا ہے۔ اب شریعت ایسے وقت میں دونوں کو ملانا چاہتی ہے کہ ان کے دلوں پر غصہ کا بوجھ نہیں رہا۔ تجربہ ہے کہ تین دن کے بعد غصہ اور رنج کا طبعی اثر باقی نہیں رہتا ہاں اگر کوئی سوچ سوچ کر خود ہی رنج و غصہ کو تازہ کرنا چاہے تو اور بات ہے مگر یہ رنج و غصہ کسبی ہوگا طبعی اثر نہ ہوگا۔ شریعت نے طبعی تقاضہ کی رعایت کی ہے کیونکہ وہ اختیار سے باہر ہے، کسی امور کی رعایت نہیں کی کیونکہ ان کا وجود و عدم اپنے اختیار میں ہے مگر یہ حدود اس رنج و غصہ میں ہیں جو دنیوی سبب سے ہو اور اگر دینی سبب سے ہو تو تین دن سے زیادہ بھی ترک کلام و سلام جائز ہے جب تک کہ وہ سبب باقی ہے۔ مثلاً نعوذ باللہ کوئی مرتد ہو گیا یا کوئی شخص فاسق و فاجر وزنا کار ہے وغیرہ وغیرہ لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ قطع تعلق کا منشاء محض وہ معصیت ہی ہو بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ قطع تعلق تو کرتے ہیں کسی دنیوی سبب سے مثلاً ان کو کسی سے کوئی زک پہنچی ہے اس لئے بول چال قطع کرتے ہیں۔ مگر ان کا نفس مولوی ہے وہ اس کے لئے دینی سبب نکال لیتا ہے کہ میں نے تو اس شخص سے قطع تعلق اس لئے کیا ہے کہ یہ فاسق ہے بدعتی ہے اس مرض میں آج کل مولوی زیادہ مبتلا ہیں کہ وہ دنیا کو دین بنا لیتے ہیں مگر ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ان تاویلوں سے مخلوق کو دھوکہ دے سکتے ہیں مگر خدا کے یہاں یہ ترکیبیں اور حیلے نہیں چل سکتے۔

خلق را گیرم کہ بفریبی تمام ☆ در غلط اندازی تا ہر خاص و عام

کارہا باخلق آری جملہ راست ☆ باخدا تدبیر وحیلہ کے رواست

کارہا اوراست باید داشتن ☆ رایت اخلاص وصدق افراشتن

کہ گہے اللہ دروغے مے زنی ☆ از برائے مسکہ دوغے میزنی

(میں نے عرض کیا کہ اگر تو نے ساری مخلوق کو دھوکہ دے بھی دیا مگر خدا تعالیٰ کو کہاں دھوکہ دے سکتا ہے۔ مخلوق کے ساتھ تو تیرے سب کام درست ہیں خدا تعالیٰ کے ساتھ مکر وحیلہ کب جائز ہے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ سب کام درست رکھنے چاہئیں۔ اخلاص اور سچائی کا علم بلند کرنا چاہیے کبھی کبھی جھوٹی اللہ کی ضرب لگاتا ہے مسکہ کیلئے چھاچھ بلوتا ہے)۔

ان مولویوں سے تو عوام ہی اچھے کہ وہ گناہ کر کے اس کو گناہ تو سمجھتے ہیں مگر یہ لوگ تو گناہ کرتے ہیں اور تاویل کر کے اس کو دین میں ٹھونسنا چاہتے ہیں ان پر گناہ معصیت کا بھی ہے اور تحریف دین کا بھی۔

نفرت نفسانی

ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ مجھے بے نمازی آدمی سے نفرت آتی ہے، سلام کرنے کو جی نہیں چاہتا، میں نے کہا کہ تم اس وقت اپنے کو اس سے افضل سمجھتے ہو یا نہیں۔ اگر اپنے کو افضل سمجھتے ہو تو یہ نفرت شرعی نہیں بلکہ نفسانی ہے۔ کہنے لگے کہ ہاں میں اپنے کو افضل سمجھتا ہوں۔ میں نے کہا بس یہی کسر ہے اس حالت میں تم اس سے بدتر ہو کیونکہ تکبر اور عجب سے بدتر کوئی گناہ نہیں۔ وہ تو بے نمازی ہی ہے مگر بے نماز اپنے کو حقیر و ذلیل سمجھا کرتا ہے اور تم نمازی ہو کر اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں اور دوسرے مسلمان کو حقیر سمجھتے ہو تم اس سے بھی زیادہ ایک گناہ میں مبتلا ہو۔ یہاں شاید کسی کو یہ سوال ہو کہ جب باوجود گناہ اور فسق و فجور کے ہم دوسرے کو اپنے سے افضل سمجھیں گے تو پھر حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کیا چیز ہے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کو بھی اپنے سے افضل بھی سمجھیں اور پھر اسے بغض بھی رکھیں۔ اس پر ہم کو غصہ بھی آوے اس سے ترک تعلق بھی کریں اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو اپنی اولاد پر بھی کبھی غصہ آتا ہے یا نہیں اس وقت آپ کی کیا حالت ہوتی ہے۔ ہر شخص جانتا

ہے کہ اولاد پر غصہ کرنے کے وقت ان کے فعل سے نفرت بھی ہوتی ہے ان سے قطع تعلق بھی چند روز کیلئے کرلیا جاتا ہے مگر اس کیساتھ ایک شفقت بھی دل میں ہوتی ہے۔ اور وہ شفقت ہی ان سب افعال کا منشاء ہوتی ہے جس کی علامت یہ ہے کہ اس کی بدحالی پر رنج وافسوس ہو کر رونا آتا ہے اور اس کی کوشش ہوتی ہے کہ خدا کرے کسی طرح جلدی اس کی اصلاح ہو جائے۔ نیز آپ غصے کے وقت اولاد کو حقیر وذلیل بھی نہیں سمجھتے۔ چنانچہ اگر کوئی دوسرا اس کو حقیر وذلیل کرنے لگے تو آپ کو ناگوار ہوتا ہے بس اگر یہی شان عاصی پر غصہ کرنے کی ہو تو وہ بغض فی اللہ ہے ورنہ نفسانی بغض ہے۔ ایک اشکال اس جگہ یہ ہوتا ہے کہ صاحب بے نماز سے اپنے کو بدتر کیسے سمجھ لیں اور اس کو افضل کیسے سمجھیں جب خدا نے ہم کو ایک چیز دی ہے اور دوسرے کو نہیں دی۔ تو لامحالہ ہم دوسرے کو اس سے محروم دیکھ کر اپنے سے کم اور اپنے کو اس سے زیادہ سمجھیں گے۔ مثلاً خدا تعالیٰ نے ایک شخص کو ہزاروں روپے دیئے ہیں اور دوسرے کو ایک بھی نہیں دیا تو اس صورت میں وہ ہزاروں والا اپنے کو مفلس سے کم اور مفلس کو اپنے سے زیادہ کیونکر سمجھ سکتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس اشکال کا جواب تو خود اشکال ہی کے اندر آ گیا۔ وہ یہ کہ جب یہ نعمت خدا نے آپ کو دی ہے تو آپ یوں سمجھیں کہ میں تو سب سے بدتر تھا اور اب بھی بدتر ہوں مگر خدا نے محض اپنے فضل سے مجھ کو یہ نعمتیں دیدی ہیں اس میں میرا کچھ کمال نہیں۔ اس مضمون کے استحضار کے بعد آپ میں کبر وعجب پیدا نہ ہوگا۔ باقی یہ میں نے کب کہا ہے کہ آپ اپنے کو بے نماز اور بے نماز کو نمازی سمجھنے لگیں۔ اگر میں یہ کہتا اس وقت یہ اشکال ہوسکتا تھا کہ صاحب امیر آدمی کو اپنے کو مفلس اور مفلس کو امیر کیسے سمجھ لے۔ نہیں امیر اپنے کو امیر ہی سمجھے اور مفلس کو مفلس سمجھے مگر اس سے اپنے کو افضل نہ سمجھے یہ خیال کرلے کہ میں خود امیر نہیں ہوا بلکہ خدا نے مجھے امیر کیا ہے۔ اور وہ اس پر بھی قادر ہے کہ یہ نعمت مجھ سے سلب کر کے دوسرے کو دیدے۔ یہ بات جس کے دل میں جمی ہوئی ہوگی وہ ہرگز اپنے کو دوسرے سے افضل نہ سمجھے گا اور نہ دوسروں کو حقیر سمجھے گا۔ بلکہ انکی حالت پر اس کو رحم آئے گا۔

اعتبار خاتمہ کا ہے

یہ تو سرسری جواب ہے اور حقیقی جواب یہ ہے کہ اعتبار خاتمہ کا ہے اور خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں۔ تو آپ یہ سمجھ لیں کہ اس وقت گو میں بظاہر دوسرے سے اچھی حالت میں ہوں مگر ممکن ہے کہ خاتمہ کے اعتبار سے وہ اچھا ہو۔ نیز باعتبار حال کے بھی ممکن ہے کہ دوسرے میں کوئی ایسی عمدہ فضیلت ہو جو تم میں نہ ہو۔ مثلاً اس کو خدا تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے تعلق محبت زیادہ ہو، اس میں تواضع آپ سے زیادہ ہو کیونکہ ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ ان میں ظاہری اعمال کم ہوتے ہیں مگر وقت پر معلوم ہوتا ہے کہ انکے دل میں خدا تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت بہت زیادہ ہے۔ تیسرے جو شخص اپنے نفس کے واسطے بغض نہ کرے گا بلکہ بغض فی اللہ کرے گا وہ محض خدا کا حکم سمجھ کر کرے گا اس کو یہ وسوسہ وخیال ہرگز پیش نہ آویں گے کہ میں افضل ہوں یا دوسرا۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک بادشاہ عادل اپنے بیٹے کو کسی بات پر سزا دے کہ اس کے دس بید ماری جاویں اس وقت شاہی حکم سے بھنگی شہزادہ کے بید مارتا ہے مگر کیا اس کے دل میں یہ وسوسہ بھی آ سکتا ہے کہ میں شہزادے سے افضل ہوں ہرگز نہیں وہ جو کچھ کرے گا محض حکم کی وجہ سے کرے گا اور اپنی فضیلت کا اسے وہم بھی نہ ہوگا، یہی حال بغض فی اللہ میں ہوتا ہے۔ بغض فی اللہ والا دوسرے سے بغض بھی کرتا ہے اس سے قطع تعلق اور ترک سلام وکلام بھی کرتا ہے مگر پھر دوسرے کو اپنے سے افضل سمجھتا ہے جیسے بھنگی بید مارتے ہوئے بھی شہزادہ ہی کو اپنے سے بڑا اور افضل سمجھتا ہے۔

شریعت میں رعایت جذبات کے ساتھ حفاظت حدود

الغرض شریعت میں جذبات کی رعایت کا بہت خیال ہے مگر اس کے ساتھ حدود کی رعایت کا بھی بے انتہا اہتمام ہے پس جذبات کی رعایت کر کے تو طلاق کی اجازت دی گئی۔ مگر مصالح کا لحاظ کر کے اولاً رجعی کی اجازت دی کیونکہ تین طلاقیں دینا فیصلہ کرنا ہے اور غصہ میں فیصلہ کرنا ممنوع ہے حکم یہ ہے۔

لایقضین قاض بین اثنین وھو غضبان (سنن الدارقطنی ۴:۲۰۶)

غصہ کی حالت میں قاضی کو فیصلہ نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ غصہ میں فیصلہ صحیح نہ ہوگا اس میں غالب احتمال غلطی کا ہے اسی طرح غصہ میں تین طلاق دینے کا انجام اکثر برا ہوگا بعد میں ندامت وحسرت ہوگی۔ چنانچہ ہم نے بہت واقعات دیکھے اور سنے ہیں کہ تین طلاق دے کر بعد میں لوگ پچھتاتے تھے اور اب نکاح باقی رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے، یہاں تک کہ بعض جگہ شوہر کا کفر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ شاید اس سے کبھی کلمہ کفر نہ گیا ہو جس سے نکاح ٹوٹ گیا ہو تو اب یہ تین طلاقیں واقع نہ ہونگی انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ اسی لئے شریعت نے تین طلاق ایک دم سے دینے کی ممانعت کی ہے۔

بچوں کو غصہ میں سزا نہ دینے کا حکم

اسی طرح غصہ میں بچوں کو مارنا نہ چاہیے کیونکہ غصہ میں یہ خیال نہیں رہتا کہ یہ کتنی سزا کا مستحق ہے ضرور حد سے تجاوز ہو جاتا ہے مکتب کے میاں جی اس میں زیادہ مبتلا ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ لڑ کر آئے بیوی سے اور فیض عام پہنچا سب لڑکوں کو بس ذرا سی بات پر ایک لڑکے کے چھڑی لگائی تھی کہ ایک طرف سے سبھی کو مارتے چلے گئے خطا کی ایک نے اور سزا دی سب کو بھلا یہ بھی کوئی انسانیت ہے انکو خدا کا خوف نہیں آتا کہ آخرت میں اس کی باز پرس ہوگی یاد رکھو لڑکوں کے معاف کرنے سے یہ ظلم معاف نہیں ہوتا وہ اگر معاف بھی کر دیں تو سرکار مدعی ہوگی اور اول تو ایسے میاں جی آج کل کہاں ہیں جو بچوں سے معافی چاہیں ہم نے صرف ایک ملا کو دیکھا ہے، گنگوہ میں وہ شاگردوں سے معافی چاہا کرتے تھے جس کی صورت یہ تھی کہ اپنی کمر کھول کر بیٹھ جاتے اور جس لڑکے کو مارتے اس کے ہاتھ میں قمچی دیتے کہ بھائی تو میرے مار لے۔ بعضے شریر لڑکے ایسے بھی ہوتے تھے کہ میاں جی کے سڑا سڑ قمچیاں لگاتے تھے۔ اس سے بھی خرابی ہوئی کہ لڑکے گستاخ ہو گئے۔ بچوں سے معافی کا طریقہ یہ ہے کہ ان سے ایسا برتاؤ کیا جائے کہ وہ خوش ہو جائیں نہ تو معافی زبانی کافی ہے اور نہ ان سے انتقام لینے کو کہا جائے۔ بس آئندہ ان کو اپنے برتاؤ سے خوش کر

دینا چاہیے۔ان کو بلاؤ، چمکارو، چوٹ کی جگہ سہلاؤ، دودھ پلادو، پیسہ دے دو، بس اس طرح وہ خوش ہوجائیں گے تو آپ کے اوپر سے حق العبد اتر جائے گا لیکن اس کے بعد توبہ استغفار کی بھی ضرورت ہے کیونکہ حق العبد میں حق اللہ بھی فوت ہوتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے لاتظلموا) ظلم مت کرو۔آپ نے اس حکم کی مخالفت کی یہ خدا تعالیٰ کا حق فوت ہوا پس طریقہ یہ ہے کہ بچوں کو غصہ اترنے کے بعد سزا دی جائے اس وقت جو کچھ سزا دی جائے گی وہ خطا کے موافق ہوگی حد سے تجاوز نہ ہوگا ہاں یہ ضروری ہے کہ غصہ فرو ہوجانے کے بعد مارنے میں مزہ نہیں آئے گا مگر جیسا کہ غصہ میں مارنے سے اس وقت مزہ آتا ہے ایسا ہی کبھی بعد میں بدمزگی بھی ایسی ہوتی ہے کہ آپ سارا مزہ بھول جائیں گے۔

مثلاً آنکھ پھوٹ گئی، کان پھٹ گیا، کہیں بے موقع ضرب آگئی، تو میاں جی کھنچے کھنچے پھریں گے، اور ایسا نہ بھی ہوا، تو آخرت کی بدمزگی تو ضرور ہوگی۔غرض غصہ کے وقت کا فیصلہ ٹھیک نہیں ہوتا۔اس لئے ایک دم سے تین طلاقیں ہرگز نہ دینی چاہئیں۔کیونکہ وہ بھی نکاح کا فیصلہ ہے۔اگر طلاق دو تو ایک دو۔پھر دیکھو عورت کی ندامت ہے یا طلاق سے خوش ہے۔بعض دفعہ عورت طلاق سے خوش بھی ہوا کرتی ہے کہ اچھا ہوا قصہ ختم ہوا۔جس کا سبب کبھی تو شوہر کی زیادتی ہوتی ہے کبھی خود عورت کی شرارت ہوتی ہے، کبھی دونوں طرف سے زیادتی ہوتی ہے تو وہ یہ سمجھ کر خوش ہوتی ہے کہ اچھا ہوا روز روز کا فضیحتا جاتا رہا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ میاں بی بی دونوں نیک ہوتے ہیں مگر پھر بھی عورت کو طلاق سے مسرت ہوتی ہے کیونکہ طبائع میں مناسبت اور موافقت نہ ہونے کی وجہ سے اجتماع نہیں ہوسکتا۔جیسے سوڈا اور ٹاٹری فی نفسہ عمدہ چیزیں ہیں الگ الگ رہیں تو کچھ آفت برپا نہیں ہوتی۔مگر جہاں اجتماع ہوا شور برپا ہوا۔ ایسے ہی بعضے میاں بی بی الگ الگ رہیں تو بہت نیک ہیں مگر اجتماع سے آفت نازل ہوتی ہے اس میں علاوہ اختلاف مزاج کے ایک اور نکتہ بھی ہے وہ یہ کہ حدیث میں ہے۔الارواح جنود مجندة ماتعارف منها ائتلف وما تناكر منها اختلف (صحیح للبخاری ۱۶۲:۴، مشکوۃ المصابیح ۵۰۰۳) روحیں ایک مجمع لشکر کی صورت میں تھیں پس جن میں باہم اس وقت تعارف اور آشنائی ہوچکی ہے ان میں یہاں بھی الفت ومحبت ہوجاتی ہے اور جن میں اسی

وقت تعارف نہیں ہوا وہ یہاں بھی میل نہیں کھاتے۔ یہ مضمون محض منقول ہے مشاہد نہیں۔ مگر مخبر صادق کی خبر ہے اس لئے ماننا پڑے گا۔ ہاں بعضے عارفین نے جن کو یہ واقعہ یاد رہا بتلایا ہے کہ عہد الست میں جب ارواح کا اجتماع ہوا تھا تو فلاں شخص ہمارے داہنے تھا فلاں بائیں طرف تھا، فلاں سامنے تھا نیز اہل کشف نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس اجتماع کی چار صورتیں ہوئی تھیں بعضی ارواح کا منہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھا ان میں تو دنیا میں جانبین سے الفت ہوجاتی ہے۔ بعض اس طرح کھڑی تھیں کہ ہرایک کی پشت دوسرے کی طرف تھی۔ ان میں ہرایک کو دوسرے سے نفرت ہوتی ہے اور بعض اس طرح جمع تھیں کہ ایک کا منہ دوسری کی پشت کی طرف سو ان میں ایک کی طرف سے میلان ہوتا ہے دوسری طرف سے نفرت اس سے معلوم ہوا کہ مزاج کا فطری اتحاد و اختلاف ہوتا ہے ان میں اتحاد نہیں ہوسکتا یہ قدرتی امر ہے۔ بعض دفعہ ایک شخص نیک ہوتا ہے مگر ان کی صورت دیکھ کر طبیعت کو کشش ہوتی ہے۔ پس اس پر تعجب نہ کیا جائے کہ وہ نیک آدمیوں میں اختلاف مزاج کیوں ہوتا ہے اسی طرح بعض دفعہ واقعی میاں بی بی دونوں نیک ہوتے ہیں مگر باہم نباہ نہیں ہوتا۔

ناموافقت مزاج کے ساتھ نباہ مشکل ہے

روایت میں ہے کہ ایک عورت نے وضع ولد سے بیس منٹ پہلے اپنے شوہر سے طلاق مانگی اس کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ بچہ جننے سے فوراً عدت ختم ہوجاتی ہے اگر چہ اس سے پانچ منٹ پہلے ہی طلاق دے دی گئی ہو شوہر کو اس وقت خیال نہ تھا اس نے کہا کہ خدا کی بندی اس وقت تو طلاق لے کر کیا کرے گی آخر کوئی وجہ بھی، کہنے لگی کہ وجہ کچھ بھی نہیں بس میرا دل خوش ہوجائے گا تمہارا حرج ہی کیا ہے۔ ایک طلاق سے نکاح تھوڑا ہی ٹوٹتا ہے تم پھر رجعت کرلینا اس نے طلاق دیدی اور نماز کو چلے گئے تھوڑی دیر بعد بچہ پیدا ہوا اور عدت ختم ہوگئی تو بعض عورتیں بوجہ ناموافقت مزاج کے نباہ نہیں کرسکتیں اس لئے ان کو طلاق سے خوشی ہوتی ہے اسلئے نکاح میں موافقت مزاج اور مناسبت طبائع کا لحاظ بہت ضروری ہے۔ جب مزاج میں موافقت نہیں ہوتی تو نباہ دشوار ہوجاتا ہے۔

پیری و مریدی کا سارا مدار مناسبت پر ہے

اور اس نکاح سے زیادہ اس تناسب کے شرائط میں پیری مریدی کا تعلق ہے اس کا تو سارا مدار مناسبت ہی پر ہے بدون مناسبت کے کچھ نفع ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے طالب کو چاہیے کہ جس شیخ سے بیعت ہونا چاہے اس کے پاس کچھ مدت تک قیام کرے جب باہم دونوں میں مناسبت ہو جائے اس وقت بیعت کی درخواست کرے۔ مگر آجکل لوگوں کی حالت یہ ہے کہ آج ایک بزرگ کے پاس گئے اور انکی کوئی بات آگئی بس لگے ان سے بیعت ہونے پھر کل کو کسی دوسرے بزرگ کی کوئی ادا پسند آگئی بس ان سے بیعت ہو گئے۔ ان کی بعنیہ یہ مثال ہے گنگا گئے گنگا داس جمنا گئے جمنا داس۔ یہ لوگ طریق کو کھیل بنانا چاہتے ہیں یاد رکھو اس طرح مقصود حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ایک نہ ایک دن ان کی قلعی کھل جاتی ہے۔ پھر کسی شیخ کو اس پر اعتماد نہیں ہوتا، ہر جائی مشہور ہو جاتا ہے۔

وفاداری مدار از بلبلاں چشم ☆ کہ ہردم بر گلے دیگر سرایند

(بلبلان چشم سے وفا کی امید نہ رکھو کہ ہر دم ایک پھول کو چھوڑ کر دوسرے پر چہچہاتی ہیں)۔

بیعت کا اتنی جلدی فیصلہ کرنا نہ چاہیے کیونکہ یہ حالت جلدی ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر غور وفکر کے بعد مناسبت تامہ دیکھ کر بیعت ہوں تو ایک ہی کو لگے لپٹے رہیں گے۔ بعض لوگ کسی کے مریدوں کی تعریف پر اسے بیعت ہو جاتے ہیں۔ یہ بڑی سخت غلطی ہے کیونکہ مریدین تو اپنے شیخ کی تعریف کیا ہی کرتے ہیں۔ اپنی دہی کو کوئی کھٹی نہیں کہا کرتا تم کو خود چکھنا چاہیے اور اپنے ذوق سے اس کے کھٹے میٹھے ہونے کا فیصلہ کرنا چاہیے۔

دنیادار مشائخ کا حال

نیز آجکل ایک یہ بھی آفت ہے کہ بعض دنیادار مشائخ نے اپنے گرگے چھوڑ رکھے ہیں جن کو یہی کام سپرد کیا گیا ہے کہ لوگوں کو بہلا پھسلا کر لاؤ اور ہم سے بیعت کراؤ۔ اور بعض دیندار مشائخ کے یہاں بھی ایسے گرگے موجود ہیں مگر ان مشائخ کو اس کی اطلاع نہیں ورنہ وہ ہرگز اس کو گوارہ نہ کر سکتے اس لئے محض مریدوں کی تعریف وثناء پر کسی سے

بیعت ہونا بڑی غلطی ہے۔ میں بہ قسم کہتا ہوں کہ یہ وہ تعلق ہے جس پر ایمان کی تکمیل کا فیصلہ موقوف ہے۔ اگر کسی محقق عارف کے ہاتھ میں پہنچ گئے تب تو ایمان مکمل ہو جائے گا اور اگر کسی جاہل کے ہاتھ پہنچ گئے تو وہ تمہارا پہلا سرمایہ ایمان بھی غارت کر دے گا۔ افسوس اتنا بڑا تعلق مگر لوگوں کو اس کے اصول کی خبر نہیں اس میں بڑی اصل دو چیزیں ہیں ایک یہ کہ شیخ عارف محقق ہو دوسرے تم کو اس سے مناسبت تامہ ہو۔ اگر شیخ عارف کامل ہو مگر تم کو اس سے مناسبت نہ ہو تو خاک نفع ہوگا اس لئے بیعت سے پہلے مناسبت کا دیکھنا بہت ضروری ہے ورنہ بعد میں پچھتاؤ گے اور اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی طرف جاؤ گے اور اس صورت میں مشائخ طریق کے ساتھ گویا تم نے کھیل کیا جس میں وبال کا اندیشہ ہے۔

باہر کہ نشستی ونشد جمع دلت ☆ وزتو نرمید صحبت وگلت

زنہار زصحبتش گریزاں می باش ☆ ورنہ نکند روح عزیزاں بحلت

(جس شخص کی صحبت میں تم کو اطمینان قلب نہ ہو اور اس کی صحبت ترک نہ کرو تو اس کی صحبت مٹی اور پانی کی مثال ہے ضرور اس کی صحبت کو ترک کر وورنہ روح مردہ ہوگی)۔

شیخ و مرید میں مناسبت کا ہونا ضروری ہے

اسی طرح اگر تم کو ایک شیخ سے نفع نہ ہوا لیکن پھر بھی تم اس کو لگے لپٹے رہے۔ اور دوسرے کی طرف رجوع نہ کیا جب بھی تم نے طریق کا حق ضائع کیا۔ غرض ایسا شخص مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے نہ اس کو چھوڑے بن پڑی ہے نہ الگ ہوتے۔ اس لئے مناسبت کا دیکھنا ضروری جس کیلئے پاس رہنے کی ضرورت ہے۔ اور گو عدم اعتقاد کے لئے تفتیش کی ضرورت نہیں کیونکہ مشائخ کا معتقد ہونا کچھ فرض وواجب نہیں لیکن دست بدست ہونے کیلئے اس کی بہت ضرورت ہے جیسا کہ اگر تم کسی عورت سے نکاح نہ کرنا چاہو تو اس کیلئے تفتیش کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہاں نکاح کے لئے چھان پچھوڑ کی ضرورت ہے کیونکہ نکاح نہ کرنا معیوب نہیں لیکن نکاح کے بعد طلاق دینا برا ہے۔ اس لئے نکاح سے پہلے عورت کے اخلاق وعادات، صورت وسیرت کی خوب تحقیق کر لینی چاہیے۔ لیکن مشائخ کی

تفتیش خود بلا واسطہ کرے اور نکاح میں اولیاء واقربا کے واسطہ سے تحقیق کرے مگر آجکل نکاح میں تو مناسبت وموافقت کی تحقیق وتفتیش کی کسی قدر ضرورت لوگ سمجھتے ہیں اور بیعت ہونے کے لئے اس کا مطلق اہتمام نہیں حالانکہ نکاح ایک دنیوی کام ہے اور بیعت ہونا دینی کام ہے۔ جس پر ایمان کی تکمیل موقوف ہے دوسرے اس میں امور محسوسہ کی تفتیش ہے اور اس میں امور معنویہ کی اور ظاہر ہے کہ امور معنویہ کی تفتیش کے لئے اہتمام بلیغ کی ضرورت ہے۔ تیسرے اس میں ناقصات العقل سے تعلق ہے اور اس میں کامل العقل سے تعلق ہے اتنی وجوہ ترجیح کے ہوتے ہوئے پھر بھی اس کا اہتمام نہ ہونا جائے تعجب ہے یہ مضمون استطر اداً ذکر ہو گیا ہے۔

شریعت کا کوئی حکم خالی از حکمت نہیں

میں طلاق کو بیان کر رہا تھا کہ اگر ضرورت ہو تو ایک طلاق دے پھر اگر اس سے عورت کو تنبیہ نہ ہوئی ہو تو دوسرے طہر میں دوسری طلاق دے سکتا ہے۔ اس صورت میں ایک مہینہ کم از کم سوچنے کیلئے اس کو ملے گا۔ جس میں تمام مصالح پر نظر کر سکتا ہے۔ دوسری طلاق ایک مہینہ کے بعد وہی دے گا جس کو بہت ضرورت ہوگی اس کے بعد پھر ایک ماہ تک اور سوچتے رہو اگر طلاق سے مصالح فوت ہونے کا اندیشہ ہو تب تو رجعت کر لو اور اگر نباہ دشوار ہی معلوم ہو تو تیسری طلاق تیسرے مہینے میں دے سکتے ہو۔ اگر چہ بہتر یہ ہے کہ تیسری طلاق نہ دے بلکہ عدت ختم ہونے دے وہ خود ہی نکاح سے نکل جائے گی شاید نکاح سے نکلنے کے بعد پھر دونوں کی رائے تجدید نکاح کی ہو تو سہولت رہے گی۔ تین طلاق کے بعد بدون حلالہ کے نکاح نہ ہو سکے گا۔ اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں لاتدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔ یعنی تین طلاق ایک دم سے نہ دو تم کو کیا خبر ہے شاید حق تعالیٰ بعد میں تمہاری رائے بدل دیں پھر تم کو پچھتانا پڑے گا۔ یہ حکمت بظاہر طلاق کے متعلق ہے مگر لاتدری کا تلک حدود اللہ۔ یعنی یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں۔ کے بعد میں لانا اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکمت تمام حدود کے متعلق ہے گو کہیں بے تکلف وہ

حکمت مفہوم ہوجاتی ہے اور کہیں ذرا غور و تامل سے معلوم ہوتی ہے۔ یہاں سے آپ کو معلوم ہوگیا کہ شریعت کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں اول تو ہر حکم میں اس کے مناسب جزئی مصالح اور حکمتیں بھی بہت ہوتی ہیں ورنہ کم از کم یہ حکمت تو **لاتدری** کی مدلول ہے سب کو ہی عام ہے۔ نمونہ کے طور پر سنئے حق تعالیٰ نے خرچ کے متعلق فرمایا **و لاتجعل یدک مغلولۃ الی عنقک و لاتبسطھا کل البسط**۔ (نہ اپنے ہاتھوں کو گردن سے باندھ لو نہ پوری طرح کھول دو)۔ اس حد میں بھی یہ حکمت ہے **لاتدری لعل اللہ یحدث بعدذلک امرا**۔ یعنی اسراف مت کرو شاید حق تعالیٰ بعد میں کوئی نئی بات پیدا کردیں جس کے لئے تم کو روپیہ کی ضرورت ہونے لگے۔ بعض دفعہ مال ہوتے ہوئے کوئی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی ہم سمجھتے ہیں کہ یہ روپیہ ضرورت سے زیادہ ہے۔ مگر بعد میں دفعۃً ضرورت نکل آتی ہے کوئی بیمار ہوگیا یا کوئی مقدمہ سر پر آپڑا اس لئے سارا روپیہ برباد نہ کرنا چاہیے کچھ اپنے پاس ضرور رکھنا چاہیے۔

مشائخ کاملین کا حال

ہمارے حاجی صاحب باوجود بڑے کامل تارک ہونے کے فرماتے تھے کہ اہل تعلقات کو کچھ ذخیرہ مال کا نفس کے بہلانے کو اپنے پاس ضرور رکھنا چاہیے۔ دیکھئے حکماء یہ حضرات ہیں کہ ہر شخص سے اس کی حالت کے مناسب معاملہ کرتے ہیں اور واقعی وہ شیخ اناڑی ہے جو ساری دنیا کو تارک بنانا چاہے جو شخص سب مریدوں کو ایک ہی لکڑی سے ہانکے وہ اس حکیم کے بیٹے کے مشابہ ہے جو ایک بار اپنے باپ کے ساتھ کسی مریض کو دیکھنے گیا۔ باپ نے نبض دیکھ کر کہا شاید آپ نے نارنگی کھائی ہے مریض نے اقرار کیا۔ حکیم نے آئندہ کو منع کردیا۔ راستہ میں لوٹتے ہوئے لڑکے نے باپ سے پوچھا کہ آپ نے نبض سے کیسے معلوم کرلیا کہ اس نے نارنگی کھائی ہے۔ کہا نبض سے تو برودت و بلغم کا اثر معلوم ہوا تھا پھر وہاں نارنگی کے چھلکے پڑے ہوئے نظر آئے اس قرینہ سے میں سمجھ گیا کہ اس نے آج نارنگی کھائی ہے پس صاحبزادہ کے ہاتھ ایک قاعدہ کلیہ آگیا۔ باپ تو مر گئے آپ ان کی جگہ

بیٹھے وہی مثل ہوئی ؎

ادمیاں گم شدند ملک خدا خر گرفت ☆ زشتی اعمال ما صورت نادر گرفت

(اہل آدمی گم ہو گئے ملک خدا گدھوں وناہلوں) کے قبضہ میں آیا ہماری بداعمالی نے نادر صورت اختیار کی)۔

ایک مرتبہ کسی رئیس کے یہاں تشریف لے گئے اس کی نبض دیکھ کر چارپائی کے نیچے دیکھا آپ کہتے ہیں کہ شاید آپ نے نمدہ کھایا ہے۔ اتفاقاً پلنگ کے نیچے نمدہ ہی پڑا تھا لوگ ہنسنے لگے کہ بھلا نمدہ بھی کوئی کھایا کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ نبض سے تو یہی معلوم ہوتا ہے لوگوں نے نکال دیا کہ جا تیری دم میں نمدہ۔

اسی طرح بعضے عطائی حکیم ہر شخص کو سنکھیے کا تیل بتلا دیتے ہیں چاہے کسی کے موافق ہو یا نہ ہو، تو جیسے یہ لوگ اناڑی طبیب ہیں ایسے ہی وہ شیخ بھی اناڑی ہے جو سب کو تارک بنانا چاہے۔ یاد رکھو فطری طور پر طبائع مختلف ہیں۔ کسی کو بدوں مال کے جمعیت ہوتی ہے کسی کو مال ہی سے جمعیت ہوتی ہے اور ہر ایک کیلئے توکل کی شان جدا ہے جس کی بدون مال کے جمعیت نہ ہو اس کے کے لئے مال جمع کرنے کے ساتھ بھی توکل جمع ہو سکتا ہے اور جس کو بغیر مال کے جمعیت ہو سکے اس لئے اس طرح بھی توکل صحیح ہو سکتا ہے پس توکل کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو کچھ آئے سب خرچ کر ڈالے کچھ جمع نہ کرے ہاں یہ کہنا چاہیے کہ توکل کی ایک صورت یہ بھی ہے وہ حکیم عطائی ہے جو سب کو تارک بنا کر متوکل بنانا چاہے۔ دیکھئے حضرت صدیق اکبرؓ نے بیت المال سے تنخواہ لی ہے اور حضرت عمرؓ نے اول اول نہیں لی پھر بطور قرض لینے لگے مگر دونوں متوکل تھے۔ کیا حضرت صدیق اکبرؓ پر کوئی شخص یہ گمان کر سکتا ہے کہ وہ متوکل نہ تھے۔ نیز حضرات صحابہؓ میں بہت سے ایسے بھی تھے جن کے پاس ہزاروں لاکھوں روپے جمع تھے اور یقیناً صحابہ سے بڑھ کر کوئی متوکل نہیں ہو سکتا پس یہ خیال غلط ہے کہ توکل کیلئے مال جمع نہ کرنا شرط ہے۔

توکل کی حقیقت

توکل کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد ہو اسباب پر نظر نہ ہو۔ اس

کی ایک صورت یہ ہے کہ اسباب کو جمع ہی نہ کرے ایک صورت یہ ہے کہ اسباب کو جمع کرکے پھر ان پر نظر نہ کرے۔ تو شیخ کو چاہیے کہ جس شخص کی طبیعت کمزور دیکھے اس کو مال جمع کرنے سے نہ روکے بلکہ مال جمع کرنے کے ساتھ اس کو توکل کی تعلیم دے اور طبیعت کا کمزور ہونا قوی ہونا یہ فطری امر ہے اگر کوئی شخص فطرۃً کمزور ہو تو اس سے ولایت و مغفرت میں کچھ نقصان نہیں آتا۔

کمزوری طبیعت کا علاج

ایک بزرگ نے حق تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ میرا سارا رزق ایک دم سے دیدیجئے۔ الہام ہوا کیا تم کو ہم پر اعتماد نہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہا الٰہی مجھے آپ پر اعتماد کیوں نہ ہوتا۔ لیکن شیطان مجھ سے کہتا ہے کہ کل کو کہاں سے کھائے گا میں کہتا ہوں خدا دے گا کیونکہ اس کا وعدہ ہے وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقھا۔ (اور کوئی جاندار روئے زمین پر ایسا چلنے والا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو) تو وہ کہتا ہے کہ خدا کا وعدہ سچا ہے مگر یہ تو نہیں فرماتا کہ تم کو کل ہی کو رزق مل جائے گا۔ بس یہ وعدہ ہے کہ رزق ہمارے ذمہ ہے تو ممکن ہے کہ تین چار دن کے بعد روزی ملے جبکہ تم فاقے کرکے پریشان ہو چکو گے یہاں آکر میں خاموش ہو جاتا ہوں اگر ساری روزی مجھے ایک دم سے مل جائے تو میں اس کو ایک کوٹھڑی میں بند کرکے رکھ دوں گا، پھر اگر شیطان مجھ سے کہے گا کہ کل کو کہاں سے کھائے گا تو میں اشارہ کرکے بتلا دوں گا کہ اس کوٹھڑی میں سے کھاؤں گا پھر آگے اس کی بات نہ چل سکے گی۔ تو دیکھئے ان بزرگ نے اپنی طبیعت کی کمزوری کا کیسا علاج کیا۔ اب یہاں سے ان واعظوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو سارے مسلمانوں کو بے ایمان بتلاتے ہیں کہ ان کو ومامن دابة فی الارض الا علی اللہ رزقھا۔ (اور کوئی جاندار روئے زمین پر ایسا چلنے والا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو) پر بھروسہ اور یقین نہیں۔ اور اس کی تائید میں یہ دلیل بیان کیا کرتے ہیں کہ دیکھو اگر کوئی شخص ان کی دعوت کردے تو شام کو میرے یہاں کھانا کھائے گا تو اس کی بات پر ایسا یقین

ہو جاتا ہے کہ فوراً چولہا ٹھنڈا کر دیتے ہیں اور گھر میں کھانا نہیں پکواتے۔ اور خدا تعالیٰ ان کی دعوت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تمہاری روزی ہمارے ذمہ ہے تو اس پر اعتماد کر کے کوئی بھی چولہا ٹھنڈا نہیں کرتا۔

یاد رکھو یہ مضمون غلط ہے اور ہر مسلمان کو حق تعالیٰ کے ارشاد پر یقین ہے مگر پھر یہ فرق اس لئے ہے کہ دعوت کرنے والا تو وقت مقرر کر دیتا ہے کہ شام کو آج ہی دعوت ہے اور حق تعالیٰ نے دن یا وقت مقرر نہیں کیا ان کا وعدہ مطلق ہے اس لئے ابہام سے بعضوں کو پریشانی ہوتی ہے کہ نہ معلوم یہ وعدہ کب پورا ہو۔ اگر حق تعالیٰ کی طرف سے بھی وعدہ معین ہوتا تو خدا کی قسم جو کوئی مسلمان فاسق سے فاسق بھی چولہا تیار نہ کرتا۔

مقدر رزق کا پہنچانا اللہ کے ذمہ ہے

دوسری یہ کہ بعض دفعہ حق تعالیٰ کا وعدہ کسی شرط کے ساتھ مشروط ہوتا ہے جو کلام میں صراحۃً مذکور نہیں ہوتی مثلاً حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تم جس کام کا ارادہ کرو گے ہم اس کو پورا کر دیں گے، مگر اس کے لئے ایک شرط بھی ہے وہ یہ کہ تم اپنی طرف سے کوشش بھی کرو۔ اسی طرح یہاں بھی احتمال ہے کہ ہر شخص کی روزی خدا کے ذمہ ہے یعنی بشرطیکہ ہم اس کیلئے کوشش بھی کریں اس لئے مسلمان کوشش کرتے ہیں اگر حق تعالیٰ کوشش سے بھی منع فرما دیتے تو کوئی شخص بھی اسباب کو اختیار نہ کرتا بعض لوگوں کو اس جگہ ایک اشکال ہوتا ہے وہ یہ کہ وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا (اور کوئی جاندار روئے زمین پر ایسا چلنے والا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو)۔ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کا رزق خدا کے ذمہ ہے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ قحط کے زمانہ میں بھوکوں مر جاتے ہیں اس کا جواب یہ ہے رزقھا میں اضافت ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کا رزق مقدر ہے اس کا پہنچانا خدا کے ذمہ ہے، اب جو لوگ بھوکوں مر جاتے ہیں ان کا رزق ہی نہ رہا تھا اس لئے وہ فاقہ سے مر گئے اگر ان کا رزق باقی ہوتا تو کبھی فاقہ سے نہ مرتے لہٰذا اب کچھ اشکال نہیں۔

غرض ان بزرگ نے یہ دعا کی تھی کہ میرا سارا رزق ایک دم سے مل جائے تا کہ

اگر شیطان مجھ سے کہے کہ کل کو کہاں سے کھائے گا تو میں کہہ دوں گا اس کوٹھڑی سے کھاؤں گا اس سے معلوم ہوا کہ بعضے بزرگ بھی دل کے کچے ہوتے ہیں ان کو رزق جمع کرنے کے بعد اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے بس سب کو تاریک بنانا یہ عطائی حکیموں کا کام ہے۔ محقق کبھی ایسا نہ کرے گا چند روز سے خود مجھے یہ واقع پیش آ رہا ہے۔ کہ مجمع میں مجھ سے پانی نہیں پیا جاتا بس تھوڑا سا پیا اور پیاس جاتی رہی یہ بھی طبیعت کی کمزوری ہے تقدیر میں اس وقت زیادہ پانی نہیں ہوتا مگر صراحی میں ہونے سے تسلی رہتی ہے۔

ضعف قلب منافی ولایت نہیں

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ ایک بادشاہ سے باتیں کر رہے تھے اور بے باکانہ گفتگو کر رہے تھے غالباً بادشاہ کو کسی حرکت پر تنبیہ کر رہے تھے بادشاہ کو غصہ آ گیا اور اس نے پکارا کہ کوئی ہے اور بزرگ صاحب نے آواز دی کہ ہے کوئی بس اس کا پکارنا تھا کہ دفعۃً غیب سے ایک شیر نمودار ہو کر بادشاہ کی طرف لپکا جس کو دیکھ کر بادشاہ تو بھاگا ہی تھا وہ بزرگ خود بھی بھاگے حالانکہ انہی کی کرامت سے وہ آیا تھا مگر آپ خود بھی اس سے ڈر کر بھاگے بات کیا تھی ،بات یہ تھی کہ ان کا دل کمزور تھا تو یہ بزرگی کے منافی نہیں۔ بزرگوں کو ضعف قلب اور اختلاج اور خفقان ہو سکتا ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا مرض ہے جس طرح ان کو بخار وغیرہ ہو جاتا ہے ضعف قلب اور اختلاج بھی ہو جاتا ہے اس سے ولایت و معرفت میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف طبعی

دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حق تعالیٰ کی گفتگو ہو رہی تھی نبوت عطا ہو چکی تھی اس کے بعد حق تعالیٰ نے ان کو ایک معجزہ عطا فرمانا چاہا۔ حکم ہوا کہ اپنے عصا کو زمین پر ڈال دو۔ چنانچہ ڈال دیا اور وہ ہیبت ناک اژدھا بن گیا موسیٰ اس کو دیکھ کر ڈر گئے اور پیٹھ موڑ کر ایسے بھاگے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا فلما راها تهتز كانها جان ولى مدبرا ولم يعقب (سو انہوں نے جب اس کو اس طرح حرکت کرتے دیکھا جیسے سانپ ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی تو نہ دیکھا) بھلا اس سے زیادہ قوت قلبی کے اسباب کیا ہوں گے

کہ بلاواسطہ حق تعالیٰ سے گفتگو بھی ہو چکی تھی، نبوت عطا ہو چکی تھی، حق تعالیٰ کے ارشاد سے عصا کو ڈالا تھا مگر پھر بھی بشریت کے اقتضاء سے اژدہا کا خوف غالب ہو گیا اور بھاگ گئے معلوم ہوا کہ خوف طبعی نبوت کے بھی منافی نہیں ولایت اور بزرگی کے منافی تو کیا ہوتا بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ علماء کو ایسا ہونا چاہیے یخشونہ ولایخشون احدا الا اللّٰہ (کہ بس خدا ہی سے ڈریں اور کسی سے نہ ڈریں) ان کے نزدیک علماء کو نہ شیر سے ڈرنا چاہیے نہ سانپ بچھو سے نہ توپ سے نہ بندوق سے نہ حکام سے نہ ڈاکوؤں سے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ موذی چیز سے انبیاءؑ کو بھی خوف طبعی ہوتا ہے اگر یہ خوف طبعی توکل کے خلاف ہے تو کیا معاذ اللہ انبیاءؑ کو غیر متوکل کہو گے ہرگز نہیں کس کا منہ ہے جو اپنے کو موسیٰؑ سے زیادہ متوکل بتائے مگر وہاں یہ حالت تھی کہ نبوت کے بعد ان کے دل میں فرعون سے بھی خوف تھا چنانچہ فرماتے ہیں: قالا ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغی، قال لاتخافا اننی معکما اسمع واری. موسیٰ و ہارونؑ نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو فرعون کی طرف سے یہ خوف ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرنے لگے یا حد سے بڑھ جائے فرمایا تم ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں) باوجود یہ کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کو صریح اور صاف حکم ہو چکا تھا۔ اذھبا الی فرعون انہ طغی۔ فرعون کے پاس جاؤ کیونکہ وہ سرکشی پر کمر باندھ رہا ہے مگر با ایں ہمہ موسیٰ اور ہارونؑ نے آجکل کے بہادروں کی طرح اپنی بہادری ظاہر نہیں کی کہ ہم کو نہ قتل کا خوف ہے نہ قید خانہ کا اندیشہ ہے ہم بلا خوف و خطر اس خدمت کو انجام دیں گے بلکہ انہوں نے اپنے طبعی خوف کو حق تعالیٰ سے عرض کر دیا کہ ہم کو اس کی زیادتی سے ڈر لگتا ہے اور اس کا بھی اندیشہ ہے کہ کہیں وہ ہم کو قتل نہ کرے اس سے معلوم ہوا کہ طبعی خوف کا ہونا نبوت و ولایت کے بالکل منافی نہیں ورنہ حق تعالیٰ اس خوف پر انکار فرماتے۔ مگر حق تعالیٰ نے اس پر ان کو ذرا ملامت نہیں کی بلکہ تسلی دیکر فرمایا لاتخافا اننی معکما تم ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں اور دوسری جگہ ارشاد ہے نجعل لکما سلطانا فلا یصلون الیکما بایٰتینا انتما ومن

اتبعکما الغالبون۔ کہ ہم تم کو رعب عطا کریں گے جس کی وجہ سے وہ تم تک نہ پہنچ سکیں گے اور تم کو اور تمہارے متبعین ہی کو غلبہ حاصل ہوگا۔ جب موسیٰ نے اپنے طبعی خوف کے ازالہ کا سامان کرلیا اس وقت فرعون کے پاس تشریف لے گئے۔

حضرات انبیاءؑ کو تبلیغ احکام میں خوف عقلی نہیں ہوتا

اس سے معلوم ہوا کہ یخشونہ ولا یخشون احدا الا اللّٰہ، وہ اللہ سے ڈرتے ہیں خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ میں خوف طبعی کی نفی نہیں بلکہ خوف عقلی کی نفی ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت تبلیغ احکام کے متعلق ہے اور مقصود یہ ہے کہ انبیاءؑ تبلیغ احکام میں سوائے خدا کے کسی سے ایسا نہیں ڈرتے کہ وہ تبلیغ سے مانع ہو جائے۔ چنانچہ پوری آیت اس طرح ہے۔ الذین یبلغون رسالات اللّٰہ ویخشونہ ولایخشون احدا الااللّٰہ، وکفی باللّٰہ حسیبا۔ انبیاء ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچایا کرتے تھے اور اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے تھے اور اللہ تعالیٰ حساب لینے کے لئے کافی ہے۔

اس تبلیغ احکام کے وقت غیر اللہ کے خوف عقلی کی نفی کی گئی ہے۔ رہا یہ کہ ان کو کسی سے خوف طبعی بھی نہیں ہوتا یہ اس آیت کا مفہوم نہیں۔ لوگ قرآن کو ادھورا پڑھتے ہیں اس لئے اشکال ہوتا ہے پورے مضمون پر نظر کرنے کے بعد کچھ اشکال نہیں رہتا۔ غرض تبلیغ احکام کے وقت بھی اس کا مطلب نہیں کہ اس وقت خوف طبعی کسی درجہ کا لاحق نہیں ہوتا کیونکہ موسیٰ کے واقعہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان کو فرعون سے طبعی خوف تھا اسی لئے انہوں نے حق تعالیٰ سے اپنا خوف ظاہر کر کے اس کا علاج چاہا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ انبیاءؑ تبلیغ احکام ضرور کرتے ہیں اور تبلیغ کے متعلق خوف عقلی تو ان کو صرف خدا سے ہوتا ہے مخلوق کا خوف عقلی انہیں ذرا نہیں ہوتا جس کے اثر سے خوف طبعی مخلوق کا ان پر ایسا غالب نہیں ہوتا جو تبلیغ سے روک دے بلکہ اگر کسی وقت مخلوق سے ان کو خوف طبعی ہوتا بھی ہے تو وہ خشیت خداوندی سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ پس مخلوق کے خوف عقلی کی تو مطلقاً نفی ہے اور خوف طبعی کی مطلقاً نفی نہیں بلکہ اس کے غلبہ کی نفی ہے۔

حضرات انبیاءؑ پر تبلیغ ہر حال میں فرض ہے

اب یہ مضمون ان شاء اللہ تعالیٰ کسی نص سے متعارض نہ ہوگا اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ پھر علماء کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔ کہ مخلوق سے خوف عقلی ان کو ذرا نہ ہو اور خوف طبعی اگر ہو تو خوف خداوند سے مغلوب ہو اس پر غالب نہ ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس جگہ علماء کے ذمہ تبلیغ فرض ہوتی ہے وہاں بیشک ان پر خوف خداوندی ہی غالب ہوتا ہے مخلوق کا خوف طبعی غالب نہیں ہوتا مگر جہاں ان پر تبلیغ فرض ہی نہ ہو محض مستحب ہو وہاں اگر ان کو مخلوق سے طبعی خوف ہو تو اس میں کیا حرج ہے۔ بخلاف انبیاءؑ کے کہ ان پر تبلیغ ہر حالت میں فرض ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ جن علماء کو تم خائف کہتے ہو وہ اس خوف کی وجہ سے کسی فرض وواجب کو ترک کر رہے ہیں یا مباح و مستحب کو۔ اگر تم انصاف سے دلائل میں غور کرو گے تو تم کو معلوم ہو جائیگا کہ وہ مخلوق کے خوف سے کسی فرض و واجب کو ہرگز ترک نہیں کرتے بلکہ محض بعض مباحات یا بہت سے بہت بعض مستحبات کو ترک کر رہے ہیں۔ سو ایسی حالت میں وہ **یخشونہ ولا یخشون احدا الا اللہ**، اس سے ڈرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے خلاف کیونکر ہوتے بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جن مسائل کی تبلیغ آجکل کے بہادر لوگ کر رہے ہیں علماء بھی ان سب کی تبلیغ کر رہے ہیں صرف عنوان کا فرق ہے۔ بہادر ان قوم کا مقابلہ اور سب وشتم کے ساتھ تبلیغ کرتے ہیں اور جن کو تم خائف کہتے ہو وہ تہذیب اور نرمی کے ساتھ ان مسائل کو بیان کرتے ہیں، اب صرف اس بات کا فیصلہ باقی رہا کہ مخالفین اسلام کے سامنے آیا ہم کو مقابلہ اور سب وشتم کے ساتھ احکام کو ظاہر کرنا چاہیے یا نرمی وتہذیب کے ساتھ سو اس کا فیصلہ خود قرآن مجید نے کر دیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نرمی سے بات چیت کرنے کا حکم

حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا فرما کر جب فرعون کے پاس تبلیغ احکام کیلئے جانے کا حکم فرمایا تو اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا **فقولا لہ قولا لینا لعلہ یتذکر او یخشی**۔ اور فرعون سے نرمی کے ساتھ بات چیت کرنا شاید اس کو نصیحت ہو جائے

یا خدا کا خوف اس کے دل میں آجائے۔ دیکھ لیجئے موسیٰ سے زیادہ کون متوکل ہوگا اور فرعون سے زیادہ ظالم وسرکش کون مگر بایں ہمہ یہ حکم ہو رہا ہے کہ اس سے نرمی کے ساتھ گفتگو کیجئے گا۔

صاجو قاعدہ یہی ہے کہ جب کسی مخالف پر اپنا زور اور دباؤ نہ ہو تو وہاں مقابلہ اور سختی نافع نہیں ہوتی بلکہ اکثر مضر ہو جاتی ہے ایسے موقع میں اکثر نرمی ہی سے کچھ منافع ہو جاتا ہے۔ (۱۲ جامع)۔

ہر شخص کو اس کے مناسب حال تعلیم کی جائے

غرض بعض لوگ فطرۃ دل کے کمزور ہوتے ہیں اور بعض قوی القلب ہوتے ہیں تو وہ شیخ اناڑی ہے جو اپنی قوت کو دیکھ کر مریدوں کو بھی اس کی تعلیم دے کہ میری طرح تم بھی تارک بن جاؤ۔ اس کی وہی مثال ہوگی جو چوہے اور اونٹ کی مثال ہے ایک اونٹ سے کسی چوہے کی دوستی ہو گئی تھی، ایک مرتبہ دونوں ساتھ ساتھ جا رہے تھے کہ راستہ میں دریا آیا اونٹ دریا میں گھس گیا چوہا کنارہ ہی پر رہ گیا، اونٹ نے چوہا سے کہا کہ تم کیوں رک گئے، اس نے جواب دیا کہ مجھے ڈوبنے کا خوف ہے اونٹ نے کہا نہیں پانی زیادہ نہیں ہے صرف گھٹنوں تک ہے۔ چوہے نے کہا حضور آپ کے گھٹنوں تک ہے کہ میرے بھی ذرا آپ اپنے گھٹنوں کو تو دیکھیں کہ کتنے اونچے ہیں جب اتنا پانی ہے تو میرا کہاں پتہ رہے گا۔ اسی طرح جو شیخ اپنے گھٹنوں تک پانی دیکھ کر چوہے مرید سے بھی کہے کہ چلے آؤ وہ بیوقوف ہے ہمارے حضرات نے ہمیشہ اس کی رعایت کی ہے کہ ہر شخص کو اس کے مناسب حال تعلیم کی جائے۔

حکایت سید الطائفہ حضرت حاجی صاحبؒ وحضرت ضامن شہیدؒ

چنانچہ ہمارے حضرت حاجی صاحب کے پاس ایک خان صاحب جو کہ اس سے پہلے بھی کئی بار کسی ظلم کی شکایت اور دعا کی درخواست لے کر آچکے تھے ایک دن پھر آئے اور عرض کرنے لگے کہ حضرت وہ شخص برابر میرے اوپر ظلم کر رہا ہے اب تو اس نے میری زمین بالکل ہی دبالی ہے ظلم سے باز نہیں آتا میں کیا کروں۔ حاجی صاحب نے فرمایا بھائی صبر کرو خدا تعالیٰ تم کو اور کہیں سے روزی دیدیں گے۔

حضرت حافظ محمد ضامن صاحب نے یہ جواب سن لیا، حجرہ سے باہر تشریف لائے
اور خان صاحب سے کہا کہ نہیں خان صاحب جاؤ اس کی نالش کرو ہم دعا کریں گے
اور حاجی صاحب سے فرمایا کہ آپ کی نہ بیوی نہ بچے اس لئے ہر چیز سے صبر کر کے بیٹھ
گئے۔ تو آپ سبھی کو صبر کی تعلیم کرنے لگے۔ بھلا وہ بیچارہ بیوی بچوں والا آدمی اس سے فاقہ
مستی پر کیونکر صبر ہوگا۔ آپ کے صبر کا انجام تو وصول الی اللہ ہے اور اس کے صبر کا انجام وصولی
الی السقر (دوزخ) ہے کیونکہ وہ صبر کر کے بعض دفعہ پریشان ہوگا۔ اور جب پریشانی کے ضبط
کا تحمل نہ رہے گا تو گناہ کرنے لگے گا۔ میں کہتا ہوں کہ یہاں تک بھی غنیمت ہے اگر خدا
نخواستہ کسی نے ایسی حالت میں اس کو بہکا دیا تو وہ عیسائی ہو جائے گا۔ ہم نے ایسے واقعات
دیکھے ہیں کہ بعض لوگوں سے تنگی اور فقر پر صبر نہ ہو سکا تو انہوں نے دین بدل دیا نعوذ باللہ من
ذالک۔ اسی طرح حضرت حاجی صاحب اکثر عوام کو صبر کی تعلیم نہیں فرماتے تھے بلکہ ان کو
اختیار اسباب کا امر فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک مسماۃ نے حضرت سے عرض کیا
کہ میں اپنی زمین کو وقف کرنا چاہتی ہوں، حضرت نے منع فرمایا کہ زمین کو وقف نہ کرو اپنی
ملکیت ہی میں رکھو اس سے نفس کو سہارا رہتا ہے۔

دو احادیث میں عجیب تطبیق

یہ مضمون حدیث میں بھی ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص زمین کو فروخت
کرے تو اس روپے سے جلدی کوئی زمین ہی خرید لے کیونکہ نقد میں برکت نہیں ہوتی ادھر
ادھر خرچ ہو جاتا ہے۔ اور ایک دوسری حدیث شریف میں یہ ارشاد بھی ہے کہ حضور ﷺ نے
حضرت عائشہؓ سے فرمایا اے عائشہ تم زمین و جائیداد نہ خریدنا بظاہر ان دونوں میں تعارض
معلوم ہوتا ہے مگر وجہ تطبیق یہ کہ جس کے پاس پہلے سے زمین ہو وہ تو اس کو ضائع نہ کرے
کیونکہ وہ اس سبب معاش کا پہلے سے خوگر ہے اگر زمین نہ رہی تو پریشان ہوگا۔ اور جس کے
پاس نہ ہو وہ خواہ مخواہ اپنے سر پر یہ بلا نہ خریدے کیونکہ زمین جائیداد میں مشغولی زیادہ ہوتی
ہے۔ سبحان اللہ ہر شخص کی حالت کی جداگانہ رعایت ہے سب کو ایک لکڑی نہیں ہانکا گیا۔

حضرت حاجی صاحبؒ کا نواب رئیس چھتاری کو ناصحانہ مکتوب

حضرت حاجی صاحبؒ نے نواب صاحب رئیس چھتاری کو ایک حکیمانہ خط لکھا تھا جس میں نواب صاحب کی حالت کی بہت زیادہ رعایت تھی نواب صاحب کا اردہ یہ ہوا تھا کہ ہجرت کر کے حرم شریف میں قیام فرمائیں۔ اول تو حضرت حاجی صاحب اکثر عازمین ہجرت کو فرمایا کرتے کہ ہندوستان میں اس حالت میں رہنا کہ جسم یہاں ہو اور دل مکہ مکرمہ میں یہ اس سے بہتر ہے کہ جسم مکہ مکرمہ میں ہو اور دل ہندوستان میں اس لئے جب تک شوق کا غلبہ بیحد نہ ہو اس وقت تک ہجرت کا ارادہ نہ کرے مگر نواب صاحب کا غلبہ شوق حضرت کو معلوم تھا اس لئے منع تو نہیں فرمایا مگر ان کو یہ لکھا کہ جب یہاں آنے کا ارادہ کریں تو ریاست کا معقول انتظام کر کے آئیں تا کہ ریاست کی طرف سے کسی قسم کا فکر دل پر نہ ہو۔ ایک بات یہ بھی لکھی تھی کہ جب ریاست کا انتظام آپ دوسروں کے سپرد کریں تو اس کا خیال رکھا جائے کہ ملازمین کی تنخواہیں بڑی بڑی ہوں کیونکہ جب تنخواہ معقول ہوتی ہے تو انسان رشوت اور خیانت کا قصد نہیں کرتا اور تھوڑی تنخواہ میں اس وقت تو آپ کو کفایت معلوم ہوتی ہے مگر بعد میں ملازمین خیانت اور غبن کر کے زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں۔ سبحان اللہ دنیا کی سمجھ بھی ان ہی حضرات کو زیادہ ہے۔ اس خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ مکہ معظمہ میں رہ کر آپ ریاست سے جو کچھ صدقات وخیرت کرنا چاہیں وہ رقم اپنے پاس نہ منگاویں جو کچھ سخاوت کرنی ہو سب وہیں کسی کے سپرد کر دیں جو آپ کی مرضی منشاء کے موافق تقسیم کر دے بلکہ مناسب تو یہ تھا کہ آپ اپنی تنخواہ کا بھی وہیں سے انتظام نہ کرتے بلکہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی کسی کریم کے یہاں جایا کرتا ہے تو اپنے ساتھ توشہ باندھ کر نہیں لے جاتا۔ اس پر مجھے ایک حکایت یاد آئی۔

ایک صاحب الحال نوجوان کی حکایت

روض الریاحین میں لکھا ہے کہ ایک نوجوان لڑکا قافلہ حجاج کے ساتھ تھا مگر اس کے ساتھ کچھ توشہ نہ تھا کسی نے اس سے دریافت کیا کہ میاں تم کہاں جا رہے ہو کہا بیت اللہ کا ارادہ

ہے، لوگوں نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ نہ کچھ توشہ ہے نہ سامان آخر یوں بے سروسامان کس طرح پہنچو گے اس پر نوجوان زاہد کو جوش ہوا اور اس نے بزبان قال یا حال یہ جواب دیا۔

وفدت علی الکریم بغیر زاد ☆ من الحسنات و القلب السلیم

وان الزاد اقبح کل شی ☆ اذا کان الوفود علی الکریم

میں بغیر توشہ کے نیکیوں اور قلب سلیم سے کریم کے پاس جارہا ہوں اس لئے توشہ ہر شے قبیح تر ہے جبکہ کریم کے پاس جانا ہو۔

حاصل یہ ہے کہ میں کریم کے پاس جارہا ہوں تو یہ بڑی بے شرمی ہے کہ اپنی ساتھ توشہ باندھ کر لیجاویں۔ تو حقیقت میں اہل حال اس کو بے شرمی سمجھتے ہیں۔ مگر حاجی صاحبؒ نے نواب صاحب کو لکھا کہ اگرچہ مناسب تو یہ تھا کہ آپ اپنی تنخواہ کا ابھی انتظام ہندوستان سے نہ کرتے لیکن چونکہ آپ ہمیشہ سے اسباب کے عادی ہیں اس لئے اپنی تنخواہ مقرر نہ کرنے میں آپ کو پریشانی ہوگی جس سے جمعیت قلب فوت ہوجائے گی اس لئے اپنی تنخواہ کا انتظام تو کر لیجئے مگر اس کے علاوہ اور کوئی جھگڑا تقسیم وغیرہ کا ساتھ نہ لائیے۔ اور یہ لکھا کہ گو یہ سخاوت ہے مگر۔

نان دادن خود سخائے صادق است ☆ جان داد خود سخائے عاشق است

روٹی دینا خود سخاوت صادق ہے جان دینا عاشق کی سخاوت ہے۔

اہل اللہ جامع اضداد ہوتے ہیں

سبحان اللہ کیسی شان ہوتی ہے اہل اللہ کی واقعی محقق جامع اضداد ہوتا ہے وہ متضاد امور کو اس طرح جمع کرتا ہے کہ غیر محقق اس کی حقیقت نہ سمجھنے کے سبب پریشان ہوکر پکار اٹھتا ہے۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ☆ بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

(تختہ سے باندھ کر قعر دریا میں ڈال دیا ہے پھر کہتے ہو کہ دیکھ ہوشیار رہ کہ دامن تر نہ ہو)

جس کسی کا یہ شعر ہے وہ محقق نہیں معلوم ہوتا۔ ورنہ محقق کبھی ایسا نہیں کہہ سکتا وہ

اضداد کو جمع کر کے دکھلاتا ہے چنانچہ حاجی صاحب نے اس خط میں ایسا کر کے دکھلا دیا کہ تدبیر بھی توکل بھی۔

عادل سلطان کی دعا قبول ہوتی ہے

حاجی صاحب کی ایک اور حکایت جمع بین الاضداد کی یاد آئی۔ ایک مرتبہ مولانا رحمت اللہ صاحب نے آپ سے عرض کیا کہ میں سلطان کے پاس جا رہا ہوں اگر آپ فرمادیں تو سلطان سے آپ کا تذکرہ کردوں۔ فرمایا کیا فائدہ ہوگا بیش بریں نسبت (اس سے زیادہ نہیں) کہ میرے معتقد ہوجائیں گے پھر اس اعتقاد کا کیا نتیجہ ہوگا بس یہ نتیجہ ہوگا کہ وہ مجھ کو بلالیں گے جس کی حقیقت یہ ہوگی کہ بیت السلطان سے قرب اور بیت اللہ سے بعد ہوگا سو مجھ کو یہ منظور نہیں اس میں تو حضرت نے اپنی استغناء کو بیان فرمادیا۔ مگر اس میں بڑائی کا شبہ ہوسکتا تھا اس کا یہ علاج کیا کہ فرمایا لیکن میں نے سنا ہے کہ سلطان بہت عادل ہیں اور روایات میں آیا ہے کہ سلطان عادل کی دعا قبول ہوتی ہے تو آپ ان سے میرے واسطے دعا کرادیجئے گا۔ سبحان اللہ اس درخواست میں اپنے نفس کو کیسا مل دیا کہ حقیقت ظاہر کردی کہ دنیوی حوائج سے تو غنا ظاہر کردی اور دینی امور میں احتیاج ظاہر کی۔ عارف کو ایسا ہی ہونا چاہیے کہ دنیوی امور میں مخلوق سے مستغنی ہو اور دینی امور میں ہر ایک کی دعا کا محتاج ہو ظاہر میں استغنا اور تواضع کا جمع ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے مگر حاجی صاحب نے دونوں کو جمع کر کے دکھلا دیا۔ مگر اس درخواست میں ناتجربہ کاری کا شبہ ہوتا تھا کیونکہ سلاطین سے دعا کرانا خلاف آداب شاہی ہے میں آپ کو اس کی ایک ترکیب بتلاتا ہوں۔ وہ یہ کہ آپ ان کو میری طرف سے سلام پہنچادیجئے گا اس کے جواب میں وہ وعلیکم السلام فرمادیں گے بس دعا ہو جائے گی اور یہ بات حضرت حاجی صاحب ہی کے قول سے ثابت نہیں کہ سلام دعا ہے اور واقعی اب معلوم وہوتا ہے کہ بڑی جامع دعا ہے کیونکہ اس میں سلامتی کی دعا ہے جو کہ عام ہے ظاہری باطنی ہر قسم کی سلامتی کو اس میں تمام مقاصد داخل ہیں مگر افسوس ہے کہ آجکل لوگوں نے اس جامع دعا کو چھوڑ کر دوسرے الفاظ آداب عرض وغیرہ اختیار کرلئے ہیں۔

ایک جگہ شیخ زادوں کے مجمع میں کسی حجام نے جا کر السلام علیکم کہا، ایک شیخ صاحب نے اٹھ کر پانچ جوتے مارے۔ حجام نے کہا کہ حضور پھر کیا کہا کروں۔ شیخ صاحب بولے کہ حضرت سلامت کہا کرو۔ اس کے بعد نماز جمعہ کا وقت آیا جب امام نے السلام علیکم کہا تو وہ حجام پکار کر کہتا ہے حضرت سلامت حضرت سلامت۔ لوگوں نے پھر اس کو مارنا چاہا تو اس نے کہا کہ پہلے میرا عذر سن لو پھر جو چاہے کر لینا۔ بات یہ کہ میں نے آج شیخ صاحبوں کے مجمع میں السلام علیکم کہا تھا تو وہ بڑے خفا ہوئے اور میرے پانچ جوتے مارے اور کہا حضرت سلامت کہا کرو۔ میں ڈرا کہ اگر کہیں فرشتے بھی السلام علیکم سے ناراض ہو گئے تو وہ تو مجھے جیتا بھی نہ چھوڑیں گے کیونکہ ان میں ایک فرشتہ عزرائیلؑ بھی ہیں اس لئے میں نے نماز میں بھی حضرت سلامت کہا۔ یہ جواب سن کر شیخ زادے شرمندہ ہو کر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے سو بعض جگہ تو یہ غضب ہے کہ السلام علیکم سے ناراض ہوتے ہیں مگر غریب قوم کے لوگوں کو بھی اتنی رعایت چاہئیے السلام علیکم تان کر نہ کہا کریں جس سے سننے والوں کو یہ شبہ ہو کہ یہ اپنے کو ان کی برابر سمجھتے ہیں۔

تان کر سلام کرنے کی مذمت

ایک بار میں کاندھلہ گیا بیٹھا تھا تو ایک نائی صاحب آئے اور بڑے تان کر سلام کیا یعنی سخت لہجہ میں السلام علیکم کہا مجھے اس کے لہجہ سے مساوات کا دعویٰ معلوم ہوتا تھا، میں نے جواب دے دیا اس کے بعد اس نے سوال کیا کہ حضرت جو سلام سے برا مانے وہ کیسا ہے۔ میں نے کہا جو سلام سے برا مانے وہ بہت برا اور جو تان کر سلام کرے جس سے مساوات کا دعویٰ ٹپکتا ہو وہ اس سے بھی برا وہاں جتنے رئیس بیٹھے تھے سب ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ اس مرض کو تم نے سمجھا سلام سے بھلا کون برا مانتا ہے مگر اس کے طرز سے لوگوں کو ناگواری ہوتی ہے اور فی الواقع چھوٹوں کا دعویٰ مساوات تو ناگوار ہوتا ہی ہے بیٹا چاہے کیسے ہی بڑے درجہ پر ہو باپ سے تو ادنیٰ ہی ہے پھر اگر وہ باپ کی برابری کرنے لگے تو یقیناً برا معلوم ہوگا بیٹا ظاہر میں تو باپ سے کم ہی ہے گو باپ کافر ہو اس کا بھی ادب ضروری ہے ورنہ سلام سے مسلمانوں کو کیوں ناگواری ہونے لگے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جنت میں حق تعالیٰ مسلمانوں کو سلام فرمائیں گے یعنی اہل جنت سے فرمائیں السلام علیکم قرآن شریف میں ہے سلام قولا من رب الرحیم ان کو پروردگار مہربان کی طرف سے سلام فرمایا جائیگا نیز تشہد میں حضور ﷺ کو بھی السلام علیک ایھاالنبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، سلام تم پر اے نبی ﷺ اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں کہا جاتا ہے تو ہر مسلمان روزانہ حضور ﷺ کو سلام کرتا ہے پھر یہ کیوں برا ہونے لگا۔ یہ تو بیچ میں کچھ جملے معترضہ آ گئے تھے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ جو شیخ سب کو تارک بنانا چاہے وہ اناڑی ہے۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ نے ان بی بی کو جائیداد وقف کرنے سے منع فرمایا۔

وقف مال میں سخت احتیاط کی ضرورت

امام سفیان ثوریؒ باوجود یہ کہ بہت بڑے تارک تھے حتیٰ کہ خلیفہ ہارون الرشید جو خلافت سے پہلے ان کا بڑا دوست تھا خلیفہ ہونے کے بعد انہوں نے ہارون رشید سے ملنا چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہ بیت المال میں ان کے مذاق کے موافق احتیاط نہ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ہارون رشید کا خط ان کے پاس آیا تو اس کو ہاتھ سے نہیں کھولا بلکہ ایک لکڑی سے کھولا۔ خط میں ہارون رشید نے ایک شکایت کی تھی کہ آپ نے مجھ سے ملنا چھوڑ دیا امام سفیان ثوریؒ نے سخت جواب دیا اور لکھا کہ تم بیت المال میں بیجا تصرف کرتے ہو قیامت میں تم سے اس کی بازپرس ہوگی اسلئے میں تم سے نہیں ملنا چاہتا مبادا کہیں میں بھی غضب میں گرفتار نہ ہو جاؤں وقف کا مال بہت احتیاط کے قابل ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ چراغ جلا کر کچھ کام کر رہے تھے۔ کہ اتنے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے۔ حضرت عمرؓ نے چراغ فوراً گل کر دیا۔ حضرت علیؓ نے پوچھا کہ میرے آتے ہی آپ نے چراغ کیوں بجھا دیا فرمایا کہ اس میں بیت المال کا تیل ہے اب تک تو میں بیت المال کا کام کر رہا تھا اس لئے میرے واسطے مباح تھا اور اب ہم دونوں باتیں کریں گے اس لئے بیت المال کا تیل جلانا جائز نہیں۔ اس لئے میں نے چراغ گل کر دیا۔

سبحان اللہ حضرات صحابہ میں کیسی احتیاط تھی اگر آجکل کوئی شخص ایسی احتیاط کرنے لگے تو عوام تو کیا خواص بھی اسے وہمی کہنے لگیں۔

حضرات سلف کا مذاق

میرے ایک دوست کا قصہ ہے کہ وہ ایک اسلامی مدرسہ میں مہمان ہوئے مغرب کے بعد مہتمم صاحب نے کسی خادم کو حکم دیا کہ ان کے کمرے میں لالٹین روشن کر دے انہوں نے فوراً ہی کہا کہ اگر مہتمم صاحب کا تیل ہو تو لانا اور اگر مدرسہ کا ہو تو مت لانا۔ وہاں ایک بزرگ خان صاحب تشریف فرما تھے جو ہمارے حضرات کے صحبت یافتہ ہیں وہ کہنے لگے کہ یہ شخص اشرف علی کا تعلیم یافتہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ ایسی احتیاط اسی کے یہاں ہے۔ ان باتوں پر لوگ مجھے وہمی کہتے ہیں مگر ایسا وہم بھی مبارک ہے جو حضرات سلف کے مذاق سے مطابق ہو تو امام سفیان ثوریؒ اتنے بڑے تو تارک تھے مگر وہ فرماتے ہیں کہ وہ زمانہ گزر گیا جبکہ روپیہ رکھنا مضر تھا آجکل روپیہ جمع کرنا مفید ہے کیونکہ اجکل افلاس کا سب سے پہلا اثر دین پر ہوتا ہے کہ مفلسی میں انسان کو حرام وحلال کی کچھ تمیز نہیں رہتی پھر فرمایا کہ ہمارے پاس یہ دینار نہ ہوتے تو یہ امراء ہم کو دست مال بنا دیتے۔ مگر مال کی بدولت یہ ہم کو کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اللہ اکبر یہ وہ زمانہ ہے جو خیر القرون میں داخل ہے جو صحابہ کے زمانہ سے بہت قریب ہے امام سفیان ثوریؒ اس زمانہ کے بابت فرمارہے ہیں کہ اس وقت مال جمع کرنا مفید ہے اس سے قیاس کر لیا جائے کہ آجکل مال جمع کرنا کتنا ضروری ہے پس جس مسلمان کے پاس کچھ ذخیرہ ہو اسے چاہیے کہ احتیاط سے خرچ کرے اسراف نہ کرے **لعل اللّٰہ یحدث بعد ذلک امرا** (شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کر دیں)۔

شاید کسی وقت ضرورت ہو جائے تو پریشان نہ ہونا پڑے۔ اسی طرح بخل بھی نہ کرو اس کی علت بھی وہی ہے۔ **لعل اللّٰہ یحدث بعد ذلک امرا**۔ (شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی بات پیدا کر دیں) کیونکہ بخل سے بعض دفعہ ضرورت کے موقعہ میں بھی تنگی کی جاتی ہے اور اتنی تنگی کے بعد پھر ندامت ہوتی ہے کہ ہائے ہم نے اس موقع میں کیوں نہ

خرچ کیا۔ مثلاً کسی نیک کام کے لئے چندہ ہو رہا ہے جس میں بہت کچھ ثواب ملنے کی امید ہے بخیل آدمی ایسے موقعہ پر بھی تنگی کرتا ہے پھر بعد میں اسے افسوس ہوتا ہے لعل اللّٰہ یحدث بعد ذلک امرا (شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی بات پیدا کردیں) یہاں بھی صادق ہے۔

اسراف کی حد

اب میں اسراف کے متعلق ایک بات بتلاتا ہوں جو شاید آج تک نہ سنی ہوگی وہ یہ کہ اسراف کی حقیقت مشہور یہ ہے کہ معصیت میں خرچ کرنا اسراف ہے اس سے بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا ہوگا کہ قیمتی کپڑے پہننا اور گھر کے لئے زینت و آرائش کا سامان خریدنا اسراف میں داخل نہیں کیونکہ یہ انفاق امور محرمہ میں نہیں ہے اور بعض لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ بلاضرورت خرچ کرنا اسراف ہے گو مباح ہی میں صرف کیا جائے ان کے نزدیک زیادہ قیمتی لباس بھی اسراف میں داخل ہے کیونکہ وہ ان کے نزدیک بلاضرورت ہے مگر یہ دونوں باتیں غلط ہیں بلکہ اسراف کے لئے دو حد ہیں اور واقع میں وہ ایک ہی حد ہے لیکن میں تفصیل کر کے ان کو دو قرار دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ اسراف کے معنی تو وہی ہیں جو پہلے بیان کئے گئے یعنی انفاق فی المعصیت (گناہ میں خرچ کرنا) لیکن معاصی کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو فی نفسہ معاصی ہیں جیسے زنا اور تفاخر وغیرہ ان میں خرچ کرنا تو ہر شخص کیلئے اسراف ہے اور حرام ہے اور بعض معاصی وہ ہیں جو فی نفسہ معاصی نہیں بلکہ مفضی الی المعصیت (گناہ کی طرف پہنچانے والا) ہونے کی وجہ سے معاصی بن گئے۔ ایسے مواقع میں خرچ کرنا مطلقاً حرام نہیں بلکہ جس کے لئے وہ فعل سبب معصیت بن جائے اس کے لئے حرام اور جس کیلئے سبب معصیت نہ ہو اس کے لئے جائز ہے تو اسراف کی ایک قسم ایسی نکلی جو ہر ایک کیلئے اسراف نہیں بلکہ بعض کے لئے اسراف ہے اور بعض کے لئے مباح ہے مثلاً چار روپیہ کا حلوہ کھانا یہ ہر ایک کیلئے اسراف نہیں بلکہ جس شخص کے پاس روپیہ حاجت سے زیادہ ہو اور چار روپیہ کا حلوہ کھانے سے اس پر قرض بھی نہ ہو یا قرض ہو مگر اس کا ادا کرنا اسے آسان ہو اور کسی قسم کی پریشانی اس کو نہ ہو اس کو چار روپیہ کا حلوہ کھانا یا عمدہ غذائیں کھانا جائز ہے اور جس شخص

پر حلوہ کھانے یا عمدہ عمدہ غذائیں پکوانے سے سودی قرض ہوتا ہے اس کیلئے یہ اسراف ہے کیونکہ اس کے حق میں یہ مفضی الی المعصیت (گناہ کی طرف پہنچانے والا) ہے اور دوسرے کے لئے اسراف اسی طرح مکان بنانا ایک تو ضرورت کے موافق ہے یہ تو سب کو جائز ہے اور ایک ضرورت سے زیادہ ہے یہ بعض کے لئے جائز ہے بعض کے لئے اسراف ہے۔ جو شخص مرجع خلائق ہو کہ اس کے یہاں مہمان بکثرت آتے ہوں وہ لوگوں کو ٹھہرانے کیلئے اپنی حاجت سے زیادہ مکان بنادے تو جائز ہے بلکہ طاعت ہے اور جس کے یہاں مہمانداری زائد نہیں ہے اس کو ضرورت سے زیادہ مکان بنانا اسراف ہے۔ ہاں اگر یہ نیت ہو کہ ایک مکان میں خود رہیں گے اور دوسرے مکانات کرایہ پر دے کر ان سے روپیہ وصول کریں گے اس صورت میں بھی زیادہ مکان بنانا اسراف میں داخل نہیں۔

مہمان کی دعوت میں کس صورت میں اسراف ہے

اسی طرح مہمان کو عمدہ کھانا کھلانا اگر اس میں عجب وریاء وتفاخر نہ ہو احسان جتلانے کی نیت نہ ہو نہ اس سے مقروض ہونے کا اندیشہ ہو محض تطییب خاطر ضیف کی نیت سے اپنی وسعت کا لحاظ کر کے عمدہ کھانے پکائے جائیں تو اس حالت میں یہ فعل اسراف نہیں اور جو شخص زیادہ سامان کرنے سے ان بلاؤں میں مبتلا ہو جائے اس کو زیادہ سامان کرنا حرام اور اسراف ہے۔ اس کو چاہیے کہ جو موجود ہو مہمان کے سامنے رکھ دے اور اگر کچھ نہ ہو تو فاقہ کرے اور مہمان کو بھی فاقہ کی اطلاع کردے۔

حضرت شاہ ابو المعالی کے پیر ایک مرتبہ ان کے گھر پر تشریف لائے شاہ صاحب کہیں گئے ہوئے تھے اور اس دن ان کے گھر پر فاقہ تھا ان کی بیوی کو جب معلوم ہوا کہ پیر صاحب تشریف لائے ہیں تو ان کو فکر ہوئی کہ پیر صاحب کب تشریف لاتے ہیں اگر آج ان کو بھی فاقہ کرایا تو بڑی بیجا بات ہے ماما کو محلہ میں بھیجا کہ کسی سے آٹا دال قرض لے آئے مگر غریبوں کو قرض بھی کوئی نہیں دیا کرتا کہیں سے آٹا دال نہ ملا۔ پھر دوسری مرتبہ بھیجا کہ پیسے ہی قرض مل جائیں تو بازار سے جنس منگالیں گے مگر کہیں سے دام بھی ادھار نہ ملے

پیر صاحب نے جو بار بار ماما کو آتے جاتے دیکھا تو کچھ کھٹکے اس سے دریافت کیا کہ تو کس فکر میں بار بار آتی جاتی ہے۔ اس نے کہا حضور بات تو کہنے کی نہیں مگر مرشد سے کیا پردہ۔ بات یہ ہے کہ آج شاہ صاحب کے یہاں فاقہ ہے۔ میں اس فکر میں ہوں کہ کہیں سے آٹا دال یا پیسے ادھار مل جائیں تو آپ کے لئے کھانا تیار ہو جائے۔ مگر کہیں سے کچھ بھی نہیں ملا حضرت شیخ کو یہ حال سن کر رنج ہوا اپنے پاس سے انہوں نے ایک روپیہ نکال کر دیا کہ جاؤ اس کا غلہ منگاؤ اور کھانا تیار کراؤ۔ اور جب غلہ آ جائے تو ہمارے پاس لے آنا چنانچہ غلہ لایا گیا آپ نے ایک تعویذ لکھ کر غلہ میں رکھ دیا۔ اس کی ایسی برکت ہوئی کہ غلہ کسی طرح ختم ہی نہ ہوا اور عرصہ تک فاقہ کی نوبت نہ آئی۔

حضرت شاہ ابوالمعالی صاحبؒ کی جامعیت

حضرت شاہ ابوالمعالی صاحبؒ جب سفر سے واپس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ بہت دنوں سے روزانہ بلا تکلف کھانا پک رہا ہے فاقہ ہی نہیں ہوتا ان کو تعجب ہوا کہ میرے پیچھے اتنا غلہ کہاں سے آ گیا آخر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ پیر صاحب تعویذ دے گئے ہیں، وہ بڑے پریشان ہوئے کیونکہ وہ فاقہ کے مشتاق تھے ان حضرات کا فاقہ اختیاری تھا اب ایسے وقت میں اگر کوئی غیر عارف ہوتا تو یوں کہتا

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ☆ باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

قعر دریا میں مجھ کو تختہ سے باندھ کر ڈال دیا پھر کہتے ہو دیکھو ہوشیار رہ دامن تر نہ ہو۔

کیونکہ یہاں دو چیزوں میں تعارض ہو رہا ہے اگر پیر کا تعویذ غلہ سے نکال کر الگ کرتے ہیں تو اس میں بظاہر پیر سے اپنے بڑے ہونے کا دعویٰ ہے اور اگر الگ نہیں کرتے تو اپنے مذاق توحید کے خلاف ہے۔ مگر شاہ صاحب عارف تھے انہوں نے دونوں کو خوب جمع کیا فرمایا کہ پیر صاحب کے تعویذ کی برکت کا ہمارا سر زیادہ مستحق ہے غلہ میں رکھنے سے اس کی بے ادبی ہوتی ہے لاؤ اس تعویذ کو ہم اپنے سر سے باندھیں گے چنانچہ وہ نکال کر لیا گیا اور شاہ صاحب نے اس کو اپنے سر سے باندھ لیا۔ دو تین روز میں غلہ ختم ہو گیا اور پھر وہی حالت ہو گئی

جو پہلے تھی۔ کبھی فاقہ تھا کبھی کھانے پکتے تھے۔ شاید کوئی منطقی یہ کہے کہ اگر شاہ صاحب کو فاقہ کا ایسا ہی شوق تھا تو اس کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ تعویذ کو غلہ ہی میں رہنے دیتے تا کہ اس میں بھی برکت رہتی اور خود فاقہ کر لیا کرتے تو یاد رکھو یہاں منطق نہیں چل سکتی یہ معرفت کا طریقہ ہے جس کا فتویٰ یہ ہے کہ موجود ہوتے ہوئے فاقہ کرنا خلاف ادب ہے۔ مگر بیماری میں فاقہ کرنا خلاف ادب نہیں گو گھر میں سب کچھ موجود ہو تو دیکھئے یہ حضرات کیسے بے تکلف تھے کہ ان کی تعلیم یافتہ ماما نے پیر کو بھی فاقہ کی اطلاع کر دی۔

مہمان کو زیادہ بے تکلف بننا نا مناسب ہے

اسی طرح ہمارے استادؒ کے صاحبزادے کے یہاں ایک بار مولانا گنگوہیؒ مہمان ہوئے۔ اس دن ان کے یہاں فاقہ تھا انہوں نے بے تکلف مولانا سے عرض کر دیا کہ آج میرے یہاں فاقہ ہے اور قرض کو جی نہیں مانتا اگر آپ فرمائیں تو بعض لوگ آپ کی دعوت کرنے کے مشتاق یہاں موجود ہیں ان میں سے کسی کو دعوت کی اجازت دے دوں، مولانا نے فرمایا کہ ہرگز نہیں میں تو تیرا مہمان ہوں اگر تیرے یہاں فاقہ ہے تو میں بھی فاقہ کروں گا، چنانچہ شام تک مولانا کا بھی فاقہ رہا۔ مغرب کے قریب ایک آدمی گاؤں سے آیا اور حکیم صاحب کو گیارہ روپے دے گیا کیونکہ اس کا کوئی عزیز حکیم صاحب کے علاج سے اچھا ہوا تھا حکیم صاحب وہ روپے لے کر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضرت آپ کی برکت سے خدا تعالیٰ نے یہ روپے بھیج دیئے ہیں اب میں عمدہ کھانا پکواؤں گا حضرت نے منع فرمایا کہ بھائی تکلف مت کرو، مگر وہ نہ مانے اور کہنے لگے کہ حضرت دن بھر فاقہ رہا اب بھی عمدہ کھانا نہ کھاویں۔ غرض عشاء کے وقت تک پلاؤ وغیرہ بہت عمدہ تیار کرا دیا۔ تو میزبان کو ایسا ہی بے تکلف ہونا چاہیے مگر مہمان کو زیادہ بے تکلف نہ بننا چاہیے کہ لگیں طرح طرح کی فرمائشیں کرنے دوسرے یہ کہ میزبان اگر تکلف ہی میں رہے تو کب تک رہے گا۔ تم نے آج دو آدمیوں کے واسطے ادھار قرض کر لیا روز روز کس کس کے لئے ادھار کرتے پھرو گے کیونکہ آنے والوں کی یہ عادت ہے کہ جس شخص کو زیادہ مہمان نواز دیکھتے ہیں اس کے یہاں

بار بار آمدورفت رکھتے ہیں حتیٰ کہ وہ غریب تنگ آجاتا ہے مہمان بننے والوں کو اس کی ذرا فکر نہیں ہوتی کہ میزبان غریب پر کیا گزر رہی ہے اس لئے مجھے ایسے شخص پر بہت رحم آیا کرتا ہے جو مہمان نوازی میں مشہور ہو۔ اس کے یہاں بعض لوگ محض کھانے ہی کے واسطے پڑے رہتے ہیں۔ دنیا میں ایسے بے حیا بھی بہت ہیں۔

تھانہ بھون میں ایک ملا تھا اس بے چارہ کے یہاں مہمانوں کی کثرت رہتی حتیٰ کہ اسے ادھار قرض کرنا پڑتا تھا، اس نے مجھ سے شکایت کی۔ میں نے کہا کہ تم مہمانوں کے لئے نہ کچھ اہتمام اور انتظام کیا کرو اور نہ ان کو جواب دیا کرو۔ بس جتنی روٹیاں تمہارے پاس ہوا کریں وہی سب کے سامنے رکھ دیا کرو چاہے کسی کا پیٹ بھرے یا نہ بھرے ادھار قرض کر کے ہرگز نہ کرو جب لوگ بھوکے رہیں گے خود ہی آنا چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا تب اس کا پیچھا چھوٹا تو یہ آنے والے مہمان اس کی کچھ پروانہیں کرتے کہ جس کے یہاں ہم جارہے ہیں اس پر کیا گزر رہی ہے ان کو تو اپنے کھانے سے کام دوسرے کی کیا فکر بلکہ بعض لوگ تو سفر ہی اسی واسطے کرتے ہیں تاکہ چندروز عمدہ عمدہ کھانے ملیں گے۔

جیسا کانپور میں ایک طالب علم تھے وہ کہا کرتے تھے کہ جو لوگ فارغ ہو کر دستار بندی کرالیتے ہیں بڑے بے وقوف ہیں کیونکہ پھر مدرسہ کی روٹیاں نہیں ملتیں اسی لئے ہم تو اتنے عرصہ سے مدرسہ میں پڑے ہیں مگر نورالانوار سے آگے نہیں بڑھتے تاکہ فراغت کے بعد روٹیاں بند نہ ہو جائیں تو اس بندہ خدا کو پڑھنے سے بھی روٹیاں ہی مقصود تھیں۔

مثل مشہور ہے کہ کسی طالب سے کسی نے پوچھا دو اور دو کتنے ہوتے ہیں کہا چار روٹیاں وہ بھی کوئی ایسا ہی بندہ شکم ہوگا جس کو پڑھنے پڑھانے سے روٹیاں ہی مقصود ہوں گی۔

میزبان کو بے تکلف بننے کی ضرورت

اسی طرح ایک بسیار خوار سے کسی نے پوچھا کہ تم کو قرآن کا کونسا مضمون یاد ہے۔ کہنے لگا دو آیتیں ایک احکام کی ایک دعا کی۔ کلوا واشربوا کھاؤ اور پیو۔ دعا میں ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء۔ اے پروردگار ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما۔

سو بعضے مہمان بھی ایسے ہوتے ہیں۔ اس لئے میں کہہ رہا تھا کہ میزبان کو بے تکلف ہونا چاہیے کہ جو موجود ہو سامنے رکھ دے اور اگر کچھ نہ ہو تو مہمان کو فاقہ کی اطلاع کر دے خواہ مخواہ دوسروں کے لئے قرض نہ کرے۔ قرض سے بڑی پریشانی ہوتی ہے۔ قرض لینا جائز ہے اگر بضرورت ہو اور پریشانی نہ ہو مگر پریشانی میں طبائع مختلف ہیں۔ بعض لوگوں کو قرض سے پریشانی نہیں ہوتی اور بعض کو بہت پریشانی ہوتی ہے۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ اپنی وصیت میں تحریر فرماتے ہیں کہ بندہ پر کبھی قرض نہیں ہوتا۔ وہ تو قرض سے اتنا بچتے تھے کہ وصیت میں بے تکلف لکھ گئے کہ میرے قرض ادا کرنے کی کوئی فکر نہ کرے مجھ پر قرض ہوتا ہی نہیں۔

اور مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ پر قرض ہوتا تھا یہاں تک کہ وصال کے وقت مولانا کے ذمہ کئی ہزار روپے قرض تھے جو ایک ہی خادم نے تنہا ادا کر دیئے تو بزرگوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ خوب کہا ہے

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خنداں است ☆ بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالاں است

گل کے کان میں کیا کہہ دیا ہے کہ خنداں ہے۔ بلبل سے کیا فرما دیا کہ نالاں ہے۔

مولانا فرماتے ہیں

گر بعلم آیم ما ایوان اوست ☆ وز بجل آیم ما زندان اوست

گر بخواب آئیم مستان ویئم ☆ ور بہ بیداری بہ دستان ویئم

ور تر دو ہر کہ او آشفتہ است ☆ ہر بگوش او معما گفتہ است

(اگر علم تک ہماری رسائی ہو جائے تو یہ ان کا ایوان ہے کہ تصرف حق سے علم کا درجہ حاصل ہو اور جہل میں مبتلا رہیں تو ان کا زندان ہے کہ حق تعالٰی کا تصرف ہے کہ مجلس جہل سے نہیں نکلے اگر سو رہیں تو انہیں کے بے ہوش کئے ہوئے ہیں اور اگر جاگ اٹھیں تو بھی ان ہی کی گفتگو میں ہیں۔ جو شخص کسی تردد میں گرفتار ہو رہا ہے گویا حق تعالٰی نے اس کے کان میں کوئی معمہ کہہ دیا ہے)۔

حضرت احمد شیخ خضرویہؒ کی حکایت

اور وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ مدیون کی روح دین کی وجہ سے معلق رہتی ہے
جنت میں داخل نہیں ہونے پاتی وہ اس پر محمول ہے کہ قرض بلا ضرورت ہو اور ادا کا قصد نہ ہو
اور اگر بضرورت ہو اور ادا کا پختہ قصد ہو تو اس کیلئے وعدہ ہے کہ حق تعالیٰ یا تو اس کا قرض دنیا
ہی میں ادا کر دیں گے ورنہ آخرت میں دائن سے معاف کرا دیں گے۔ اسی لئے بعض اہل
اللہ قرض پر بہت جری ہوتے تھے حضرت شیخ احمد خضرویہؒ بہت مقروض تھے مگر ایسے ہی آمدنی
بھی بہت تھی لوگ معتقد تھے نذرانے بہت آتے تھے اس لئے کوئی شخص قرض دینے سے انکا
رنہ کرتا تھا جب وہ مرنے لگے سب لوگوں کو اپنے اپنے روپیہ کی فکر ہوئی اور انہوں نے گھر
پر آکر تقاضا شروع کیا کہ آپ تو مر رہے ہیں ہماری رقم کہاں ہے آپ خاموش ہو کر منہ
ڈھانک کر لیٹ گئے فرمایا، خدا پر نظر رکھو۔ اتنے میں ایک حلوائی کا لڑکا حلوا بیچتا ہوا سامنے
سے گزرا آپ نے اسے بلایا اور سارا حلوہ خرید کر لوگوں کو کھلا دیا۔ لڑکے نے دام مانگے
تو آپ نے فرمایا کہ بھائی یہ لوگ بھی اپنے دام ہی مانگ رہے تو بھی ان کے ساتھ بیٹھ جا۔
یہ سن کر لڑکے نے رونا شروع کیا کہ ہائے مجھے تو میرا باپ مار ڈالے گا۔ لڑکے کے رونے
کو دیکھ کر سب لوگوں کو شیخ پر غصہ آیا کہ بھلا ان بزرگ کو مرتے مرتے بھی قرض کرنے کی کیا
ضرورت تھی مگر ان کو کیا خبر تھی کہ انہوں نے قرض خواہوں کی ضرورت کیلئے یہ کام کیا تھا۔
تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ کسی امیر کا ایک خادم ایک سینی میں اشرفیاں لے کر حاضر خدامت
ہوا اور حضرت شیخ سے عرض کیا کہ فلاں امیر نے یہ ہدیہ خدمت والا میں ارسال کیا ہے آپ
نے اسے قبول فرمایا دیکھا تو بالکل قرض کے برابر تھا اسی وقت آپ نے سب قرضہ
ادا فرما دیا۔ اب تو لوگ بڑے معتقد ہوئے کہ واقعی مقبول بندے ہیں۔

کسی خادم نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے حلوائی کے لڑکے کا حلوہ بلا ضرورت
کیوں خرید فرمایا تھا۔ اس سے تو بڑی ذلت ہو رہی تھی فرمایا کہ یہ سارے قرض خواہ جب یہاں
آکر بیٹھے میں نے دعا کی ارشاد ہوا کہ ہمارے یہاں کچھ کمی نہیں مگر اس وقت کوئی رونے والا

ہونا چاہیے اوران میں کوئی رونے والا ہے نہیں میں نے یہ رونے کی ترکیب کی تھی۔

اسی کو مولانا فرماتے ہیں

تانہ گرید کودکے حلوہ فروش ☆ بحر بخشائیش نمی آید بجوش

تانگرید طفل کے جوشد لبن ☆ تانہ گرید ابر کے خندد چمن

گرتو خواہی کربلا جان وآخری ☆ جان خودرا درتضرع آوری

درتضرع باش تاشادان شوی ☆ گریہ کن تابےدہاں خنداں شوی

جب تک حلوہ فروش لڑکا نہ رویا بخشش کا دریا جوش میں نہ آیا جب تک بچہ نہیں روتا ماں کی چھاتیوں میں دودھ نہیں جوش مارتا۔ جب تک ابر نہ برسے چمن سرسبز نہیں ہوتا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ بلا سے جان تمہاری چھوٹ جائے تو جان سے گریہ وزاری کرو تا کہ تم کو خوشی حاصل ہو گریہ کرو تا کہ بےدہان ہنسنے والے ہو۔

پھر فرماتے ہیں:

درپس ہر گریہ آخر خندہ ایست ☆ مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

(ہر گریہ وزاری کے بعد خوشی ہے مرد آخر بیں مبارک بندہ ہے)

اس شعر میں اکبر حسین جج مرحوم نے لطیفہ کیا وہ کہتے ہیں۔

درپس ہر لکچر آخر چندہ ایست ☆ مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

(ہر لکچر کے بعد چندہ ہے انجام سوچنے والا مبارک بندہ ہے)۔

وہ کہتے تھے کہ مولویوں کے وعظ تو سینکڑوں ایسے سنے ہوں گے جو چندہ کے ذکر سے خالی ہوں گے مگر لکچر ایک بھی ایسا نہ ہوگا خیر یہ تو ایک لطیفہ ہے۔

رئیس بھوپال کی حکایت

میں یہ کہہ رہا تھا کہ قرض سے پریشانی ہونے میں طبائع مختلف ہیں بعض لوگوں کو اس سے پریشانی نہیں ہوتی۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو قرض کرنا جائز ہے غرض اسراف کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مصرف تو جائز ہے مگر اس میں خرچ کرنے سے گناہ پیدا ہوسکتے ہیں

توجہاں مصرف جائز سے بھی گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اس کو بھی اسراف کہا جائے گا اور جس کو یہ اندیشہ نہ ہو اس کیلئے وہ اسراف نہیں۔ اس پر ایک حکایت اور یاد آئی۔ حافظ محمد یوسف صاحب تھانوی نے بیان فرمایا کہ بھوپال میں ایک مرتبہ سنتیں پڑھتے ہوئے سخت بارش آ گئی سب لوگ نماز توڑ توڑ کر کوئی جلدی جلدی پوری کر کے اندر بھاگ گئے مگر ایک شخص جو نہایت عمدہ قیمتی لباس پہنے ہوئے تھے اطمینان سے نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ ان کا قیمتی لباس سب بھیگ گیا مگر انہوں نے اس کی ذرا پرواہ نہیں کی۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ نے اپنے کپڑے خراب کر لئے نماز مختصر کر کے اندر کیوں نہ آ گئے۔ کہا مجھے خدا نے کپڑے بہت دیئے ہیں میں گھر جا کر دوسرا جوڑا بدل لوں گا لیکن دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ محض کپڑوں کی خاطر میں نماز کو مختصر کر لوں۔ اس شخص کو قیمتی کپڑا پہننا جائز تھا کہ اس کی وجہ سے نماز میں قلب ذرا مشغول نہ ہوا اور ایسے لوگوں کو اجازت نہیں جن کی یہ حالت ہے کہ جب عمدہ کپڑا پہنتے ہیں تو خدا تعالیٰ کے حکم کا خیال نہیں رہتا کپڑوں کی وجہ سے نماز برباد کر دیتے ہیں بعض لوگ عمدہ لباس پہن کر ایسے تکلف سے نماز پڑھتے ہیں کہ جب تک ان کے پاس والا آدمی کھڑا نہ ہو جائے اس وقت تک وہ نہیں اٹھتے۔ یہ سوچتے ہیں کہ ایسا نہ ہو ہمارا کپڑا دوسرے آدمی کے نیچے دب جائے اور اٹھتے ہوئے جھر جھر ہو جائے اس لئے وہ بعد میں اٹھتے ہیں تو ان کی ساری نماز کپڑوں کے سنبھالنے میں ختم ہو جاتی ہے۔ ان لوگوں کو قیمتی کپڑا پہننا مکروہ ہے۔

حضرت علیؓ کی نگہداشت نفس

ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جمعہ کے دن ایک نیا کرتہ پہنا جو ان کو اچھا معلوم ہوا، آپ نے قینچی منگا کر اس کی دونوں آستین کاٹ ڈالیں لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں یہ کرتہ پہن کر اپنے کو اچھا لگا اور جس وقت انسان اپنی نگاہ میں اچھا لگے اس وقت وہ خدا کی نظر میں برا ہوتا ہے اس لئے میں نے کرتہ کو معیوب کر دیا تھا تاکہ اس پر نظر نہ رہے۔

سبحان اللہ ان حضرات کو اپنے نفس کی کیسی نگہداشت تھی ان کو قیمتی کپڑا پہننا بالکل جائز تھا کیونکہ ان کو قیمتی لباس سے اپنے اوپر نظر نہ ہوتی تھی اور اگر کبھی اس کا شبہ ہوتا تو فوراً ہی اسکا علاج کر لیتے تھے۔

حضرت گیلانیؒ کی آئینہ چینی ٹوٹنے کی حکایت

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے یہاں کسی جگہ سے ایک آئینہ بہت قیمتی ہدیہ میں آیا۔ حضرت شیخ کنگھی کرتے ہوئے اسے سامنے رکھ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ خادم ہاتھ میں آئینہ لئے آتا تھا اتفاق سے گر کر ٹوٹ گیا خادم کو خوف ہوا کہ دیکھئے آج خفگی نہ ہو اس نے آ کر عرض کیا۔

از قضا آئینہ چینی شکست (قضاء الٰہی سے چینی آئینہ ٹوٹ گیا)۔

آپ نے فوراً جواب دیا۔

خوب شد اسباب خود بینی شکست (اچھا ہوا کہ اسباب بینی ٹوٹ گیا)۔

معلوم ہو گیا کہ شیخ کے دل کو اس سے ذرا بھی لگاؤ نہ تھا جب تک موجود رہا خدا کی نعمت سمجھ کر استعمال کرتے رہے، جب ٹوٹ گیا تو دل پر ذرا بھی گرانی نہ تھی۔ اس حالت میں آپ کو قیمتی سے قیمتی سامان رکھنا بھی جائز تھا اسے اسراف نہ کہا جائے گا اور جس کو قیمتی سامان سے تعلق اور لگاؤ ہو جائے اس کیلئے ایسا سامان اسراف میں داخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشائخ بعض دفعہ ایک مرید کو خوش پوشا کی پر زجر فرماتے ہیں اور دوسرے کو کچھ نہیں کہتے۔ اس کا منشاء یہی ہے وہ دیکھتے ہیں کہ اس کے قلب کو اس سے لگاؤ ہوتا ہے اور دوسرے کے قلب کو لگاؤ نہیں ہوتا۔ یہ مضمون بہت طویل ہو گیا مگر کچھ مضائقہ نہیں بہت سے کار آمد مضامین بحمد اللہ بیان ہو گئے۔

میں یہ بتلا رہا تھا کہ **لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا** (شاید کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی بات پیدا کر دیں) ایسی عام حکمت ہے جو طلاق کے علاوہ تمام احکام میں جاری ہے۔ چنانچہ اسراف اور بخل میں بھی حکمت جاری ہے۔ اسی طرح ایک اور مثال بیان کرتا ہوں۔

دشمنی اور دوستی کا اعتدال

دشمنی اور دوستی کیلئے بھی شریعت نے ایک حد مقرر کی ہے اور اس میں بھی اس حکمت کا جریان بہت واضح ہے بلکہ خود حضور ﷺ نے اس کی طرف ارشاد فرمایا۔ چنانچہ حضور ﷺ کی تعلیم ہے **احبب حبیبک ھونا ماعسی ان یکون بغیضک یوما ما وابغض بغیضک ھونا ماعسی ان یکون حبیبک یوما** (سنن الترمذی ۱۹۹۷، کنز العمال ۲۴۷۴۲) ، یعنی دوستوں کے ساتھ دوستی اعتدال کے ساتھ کرو شاید وہ کسی وقت تمہارا دشمن ہوجائے تو تمہارے سارے راز معلوم ہونے کے سبب تم کو ضرر پہنچاوے۔ اور دشمن کے ساتھ دشمنی بھی اعتدال سے کرو شاید وہ کسی وقت دوست ہوجائے تو آنکھیں سامنے کرتے ہوئے حجاب نہ ہو۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر ساری دنیا کے عقلاء جمع ہوجاویں تو اس ذات پاک حضور کے برابر ہرگز حکمتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ آپ نے دوستی اور دشمنی کی کیسی حد بتلادی کہ دوستی ایسی کرو کہ وہ کسی وقت دشمن ہوجائے تو تم کو پریشانی نہ ہو۔ اور دشمنی بھی ایسی کرو کہ اگر کسی وقت دوست ہوجائے تو آنکھیں سامنے کرتے ہوئے ندامت نہ ہو۔ یہ وہی حکمت ہے **لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا** (شاید کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی بات پیدا کردیں)۔ کہ دوستی اور دشمنی کرتے ہوئے یہ سوچ لیا کرو کہ شاید حق تعالیٰ بعد میں کوئی نئی بات پیدا کردیں۔ پھر نادم ہونا پڑے تو اسی وقت اس کی رعایت کرلینی چاہیے کیا کوئی حکیم ہے جس کی باتوں میں ایسی حکمتیں ہوں ہرگز نہیں۔ اب ہماری حالت یہ ہے کہ نہ ہماری دوستی کی کوئی حد ہے نہ دشمنی کی۔ دوستی کریں گے تو ایسی کہ دوست کو بھائی اور اولاد سے بڑھادیں گے۔ بھائی سے تو روپے پیسے کا بھی حساب ہوتا ہوگا اور دوست سے کسی چیز کا حساب نہیں وہ جو چاہے کرے پورا خودمختار ہے۔ اس کے سامنے اپنے سارے راز بیان کردیتے ہیں حتیٰ کہ خاندانی جھگڑے بھی سب اس کے سامنے کھول دیتے ہیں۔ عزیزوں سے تو کچھ پردہ بھی ہوتا ہے مگر دوستوں سے کسی بات کا پردہ ہی نہیں ہوتا جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی وقت وہ دشمنی پر آمادہ ہوگیا تو ان حضرت کے سارے راز ظاہر کردے گا میں کہتا ہوں کہ دوستوں سے اپنے خاص راز ہرگز ظاہر نہ کرو پیر سے زیادہ کوئی دوست نہیں ہوتا۔

پیر سے کونسا افشاں راز مناسب ہے

مگر میں کہتا ہوں کہ پیر سے بھی وہی راز ظاہر کرے جن سے اصلاح کا تعلق ہو۔ باقی راز مت ظاہر کرو شاید کوئی یہ کہے کہ کیا پیر بھی دشمن ہو سکتا ہے۔ اگر اس میں ایسا احتمال ہو تو پھر وہ پیر بننے کے لائق ہی نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر وہ دشمن نہ ہوا تو شاید تم دشمن ہو جاؤ۔ اور اس کا آجکل مشاہدہ ہو رہا ہے کہ بعض لوگ ایک عرصہ تک کسی کے معتقد تھے مگر پھر کسی بات پر پیر کے دشمن ہو گئے کیونکہ وہ بات ان کے مزاج کے خلاف تھی۔

افسوس یہ ایک تعلق ایسا تھا جس کو تمام تعلقات سے قوی سمجھا جاتا تھا مگر اس زمانہ میں اس کے لئے بھی بقاء نہیں۔ بس جب تک پیر سے کوئی بات اپنی طبیعت کے خلاف صادر نہ ہو اس وقت تک تو وہ پیر ہے قطب ہے اور بڑا ولی ہے اور جس دن مرید کی طبیعت کے خلاف کوئی بات اس سے ظاہر ہوئی گو وہ شریعت کے بالکل مطابق ہو مثلاً اس نے زجر وتنبیہ کے طور پر مرید کو اپنے یہاں سے نکال دیا یا مجمع عام میں اس کو برا بھلا کہہ دیا۔ اب یہ حضرت پیر کے بھی دشمن ہو گئے اور اس کے خاندان کے بھی تو میں کہتا ہوں کہ پیر کا دشمن ہو جانا اگر بعید معلوم ہوتا ہے تو آپ کا دشمن ہو جانا کچھ بھی بعید نہیں تو اسی خیال سے آپ سارے راز اس کے سامنے ظاہر نہ کیجئے کہ نہ معلوم ہم آج ان کے معتقد ہیں کل کو ہم کیسے ہوں گے اس وقت افسوس کرنا پڑیگا ہم نے بے ضرورت اپنے اسرار پر کسی کو کیوں مطلع کر دیا۔ دوسرے پیر بھی آخر بشر ہے اگر وہی دشمن ہو جائے تو کیا محال ہے۔

راحت کا راز

حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ ہمارے استاد الاستاذ فرماتے تھے کہ راحت اگر چاہتے ہو تو کسی سے توقع نہ رکھو۔ کیونکہ اکثر رنج وغم کا سبب یہی ہوتا ہے کہ ہم کو کسی سے امید تو اور کچھ اور اس سے برتاؤ اور کچھ ظاہر ہوا۔ پھر مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ بھائی میں کہتا ہوں کہ تم مجھ سے بھی امید نہ رکھو اللہ اکبر یہی تو اہل اللہ کی علامت ہے کہ وہ معاملات میں اپنے کو بھی دوسروں کے برابر سمجھتے ہیں۔

استیذان کا حکم

چنانچہ ہمارے حضور ﷺ کا برتاؤ صحابہؓ کے ساتھ ایسا ہی تھا کہ کوئی خاص امتیازی شان آپ نے اپنے واسطے نہیں رکھی تھی۔ حدیث میں ہے کہ ایک بار حضور ﷺ حضرت سعد بن عبادہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے تو آپ نے تین بار السلام علیکم ادخل (اتحاف السادۃ المتقین ۹:۲۸۰) میں اندر آؤں فرمایا۔ یہ استیذان تھا یعنی آپ نے بعد سلام کے اجازت طلب کی کہ میں اندر آؤں۔ حضرت سعد بن عبادہ خاموش رہے یہ خیال کیا کہ اچھا ہے حضور ﷺ بار بار سلام فرمائیں جو کہ دعا ہے تو ہم کو برکت دعا کی زیادہ حاصل ہو۔ جب تین بار کے بعد بھی جواب نہ آیا تو آپ واپس ہوگئے۔ سبحان اللہ کیسی شان تھی بھلا آجکل تو کوئی ایسا کر کے دیکھے اپنے پیر کے ساتھ جو اسی وقت بیعت قطع نہ کریں کہ ہم نے تین بار آواز دی اور جواب بھی نہ دیا مگر حضور ﷺ کو ذرا بھی ناگواری نہ ہوئی کیونکہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنے گھر میں تو ہے ہی مردانہ مکان میں بھی یہی قاعدہ ہے۔ کہ بدون اجازت کے اندر مت جاؤ۔ مگر افسوس آجکل مسلمانوں نے اس طریقہ کو چھوڑ دیا اور شرم کی جگہ ہے کہ اس پر غیر قومیں عمل کرتی ہیں انہوں نے اسلام ہی سے یہ قاعدہ سیکھا ہے مگر افسوس کہ مسلمانوں کو اسلامی اصول کی قدر نہیں البتہ مردانہ مکان میں ایک تفصیل بھی ہے وہ یہ کہ مردانہ مکان دو قسم کے ہیں ایک وہ جس میں اسی واسطے بیٹھے ہوں تاکہ لوگ آکر ملیں وہاں استیذان کی ضرورت نہیں۔ مثلاً مردانہ مکان کے صحن میں جانے کیلئے استیذان کی ضرورت نہیں اور ایک مردانہ مکان وہ ہے جہاں ملاقات کے لئے بیٹھتے مثلاً مردانہ مکان میں کوئی کمرہ ہے جس پر پردے پڑے ہوئے ہیں گویا کواڑ بند ہیں تو اس میں بدون استیذان کے داخل نہ ہونا چاہیے۔ خوب سمجھ لو اس میں لوگ غلطی کرتے ہیں۔ غرض جب واپس تشریف لے چلے اور حضرت سعدؓ نے پھر آواز نہ سنی تو باہر نکلے اور آپ ﷺ کے پیچھے دوڑے اور واپس تشریف لیجانے کے متعلق دریافت کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تیسری بار میں جواب نہیں ملا ہم واپس ہوگئے۔ کیونکہ شرعی قانون اسی سے متعلق یہی ہے تو دیکھئے آپ نے اس قانون کو اپنی ذات مبارک کیلئے بھی جاری فرمایا۔

مشورہ کی شرعی حیثیت

اسی طرح حدیث میں ایک اور واقعہ حضرت بریرہ کا ہے جب وہ آزاد ہوگئیں اور شرعی قاعدہ سے ان کو اختیار دیا گیا کہ اپنے پہلے شوہر کے ساتھ (جس سے غلامی کی حالت میں نکاح ہوا تھا) نکاح باقی رکھیں یا فسخ کر دیں اور انہوں نے اس اختیار کی بناء پر فسخ نکاح کو اختیار کیا تو ان کے پہلے شوہر کو بہت رنج ہوا کیونکہ ان کو بریرہ سے محبت تھی اور حضرت بریرہ کو ان سے نفرت تھی۔ حضور ﷺ نے ان کے شوہر کی حالت کو دیکھ کر بریرہ سے فرمایا کہ اگر تم مغیث سے نکاح کرلو تو اچھا ہے۔ حضرت بریرہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ، حضور ﷺ نے فرمایا کہ حکم نہیں محض مشورہ ہے۔ تو انہوں نے صاف عرض کر دیا کہ میں اس مشورہ کو قبول نہیں کرتی۔ حضور ﷺ کو حضرت بریرہ کے اس جواب سے مطلق ناگواری نہیں ہوئی۔ کیونکہ مشورہ کا قانون یہی ہے کہ دوسرے شخص کو اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا پورا اختیار ہوتا ہے۔ لیکن آجکل تو اس قاعدہ پر کوئی عمل کر کے دیکھے کہ پیر صاحب کوئی مشورہ دیں یا کسی کی سفارش کریں اور مرید نہ مانے تو پھر دیکھئے کیا حال ہو۔ لیکن شرعاً اس پر کوئی ملامت نہیں۔ کیونکہ جب حضور ﷺ کے مشورہ پر عمل کرنا واجب نہیں تھا تو پیر صاحب کے مشورہ پر عمل کرنا کہاں سے واجب ہوگیا۔ تو حضرت مولاناؒ کا اتباع سنت ملاحظہ ہو کہ اس قاعدہ کلیہ میں اپنے کو بھی داخل فرمایا۔ خلاصہ یہ کے احبب حبیبک الخ دوست سے اعتدال کے ساتھ دوستی رکھو سے بزرگوں نے اپنے کو بھی مستثنیٰ نہیں فرمایا پس اس بناء پر بجز خاص اسرار کے جن کو اصلاح حال میں دخل ہو باقی اسرار پیر سے بھی نہ کہو۔

عداوت میں تجاوز حدود کا انجام

پس یہ قاعدہ سب کو عام ہے۔ احبب حبیبک هونا وعسی ان یکون بغیضک یوما وابغض بغیضک هوناماعسی ان یکون حبیبک یوما (سنن الترمذی :۱۹۹۷، کنز العمال ۴۲ ۲۴۷۴) دوست سے اعتدال کے ساتھ دوستی اعتدال سے کرو شاید کہ وہ کسی وقت تمہارا دشمن ہو جائے اور دشمن کے ساتھ دشمنی اعتدال سے

کروشاید وہ کسی وقت تمہارا دوست ہوجائے۔ یہ تو دوستی کی حالت کا بیان تھا کہ حد سے بڑھ جاتے ہیں اسی طرح ہماری حالت دشمنی میں یہ ہے کہ اس میں بھی حد سے نکل جاتے ہیں کہ بس جس سے عداوت ہوگئی اس کی ایذا رسانی میں کسر نہیں رکھتے ہر ممکن طریقہ سے اس کو ضرر پہنچاتے ہیں خواہ وہ شریعت کے موافق ہو یا خلاف حلال وحرام کی بھی ذرا تمیز نہیں رہتی۔ لہٰذا اس حدیث میں دشمنی کی بھی حد بتلادی۔ کیا ٹھکانا ہے انتظام کا کہ حق تعالیٰ نے کفار تک کے ساتھ عداوت کرنے کیلئے بھی قوانین مقرر فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ **ولا یجرمنکم شنان قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان . واتقوااللّٰہ ان اللّٰہ شدیدا لعقاب**۔ ترجمہ۔ اورتم کو کسی قوم کی عداوت جو اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے تم کو مسجد حرام سے روک دیا ہے اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم حد سے تجاوز کرنے لگو اور (ہمیشہ) نیکی اور تقویٰ کے کام میں ایک دوسرے کا ساتھ دو اور گناہ اور ظلم میں کسی کا ساتھ نہ دو اور (ہمیشہ) خدا تعالیٰ (کی نافرمانی) سے بچتے رہو۔ بیشک حق تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔ دیکھئے صحابہ کی عداوت دینی تھی اور اس کا منشاء بھی دین تھا کہ کفار نے مسجد حرام پر ناحق قبضہ کررکھا تھا اور اس کے اندر نماز اور طواف کرنے سے مسلمانوں کو روک دیا تھا مگر اس میں بھی حکم ہوتا ہے کہ حدود سے مت نکلو گناہ اور ظلم نہ کرو نہ ان کاموں میں کسی کا ساتھ دو۔ اب اس ارشاد کو سن کر مسلمان اپنی حالت پر غور کریں تو ان کو معلوم ہوگا کہ وہ دوستی اور دشمنی میں حدود سے کتنا تجاوز کرتے ہیں آجکل ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں جو دین کے لئے کسی سے دوستی اور دشمنی کرتے ہوں ہماری دوستی اور دشمنی سب دنیا کے واسطے ہے پھر اگر شاذونادر کسی کو کسی سے دین کے واسطے بھی دشمنی ہو تو اس میں حالت یہ کہ دشمنی میں حدود سے اتنا تجاوز کرتے ہیں کہ دین بھی برباد ہوجاتا ہے پرائے شگون کو اپنی ناک کٹانا اسی کا نام ہے کہ دوسروں کی دنیا برباد کرنے کیلئے اپنا دین خراب کرتے ہیں۔

جذباتِ نفسانیہ کی ضرورت اصلاح

آجکل دشمنی میں صرف یہ مقصود ہوتا ہے کہ دوسرے کو ضرر پہنچ جائے چاہے اپنے

کو کچھ نفع ہی نہ ہو بلکہ خواہ اپنے کو اس سے بڑھ کر ضرر پہنچ جائے اور اس میں راز یہ ہے کہ ہم لوگ اپنے جذبات نفسانیہ کو عقل وشرع کے تابع نہیں کرتے بلکہ خود عقل وشرع کو جذبات کے تابع بنانا چاہتے ہیں اور شریعت کا حکم یہ ہے کہ جذبات نفسانیہ کو احکام الٰہی کا تابع بناؤ۔ چنانچہ ہجرت کے قبل جہاد مشروع نہ ہونے کا نکتہ محققین نے یہی فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے مسلمانوں کو جہاد کی اس لئے اجازت نہ ہوگی کہ اس وقت تک مسلمانوں کے جذبات نفسانیہ کی کامل اصلاح نہ ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی اصلاح تدریجاً ہوئی ہے۔ دفعۃً نہیں ہوئی اور یہ ایسی بات ہے جس کا انکار وہی کرسکتا ہے جس نے احادیث وآیات میں تامل نہ کیا ہو ورنہ نصوص میں غور کرنے کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔

حضرات صحابہؓ کی تکمیل اصلاح تدریجاً ہوئی

چنانچہ ایک حدیث میں ہے من قال والات والعزی فلیقل لاالہ الا اللہ ومن قال تعالی اقامرک فلیتصدق (سنن الترمذی: ۱۵۴۵)، یعنی جس شخص کی زبان سے لات وعزیٰ کی قسم نکل جائے اس کو لا الہ الا اللہ کہہ لینا چاہیے۔ اور جس کی زبان سے یہ کلمہ نکل جائے کہ آؤ جوا کھیلیں اس کو صدقہ کرنا چاہیے دیکھئے آجکل اگر کوئی لات وعزیٰ کی قسم کھالیوے تو اس پر کفر کا اندیشہ ہے مگر اس وقت چونکہ صحابہ نومسلم تھے جو چندروز پیشتر ان کلمات کے عادی تھے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر عادت سابق کے موافق ایسے کلمات زبان سے نکل جائیں تو کلمہ توحید پڑھ لینا چاہیے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ ابتدائے اسلام میں جاہلیت کا کچھ اثر باقی رہ جانا مستبعد نہیں چنانچہ اسی بناء پر یہ تعلیم فرمائی گئی تھی۔ پس یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرات صحابہؓ کی اصلاح کی تکمیل تدریجاً ہوئی ہے۔ اس لئے ان کو مکہ مکرمہ میں جہاد کی اجازت نہ دی گئی کیونکہ اس وقت جہاد میں نفس کی آمیزش ہوتی اخلاص نہ ہوتا۔ اور بدون اخلاص کے دینی کامیابی کا نہ ہونا تو ظاہر ہی ہے مگر مسلمان کو دنیوی کامیابی بھی بدون اس کے نہیں ہوتی اخلاص کے باب میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین (ان لوگوں کو یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت کو اسی کیلئے خالص رکھیں) اور حدیث میں ہے یوتی

بالشهيد يوم القيمة (المعجم الكبير للطبراني ۱۲: ۱۸۲)۔ کہ قیامت کے دن شہید کو بلایا جاویگا اور اپنی نعمتیں یاد دلا کر اسے پوچھا جائے گا کہ ہمارے واسطے تونے کیا کیا۔ وہ عرض کرے گا میں نے آپ کے راستہ میں اپنی جان دی اور کفار سے جہاد کیا۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو جھوٹ بولتا ہے تونے ہمارے واسطے جان نہیں دی، بل ليقال انک لجری ، بلکہ اس لئے سب کچھ کیا تا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں کہ بڑا جوانمرد ہے کسی سے نہیں ڈرتا حاکم کے سامنے بڑی جرأت سے اظہار دیئے فقد قیل، یعنی دنیا میں تیری بہت تعریف ہوچکی اور تیرا مدعا حاصل ہوگیا یہاں تیرے واسطے صرف جہنم ہے۔ چنانچہ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اسے جہنم میں کھینچ کر لے جاؤ تو حق تعالیٰ نے حضرات صحابہؓ کو اس بلا سے بچالیا کہ جب تک ان کے جذبات نفسانیہ کی کامل اصلاح نہ ہوگئی اس وقت تک جہاد کی اجازت نہ دی اگر ابتداء اسلام ہی میں اجازت ہوجاتی تو بہت سے ناموری یا شفاء غیظ کے لئے جہاد کرتے اخلاص کے ساتھ محض رضائے حق کے لئے کام نہ ہوتا۔

مدینہ منورہ میں اجازت جہاد ملنے کا راز

جب صحابہ کی تکمیل ہوگئی اور کفار کی ایذائیں سہتے سہتے ان میں جذبات نفسانیہ کے دبانے کا ملکہ پیدا ہوگیا اس وقت آپ کو ہجرت کا حکم ہوا اور مدینہ منورہ پہنچ کر جہاد کی اجازت ہوئی مکہ مکرمہ میں جہاد کی ممانعت کا سبب یہ نہ تھا کہ جماعت اہل اسلام کم تھی اگر یہ سبب ہوتا تو مدینہ منورہ پہنچ کر بھی اجازت نہ ہوتی کیونکہ وہاں پہنچ کر بھی مسلمانوں کا مجمع کفار سے بہت ہی کم تھا اگر کم نہ ہوتا تو ملائکہ کا جوڑ نہ لگایا جاتا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوات میں اکثر ملائکہ کا لشکر آیا کرتا تھا جن کی برکت سے مسلمانوں کو غلبہ ہوتا تھا اور قلت وکثرت عدد پر مدار ہوتا تو جنگ حنین مین جس میں مسلمان زیادہ تھے مغلوب نہ ہوتے اور زیادتی بھی معمولی نہ تھی بلکہ کفار سے تین حصہ زیادہ تھے چنانچہ کفار چار ہزار تھے اور مسلمان بارہ ہزار اور زیادتی عدد کے ساتھ ایک اور خصوصیت بھی تھی وہ یہ کہ بارہ ہزار کے عدد میں ایک خاصیت نص میں وارد ہے کہ لن يغلب اثنا عشر الفا من قلة (جمع المسانيد ۲: ۲۶۴) یعنی بارہ ہزار مسلمان قلت عدد سے ہرگز مغلوب نہ ہوں گے تو تمام

مقتضیات غلبہ کے موجود تھے مگر پھر بھی مغلوب ہو گئے معلوم ہوا کہ قلت عدد عدم مشروعیت جہاد کا سبب نہ تھا اگر اس پر شبہ ہو کہ مسلمان تو اس سے زیادہ مغلوب ہوتے ہیں چنانچہ حنین ہی میں مغلوب ہوئے اور کیا اس میں کوئی قید نہیں یعنی اگر مقابل لاکھوں ہوں تب بھی یہ وعدہ ہے جواب خود اس حدیث ہی کی ایک قید سے نکلتا ہے وہ قید من قلۃ کی ہے یعنی قلت سبب مغلوبیت کا نہ ہوگا کوئی اور علت سبب ہو جائے۔ چنانچہ حنین میں عجب سبب ہوا اس مغلوبیت کا۔ اور ظاہر اس میں اور کوئی قید نہیں۔ اب یہاں ایک شبہ ہے وہ یہ کہ بعد اذن بالقتال کے بھی تو بعضے مجاہدین نومسلم تھے اور ان میں تمہارے بیان کے موافق غلبہ جذبات کا ہوگا تو ان کو جہاد میں کیوں شریک کیا گیا۔ جواب یہ ہے کہ تجربہ ہے مخلوط جماعت میں اثر غالب عدد غالب کا ہوتا ہے اور جب جہاد مشروع ہوا اس وقت زیادہ تر جماعت کاملین کی تھی گو ان میں بعضے نومسلم بھی ہوتے تھے مگر غلبہ کاملین کو تھا اور فلاح و کامیابی کے لئے اتنا کافی ہے کہ زیادہ تر کام کرنے والے مخلص ہوں۔ اگر تھوڑے سے غیر مخلص بھی ہوں تو مغلوبیت کی وجہ سے کام خراب نہیں ہوتا دوسرے جب غلبہ مخلصین کو ہوتا ہے تو ناقصین پر بھی ان کا اثر پڑتا ہے کہ ان میں بھی اخلاص پیدا ہو جاتا ہے اور اگر غلبہ غیر مخلصین کو ہوا اور مخلص قلیل ہوں تو اس وقت معاملہ برعکس ہوتا ہے۔

کہ ان غیر مخلصین کی کثرت کا اثر مخلصین پر پڑتا ہے کہ ان کا اخلاص بھی ناقص اور کمزور ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل مسلمانوں کے اکثر کام پورے نہیں ہوتے کیونکہ غلبہ غیر مخلصین کو ہے اگر مخلصین کو غلبہ ہو تو پھر ناکامی کبھی نہ ہو۔ اور صحابہ کے جذبات نفسانیہ کی یہاں تک اصلاح ہوگئی تھی کہ جب کفار نے ان کو مکہ مکرمہ میں جانے سے روکا اس وقت وہ آپے سے باہر نہیں ہوئے بلکہ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر جمے رہے اگر ہم لوگوں کو کبھی ایسا واقعہ پیش آئے تو نہ معلوم جوش غضب میں کیا کچھ کر بیٹھیں غرض اصل مقصود اتباع احکام ہے اور دوستی اور دشمنی وہی قابل اعتبار ہے جو احکام شریعت کے موافق ہو بخدا اتباع احکام کے بغیر نہ سلطنت مقصود ہے نہ ترقی اگر خالی سلطنت مقصود ہو تو فرعون سب سے زیادہ کامیاب سمجھا جانا چاہیے نعوذ باللہ منہ، بس مسلمان کا اصل مقصود یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو راضی رکھے۔

مصلحت، ودید من آنست کہ یاراں ہمہ کار ☆ بگزار ند وخم طرہ یارے گیرند

مصلحت یہی ہے کہ تمام مصلحتوں پر خاک ڈال کر تمام دوست ایک ہی محبوب کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

اگر دلیل شرعی سے خدا تعالیٰ کی مرضی یہ ثابت ہو کہ گوہ کا ٹوکرا اٹھاویں اور خاموش رہیں تو ہماری فلاح اسی میں ہے جیسا کہ مکہ مکرمہ میں حضرات صحابہ کفار کے ہاتھوں ایذائیں برداشت کرتے رہے اور اسی میں خوش رہے۔ اور اگر اتباع احکام کے ساتھ ہم کو سلطنت بھی مل جائے تو نور علی نور ہے پس ہم کو نہ ترقی مقصود بالذات ہے نہ تنزل۔

فراق ووصل چہ باشد رضائے دوست طلب ☆ کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے

فراق ووصل کیا ہووے رضائے الٰہی طلب کر واسطے افسوس ہے سوائے اس کے تمنا کرنا۔

خدا کو راضی رکھ کر اگر دنیا میں مل جائے تو مبارک ہے ورنہ ایسی تیسی اس دنیا کی جس میں چند روز گل چھرے اڑا کر ہم جہنم کے کندے بن جاوے حیرت ہے کہ مسلمان ہو کر رضائے الٰہی کے سوا کسی اور چیز کو مقصود سمجھے یہ تو دوستی اور دشمنی کے حدود تھے جو میں نے بیان کر دیئے۔

باطنی احوال ومقامات کی حدود

اب میں ترقی کر کے یہ کہتا ہوں کہ معاملات خلق سے متجاوز ہو کر باطنی احوال ومقامات تک کیلئے بھی حدود ہیں یعنی خوف الٰہی اور شوق خداوندی اور تواضع وغیرہ جو کہ اخلاق باطنی ہیں جن کو صوفیہ کی اصطلاح میں مقامات کہا جاتا ہے جو بظاہر علی الاطلاق ہر درجہ میں مطلوب معلوم ہوتے ہیں، ان کے لئے بھی حدود ہیں یہ نہیں کہ ان کا ہر درجہ مطلوب ہو یہ مضمون شاید آپ نے کبھی نہ سنا ہوگا کیونکہ اخلاق حمیدہ باطنیہ کے بارے میں لوگوں کا عام خیال ہے کہ ان میں جتنی ترقی ہو اچھی بات ہے ان کا کوئی درجہ مذموم نہیں اور قیاس ظاہری بھی اسی کو چاہتا ہے کیونکہ یہ امور مطلوبہ ہیں اور مطلوب کا ہر درجہ مطلوب ہوا کرتا ہے مگر اس قیاس میں اتنی غلطی ہے کہ امور مطلوبہ کو عام رکھا گیا ہے حالانکہ یہ قاعدہ

مطلوب بالذات کیلئے ہے کہ اس کا ہر درجہ مطلوب ہوا کرتا ہے اور یہ امور مطلوب بالعرض ہیں اصل مطلوب رضائے الٰہی ہے جس کا ہر درجہ مطلوب ہے اس تمہید کے بعد اب میں اخلاق و معاملات باطنیہ میں نمونہ کے طور پر بتلانا چاہتا ہوں کہ حدود سے وہ بھی خالی نہیں اور نمونہ اس واسطے کہا کہ سب احکام کا بیان کرنا دشوار ہے۔

قلم بشکن سیاہی ریز و کاغذ سوز و دم درکش ☆ کہ حسن ایں قصہ عشق در دفتر نمی گنجد

قلم توڑ روشنائی بکھیر کاغذ پھاڑ اور خاموش رہ اس لئے حسن یہ قصہ عشق کا ہے، دفتر میں نہیں سما سکتا۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں **قل لو کان البحر مداد الکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددا**۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب کی باتیں لکھنے کیلئے سمندر روشنائی ہو تو سمندر ختم ہو جائے اگرچہ اس کی مدد کیلئے ہم ایک دوسرا سمندر لے آئیں احکام الٰہی کی انتہا نہیں۔

شوق کی حد

اس لئے نمونہ کے طور پر بیان کرتا ہوں کہ مثلاً شوق اور خوف کے لئے بھی حدود ہیں دیکھئے حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: **اللھم انی اسئلک شوقا الی لقائک فی غیر ضراء مضرۃ ولا فتنۃ مضلۃ**، اگر شوق کے لئے حد نہیں ہے تو حضور ﷺ نے یہ قید کیوں بڑھائی **فی غیر ضراء مضرۃ ولا فتنۃ**، یعنی آپ دعا فرماتے ہیں کہ اے اللہ مجھے اپنے لقاء کا ایسا شوق عطا فرما جس میں نہ کوئی ضرر ہو اور نہ کوئی فتنہ مضلہ ہو ضراء کا مقابلہ اضلال کے ساتھ مقتضی ہے کہ یہ کوئی دنیوی ضرر ہے یعنی بیماری وغیرہ پس معنی یہ ہوئے کہ اس شوق میں مجھ کو نہ کوئی بیماری لگے اور نہ کسی گمراہ کرنے والے فتنہ میں ابتلاء ہو۔

غلبہ شوق کے دو اثر

بات یہ ہے کہ غلبہ شوق کے دو اثر ہوتے ہیں ایک جسمانی، ایک روحانی جسمانی اثر تو یہ ہے کہ کثرت شوق سے حرارت جسمانیہ بڑھ جاتی ہے اور جب بدن میں خشکی کا غلبہ

ہوجاتا ہے جس کیلئے ضعف لازم ہے تو غلبہ شوق سے بدن میں ضعف واضمحلال بڑھ جاتا ہے۔ بعض دفعہ ہڈیاں تک گھل جاتی ہیں تو پہلے نماز کھڑے ہوکر پڑھ سکتے تھے اب قعود ہی رہ گیا۔ چند دنوں کے بعد قعود بھی دشوار ہوگیا پہلے روزے بہت رکھ سکتے تھے اب نہیں رکھ سکتے۔ وعلیٰ ہذا القیاس نیز شوق کے غلبہ میں کھانا پینا بھی چھوٹ جاتا ہے۔ دیکھئے بعض دفعہ جب کسی عزیز کے آنے کا انتظار ہوتا ہے تو عین کھانے کے وقت خبر آمدن کر بھوک جاتی رہی ہے کھانا نہیں کھایا جاتا یہی حالت غلبہ شوق لقاء میں ہوجاتی ہے اہل شوق کو ایسے وقعات پیش آئے ہیں تو غلبہ حرارت کے ساتھ جب غذا بھی کم ہوجائے اب جتنا بھی ضعف ہو ظاہر ہے۔ تو آپ نے فی غیر ضراء مضرۃ۔ میں ایسے غلبہ شوق کی نفی کردی کہ اے اللہ شوق کی وجہ سے میری صحت خراب نہ ہو کیونکہ بعض اوقات حد قدرت کے اندر بھی عمل میں سستی ہونے لگتی ہے۔ جس سے معصیت بھی ہوتی ہے یہ ضرر ہوا حد سے زیادہ غلبہ شوق کا۔

غلبہ شوق کی روحانی خرابی

دوسری خرابی روحانی یہ ہے کہ شوق سے ناز بڑھ جاتا ہے کیونکہ غلبہ، شوق میں انبساط زیادہ ہوتا ہے اور زیادت انبساط سے ناز پیدا ہوتا ہے تو یہ شخص ناز میں آکر کچھ سے کچھ بکنے لگتا ہے۔ مجذوبین میں یہی تو نقص ہے گو اس وقت اس شخص کو گناہ نہ ہو کیونکہ غلبہ حال سے وہ بے خبر ہوتا ہے مگر تاہم یہ حال کمال کے منافی ہے۔ کمال یہی ہے کہ ادب سے تجاوز نہ ہو۔ پھر یہ شخص تو بے خبر ہوتا ہے لیکن بعض دفعہ اس کی باتیں دوسرے لوگ سن لیتے ہیں وہ ان سے گمراہ ہوجاتے ہیں اہل شوق کو چاہیے کہ مجمع عام میں اپنی باتیں نہ کیا کریں مولانا اسی کی شکایت فرماتے ہیں۔

ظالم آں قومے کہ چشماں دوختند ☆ از سخنہا عالمے راسو ختند

یعنی وہ لوگ بڑے ظالم ہیں جنہوں نے آنکھوں پر پٹی باندھ کر دنیا کو اپنی باتیں سنائیں اور مخلوق کو گمراہ کیا نیز بعض دفعہ غلبہ حال رفع ہوجانے کے بعد بھی اس شخص کی زبان سے حسب عادت کلمات شطحیہ نکل جاتے ہیں اس وقت گناہ بھی ہوتا ہے حضور ﷺ نے و لا فتنۃ

مضلة۔ میں اس کی بھی نفی فرمادی کہ غلبہ شوق سے میں گمراہی کے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔

خوف الٰہی کے حدود

اسی طرح خوف کیلئے بھی آپ نے ایک حد بتلائی ہے حدیث شریف میں ہے۔
واسئلک من خشیتک ماتحول به بیننا وبین معاصیک (**موارد الظمآن للهیثمی: ۵۰۹ بلفظ آخر**) اور اے اللہ میں آپ کا اتنا خوف چاہتا ہوں جس سے گناہوں کے درمیان اور میرے درمیان رکاوٹ ہو جائے اور اس قید کی وجہ یہ ہے کہ بعض دفعہ غلبہ خوف سے مایوسی پیدا ہو جاتی ہے صفات جلال کے مشاہدہ سے صفات جمال یعنی رحمت ورافت خداوندی کی طرف بالکل ذہن نہیں جاتا جس سے مایوسی کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ جب رحمت خداوندی سے مایوسی ہوگئی تو کفر تک پہنچ گیا **فانه لاییئس من روح الله الاالقوم الکافرون**۔ (اس لئے بجز کافر لوگوں کے اللہ کی رحمت سے کوئی مایوس نہیں ہوتا) ۔ اور اگر مایوسی بھی نہ ہوئی تو تعطل کی نوبت آجاتی ہے۔ سمجھتا ہے کہ جب ان اعمال سے کچھ کام نہیں چل سکتا تو یہ سب بیکار ہیں۔ اب نماز روزہ سب کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے اس ورطہ میں بہت لوگ تباہ ہو گئے ہیں۔ جو اولیاء مستہلکین کہلاتے ہیں حضور ﷺ نے **ماتحول به بینی وبین معاصیک**، اتنا خوف جو میرے اور میرے گناہوں کی رکاوٹ ہو جائے) فرما کر بتلا دیا کہ خوف کا ہر درجہ مطلوب نہیں۔

صاحبو! جب شوق خداوندی اور خوف الٰہی کیلئے بھی حدود ہیں تو اب باقی امور کو خود ہی سمجھ لیجئے کہ انکے لئے حدود کیوں نہ ہوں گے شوق اور خوف میں **لعل الله یحدث بعدذلک امرا**۔ (شاید اس سے اللہ تعالیٰ کوئی بات پیدا کردیں) کا اجراء اس طرح ہوگا کہ زیادہ غلبہ شوق کی تمنا نہ کرو کیونکہ شاید اس سے طاعات میں کمی ہو جائے پھر تم پچھتاؤ گے یا ناز پیدا ہو گیا اور حد ادب سے نکل گئے تو پشیمانی ہوگی اور اگر شوق کے بعد انس عطا ہو گیا تو اس وقت تم ادب کرنا چاہو گے مگر عادت کی وجہ سے کلمات ناز زبان سے نکل

جایا کریں گے تو گناہ بھی ہوگا پھر پچھتاؤ گے کہ ہائے میں نے اتنا شوق کیوں مانگا تھا۔

باطنی امور میں حدود غیر اختیاری ہیں

اسی طرح خوف میں سمجھ لیجئے غرض باطنی امور میں بھی حدود ہیں لیکن ظاہری امور میں تو حدود اختیاری ہیں ان سے خود بچنا چاہیے اور باطنی امور میں حدود غیر اختیاری ہیں ان کے لئے حق تعالیٰ سے دعا کرنا چاہیے اسی لئے حضو ﷺ نے بطور دعا کی فرمایا ہے۔ **اللھم انی اسئلک شوقا الی لقائک فی غیر ضراء مضرۃ و لافتنۃ مضلۃ** (اے اللہ مجھے اپنی لقا کا اس قدر شوق عطا فرما جس میں نہ کوئی ضرر ہو اور نہ کوئی فتنہ مضلۃ ہو)۔

البتہ باطنی امور میں اتنی بات اختیاری ہے کہ اپنی طرف سے کوئی درجہ اپنے لئے تجویز کر کے اس کی تمنا نہ کرے بلکہ حق تعالیٰ پر تفویض کر دے امید ہے کہ یہ نمونہ تمام حدود کے لئے کافی ہو جائے گا۔ اب دعا کیجئے گا حق تعالیٰ توفیق عطا فرمادیں۔

نوٹ: وعظ ختم ہونے کے بعد موذن نے فوراً وقت سے پہلے ہی اذان کہہ دی تا کہ سارا مجمع اسی مسجد میں نماز پڑھ کر جائے۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ بھی وہی بات ہے کہ ہم لوگوں میں حدود کی رعایت نہیں۔ موذن صاحب نے کثرت جماعت کا تو خیال کیا مگر یہ نہ دیکھا کہ ابھی عصر کا وقت نہیں ہوا۔

وصلی اللّٰہ علی سیدنا و مولانا محمد و علی الہ و اصحابہ اجمعین و اخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

التزاحم فی التراحم

خطبہ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ ونشھد ان لاالہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ والہ واصحابہ وبارک وسلم امابعد.

فقد قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ فِیْ دُعَاءِہٖ اللھم بعلمک الغیب وقدرتک علی الخلق احینی ماعلمت الحیوٰۃ خیرًا وتوفنی اذا علمت الوفاۃ خیرًا اللھم اذا اردت بقومٍ فتنۃً فتوفنی غیر مفتونٍ. الی روایہ النسائی وایضا قال رواہ الترمذی. (سنن النسائی ۳:۵۵،مشکوۃ المصابیح: ۲۴۹۷)

ترجمہ: یہ دوحدیثوں کے ٹکڑے ہیں جنکا حاصل دعا ہے ترجمہ۔ پہلے جزو کا یہ ہے کہ اے اللہ آپ کے علم غیب اور قدرت پر مخلوقات کا واسطہ دیکر میں یہ درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھئے جب تک آپ کے علم میں زندگی میرے واسطے بہتر ہو اور اس وقت مجھے اٹھا لیجئے جب وفات میرے واسطے آپ کے علم میں بہتر ہو۔ اس کو نسائی نے روایت کیا ہے اور دوسرے جزو کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ جب آپ کسی جماعت کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہیں تو مجھے ایسی حالت میں اٹھا لیجئے کہ میں فتنہ سے مامون رہوں۔

امراض قلب کی طرف توجہ کی ضرورت

اب مجھے اس سے ایک مسئلہ مستنبط کرنا مقصود ہے اور وہ مسئلہ ان احادیث کی تلاوت کے وقت ذہن میں آیا تھا کیونکہ مناجات مقبول میں (جس کے ورد کا معمول ہے) یہ دونوں دعائیں ایک ہی حزب میں قدرے فصل سے آئی ہیں یہ مسئلہ پہلے بھی ذہن میں آیا تھا مگر اس عنوان سے نہیں جس عنوان سے ان دعاؤں کی تلاوت کے وقت آیا اور جی چاہا کرتا ہے کہ جو مسئلہ نیا ذہن میں آئے اس کو احباب کے سامنے بیان کر دیا جائے اور اس

کا ماخذ بھی برکت کیلئے پڑھ دیا جائے اور اس میں اس کا تو انتظار نہیں ہوتا کہ اس کا فہم ماخذ کی دلالت مقصود پر قریب ہے گو کسی اور کے نزدیک دوسرا ماخذ دلالت میں قریب ہو اور یہ مسئلہ دوسری نصوص سے بھی مستنبط ہو سکتا ہے مگر مجھے جس ماخذ سے اس کی طرف انتقال ذہن ہوا ہے میں نے اسی کو اس وقت پڑھ دیا ہے۔ حاصل اس مسئلہ کا یہ ہے کہ ایک مرض پر اس وقت متنبہ کرنا مقصود ہے۔

اشد مرض

کیونکہ امراض قلب پر لوگوں کو بہت کم توجہ ہے تو ان پر تنبیہ کی ضرورت ہے خصوصاً جبکہ اس کو مرض ہی نہ سمجھا جائے کیونکہ بعض امراض ایسے بھی ہیں جن کو لوگ مرض نہیں سمجھتے امراض تین قسم کے ہیں ایک وہ جن کو مرض سمجھا جائے دوسرے وہ جن کو مرض نہ سمجھا جائے یہ سب سے اشد ہے اور جس مرض پر میں اس وقت متنبہ کرنا چاہتا ہوں وہ تیسری ہی قسم کا ہے کہ لوگ اس کو عین صحت سمجھتے ہیں اور اس میں خواص زیادہ مبتلا ہیں۔ میں نے ایک بیان میں پہلے بھی کہا کہ ان امراض قلب میں عوام کم مبتلا ہیں خواص زیادہ مبتلا ہیں اور خواص میں بھی سب سے زیادہ مشائخ مبتلا ہیں اس لیے مناسب یہ تھا کہ یہ بیان عوام کے مجمع میں نہ ہوتا کیونکہ ان کے سامنے اس کا بیان ایک امر زائد سا معلوم ہوتا ہے مگر عوام کے سامنے اس خیال سے بیان کر رہا ہوں کہ اول تو خواص کا خالص مجمع کہاں سے لائیں جب بیان کی اطلاع ہوتی ہے تو سبھی لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ دوسرے عوام بھی کبھی خواص ہو سکتے ہیں بلکہ ہو جاتے ہیں پس عوام کے سامنے ایسے مسائل کو بیان نہ کرنا ایک قسم کا کبر ہے کہ گویا اپنے کو خواص سمجھتے ہیں اور ان کو اپنے سے کم سمجھتے ہیں کہ کسی کو کیا خبر کہ عنداللہ کون خاص ہے کون عام ہے پھر عوام کے سامنے یہ مسائل تصوف کیسے نہ بیان کیے جائیں ان کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے کیوں مایوس کیا جائے کہ تم خواص نہیں بن سکتے حضرت فاقہ زدہ لوگوں کو رئیس اور امیر بنتے ہوئے ہم نے خود دیکھا ہے اور ایک دفعہ میں نے ایک مجمع میں یہ کہا کہ بعض دفعہ فاقہ زدہ آدمی بادشاہ ہو گئے ہیں تو ایک صاحب نے اس کی تائید میں کہا کہ آج کل

ایران کا بادشاہ ایک سائیس ہے تیمور لنگ ایک معمولی آدمی تھا مگر رفتہ رفتہ بادشاہ ہو گیا۔

جاہل کا ولی اللہ بننا

یہ تو دنیوی عروج کا حال ہے اور دینی عروج کی بھی یہ حالت ہے کہ بہت سے عامی چندروز میں بڑے ولی اور عالم بن گئے ہیں حضرت مولانا گنگوہی کے یہاں ایک شخص مسلمان ہوئے اور مسلمان ہونے کے بعد ان کو پڑھنے کا شوق ہوا تو جس وقت وہ قاعدہ پڑھنے بیٹھے اس وقت الف کو الپ کہتے تھے کون سمجھتا تھا کہ یہ الف کو الپ کہنے والا کسی وقت عالم بھی ہو جائے گا مگر خدا کی قدرت دیکھئے کہ بعد میں وہ ایسے کامل ہوئے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے سامنے حدیث کا دورہ پڑھاتے تھے خیر جاہل کا عالم ہو جانا تو نادر ہے مگر جاہل کا ولی ہو جانا کثیر الوقوع ہے اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اول تو خواص کا مجمع کرنا دشوار ہے دوسرے اس کی ضرورت ہی نہیں کہ عوام سے ان مسائل کو مخفی رکھا جائے کیونکہ ان کی سمجھ سے بعید ہیں مگر یہ مسئلہ دقیق نہیں ہے اور اگر اسکے ضمن میں کوئی بات دقیق آ جائے تو عوام اس میں غور نہ کریں کیونکہ بعض دفعہ سہل بات کے بیان کرنے میں بھی کسی مناسبت سے دقیق مضمون آ جاتا ہے تو ایسے مضمون میں جو کہ سمجھ میں نہ آئے۔ عوام خود ہی غور فکر کریں اور اس کی ضرورت ان کو ہے جو سمجھنے اور غور کرنے کیلئے بیان میں شریک ہوتے ہیں۔

مجمع صلحاء کی برکت

بعض عوام تو سننے کیلئے آتے بھی نہیں ویسے ہی دل بہلانے کو بیٹھ جاتے ہیں انہیں نہ دقیق مضمون سے بحث ہے نہ سہل سے مگر محروم یہ بھی نہیں بلکہ ان کو بھی مجمع صلحاء کی برکت حاصل ہو جاتی ہے جب حق تعالیٰ کے پاس فرشتے جا کر مجمع کا ذکر تذکرہ کرینگے کہ الٰہی آپ کے بندے ایک جگہ جمع ہو کر آپ کا اور آپ کے احکام کا تذکرہ کر رہے ہیں تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں اشھد وانی قدغفرت لھم۔ گواہ رہنا میں نے سب کو بخش دیا اس پر بعض ملائکہ عرض کرتے ہیں کہ الٰہی فلاں شخص تو ذکر کی نیت سے نہ آیا تھا ویسے ہی آ کر بیٹھ

گیا تھا۔ ارشاد ہوگا میں نے اس کو بھی بخش دیا یا اولائک قوم لایشقی جلیسھم ۔
یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں جاتا۔

افراط فی الشفقت مذموم ہے

اس مسئلہ کو سننا چاہیے سووہ مسئلہ یہ ہے کہ آجکل مشائخ میں ایک مرض افراط شفقت ہے آپ کو سنتے ہی معلوم ہو گیا کہ اس کو کون مرض سمجھتا ہے۔ شفقت کی کمی تو سمجھا جاتا ہی نہیں اور یہ تفریط شفقت عوام میں زیادہ ہے۔ کیونکہ عوام میں خودغرضی زیادہ ہے ان کو اپنی غرض مطلوب ہوتی ہے اس لیے دوسروں پر شفقت نہیں ہوتی یا کم ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص سو رہا ہو اور یہ نماز کا وقت ہے تو عوام اس کو جگاتے نہیں اور یہ کہتے ہیں کہ نماز پڑھے گا تو اپنے واسطے نہیں پڑھے گا تو اپنا نقصان کریگا اور خواص میں شفقت کا مادہ زیادہ ہوتا ہے جو صفت محمودہ ہے مگر بعض کی شفقت افراط کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے اور یہ مرض ہے مگر عام طور پر اس کو مرض نہیں سمجھا جاتا بلکہ لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ صفات محمودہ میں جس قدر بھی زیادت ہو محمود ہی ہے حالانکہ یہ غلط ہے شریعت نے صفات محمودہ کے لئے بھی حدود مقرر کی ہیں ان حدود سے تجاوز محمود نہیں بلکہ مذموم ہے چنانچہ افراط شفقت کا مذموم ہونا آپ کو ایک واقعہ سے معلوم ہوگا۔

امر بالمعروف میں سیاست وتدبیر کی ضرورت

کانپور میں ایک مولوی صاحب ایک رئیس کے یہاں مہمان ہوئے وہ رئیس نماز ایسی ہی گنڈے دار پڑھتے تھے اور جماعت ووقت کے تو بہت کم پابند تھے صبح کو نماز اکثر طلوع شمس کے قریب یا اس کے بعد پڑھتے تھے۔ ان مہمان مولوی صاحب نے یہ حالت دیکھ کر ان کو نصیحت اور تنبیہ شروع کی ہر وقت نماز کیلئے ان کو ٹوکتے اور صبح کی نماز کیلئے اول ہی وقت سے جگا دیتے اور جب وہ اٹھنے میں سستی کرتے تو سخت سخت الفاظ کہتے کہ گدھے سے پڑے سو رہے ہیں اتنی لمبی رات میں بھی نیند نہیں بھرتی بس کھا لیا ہگ لیا اور سو رہے اس کے سوا کچھ کام نہیں ایک روز تو رئیس نے صبر کیا کیونکہ نماز کیلئے نصیحت

کرنا ہر مسلمان کو گوارا ہے جس سے نماز کیلئے کہو گے کبھی انکار نہ کریگا مگر سختی بعض دفعہ گراں گزرتی ہے چنانچہ ایک دن جو مولوی صاحب نے سخت الفاظ استعمال کیے تو رئیس کو غصہ آ گیا اور کہا جاؤ ہم نماز نہیں پڑھتے تمہاری نماز تم کو بخشوائے گی ہماری ہم کو بخشوائے گی چلو ہم جہنم میں ہی سہی اور اس کے بعد نوکروں سے کہا کہ اس مولوی کو باہر نکال دو (گو اس رئیس نے بہت سخت الفاظ کہے مگر وہ اس سے کافر نہیں ہوا کیونکہ مقصود فرضیت صلوٰۃ سے انکار نہ تھا بلکہ مقصد یہ تھا کہ تمہارے کہنے سے نماز نہیں پڑھوں گا اور یہ سخت الفاظ ان کی زبان سے مولوی صاحب کی سخت کلامی کی وجہ سے نکلے تو جیسے رئیس کو گناہ ہوا اسی طرح مولوی صاحب کو بھی گناہ ہوا کہ انہوں نے امر بالمعروف میں سیاست و تدبیر کا لحاظ نہیں کیا۔ حالانکہ امر بالمعروف میں اس کی بہت ضرورت ہے یونہی ڈھیلا سا مار دینا جائز نہیں اور اس شخص کو بھی امر بالمعروف زیبا نہیں جو نصیحت کے وقت اپنے کو مخاطب سے افضل سمجھتا ہو اور ایسے ہی شخص کی نصیحت مخاطب پر گراں ہوتی ہے اور جو ناصح اپنے کو سب سے کمتر سمجھتا ہو اسکی نصیحت ناگوار نہیں ہوتی کیونکہ وہ سختی کے ساتھ نصیحت نہیں کرتا اور اگر سختی کرتا بھی ہے تو موقع اور حال کا لحاظ کر کے سختی کرتا ہے۔ بعد میں وہ رئیس اپنے احباب سے کہتے تھے کہ اس منحوس کلمہ کا (کہ جاؤ ہم نماز نہیں پڑھتے) یہ اثر ہوا کہ اس کے بعد سے اب تک مجھے نماز کی توفیق نہیں ہوئی حالانکہ اس سے پہلے ادا یا قضا جماعت سے یا بے جماعت پڑھ لیا کرتا تھا۔ تو ان مولوی صاحب میں یہی مرض تھا یعنی افراط شفقت جس کا یہ انجام ہوا کہ کتنے سال تک دوسرے شخص کو نماز سے محروم کر دیا۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ افراط شفقت بھی مرض ہے اور یہ مرض بعض مشائخ میں زیادہ ہے کیونکہ مشائخ تین قسم کے ہیں ایک وہ جن کی طبیعت میں اعتدال ہے افراط شفقت ہے نہ آزادی ہے یہ تو اعلیٰ درجہ ہے اور بہت محمود ہے۔ دوسرے جن میں آزادی غالب ہے تیسرے وہ جن میں شفقت غالب ہے۔ یہ دونوں درجے بھی محمود ہیں اگر غلبہ حد سے تجاوز نہ ہو۔ مثلاً آزادی کا غلبہ اس درجہ نہ ہو کہ دوسروں کے نقصان کا سبب بن جائے۔ اس طرح شفقت کا غلبہ اس قدر نہ ہو کہ اپنا نقصان کر لے اگر غلبہ شفقت سے اپنا نقصان نہ ہو تو مضر نہیں اور نہ یہ مرض ہے ہاں اگر اپنا نقصان ہونے

لگے تو مضر ہے اور اب اس کو مرض کہا جائیگا میں اس وقت اسی پر متنبہ کرنا چاہتا ہوں۔

مشائخ وعلماء کو شفقت میں اعتدال کی ضرورت

بعض مشائخ وعلماء کی حالت یہ ہے کہ غلبہ شفقت میں ہر شخص کے کام میں گھس جاتے ہیں پھر معاملہ میں مشورہ بھی دیتے ہیں اور ہر شخص کی خدمت کو تیار ہو جاتے ہیں اور اس سے وہ اپنا نقصان کر لیتے ہیں کہ نہ معمولات کا انضباط رہتا ہے نہ کسی وقت یکسوئی حاصل ہوتی ہے نہ کوئی وقت تنہائی کا ان کو ملتا ہے۔ ہر وقت مجلس جمائے بیٹھے رہتے ہیں اور دوسروں کی دنیا سنوارنے میں اپنا دین برباد کر دیتے ہیں یہ حالت قابل اصلاح ہے مگر آجکل مشائخ اس کو عین طاعت سمجھتے ہیں۔ ہمارے ماموں صاحب جن پر آزادی غالب تھی مگر باتیں حکیمانہ فرماتے تھے تو ان کی کوئی بات حکمت کی ہو تو اس کے بیان کرنے میں کیا حرج ہے وہ مجھے فرماتے تھے کہ دوسروں کے جوتیوں کی حفاظت میں اپنی پونجی کو برباد نہ کر دینا جیسے بنارس کی حکایت سنی ہے کہ وہاں نہاں کے موقع پر ایک رئیس نے اپنے ملازم کو سامان کے پاس بٹھا دیا اور خود نہانے چلا گیا سامان بہت قیمتی تھا اور نقد روپیہ بھی ساتھ تھا چوروں نے دیکھ لیا اور کوشش کی کہ کسی طرح ملازم یہاں سے اٹھے تو سامان پر قبضہ کریں تو انہوں نے یہ تدبیر کی کہ پیتل کی اشرفیاں جیب میں بھر کر اس ملازم کے سامنے سے زمین پر گراتے ہوئے گزرے ملازم یہ سمجھا کہ سونے کی اشرفیاں ہیں اور بے خبری میں جیب کے پھٹ جانے سے گر رہی ہیں وہ حرص میں سامان کے پاس سے اٹھا کہ قریب تو ہوں ہی اور اشرفیاں جمع کرنے لگا چوروں کی ایک جماعت جو اسی انتظار میں تھی آئی اور رئیس کا سامان اٹھا کر چلتی ہوئی تو جیسے اس شخص نے پیتل کی اشرفیوں کے لئے قیمتی سامان کو برباد کیا اسی طرح بعض مشائخ غلطی کرتے ہیں۔

بہرحال ہمارے ماموں صاحب کا یہ ارشاد تھا اور واقعی سچی بات تھی۔

ایثار فی القرب جائز ہے

مشائخ آجکل اس مرض میں زیادہ مبتلا ہیں اور اس کا نام ایثار رکھا ہے اور ایثار کی

اسلام میں بہت تعلیم کی گئی ہے اور اس کی صفت محمود ہونے میں کچھ شک نہیں مگر گفتگو تو اسی میں ہے کہ آپ کا یہ فعل ایثار میں داخل ہے یا نہیں اور داخل ہے تو حدود سے تو باہر نہیں۔ ایثار کے متعلق علماء ظاہر کا قول تو یہ ہے کہ قربات میں ایثار جائز نہیں مگر صوفیہ نے ایثار فی القرب کو بھی جائز کہا ہے جیسے صف اول میں کسی عالم یا شیخ کو اپنی جگہ بڑھا دینا اور خود پیچھے ہٹ آنا صوفیہ کے نزدیک جائز ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اس میں ترک قربت نہیں ہے بلکہ قربت ادنیٰ کو قربت اعلیٰ کے طلب میں ترک کرنا ہے کیونکہ احترام مسلم متقی فی الصف الاول سے اعلیٰ قربت ہے اور دراصل یہ ایثار نہیں کیونکہ اس نے دوسرے کیلئے اپنے نفع کو فوت نہیں کیا بلکہ اپنے نفع کو حاصل کیا۔ اور منشاء اس مرض کا جو آجکل مشائخ میں پایا جاتا ہے ایک مسئلہ ہے جو علماء و مشائخ میں مشہور ہے کہ نفع متعدی مطلقاً نفع لازمی سے افضل ہے مگر یہ مسئلہ ہی علی الاطلاق غلط ہے یعنی لوگوں نے اس کی حقیقت غلط سمجھی ہے دراصل نفع لازمی ہی افضل ہے۔ اور نفع متعدی میں فضیلت اس لئے ہے کہ اس میں نفع لازمی بھی ہے اور متعدی بھی دونوں کا مجموعہ مل کر نفع لازم مجرد سے افضل ہو گیا جیسے ایک چیستان کے فقہی نے کہا ہے کہ ای سنة افضل من الواجب جب کہ وہ سنت کونسی ہے جو واجب سے افضل ہے اس کے جواب میں چند صورتیں بیان کی جاتی ہیں منجملہ ان کے بدایۃ بالسلام ہے کہ ابتداء سلام کرنا سنت ہے اور سلام کا جواب دینا فرض ہے مگر بدائت بالسلام افضل ہے تو اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ واجب میں یعنی جواب سلام میں تو ایک ہی عبادت ہے۔ یعنی تطییب قلب مسلم (اور جواب فرض) اس لئے ہے کہ جواب نہ دینے میں مسلمان کی دلشکنی ہے اور عداوت پیدا ہونے کا اندیشہ ہے)۔

سلام میں پہل کرنا

بدائت بالسلام میں دو عبادتیں ہیں تطییب قلب مسلم بھی اور تقدم فی الخیر بھی ہے اس مجموعہ کی وجہ سے وہ افضل ہو گیا دوسرے یہ کہ نفع متعدی کی فضیلت جو کچھ ہے وہ اعمال لازمہ ہی کی بدولت تو ہے کہ دوسرے لوگ اس کے کہنے سے عمل نیک کریں گے۔ اگر دوسرے کے لئے وہ نیک ہے تو کچھ فضیلت نہیں ہاں اگر وہ عمل اس کے لئے نیک ہو تو

فضیلت ہے دوسرے نفع متعدی اسی وقت کامل نافع ہے جبکہ یہ خود بھی اس کے مقتضی پر عمل کرے۔ پس واعظ خود عامل ہوا تو وہاں دو امر مجتمع ہوئے ایک وعظ ایک نفع لازم اور اگر واعظ خود عامل نہ ہو تو اس کی فضیلت سامعین عاملین پر کسی دلیل سے ثابت نہیں بلکہ حدیث میں ایسے واعظ پر وعید ہے حدیث میں ہے کہ ایک شخص جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹتا ہوا گھومے گا اور اس کی بدبو سے جہنم والے تنگ آجائیں گے تو وہ کہیں گے ارے فلانے تیرا یہ کیا حال ہے تو ہم کو امر و نہی کیا کرتا تھا وہ کہے گا ہاں لیکن میں تم کو نیک کام کا امر کرتا تھا اور خود عمل نہیں کرتا تھا اور تم کو گناہوں سے منع کرتا تھا اور خود نہیں بچتا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ نفع لازم ہی اصل ہے ورنہ اگر کوئی شخص نماز کی ترغیب دیتا ہو اور خود نہ پڑھتا ہو اس کی فضیلت کافی نہیں بلکہ محل وعید ہے یوں خلاف قاعدہ مغفرت ہو جائے تو اور بات ہے باقی قانون نہیں ہے۔ میں کہہ رہا تھا کہ علماء ظاہر نے ایثار فی القرب کو منع کیا ہے مگر صوفیہ نے اس کو جائز کیا ہے اور انہوں نے اس کی حقیقت سمجھی ہے کہ اس میں ترک قربت نہیں بلکہ ایک اعلیٰ قربت حاصل کرنے کیلئے ادنیٰ کو ترک کیا جاتا ہے مگر علماء ظاہر نے حقیقت تو سمجھی نہیں خواہ مخواہ صوفیہ پر اعتراض کرتے ہیں بات یہ ہے کہ حضرات حقائق کو اہل ظاہر سے زیادہ سمجھتے ہیں۔

مشائخ کاملین کا طرز تربیت

چنانچہ ایک حدیث میں ہے ان احدکم فی الصلوٰۃ ماانتظر الصلوٰۃ (الصحیح للبخاری ۴۰ : ۹ ۳ بلفظ آخر) کہ جو شخص ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کے انتظار میں مصلیٰ پر بیٹھا رہے یا مسجد میں سویرے سے نماز کیلئے آجائے تو وہ جب تک بیٹھا رہیگا اس وقت تک اس کے نامہ اعمال میں نماز کا ثواب لکھا جائیگا۔ اب اگر کوئی شیخ اس کو دوسرے کام میں لگا دے اور یہ کہے کہ تم نماز کے بعد بجائے مصلیٰ پر بیٹھنے کے گوشہ میں جا کر ذکر و شغل کیا کرو تو وہ محل ملامت نہیں گو اہل ظاہر اعتراض کریں گے کہ شیخ نے افضل کو چھڑا کر مفضول میں لگایا اور سنت کے خلاف عمل بتلایا مگر صوفیہ کہتے ہیں کہ اس شخص کو عمل افضل کا ثواب تو جب ہی حاصل ہوگا جب اس کو انتظار صلوٰۃ بھی حاصل ہو اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ

اس کو انتظار صلوٰۃ کی حقیقت حاصل نہیں بلکہ اس پر ایک جگہ بیٹھا رہنا گراں ہے اور یہ اس حالت میں یا تو دنیا کی باتیں کرتا ہے یا گندے وساوس میں مبتلا رہتا ہے تو اسکے لئے اس وقت انتظار صلوٰۃ افضل نہیں بلکہ اس کو پہلے انتظار صلوٰۃ کی حقیقت حاصل کرنا چاہیے۔اسی طرح ایک شخص نماز کی کثرت کرتا ہے اس کو شیخ نے بجائے تکثیر صلوٰۃ کے تکثیر ذکر میں مشغول کردیا وہ بھی محل ملامت نہیں گو نماز سے افضل کوئی عبادت نہیں اس پر اگر کوئی عامی اعتراض کرے اور جو کامل پر اعتراض کرے وہ عامی ہی ہے تو یہ اس کی غلطی ہے کیونکہ جس کیلئے تکثیر ذکر شیخ نے تجویز کیا ہے وہ ابھی تکثیر صلوۃ کے قابل نہیں اور اگر پڑھے گا بھی تو اس کی نماز بدون یکسوئی کے کامل نہیں ہوتی اور یکسوئی تکثیر نوافل سے آجکل حاصل نہیں ہوتی کیونکہ نماز میں متفرق افعال ہیں جن سے مبتدی کو تشتت ہوتا ہے اور ذکر میں ایک ہی چیز ہے اس میں مبتدی کو جلدی یکسوئی حاصل ہوجاتی ہے پھر بعد میں خود اس کے لئے بھی تکثیر نوافل ہی بجائے تکثیر ذکر تجویز کیا جائیگا۔

(ایک مصرعہ یاد نہیں آتا)

خلوت وچلہ بر و لازم نماند

پس صوفیہ تکثیر ذکر کی تعلیم کرکے اس شخص کو تکثیر صلوۃ کے قابل بنانا چاہتے ہیں۔ مگر تکثیر ذکر کچھ عرصہ تک کرکے خود اپنی رائے سے تکثیر نوافل اختیار کرلینا بلکہ اس کو بھی شیخ سے پوچھو گو تم کیسے ہی یکسوئی والے اور کیسے ہی صاحب نسبت ہوگئے ہو کیونکہ جس کا باپ زندہ ہو اسے اپنے کو بیٹا ہی سمجھنا چاہیے گو وہ دوسروں کا باپ بھی ہوجائے۔سعادت مند ہے وہ شخص جو داڑھی مونچھ والا ہو کر بھی عید کے دن باپ سے عیدی مانگتا ہے خصوصا طریق باطن میں اس کی ضرورت زیادہ ہے کیونکہ اس طریق میں اگر کوئی شیخ سے مستغنی بن جائے تو اس کی عمر گھٹنا شروع نہیں ہوتی کہ وہ بجائے چالیس سال کے بیس سال کا ہوجائے بلکہ جتنی عمر ہوگی وہ رہے گا اور طریق باطن میں جس دن مرید نے اپنے کو شیخ سے مستغنی سمجھنا شروع کیا اسی وقت سے گھٹنا شروع ہوجاتا ہے غرض تم کو اگر تکثیر ذکر بتلایا گیا ہو تو یکسوئی حاصل ہوجانے کے بعد خود تکثیر صلوٰۃ اپنے لئے تجویز نہ کرو بلکہ شیخ سے پوچھو مگر مسئلہ یہی ہے

کہ انتہاء میں بجائے ذکر وشغل کے تکثیر نوافل وکثرت تلاوت ہی رہ جاتا ہے جبکہ یہ شخص کامل نماز کا اہل ہو جائے اور کمال نماز کا مدار جمعیت قلب پر ہے صوفیہ کرام اصل میں اسی کو دیکھتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں۔

چو ہر ساعت از تو بجائے رود دل ☆ بہ تنہائی اندر صفائے نہ بینی

ورت مال وزر ہست وزرع وتجارت ☆ چو دل باخدا یست خلوت نشینی

صاحب جب دل میں تشتت ہے تو خلوت واجتماع وقت کافی نہیں اور اگر ظاہر میں باغ اور کھیت میں لگا ہوا ہے مگر دل خدا سے لگا ہوا ہے تو یہ شخص ہر کام میں صاحب خلوت ہے۔

گر باہمہ چو بامنی بے ہمہ ☆ ور بے ہمہ چو بے منی باہمہ

جمعیت قلب کے اہتمام کی ضرورت

حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کو جمعیت قلب کا بڑا اہتمام تھا بعض لوگ حضرت سے بارہ تسبیح کی نشست دریافت کرتے کیونکہ اس میں ایک خاص نشست بزرگوں نے لکھی ہے مگر نسخہ کتابی اور ہے اور عملدر آمد اور ہے تو حضرت فرماتے کہ کس طرح یکسوئی حاصل ہو اسی طرح بیٹھ جایا کرو اور کوئی ذکر خفی وذکر جہر کو پوچھتا تو فرماتے جس میں زیادہ جی لگے وہ اختیار کرو۔ صاحبو! آپ صوفیہ پر کیا اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ یکسوئی کی قید کہاں سے نکالی کبھی اپنے اطباء پر اعتراض نہ کیا کہ وہ مسہل میں صحبت نیک اور اچھی باتیں کرنے سے بھی منع کرتے ہیں اور دستوں کے تصور کو لازم کہتے ہیں جب دست بدون یکسوئی نہیں ہوتا تو یا یعنی قدمالی الطریق بدون اسے کیسے حاصل ہوگا جیسے اطباء نے تجربہ کیا ہے کہ مسہل بدون یکسوئی کے مؤثر نہیں ہوتا ایسے ہی حضرات صوفیہ نے بھی تجربہ کیا ہے کہ اصلاح قلب بدون تمام علائق قطع کرنے کے نہیں ہوسکتی اور قطع تعلقات سے مراد تعلقات کی تقلیل ہے اور وہ بھی غیر ضروری تعلقات کی ضروری تعلقات کی تقلیل مراد نہیں۔ اور ضروری وہ ہے جس کے ضرر ہو خواہ دین میں یا دنیا میں یہ رحمت ہے حق تعالیٰ کی کہ ضروریات میں تقلیل نہیں کی گئی اور اس سے بڑھ کر رحمت یہ ہے کہ ضروریات کی تکثیر مضر بھی

نہیں اس کو صوفیہ نے سمجھا ہے۔اور مشاہدہ بھی کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک کنجڑا صبح سے شام تک لے لوامرود کی صدا لگاتا پھرے تو رائی برابر بھی ضرر نہ ہوگا نہ نور قلب میں کمی آئیگی کیونکہ یہ ضرورت کی وجہ سے ہے اور اگر ایک دفعہ بھی بے ضرورت کلام کیا تو سارا نور قلب برباد ہو جائیگا۔ چنانچہ ایک بزرگ اپنے دوست کے مکان پر گئے اور آواز دی تو اندر سے جواب آیا کہ ہیں نہیں اس پر ان بزرگ کی زبان سے یہ نکل گیا کہ کہاں ہیں اور معلوم نہ ہوا پھر تیس برس تک اس پر روئے کہ میں نے یہ سوال کیوں کیا مولانا فرماتے ہیں۔

بردل سالک ہزاران غم بود ☆ گرزباغ دل خلالے کم بود

(سالک کے دل پر ہزاروں غم وارد ہوتے ہیں اگر ذرہ برابر بھی اس کی باطنی حالت میں کمی ہوتی ہے)۔

غیر ضروری تعلقات مضر ہیں

پس معلوم ہوا کہ غیر ضروری تعلقات مضر ہیں ضروری تعلقات مضر نہیں رہا یہ کہ پھر یوں کیوں کہا جاتا ہے کہ تمام علائق کو قطع کر دو اس کا جواب یہ ہے کہ غیر ضروری میں تقلیل سے مجموعہ میں تقلیل ہو جاتی ہے تو گویا تمام ہی تعلقات میں تقلیل ہوگئی اور یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ قطع اور ترک تعلقات سے مراد تقلیل ہے حقیقی قطع مراد نہیں۔اب میں مقصود کو بیان کرتا ہوں کہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ اس طریق میں بڑی دولت یکسوئی ہے۔ اور یکسوئی بدون تقلیل تعلقات کے حاصل نہیں ہوتی بلکہ تکثیر تعلقات سے یکسوئی برباد ہو جاتی ہے تو اب جو لوگ غلبہ شفقت کی وجہ سے مخلوق کے ہر کام میں گھس جاتے ہیں اور اپنی یکسوئی اور جمعیت قلب کو برباد کرتے ہیں۔ وہ مریض ہیں ان کو اپنی اصلاح کرنا چاہیے اور یہ تو وہ لوگ ہیں جو غلبہ شفقت کی وجہ سے دوسروں کے کاموں میں گھستے ہیں مگر ایسے بہت کم ہیں زیادہ حالت تو یہ ہے کہ بعض لوگ تعلقات غیر ضروریہ کو اسلئے اختیار کرتے ہیں کہ ان کو اس میں حظ آتا ہے ان کا جی چاہتا ہے کہ یہ کام بھی کرلیں وہ بھی کرلیں اگر اس کا نام ایثار و خدمت خلق رکھ لیا ہے ان کے نفس نے یہ عنوان تجویز کر کے اپنی خواہش پورا کرنے کے لئے بہانہ ڈھونڈھ لیا ہے۔

اتباع سنت کی حقیقت

میں نے پہلے بھی ایک بیان میں کہا ہے اور اب بھی کہتا ہوں کہ بعض لوگ عمل تو اختیار کرتے ہیں اپنی ہوائے نفس سے پھر اس کی تائید میں کوئی حدیث یا قرآن کی آیت تلاش کر لیتے ہیں سو اس کا نام اتباع سنت نہیں۔ بلکہ اتباع سنت اس کا نام ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عمل غالب کا اتباع کیا جائے پھر عمل غالب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو وقوعاً کثیر ہو دوسرے وہ جو مقصوداً کثیر ہو گو عملاً قلیل ہو جیسے تراویح کی نماز کہ گو عملاً سوائے چند راتوں کے حضور ﷺ کا جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا ثابت نہیں مگر احادیث کے اندر غور کرنے سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے عذر کی وجہ سے اس پر مواظبت نہیں فرمائی لیکن مواظبت آپ کو مطلوب ضرور تھی چنانچہ صحابہ نے آپ کے مطلوب کو سمجھا اور بعد میں سب نے اس پر مواظبت کی۔ اور اس بات کو فقیہہ سمجھ سکتا ہے کہ کہاں وقوعاً عمل غالب ہے اور کہاں مقصوداً اور صوفیہ بھی فقیہ ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ صوفیہ ہی فقیہ ہیں بشرطیکہ علوم باطنہ کے ساتھ علوم ظاہرہ کے بھی جامع ہوں۔ مگر آجکل عام طور سے علماء و مشائخ نے یہ طرز اختیار کیا ہے کہ عمل تو اختیار کرتے ہیں اپنی طبیعت کے تقاضے سے اور نفس کی خواہش سے پھر اپنے فعل کے استحسان کیلئے کوئی حدیث کتابوں میں سے تلاش کر کے یاد کر لیتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے متعلق سعدیؒ فرماتے ہیں۔

زسنت نہ بینی درایشان اثر ☆ مگر خواب پیشین ونان سحر

(سوائے قیلولہ اور سحر کی روٹیوں کے ان میں کوئی سنت کا اثر نہ پائے)۔

کہ یہ لوگ سحری تو کھاتے ہیں جی چاہنے کی وجہ سے اور فضیلت سحور کی حدیث یاد کر کے اس کو بہانہ بنالیا ہے۔ اس اتباع سنت کی ایسی مثال ہے جیسے مولانا دیوبندیؒ نے ایک شخص کی حکایت بیان فرمائی تھی کہ اس نے کسی عورت سے زنا کیا اور اس کو حمل رہ گیا تو کسی نے ملامت کے طور پر کہا کہ کم بخت تو نے عزل ہی کر لیا ہوتا جو یہ بدنامی تو نہ ہوتی کہا ہاں خیال تو ہوا تھا کہ عزل کرلوں مگر میں نے فقہاء سے سنا تھا کہ عزل کرنا مکروہ ہے

اسلئے نہ کیا۔ کوئی اس سے پوچھے کہ کیا فقہاء نے زنا کو تیرے واسطے جائز کر دیا تھا؟ حرام کا ارتکاب اور مکروہ سے اجتناب یہ تو وہی مثل ہوئی گڑ کھائیں اور گلگلوں سے پرہیز۔

منتہی کو بھی یکسوئی کی ضرورت ہے

غرض تعلقات ضروریہ کی تقلیل لازم ہے بدون اس کے اس طریق میں نفع نہیں ہوتا مبتدی کو تو اس کی ضرورت ہے ہی منتہی کو بھی ضرورت ہے کہ اس کا کوئی وقت خلوت و یکسوئی کا ضرور ہو اور دل تعلقات سے خالی ہو۔ مگر بعض لوگ تعلقات غیر ضروریہ کو خواہ وہ اپنے ہوں یا دوسروں کے اسلئے اختیار کرتے ہیں کہ اس میں ان کو حظ نفس ہے خود اس میں مزا آتا ہے مگر ایثار وخدمت خلق کا بہانہ ڈھونڈ لیا ہے کہ اس میں دوسروں کو نفع پہنچانا ہی ایثار ہے اور خدمت خلق ہے وغیرہ وغیرہ اور اس کے متعلق کچھ واقعات نبویہ اور کچھ واقعات صحابہ اور واقعات اولیاء بھی یاد کر لئے ہیں اور دل میں خوش ہیں کہ ہم بھی اتباع سنت واتباع سلف کر رہے ہیں۔

حظ نفس میں بجائے ثواب کے گناہ

مگر اس کو مبصر شیخ ہی ادراک کرتا ہے کہ تمہارے اس فعل کا منشاء کیا ہے وہ تمہاری صورت سے پہچان لیتا ہے کہ تم جلسوں میں اس لئے شریک ہوتے ہو کہ حظ نفس ہے وعظ اس لئے کہتے ہو کہ اس سے دل خوش ہوتا ہے تمہارا دل تعلقات ماسوی اللہ میں پھنسا ہوا ہے۔ یکسوئی سے کورا ہے۔ خدا کے ساتھ تعلق بہت کم ہے اسی لئے ایسے شخص کو نماز پڑھنے میں حظ نہیں آتا ہاں وعظ جتنا چاہو کہہ لو اس میں بہت حظ آتا ہے جلسوں میں جتنا چاہو بلا لو فوراً تیار ہو جائیں گے اور اس کے متعلق کچھ احادیث یاد کر کے اپنے جی میں خوش ہیں اور وعظ کہتے ہوئے یہ سمجھتے ہیں کہ میرے سامنے سب جاہل ہیں اور دل میں کہہ رہے ہیں کہ آج بڑا اچھا بیان ہوا یہ حالت دل کے تباہ ہونے کی علامت ہے مولانا فرماتے ہیں۔

منصب تعلیم نوع شہوتیست ☆ ہر خیالے شہوتے در رہ تیست

(منصب تعلیم تیری ایک قسم کی شہوت ہے ہر خیال تیرے اس راہ میں شہوت ہے)

پھر بعض دفعہ یہ لوگوں کو اپنی تعظیم سے بھی منع کرتے ہیں مگر اس میں بھی نفس کا ایک

کید ہوتا ہے جس کا کبھی مجھے اپنے اوپر بھی شبہ ہو جاتا ہے مگر میں اپنے کو مہتم نہیں کرتا صرف شبہ ہی ہوتا ہے کہ یہ انکار عن الخدمت آیا اس لئے ہے کہ اپنے کو نا قابل خدمت سمجھتے ہیں یا اس لئے ہے کہ دوسرے کو اتنا حقیر سمجھا جاتا ہے کہ اس کو اپنی خدمت کے قابل نہیں سمجھتے۔اور جس کام میں حظ نفس ہو وہ اخلاص سے خالی ہے اور بجائے ثواب کے اس میں گناہ کا اندیشہ ہے بزرگوں نے اس حظ نفس کا معالجہ مجاہدات سے کیا ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ کسی شہر میں وارد ہوئے اور وہاں ان کی بہت تعظیم ہوئی تو دیکھا کہ نفس میں کچھ عجب قسم کے آثار نظر آنے لگے ہیں انہوں نے اس کا یوں علاج کیا کہ ایک روز ناشناسا حمام میں گئے اور ایک شہزادے کا قبا چرالیا اور چرا کر وہیں ایک طرف کھڑے ہو گئے۔(کیونکہ سرقہ کا تو قصد تھا ہی نہیں بلکہ نفس کی بڑائی توڑنے کا قصد تھا)۔جب شہزادے نے قبا کو غائب پایا تلاش کرنے کا حکم دیا ان بزرگ کے پاس سے ملا تو ان کی خوب درگت ہوئی۔اسی طرح مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری نے ایک بار وعظ فرمایا وعظ کے بعد یہ اندیشہ ہوا کہ لوگ ہاتھ چومیں گے تو آپ نے فوراً ہی ایک ساتھی سے کہا کہ بھائی اس وقت فلانی جگہ مجرا ہے آؤ وہاں چلیں سب لوگ یہ کلمہ سن کر لاحول پڑھتے ہوئے چل دیئے۔کسی نے ان کے ہاتھ نہیں چومے۔مگر آپ بزرگوں کے ان افعال کی تقلید نہ کرنے لگیں کیونکہ تمہارے اس فعل میں بھی حظ نفس ہوگا۔

تو صاحب غرضی اے غافل میاں خاک وخوں میخور
کہ صاحب دل اگر زہری خورد آں انگبیں باشد

مولانا فرماتے ہیں ؎

لقمہ ونکتہ است کامل راحلال ☆ تو نہ کامل مخوری باش لال

اسی لئے مشائخ نے مبتدی کو وعظ کہنے سے منع کیا ہے کیونکہ وہ حظ نفس کے لئے وعظ کہے گا اس کا نفس پابندی معمولات اور تنہائی سے بھاگتا ہے مجمع میں باتیں بنانے کو دل چاہتا ہے۔اس لئے وعظ میں اس کو مزا آتا ہے دوسرے ایک وجہ میرے نزدیک اور بھی ہے وہ یہ کہ ابتداء میں احوال کا طریان زیادہ ہوتا ہے اس وقت اگر یہ شخص وعظ کہے گا تو اپنے حالات ہی کا بیان کرے گا کیونکہ ایسا ضبط مبتدی کو کہاں کہ دل پر آرہ چلے اور زبان پر نہ

آئے یہ ظرف کاملین کو عطا ہوتا ہے چنانچہ شیخ عبدالحق ردودلویؒ کا ارشاد ہے کہ منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد اینجا نرداند کہ دریاہا فرو برند و آروغ نزنند (منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ پی کر اچھل پڑا یہاں ایسے مرد ہیں کہ دریا نگل گئے اور ڈکار تک نہ لی) پھر جب وہ احوال بیان کرتا ہے تو سامعین پر اس کا اثر ہوتا ہے کیونکہ احوال صادقہ ہیں گو کمزور ہیں پھر عوام اس کے معتقد ہوتے ہیں اور اعتقاد عوام میں مبتدی کی ہلاکت ہے۔ غرض اس طریق میں بعض امور ایسے ہیں جن کو مبتدی نہیں سمجھ سکتا بلکہ منتہی سمجھتا ہے مبتدی جس بات کو ایثار اور خدمت خلق سمجھتا ہے مبصر شیخ اس کو حظ نفس اور حب شہرت سمجھتا ہے اور بعض امور ایسے دقیق ہوتے ہیں جن میں کامل بھی متردد ہو جاتا ہے اور بعض امور میں اس کو چھوٹوں سے مشورہ کرنا پڑتا ہے گو وہ اس کے اشکال کو رفع نہ کر سکیں مگر مشورہ میں خاصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ مدد فرماتے ہیں یداللہ علی الجماعۃ وماخاب من استخار وماندم من استشار او کمال قال صلی ﷺ (المستدرک للحاکم ۱:۱۱۵، کنز العمال :۱۰۳۱)، حق تعالیٰ مشورہ کے وقت چھوٹوں کے منہ سے بلافہم کے ایسی بات نکلوا دیتے ہیں جس سے کامل اپنا مطلب نکال لیتا ہے۔ گویا اس کا حق وہاں ودیعت ہے جس کو وہ اضطراراً ادا کر دیتے ہیں گو ان کو خبر بھی نہ ہو۔ بہرحال آج کل یہ مرض بہت عام ہے کہ دوسروں کے کاموں میں اور فضول قصوں میں پڑ جاتے اور اس کو ثواب سمجھتے ہیں۔ میں اس کو مطلقاً مذموم نہیں کہتا بلکہ یہ کہتا ہوں کہ وہ ان تعلقات میں شرکت کرتے ہوئے یہ دیکھیں کہ ان کے دین پر تو اس کا اثر نہیں ہوتا اگر ذرہ برابر بھی ضرر نہ ہو تو مضائقہ نہیں اور اگر ضرر ہو تو ہرگز ان میں شرکت نہ کریں بلکہ اپنے کام میں لگیں اور خدمت خلق کو الگ کریں اور نفع وضرر تشخیص میں اپنی رائے سے کام نہ لیں۔ بلکہ شیخ محقق سے دریافت کریں۔ اور محض قواعد کلیہ دریافت کرنا کافی نہیں کیونکہ قواعد کلیہ تو میں نے اسی وقت بیان کر دیئے مگر اس کے بعد بھی میں شیخ سے دریافت کرنے کی ضرورت بتلا رہا ہوں۔ پس مطلب یہ ہے کہ اپنی حالت کی تفصیل اور کچا چٹھا لکھ کر احکام جزئیہ معلوم کریں ہمارے ایک دوست ہیں ان کو اس کا بہت شوق ہے کہ ہر کام میں حصہ لیں ہر جلسہ میں شرکت کریں اور اس کے ساتھ ہی ان

کو طریق باطن میں مشغول ہونے کا بھی بہت شوق ہے میں نے ان سے صاف کہہ دیا ہے تم کو یہ طریق حاصل نہ ہوگا کیونکہ اس میں یکسوئی کی ضرورت ہے اور تم کو ان تعلقات کے ساتھ یکسوئی حاصل نہیں ہوسکتی کہنے لگے کہ میں یہ صورت اختیار کرونگا کہ ہر تین چار مہینے کے بعد پندرہ بیس دن یہاں (خانقاہ میں) قیام کرلیا کرونگا یہ ایام یکسوئی سے گزریں گے میں نے کہا کہ اس سے بھی یکسوئی حاصل نہ ہوگی کیونکہ ان ایام میں یہ عزم تو ہوگا کہ بیس دن کے بعد پھر قومی خدمات میں مشغول ہوں گا اور عزم تعلق مع الغیر بھی اس طریق میں مضر ہے۔ مولانا گنگوہیؒ سے میں نے ایک حکایت سنی ہے کہ ایک بزرگ نے ایک مرید کو ذکر و شغل تعلیم فرمایا وہ کام کرتا رہا مگر طریق مفتوح نہ ہوا اس نے شیخ سے کئی دفعہ اس کی شکایت کی شیخ نے بہت تدبیریں بتلائیں مگر اس کو نفع نہ ہوا چونکہ شیخ مبصر تھا سمجھ گیا کہ اس کی نیت میں فتور ہے۔ پوچھا میاں یہ تو بتلاؤ کہ تمہاری نیت ذکر و شغل میں کیا ہے۔ کہا حضور یہ نیت ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اصلاح فرمادیں تو پھر میں دوسروں کی اصلاح کرونگا فرمایا توبہ کرو شرک ہی ہے ابھی سے بڑا بننے کی فکر ہے اس خیال کو دل سے نکالو بس مرید کا اس خیال سے توبہ کرنا تھا کہ طریق مفتوح ہوگیا۔

اس پر وہ دوست کہنے لگے کہ پھر میں کیا کروں اب تو ان کاموں سے چھٹکارا مشکل ہے۔ میں بری طرح پھنس گیا ہوں۔ میں نے کہا طرق الوصول الی اللہ بعدد انفاس الخلائق۔ کہ اصل مقصود تو رضائے حق ہے اور اسی کا حصول طریق صوفیہ ہی میں منحصر نہیں اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ذوقیات و کیفیات و نسبت ذوقیہ کی طلب نہ کرو صرف مقصود کو مضبوطی سے پکڑے رہو کہ کوئی کام خلاف شریعت و خلاف سنت صادر نہ ہو۔ اس پر وہ خاموش ہوگئے۔ ظاہر میں تو میں نے ان کو سہل طریقہ بتلا دیا مگر حقیقت میں یہ آجکل بہت دشوار ہے۔ محال تو نہیں مگر ایسا ہی جیسے بدون باپ کے بیٹا ہوجانا۔ کیونکہ تعلقات غیر میں پھنس کر کوئی کام خلاف شریعت نہ ہو قدم ذرا آگے نہ بڑھے بہت مشکل ہے۔

جملہ صحابہؓ کے حالات ایک سے نہ تھے

ہر شخص میں وہ قوت کہاں جو حضرت صدیق اکبر و حضرت فاروق اعظم رضی اللہ

عنہ میں تھی کہ ہفت اقلیم کا انتظام ہاتھ میں ہے اور اپنے کام سے بھی ذرہ برابر غافل نہیں قدم قدم پر دین ملحوظ ہے اور ہر ساعت میں قلب کی حالت پر نظر ہے۔ اور تو اور صحابہ میں بھی سب میں یہ قوت نہ تھی آخر کچھ تو وجہ ہے کہ رسول علیہ نے حضرات شیخین کیلئے تو خلاف تجویز فرمائی اور حضرت ابوذر غفاریؓ کیلئے ان قصوں سے علیحدگی تجویز فرمائی چنانچہ حدیث میں ہے۔ یاابا ذرانی ارائک ضعیفا وانی احب لنفسک مااحب لنفسی لاتقضین بین اثنین ولاتلین مال یتیم (الصحیح لمسلم الامارہ :۱۷' سنن ابی دائود: ۲۸۶۸) (اوکمال قال) کہ اے ابوذرؓ میں تم کو کمزور دیکھتا ہوں اور میں تمہارے لئے وہ بات پسند کرتا ہوں جو اپنے واسطے پسند کرتا ہوں دیکھو دو آدمیوں کے درمیان کبھی حکم یا ثالث بن کر فیصلہ نہ کرنا اور نہ یتیم کے مال کے متولی بننا (یعنی اگر میں بھی تم جیسا ضعیف ہوتا تو اپنے لئے اس حالت میں یہی تجویز کرتا یا یہ کہ مجھے طبعاً تو علیحدگی اور یکسوئی ہی محبوب ہے، مگر ضرورت کی وجہ سے تعلقات میں مشغول ہوں اور خدا نے مجھے قوت بھی دی ہے۔ عصمت سے بھی ممتاز فرمایا ہے اس لئے ان تعلقات کو گوارا کرتا ہوں) غرض صحابہ میں بھی سب یکساں نہ تھے بلکہ کوئی تعلقات کا متحمل تھا کوئی متحمل نہ تھا۔

جملہ انبیاءؑ کامل ہیں

مگر اس تفصیل کو انبیاءؑ میں جاری نہ کرنا انبیاءؑ سب کامل ہیں، ان میں ضعیف کوئی نہیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ بعد میں محمدی بن کر بادشاہت کرینگے (یعنی زمام خلافت اپنے ہاتھ میں لیں گے اور شریعت کی اصطلاح میں خلافت سے مراد سلطنت ہی ہے جبکہ شریعت کے اصول وقواعد کے موافق ہو اور اس سے مقصود بھی دین کی ترویج ہو (اور پہلے جو حضرت عیسیٰ نے بادشاہت نہیں کی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت آپ کو اس سے دلچسپی نہ تھی دوسرے ضرورت بھی داعی نہ تھی۔ کیونکہ آپ پر ایمان لانیوالی مختصر جماعت حوارئین کی تھی اور حوارئین کی تبلیغ سے دیگر ممالک میں آپ کا مذہب بعد میں رائج ہوا آپ کے سامنے ایمان لانیوالوں کی جماعت نہ تھی جن کے لئے مستقل سلطنت قائم کرنے کی ضرورت ہوتی

ورنہ قابلیت واہلیت واستعداد آپ میں اس وقت بھی موجود تھی اور اب بھی موجود ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کسی قوت میں ناقص نہیں ہوتے (پس جس شخص نے یہ کہا ہے کہ نعوذ باللہ عیسیٰؑ میں سیاست وسلطنت کی استعداد نہ تھی اس نے سخت گستاخی کی ہے) غرض سب کے سب ایک شان کے نہیں ہوتے ورنہ حضور ﷺ حضرت ابوذرؓ کو منصب قضا واولیت سے منع نہ فرماتے۔

شیخ ومرید میں باہمی مناسبت شرط ہے

ایک سیاسی اکھاڑے والے مولوی یہاں تشریف لائے اور اپنے ساتھ دو پہلوانوں کو بھی لائے وہ ان دونوں کو میرے سر چپکانا چاہتے تھے کہ تو ان کو بیعت کر لے میں نے ان کے سر چپکا دیا۔ وہ اپنے کو نا قابل کہتے تھے میں اپنے کو نا اہل بتلاتا تھا کچھ دیر تو تواضع میں نزاع ہوتا رہا پھر میں نے کہا کہ آپ بھی غلطی کرتے ہیں کہ سب کمالات کی نفی کرتے ہیں اور میں بھی غلطی پر ہوں کہ اپنے سے اہلیت کی مطلقاً نفی کر رہا ہوں کہ اس میں ناشکری ہے۔ بات یہ ہے کہ جتنی اہلیت کی ان صاحبوں کی خدمت کیلئے ضرورت ہے وہ آپ میں بھی ہے اور مجھ میں بھی ہے مگر اس میں ضرورت اس کی ہے کہ مرید وشیخ میں مناسبت ہو اس کا لحاظ بہت ضروری ہے۔ آجکل بہت مشائخ اس کی پروا نہیں کرتے مگر بعد میں اس کا وہ حشر ہوتا ہے جو ایک دفعہ دیوبند میں کتابوں کا حشر ہوا۔ قصہ یہ ہوا کہ دیوبند میں علوم فلسفیہ وریاضت کیلئے مولانا سید احمد صاحب دہلوی منتخب تھے۔ اور علوم حدیث وتفسیر کیلئے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ مشہور تھے ایک سال مولانا سید احمد صاحبؒ فرمانے لگے کہ ان خرافات کیلئے میں رہ گیا میرے پاس حدیث وقرآن کبھی نہیں آتا میں شمس بازغہ نہ پڑھاؤں گا مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ لاؤ شمس بازغہ ہمارے یہاں بھیج دو ترمذی تم لے لو اب انجام یہ ہوا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب کے یہاں شمس بازغہ کی بڑی درگت ہوئی بس عبارت کا ترجمہ ہوا اور مولانا نے اس کا ورد شروع کیا کہ غلط بکتا ہے جھک مارتا ہے۔ اس دلیل کا جواب یہ ہے اور دوسری دلیل کا جواب یہ ہے۔ کتاب کا حل تو کچھ نہ ہوتا اس کی تردید خوب ہوتی ادھر ترمذی کی مولانا سید احمد صاحب کے یہاں یہ گت ہوئی کہ تمام شروح ولغات

واسماء الرجال فرماتے تھے جس سے طلبہ کی تنگی ہوتی تھی۔ غرض دونوں کی جماعت بدل تھی بالآخر مولانا سید احمد صاحب نے خود ہی ترمذی مولانا کے یہاں بھیج دی اور شمس بازغہ خود لے لیا تو طلبہ خوش ہوئے یہی حال اس مرید کا ہوتا ہے جس کو شیخ سے مناسبت نہ ہو پہلے مشائخ کو اس بات کا بہت اہتمام تھا بعض تو شروع ہی سے کہہ دیتے تھے کہ ہمارے یہاں تمہارا حصہ نہیں فلاں بزرگ کے پاس جاؤ (یہ اہل کشف تھے) اور بعض حضرات بعد میں تجربہ کر کے فرما دیتے تھے کہ ہم تم کو فلاں بزرگ کے یہاں بھیجے دیتے ہیں تم کو ان سے فیض جلدی ہوگا۔

جملہ مشائخ وعلماء کو سیاست میں آنا مناسب نہیں

نہ معلوم آج کل مشائخ نے یہ طرز کہاں سے سیکھا ہے کہ سب کو اپنے ہی سے وابستہ کرنا چاہتے ہیں تو میں نے ان بزرگ سے عرض کیا کہ آپ ان کو میرے حوالے کر کے ان کا راہ کیوں مارتے ہیں ان کو آپ سے زیادہ مناسبت ہے آپ ہی ان کو بیعت کر لیں اور اس کی میرے پاس ایک دلیل ہے وہ یہ کہ یہ حضرات بھی خادم قوم ہیں اور آپ بھی خدمت قومی میں لگے ہوئے ہیں اور میں اس خدمت سے محروم ہوں اس لئے بجائے خادم قوم ہونے کے نادم قوم ہوں نیز میرے یہاں ترک تعلقات کی ضرورت ہے بلکہ تعلقات کو آگ لگا دینے کی ضرورت ہے اور یہ ان صاحبوں سے نہ ہو سکے گا۔ اس دلیل کو سن کر ایک صاحب تو خاموش رہے۔ جو انگریزی کے عالم تھے کیونکہ یہ انگریزی کے علماء عربی کے علماء کے سامنے چل نہیں سکتے وہ ان کے سامنے بالکل عوام ہیں بلکہ کالعدم ہیں مولوی خواہ مخواہ ان سے ڈرتے ہیں تم کو اپنی قوت کا اندازہ نہیں تم تو حقیقت میں شیر ہو مگر ایک اڑنگے کی ضرورت ہے پھر انگریزی کے علماء ذرا سی دیر میں چاروں شانے چت ہیں (بات یہ ہے کہ اہل علم انگریزی دانوں سے گفتگو کرتے ہوئے اپنے علم سے کام نہیں لیتے بلکہ ان کو عامی سمجھ کر عامیانہ گفتگو کرتے ہیں اس لئے وہ ان کے سر چڑھتے ہیں اور اگر علمی گفتگو کریں تو پھر وہ بول نہیں سکتے کیونکہ آدمی اسی بات میں بول سکتا ہے جس کے سب پہلو اس کے سامنے ہوں اور ان کے ایک پہلو بھی سامنے نہیں۔ دوسرے صاحب عربی کے مولوی تھے وہ کچھ بولے میری تقریر سن کر کہنے لگے کہ حضرت ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ہم کچھ دن آپ کی خدمت

میں رہیں اور اس عرصہ میں خدمت قوم کو ترک کر دیں گے۔ پھر یہاں سے فارغ ہو کر دوسرے مولانا کی طرح خدمت قوم میں مشغول ہو جائیں گے۔ میں نے کہا کہ جب تک آپ یہاں رہیں گے اس وقت ظاہر میں تو آپ خدمت قوم ترک کر دیں گے۔ مگر عزم تو یہ رہے گا کہ یہاں سے فارغ ہو کر خدمت قوم میں مشغول ہوں گے سو میرے طریق میں یہ عزم بھی مضر ہے اسی لئے میں نے کہا تھا کہ تعلقات کو آگ لگانے کی ضرورت ہے۔ دل سے حال و مستقبل سب کے متعلق پوری یکسوئی ہو اور اپنے کو اس طرح سپرد کر دیجئے کہ بعد میں جو کچھ چاہوں تجویز کروں خواہ خدمت یا ترک خدمت آپ کو تجویز کا کوئی حق نہ ہوگا اس کے بعد وہ بھی خاموش تھے۔ (کیونکہ علماء باطن کے سامنے عربی کے علماء ظاہر بھی نہیں چل سکتے) غرض آجکل یہ بڑی غلطی ہے کہ لوگ سب کو ایک ہی اکھاڑے میں اتارنا چاہتے ہیں حالانکہ سب کا ایک کام نہیں ہیں۔ فقہاء نے یہاں تک تصریح کی ہے کہ جہاد کے وقت اس فقیہہ کو شرکت جہاد جائز نہیں جس کی بستی میں اس کے سوا کوئی دین کا راستہ بتلانے والا نہیں ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ شریعت اس کو گوارا نہیں کرتی کہ سب ایک ہی کام کو لپٹ جائیں۔

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے اپنے خلفاء کو مختلف امور پر مامور فرمایا

ہمارے حاجی صاحبؒ بھی سب کو ایک کام میں نہ لگاتے تھے بلکہ بعض کو تو درس و تدریس میں مشغول رہنے کا امر فرمایا (جیسے مولانا گنگوہیؒ) بعض کیلئے وعظ و تبلیغ کو پسند کیا (جیسے کانپوری کو فرمایا کہ سب مشاغل درس و تدریس ترک کر کے یہاں آ جاؤ۔ اسی طرح حضرت نے اپنے خلفاء میں ہر کام کیلئے ایک ایک کو مقرر فرمایا تھا چنانچہ ایک دفعہ فرمایا کہ جس کو تعویذ گنڈے لینے ہوں وہ حاجی عابد حسین صاحب کے پاس جائے اور جس کو پڑھنا لکھنا ہو وہ مولوی قاسم صاحبؒ اور مولوی یعقوب صاحب کے پاس جائے اور جس کو فتوی لینا ہو وہ گنگوہی مولانا رشید احمد صاحبؒ کے پاس جائے اور جس کو نامراد بننا ہو وہ میرے پاس آئے۔ مجمع میں تو شاید کسی نے بھی اس کا مطلب نہ سمجھا ہوگا۔ جب مجمع منتشر ہو گیا تو

حضرت نے فرمایا کہ میاں سمجھے بھی نامرادی سے کیا مطلب ہے نامرادی سے مراد عشق ہے۔ کیونکہ عاشق ہروقت نامراد ہے (کیونکہ اس کی طلب کم نہیں ہوتی وہ ہر درجہ پر پہنچ کر اس سے آگے کا طالب ہے اس لئے وہ ہمیشہ نامراد رہتا ہے)۔ مگر جنت میں پہنچ کرالبتہ مراد حاصل ہوجائیگی اور اس میں جو بعض صوفیاء نے کہہ دیا ہے کہ جنت میں بھی طلب ختم نہ ہوگی ان کو دھوکہ ہوا ہے کشف میں بھی غلطی ہوئی ہے (معلوم ہوتا ہے کہ دخول جنت سے پہلے حالت منکشف ہوئی اور غلط واشتباہ کی وجہ سے اس کو حالت بعد الدخول سمجھ لیا گیا) ورنہ یہ نص صریح کے خلاف ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

وقالوا الحمدلله الذی اذھب عناالحزن ان ربنا لغفور شکور

(اورانہوں نے کہا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی نے ہمارا حزن دور کردیا بلاشبہ ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا قدردان ہے)

اگر دخول جنت کے بعد بھی مراد حاصل نہ ہوئی تو حزن باقی رہے گا۔ یہ تو مسئلہ مقصودہ کا بیان تھا۔

ہدایت غیر کا حد سے زیادہ اہتمام مطلوب نہیں

اب میں اس کو حدیث سے مستنبط کرتا ہوں وجہ استنباط اس حدیث سے یہ ہے کہ حضور ﷺ نے یہ دعا فرمائی ہے کہ اے اللہ جب آپ کسی قوم کو فتنہ میں ڈالنا چاہیں تو مجھے ایسی حالت میں اٹھالیجئے کہ میں فتنہ میں مبتلا نہ ہوں بلکہ اس سے بچا رہوں آپ نے یہ دعا نہیں فرمائی کہ مجھے اس فتنہ کے رفع کرنے کی ہمت دیجئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت غیر کا حد سے زیادہ اہتمام مطلوب نہیں ہے بلکہ اپنا بچاؤ مقدم ہے اپنے بچنے کا سامان کرنا چاہیے کیونکہ بعض فتنے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا دفع کرنا قدرت سے باہر ہوتا ہے اس وقت طلب مدافعت مناسب نہیں بلکہ اپنا بچاؤ کرنا چاہیے۔ رہا یہ کہ اس حدیث سے یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ مراد ایسا فتنہ ہے جس کا دفع قدرت سے باہر ہو حدیث میں اس قید پر کیا قرینہ ہے سو قرینہ اس کا اذا اردت بقوم فتنة ہے۔ کہ جب آپ کسی قوم کو فتنہ

میں مبتلا کرنے کا فیصلہ کر چکیں اور ظاہر ہے کہ ارادہ کا تخلف محال ہے تو اس فتنہ کا رفع بھی محال ہے اس لئے ایسے وقت کے متعلق حضور ﷺ نے یہ دعا کی کہ مجھے ہی اس سے پہلے اٹھا لیجئے اور مجھے ہی فتنہ سے بچا لیجئے پھر یہ بات معلوم کرنا کہ فتنہ کا رفع دفع کرنا قدرت سے باہر ہے یا نہیں۔ یا تو دلیل قطعی سے معلوم ہوگا۔ جیسا کہ حضرات انبیاءؑ کو وحی سے معلوم ہو جاتا ہے یا دلیل ظنی سے اس طرح معلوم ہو کہ اسکے ظن غالب میں اس کا رفع قدرت سے باہر ہو جیسا کہ آجکل فتن کی حالت ہے کہ فتنوں کی گھٹائیں آرہی ہیں ایک فتنہ ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا فتنہ نکل کھڑا ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا کہ اخیر زمانہ میں فتنے ایسے پے در پے آئیں گے جیسے موتیوں کی لڑی ٹوٹ جائے کہ ایک کے بعد دوسرا گرتا چلا جاتا ہے۔ آجکل یہی حالت ہے جس کو دیکھ کر اہل درد یوں کہتے ہیں۔

یک تن وخیل آرزو دل بچہ مدعا دہم ☆ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

ایک جسم ہے اور دل کی بہت آرزوئیں ہیں کس کس کو مدعا دوں سارا بدن داغ داغ ہے۔ پھایہ کہاں کہاں رکھوں۔

اور یہ بیان آجکل ہی کے واسطے کر رہا ہوں تو صاحبو! اس وقت جن کی اصلاح کی تم کو فکر ہے اور اس کیلئے تم جلسوں میں مارے مارے پھرتے ہو مجھے اندیشہ ہے کہیں تم بھی ویسے ہی نہ ہو جاؤ۔

مناظرہ کا ہر شخص اہل نہیں

دہلی میں ایک شخص عیسائیوں سے مناظرہ کرتا تھا پھر خود عیسائی ہو گیا مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے زمانہ میں ایک بدعتی پیر فدا حسین نامی جو نہایت ہی بددین تھا۔ شراب وغیرہ کو حلال کہتا تھا مولانا نے اس سے مناظرہ کرنے کو ایک ولایتی عالم کو بھیجا فدا حسین کو معلوم ہوا تو اس نے مولوی صاحب کا استقبال کیا اور بہت خاطر مدارات کی اور یہ کہا کہ مولانا آپ گرمی میں تشریف لائے ہیں ذرا آرام فرمایئے لیٹ جایئے ظہر کے بعد مناظرہ کریں گے دو چار خادموں کو حکم دیا کہ مولوی صاحب کے پیر دباؤ مولوی صاحب لیٹ گئے اور سو گئے ان کا سونا تھا کہ خبیث نے ان کے متخیلہ پر تصرف کرنا شروع کیا جس

سے نہ معلوم خواب میں ان کو کیا کیا نظر آیا ہوگا انجام یہ ہوا کہ فدا حسین نے ان کے جاگنے سے پہلے کہہ دیا کہ حلوا انڈا تیار کرو (یہ مرید کرنے کی اصطلاح تھی)۔ کسی نے کہا کہ کون مرید ہونے کو آیا ہے۔ کہا یہ مولوی صاحب! خادم نے کہا یہ تو تم سے لڑنے آئے ہیں۔ کہا بس یہ ہم کو شکار کرنے آئے تھے خود ہی شکار ہوگئے۔ اب جاگتے مرید ہونگے۔ چنانچہ جاتے ہی جو پہلی بات مولوی صاحب کی زبان سے نکلی وہ یہ تھی کہ میں اب تک گمراہ تھا اب مجھے حق واضح ہوا مجھے بیعت کر لیجئے خبیث نے اس کو بیعت کیا اور حلوا تقسیم کیا پھر ان سے پوچھا کہ حلوا بچ گیا ہے اتنی ہمت ہے کہ اپنے استاد کو (یعنی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ) دے آؤ کہا ہاں چاہو بھیج دو شوق سے جاؤں گا۔ چنانچہ ڈاڑھی مونچھ کا صفایا کر کے حلوا سر پر رکھے ہوئے شاہ صاحبؒ کے پاس آیا اور کہا مجھے تو حق نصیب ہوگیا تو تم بھی گمراہی سے توبہ کرلو یہ حلوا لایا ہوں شاہ صاحب نے کہا جا مردود نکل یہاں سے۔ اور اب شاہ صاحب بڑے پچھتائے کہ اس کا کام فدا حسین کے پاس جانے کا نہ تھا۔ ہاں یہ کام مولانا شاہ اسماعیل صاحب کا تھا۔ امیر شاہ خان صاحبؒ نے ایک حکایت لکھوائی ہے کہ دہلی میں ایک مجذوب تھا بڑا مضبوط قوی اور بہت فوں فاں کیا کرتا تھا کسی کو اس کے سامنے جانے کی ہمت نہ تھی لوگ کہنے لگے کہ شاہ اسماعیل صاحب سب کو نمازی بناتے ہیں اس مجذوب کو نمازی بنائیں تو ہم جانیں۔ ایک دفعہ شاہ صاحب کا اس کا سامنا ہوگیا تو شاہ صاحب نے اس کو نماز کیلئے پکارا اس نے بڑی فوں فاں کی شاہ صاحب اس کے حجرہ میں گھس گئے اور دونوں میں کشتی ہونے لگی اور تھوڑی دیر میں مجذوب کی فوں فاں سب ختم ہوگئی اور شاہ صاحب کے ساتھ سیدھا سیدھا نماز کو آگیا۔ پھر سب جذب ختم ہوگیا۔

فدا حسین مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب سے بہت ڈرتا تھا۔ اس کے مریدوں نے ایک دفعہ کہا کہ آپ سب پر اثر ڈالتے ہیں تصرف کرتے ہیں۔ مولوی اسمٰعیل صاحب پر کچھ تصرف نہیں کرتے۔ یہ تو ہماری جماعت کو سب سے زیادہ ذلیل وخوار کرتے ہیں تو اس نے یہ بات بتائی کہ بات یہ ہے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب خدائی کوتوال ہیں جو کام یہ کر رہے ہیں وہ ان کا منصبی کام ہے۔ اور ہم گو شہزادے ہیں بقول بارگاہ ہیں لیکن شہزادے

پر لازم ہے کہ اگر شاہی کوتوال اس پر کوئی الزام قائم کر کے اس کو حوالات میں بھیج دے تو اس وقت اس سے مزاحمت نہ کرے بلکہ حوالات میں چلا جائے جب مقدمہ بادشاہ کے سامنے جائیگا۔ یہ بوجہ مقبولیت ومحبوبیت کے فوراً رہا ہو جائیگا لیکن اسنے کوتوال سے مزاحمت کی تو پھر معتوب شاہی بھی ہو جائے گا۔ یہ اس نے بات بتائی ورنہ وہ جانتا تھا کہ شاہ اسمٰعیل صاحب کے سامنے میرا تصرف سب ملیا میٹ ہو جائیگا (کیونکہ شاہ صاحب نرے ملانہ تھے بلکہ صاحب تصرف بھی تھے وہ ان ملحدوں کا تصرف سب کر سکتے تھے) ان کا کام تھا بددینوں کی اصلاح کرنا ان کا کام تھا طوائفوں کی اصلاح کرنا اس کا قصہ بھی امیر شاہ خاں صاحب نے لکھوایا جو امیر الروایات میں قابل دید ہے۔ اور ہر ایک کا کام نہیں یہ وہی کر سکتا ہے جو فنا ہو چکا ہو نفس کو مار چکا ہو ورنہ طوائفوں کی تو کیا اصلاح کریگا خود ان کا طواف کرنے لگے گا۔

ہر فتنہ کی مدافعت کے درپے ہونا ضروری نہیں

صاحبو! حضور ﷺ نے جہاں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم دیا ہے۔ وہاں یہ بھی فرمایا ہے **من سمع منکم بالدجال فلینا فر عنه (المستدرک للحاکم ۴: ۵۳۱)** (او کما قال) کہ جو شخص دجال کے ظاہر ہونے کی خبر سنے اس کو چاہیے کہ اس سے دور بھاگے یہ نہیں فرمایا کہ اس سے مناظرہ کرو معلوم ہوا کہ ہر فتنہ کی مدافعت کے درپے نہ ہونا چاہیے جو فتنہ اپنی قدرت سے باہر ہو اس سے دوری تن اچھی اس سے الگ ہی رہو۔ اب مولانا! اکھاڑے میں کودتے ہیں دیکھ لیں کہ ان میں قوت ہے یا نہیں اول تو باطنی قوت دیکھ لو کہ تمہارا اثر کتنا ہے۔ ظاہری قوت کو تو بڑا دخل ہے کہ عوام میں مشہور ہے کہ سلاطین وحکام پر سحر نہیں چلتا۔ مراد یہ کہ جو صرف حاکم ہی ہوا اور جو سلطان ہونے کے ساتھ نبی بھی ہوا اس پر سحر چل سکتا ہے چنانچہ رسول ﷺ پر سحر کا اثر ہوا ہے۔ (اگر اثر نہ ہوتا تو عوام کو شبہ ہوتا کہ آپ نرے بادشاہ ہی ہیں) مگر آپ پر کچھ زیادہ اثر نہیں ہوا سحر تو قتل کے واسطے کیا گیا تھا اور آپ پر صرف اتنا اثر ہوا کہ حضور ﷺ کو بھول ہو جاتی تھی۔ غرض ظاہری قوت کو بھی بڑا دخل ہے۔ علماء اس کو بھی اول دیکھ لیں کہ کتنے آدمی ان کے ساتھ ہیں اور کتنا مال ان کے پاس ہے اس کے بعد کام شروع کر دیں۔ اگر بدون مال کے کام شروع کر دیا

اور پانچ سو روپے قرض ہو گئے تو اب مولانا مجبور ہو کر چندہ کریں گے۔ جس میں ایسے لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں گے جن کی جبہ سائی بھی اپنے دروازہ پر گوارہ نہ تھی۔ اب اگر یہ قرض ادا ہو گیا اور اس کے بعد ہمت کا وضو ٹوٹ گیا تو خیر ورنہ ساری عمر اسی گھس گھس میں رہے گا کہ آج قرض کر لیا کل چندہ کر لیا پھر قرض کر لیا۔

دعاؤں میں تطبیق

بہر حال حضور علیہ نے ایک جگہ تو رفع فتنہ کی دعا فرمائی نعوذ بالله من الفتن ماظهر منها ومابطن (فتح الباری لابن حجر ۱۳: ۲۷۰ بلفظ آخر) (اور اس کی جگہ صرف لفظ عن الفتنہ کی دعا فرمائی ہے کہ اے اللہ مجھے فتنہ سے بچائے دونوں میں تطبیق یہی ہے کہ پہلی دعا اس مقام کیلئے ہے جہاں فتنہ واقع ہونے کا یقین نہ ہوا ہو اور دوسری دعا ایسے موقعہ کیلئے جہاں فتنہ واقع ہونے کا یقین ہو چکا ہو اور جب یقین ہو جائے اس کے خلاف دعا بھی جائز نہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ نے جو ابو جہل کیلئے کسی وقت دعا کی ہے وہ نزول نص اور حصول یقین سے پہلے دعا فرمائی ہے ہاں جہاں جہاں یقین نہ ہو وہاں دعا جائز ہے۔ پس تم کو آجکل ان فتنوں کے دفعیہ کیلئے دعا جائز ہے کیونکہ تم کو یقین حاصل نہیں اور اہل اللہ کو جو کسی واقعہ کے متعلق کشف سے معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں وقت فلاں قوم یا فلاں شخص پر عذاب نازل ہونے والا ہے۔

اہل اللہ کا مختلف مذاق

اہل اللہ کا مذاق مختلف ہے بعض تو کشف کو (صاحب کشف پر) حجت سمجھتے ہیں اور کشف کے خلاف دعا کو ناجائز سمجھتے ہیں انہیں کی نسبت مولانا کا ارشاد ہے۔

کفر باشد نزدشان کردن دعا ☆ کاے خدا از ما بگردان ایں قضا

ان کے نزدیک دعا کرنا کفر ہے کہ اے خدا ہم سے اس حکم قضا کو پھیر دے۔

اور حجت کشف کا قول ابن عربیؒ کی طرف منسوب ہے مگر میں نے شیخ کا اصل قول دیکھا ہے۔ اس سے استدلال صحیح نہیں۔ البتہ تنبیہ الطربی میں اس کی پوری تحقیق موجود ہے ان کا قول صرف اس قدر ہے کہ کبھی کشف بھی تلبیس سے محفوظ ہوتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب

کہاں ہوا کہ قطعی ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کشف محفوظ سے کشف غیر محفوظ اقرب الی الصحت ہے سواتنی بات کی صحت میں کس کو کلام ہے مگر اسے کشف کا شرعی حجت ہونا لازم نہیں آتا نہ صاحب کشف پر نہ دوسروں پر اور بعض اس کے متعلق بھی دعا کو جائز کہتے ہیں اور یہی حق ہے وہ یوں کہتے ہیں کہ

چوں خدا ازخود سوال وگد کند ☆ پس سوال خویشتن چوں رد کند

جب اللہ تعالیٰ خود سوال کرنے کا حکم فرمائیں پس پھر اپنے رسول علیہ کو کیسے رد فرمائیں گے۔

ہم دعا ازتو اجابت ہم زتو ☆ ایمنی ازتو مہابت ہم زتو

وہ کہتے ہیں کہ جب ہمارے دل میں کشف کے بھی دعا کا تقاضا ہوا ہے تو یہ دعا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور قبول بھی وہی فرمائیں گے۔ پس دعا تو کرو مگر عجز کے وقت تدبیر کے درپے نہ ہو اور تدبیر بھی کرو تو اپنی اصلاح کو مقدم کرو کہ تمہاری اصلاح میں ان تدابیر سے خلل نہ آئے۔ ورنہ رسول علیہ دجال سے بھاگنے کا امر نہ فرماتے۔ حالانکہ اسی دجال کے متعلق حضور علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک شخص اس سے مناظرہ بھی کریگا جس میں بتلا دیا گیا کہ اس سے مناظرہ فی نفسہ مذموم نہیں مگر تم کو اس واسطے منع کیا جاتا ہے کہ تم اسکے متحمل نہیں تمہارے دین کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ پس دوسروں کی اصلاح کے درپے اس وقت ہو جب کہ اپنی حفاظت کا پورا سامان ہو اس کے متعلق میرا واعظ التصدی للغیر۔ (بہت ہی مفصل ہے اس کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے)۔

خلاصہ وعظ

خلاصہ یہ کہ جس کی اصلاح اپنے قبضہ میں ہو وہاں تو دعا بھی کرو تدبیر بھی کرو اور جہاں اصلاح قبضہ میں نہ ہو وہاں دعا تو مطلقاً جائز ہے مگر تدبیر اس شرط سے جائز ہے کہ اپنا ضرر نہ ہو پس اب میں ختم کرتا ہوں۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین. والحمد للّٰہ رب العلمین۔

تتمہ وعظ

بعد بیان کے فرمایا کہ ایک حدیث اور یاد آئی جس سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے کہ دوسروں کی نفع رسائی کا اس وقت اہتمام کیا جائے جبکہ اپنا ضرر نہ ہو حضور ﷺ سے کسی نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس ایک دینار ہے اس کو کیا کروں۔

قال انفقه علی نفسک (مشکوۃ المصابیح: ۱۹۴۰) (فرمایا اس کو اپنی ذات پر خرچ کرو۔ قال آخر قال انفقه علی اهلک (مسند الحمیدی ۱۱۷۶)۔ (اس نے کہا میرے پاس ایک دینار اور بھی ہے فرمایا اس کو اپنے گھر والوں پر خرچ کرو۔ قال و آخر قال انفقه علی ولدک (شرح السنة ۱۹۳:۶) (اس نے کہا میرے پاس ایک اور بھی ہے۔ فرمایا اس کو اپنی اولاد پر خرچ کرو، المراد به البالغون من الاولاد فان الصغار قددخلوا فی الاهل لکو نهم فی عیاله واهل الرجل اهل بیته الذین بعدقال و آخر انفقه علی خادمه، کہا میرے پاس ایک اور بھی ہے۔ فرمایا اس کو اپنے خادم پر خرچ کرو۔ قال و آخر وقال فانت املک علیه۔ (کہا میرے پاس ایک اور بھی ہے۔ فرمایا اب تم کو اختیار ہے (جہاں چاہو خرچ کرو)۔ صوفیہ کا مذاق تو یہ ہے کہ خود بھوکے رہو اور دوسروں کو دے دو اور اسی کا نام ایثار ہے مگر حضور ﷺ نے اول اپنے اوپر پھر اپنے متعلقین پر انفاق کا امر فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ نفع لازمی نفع متعدی سے مقدم ہے۔ اس طرح ایک آیت یاد آئی۔ ولا تجعل یدک مغلولة الی عنقک ولاتبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا۔ حضور ﷺ میں شفقت بیحد تھی۔ حق تعالیٰ نے اس آیت میں اس کی تعدیل فرمائی ہے کہ آپ نہ تو اپنے ہاتھ کو بالکل بند کریں نہ پوری طرح کھول دیں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ ملامت زدہ اور عاجز ہو کر بیٹھ جائیں گے (کیونکہ جب آدمی دوسروں پر سخاوت کر کے خود پریشان ہوتا ہے تو لوگ اسی کو ملامت کرتے ہیں کہ ایسی سخاوت سے کیا نفع کہ خود بھیک مانگنے کے قابل ہو گئے۔ یہ تو امر ہوا آگے حضور ﷺ کے جذبات کا جواب ہے کہ آپ تو ہر ایک کو دینا ہی چاہتے تھے اور کسی کی پریشانی کو دیکھ نہ سکتے تھے تو فرماتے ہیں ان ربک یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر۔ کہ رزق کا فراخ و تنگ کرنا خدا کے قبضہ میں ہے وہ

جس پر چاہتے ہیں رزق کو فراخ کر دیتے ہیں اور جس پر چاہتے ہیں تنگ کر دیتے ہیں آپ کی سخاوت سے دوسروں کی تنگی بر رفع نہیں ہو سکتی اگر خدا کو اس کی تنگی کا رفع کرنا منظور نہیں ہے (کیونکہ ممکن ہے کہ جس کو آپ نے ہزار روپے دیئے ہیں رات ہی کو اس کے پاس سے چوری ہو جائیں مثلاً اس کے بعد کسی کے دل میں یہ بات آ سکتی ہے کہ بیشک ہم کسی کا افلاس رفع نہیں کر سکتے۔ مگر اللہ تعالیٰ تو رفع کر سکتے ہیں۔ پھر وہی مفلسوں کا افلاس رفع فرما دیں تا کہ ان کی پریشانی سے ہمارا دل نہ دکھے۔ اس کا جواب آگے دیتے ہیں انه کان بعبادہٖ خبیرا بصیرا۔ کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ کون دینے کے قابل ہے اور کون نہیں۔ آپ ہم کو مشورہ نہ دیجئے۔ اللہ تعالیٰ ہی کو یہ بات معلوم ہے کہ کس کیلئے غنا مناسب ہے اور کس کیلئے افلاس اس تعلیم سے شفقت کی تعدیل کر دی گئی۔

اصلاح غیر کے درپے ہونا مطلوب نہیں

وعظ اداب التبلیغ بھی اس مضمون میں قابل مطالعہ ہے اس میں بھی تعدیل شفقت کے متعلق مفید مضامین ملیں گے شاید وہ اس بیان کے لئے مکمل ہو جائیں۔ اب میں ختم کر چکا البتہ ایک بات پر تنبیہ کرتا ہوں وہ یہ کہ حضور ﷺ کو جو تخفیف شفقت کے لئے ارشادات ہوئے ہیں اس کا منشاء یہ تھا کہ نعوذ باللہ حضور ﷺ میں افراط کا درجہ تھا۔ جس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اپنے دین کو ضرر ہونے لگے بلکہ ان ارشادات کا منشا یہ ہے کہ زیادہ شفقت کی وجہ سے حزن و غم کا آپ کے جسم پر مرض وغیرہ کا اثر ہونے کا مظنہ تھا۔ چنانچہ لعلک باخع نفسک وما انزلنا علیک القرآن لتشقی۔ سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ آپ پر شفقت کی وجہ سے جسمانی امراض کا اندیشہ تھا اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس کی تعدیل فرمائی کیونکہ امراض جسمانی بھی بعض دفعہ خلل دین کی طرف مفضی ہو جاتے ہیں۔ باقی اس کا ہرگز احتمال نہ تھا کہ شفقت کی وجہ سے آپ اپنا دین کا نقصان کر لیتے ہوں۔ انبیاءؑ اس سے معصوم ہیں اور حضور تو سب سے اکمل ہیں اب ایک شبہ اور رہا وہ یہ کہ نص میں ہے۔ ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ۔ جس میں صحابہ کی مدح فرمائی گئی ہے کہ وہ دوسروں پر ایثار کرتے ہیں ان کو اپنے نفس پر ترجیح دیتے ہیں اگر چہ خود اپنے کو بھی احتیاج ہو اور مدح فعل محمود ہی پر ہوتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اپنی ذاتی احتیاج پر دوسروں کے

نفع کومقدم کرنا محمود ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں محمود ہے بشرطیکہ اپنے دین میں نقصان نہ آئے۔ اور اپنا دین ضرر سے محفوظ رہے حضرات صحابہؓ کو اپنے نفس پر دوسروں کو مقدم کرنے کی اجازت تھی اور ان کا یہ فعل محمود تھا۔ کیونکہ اس سے ان کے دین کو ضرر پہنچنے کا احتمال نہ تھا جس کی دلیل خود ہی اوصاف ہیں جو اسی آیت میں اس جملے سے پہلے مذکور ہیں۔

والذین تبوؤا الدار والایمان من قبلهم یحبون من هاجر الیهم ولا یجدون فی صدورهم حاجة مما اوتوا، یعنی ان کے دل میں ایمان راسخ و ثابت تھا اور ان کے قلوب حرص سے پاک تھے اور محبت اسلام و مسلمین سے لبریز تھے اور اس حالت میں ایثار سے منع نہیں کیا بلکہ میں نے بار بار یہ کہا ہے کہ پہلے اپنی ظاہری و باطنی قوت کو دیکھ لو اسکے بعد ایثار کرو اور دوسروں کے کاموں میں پڑو مگر اپنا نقصان کر کے اور دین کو برباد کر کے دوسروں کے کاموں میں لگنا اور اصلاح غیر کے درپے ہونا یہ حضرات صحابہ سے کہاں ثابت ہے اور اس پر کہاں مدح کی گئی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کی اول تعریف اس پر کی ہے کہ وہ اپنے نفس کی تکمیل کر چکے ہیں اور ایمان کو اپنے دلوں میں جما چکے اور نفس کو حرص وغیرہ سے پاک کر چکے ہیں۔ اس کے بعد ایثار پر مدح کی گئی ہے اس سے خود میرے بیان کی تائید ہو رہی ہے کہ اصلاح نفس اصلاح غیر سے مقدم ہے اور یہ کہ ایثار کی اسی کو اجازت ہے جو اپنی اصلاح سے فراغت کر چکا ہو۔

اب وہ مولانا صاحبان غور کر لیں جو اصلاح غیر کے درپے ہیں کیا وہ اپنی اصلاح و تکمیل سے فارغ ہو گئے ہیں۔ اگر وہ سچ بولیں گے تو ضرور یہ کہیں گے کہ فراغت تو کہاں ابھی تو اپنی اصلاح کی ابتداء بھی نہیں ہوئی میں اسی حالت کو مرض کہہ رہا ہوں اور اسی سے منع کر رہا ہوں۔

اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو حفظ حدود کی توفیق دیں اور فہم سلیم عطا فرمائیں۔

وصلّی اللّٰه تعالیٰ علی خیر خلقه

سیدنا و مولانا محمد وعلی اله واصحابه اجمعین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العلمین

الباب لاولی الالباب

بمقام سرائے میر عیدگاہ ضلع اعظم گڑھ یکم شعبان ۱۳۴۰ھ بروز جمعہ ۲ گھنٹہ کھڑے ہو کر یہ وعظ ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۵۰۰ تھی۔ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے قلمبند کیا۔

خطبہ ماثورہ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرورانفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ ونشھد ان لاالہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ والہ واصحابہ وبارک وسلّم امابعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم. بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم.

ولیس البربان تاتوا البیوت من ظھورھا ولکن البرمن اتقی واتوا البیوت من ابوابھا واتقوااللّٰہ لعلکم تفلحون. (البقرۃ:۱۸۹)

یہ کوئی نیک کام نہیں کہ تم گھروں کے پچھواڑے آیا کرو لیکن نیک کام یہ ہے کہ آدمی تقویٰ اختیار کرے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو کہ تم کامیاب ہو۔

شان نزول

یہ ایک طویل آیت کا ٹکڑا ہے اس میں ایک خاص واقعہ کے متعلق حق تعالٰی نے خاص حکم ارشاد فرمایا ہے۔ اس سے مجھ کو ایک ضروری مضمون مستنبط کرنا ہے جس کی ضرورت عنقریب واضح ہو جائے گی وہ مضمون (ایک تفسیر پر تو آیت کا مدلول بھی ہے۔ بوجہ عموم الفاظ کے اور ایک تفسیر پر مستنبط ہے۔ پہلے واقعہ سن لیجئے تاکہ فہم مطلب میں سہولت ہو جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بعض لوگوں کی عادت تھی کہ وہ حالت احرام میں اپنے گھروں کے اندر دروازہ سے نہیں داخل ہوتے تھے بلکہ دیوار پھاند کر یا دیوار میں سوراخ کر کے آتے تھے۔ انکا گمان یہ تھا کہ احرام تمتعات سے مانع ہے چنانچہ شریعت اسلامیہ نے بھی بعض تمتعات سے حالت احرام میں منع کر دیا ہے کہ خوشبو لگانا، سلے ہوئے کپڑے پہننا، سر ڈھانکنا، بال مونڈنا ناخن بنانا، بیوی کے پاس جانا محرم کو نا جائز ہے۔

اہل جاہلیت کا غلو

اہل جاہلیت نے بطور غلو کے یہ سمجھا کہ جب احرام تمتعات سے مانع ہے تو اس کا مقتضا یہ ہے کہ گھر میں بھی نہ جائے بلکہ کھلے میدان میں رہے۔ کیونکہ گھر میں جانا اور محفوظ جگہ رہنا بھی ایک تمتع ہے۔ اور اگر کسی کو بہت ہی ضرورت گھر میں جانے کی ہو تو عادت کے خلاف کسی اور طریقہ سے جائے خواہ دیوار پھاند کر یا دیوار میں نقب دے کر۔ تا کہ اگر ترک کامل نہ ہو تو ہیت معتادہ کا تو ترک ہو جائے کہ یہ بھی فی الجملہ ترک تمتع ہے۔ جاہلیت کے افعال کی وجہ بیان کرنے کی مجھے ضرورت نہیں۔ اگر ان کے افعال کے لئے وجہ معلوم ہو جائے جو ان کے ذہن میں وجہ تھی گو واقعہ میں وجہ بننے کے قابل نہ ہو تو اس کا بیان کر دینا مناسب ہے۔ کیونکہ وجہ بتلا دینے سے اس کا جاہلیت ہونا زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ وجہ نہ بیان کرنے سے مخاطب کے ذہن میں اس فعل کی وقعت رہ سکتی ہے کہ نہ معلوم اس فعل کی کیا وجہ ہوگی شاید کوئی معقول وجہ ہو اور بیان کر دینے کے بعد وہ وقعت زائل ہو جاتی ہے۔ اور ہر شخص کو وجہ نامعقول ہو جانے کے بعد اس کا جاہلیت ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ بہر حال ان کا خیال یہ تھا کہ دروازہ سے گھر میں آنا حالت احرام میں خلاف بر اور خلاف تعبد و تقرب ہے اور جب یہ صورت خلاف بر ہے تو اس کی خلاف صورت داخل بر ہوئی اور بر نہ ہو تو احتمال بر تو ہے۔ پس اس مسئلہ میں ان لوگوں نے دو غلطیوں کا ارتکاب کیا۔ ایک یہ کہ بحالت احرام دروازہ سے گھر میں آنا جائز تھا اس کو حرام سمجھا۔ دوسرے یہ کہ دیوار پھاند کر یا نقب دیکر آنا باعث ثواب نہ تھا۔ اس کو ان لوگوں نے باعث ثواب سمجھا۔ اسلئے حق تعالیٰ نے اس کی نفی اس آیت میں فرمائی۔ ولیس البربان تاتوا البیوت من ظھورھا ولکن البر من اتقی۔ یعنی یہ کوئی نیک کام نہیں کہ تم گھروں میں پچھواڑے سے آیا کرو۔ ہاں لیکن نیک کام یہ ہے کہ آدمی ناجائز امور سے تقویٰ اختیار کرے (اور دروازہ سے آنا ناجائز نہیں تو اس سے بچنا تقویٰ میں داخل نہیں)۔

ولکن البر من اتقی۔ لیکن نیک کام یہ ہے کہ آدمی تقویٰ اختیار کرے۔

دو توجیہیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ جانب خبر میں مضاف مقدر مانا جائے یعنی و لکن البر من اتقی۔ کہ نیکی اس شخص کی نیکی کو کہہ سکتے ہیں جو تقویٰ اختیار کرے دوسرے یہ کہ جانب اسم میں مضاف مقدر ہو یعنی ولکن البر من اتقی۔ اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا لیکن نیک کام کرنے والا وہ ہے جو مضاف میں اس جگہ نکتہ یہ ہے کہ بطور مبالغہ کے یہ بتلانا ہے کہ بر اور متقی گویا متحد ہیں جیسے زید عدل اور یہ محاورہ ہماری زبان میں بھی ہے چنانچہ بولتے ہیں کہ فلاں شخص سراپا اخلاق ہے، سراپا کرم ہے۔ اسی طرح محاورہ عرب میں بھی اطلاق مصدر کا ذات پر مبالغۃً ہوتا ہے جیسے اس آیت میں ہے۔ ولکن البر من اتقی۔ یعنی سراپا بر وہ ہے جو متقی ہو۔ آگے بطور تفریع کے فرماتے ہیں۔ کہ جب تقویٰ بر ہے تو اس کا مقتضا یہ ہے کہ بدعات جاہلیت سے بچا جائے اور اہل جاہلیت کی طرح اپنی طرف سے کسی کام کو طاعت یا معصیت نہ قرار دیا جائے۔ و اتوا البیوت من ابوابھا۔ اور گھروں میں انکے دروازوں سے آیا کرو۔ و اتقوا اللّٰہ لعلکم تفلحون۔ اور خدا سے ڈرتے رہو۔ (یعنی تقوی اختیار کرو) تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ۔ و اتقوا اللّٰہ ۔ (اور خدا سے ڈرتے رہو) میں تقویٰ عملی و اعتقادی دونوں کا امر ہے۔ یعنی نہ اپنے عمل سے کسی جائز کام کو ناجائز اور مباح کو طاعت ظاہر کرو نہ اعتقاداً ایسا سمجھو بلکہ عمل اور اعتقاد دونوں کو حکم الٰہی کا تابع بناؤ۔ کہ حرام اسی کو سمجھو جس کو خدا نے حرام کیا ہے اور طاعت بھی اسی کو سمجھو جس کو خدا نے طاعت کہا ہے اپنی طرف سے طاعات و محرمات ایجاد نہ کرو۔ اس آیت سے ایک بات کام کی معلوم ہوئی وہ یہ کہ گو گھر میں دروازہ سے جانا پشت کی طرف سے آنا عبادات میں سے نہیں ہے بلکہ گھر میں دروازہ سے آنا محض عادات میں سے ہے اور پشت کی طرف سے آنا عادت کے خلاف ہے۔ لیکن اس آیت میں حق تعالیٰ نے اس عادت سے بھی تعرض فرمایا ہے کیونکہ لوگوں نے حالت احرام میں عادت قدیمہ کو ناجائز اور اس کی مخالفت کو ثواب سمجھ لیا تھا حق تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا جس کا حاصل یہ کہ تم بلا دلیل شرعی کے کسی عادت کو حرام اور اس کے مخالفت کو ثواب کا کام نہ سمجھو اس سے معلوم ہوا کہ دین کا تعلق عادات و عبادات دونوں سے ہے اور شریعت دونوں میں تصرف کرتی ہے خواہ یہی حکم دیدے کہ یہ عادت جائز ہے کیونکہ مباح

کا مباح ہونا یہ بھی ایک حکم شرعی ہے اور کسی امر کو مباح کرنا بھی ایک قسم کا تصرف ہے۔

چنانچہ جو لوگ کسی سلطنت کی رعایا بن کر رہتے ہیں وہ اس راز کو خوب سمجھتے ہیں کہ سلطنت بعض امور سے منع کرتی ہے اور بعض امور کی اجازت دیتی ہے۔ جس طرح کسی امر سے منع کرنا تصرف ہے۔ اسی طرح یہ بھی تصرف اور دست اندازی ہے کہ اس نے بعض چیزوں کی اجازت دی ہے اب اگر کوئی شخص قانون میں ایک دفعہ زیادہ کر کے ان امور مباحہ کو ممنوع قرار دے دے تو خود سلطنت اس سے مواخذہ کرتی ہے۔ کہ جس چیز کی ہم نے اجازت دی ہے تم نے اس کو ممنوع کیوں قرار دیا۔

بعض دفعہ پولیس کسی کی تلاشی لیتی ہے تو بعض کو تو سزا ہو جاتی ہے اور بعض کو چھوڑ دیتی ہے تو جس طرح سزا کرنا ایک تصرف ہے اسی طرح چھوڑ دینا بھی تصرف ہے۔ جب دینوی سلطنت کا یہ حال ہے کہ اس کو تصرف اباحت کا بھی حق ہے تو حق تعالیٰ کو تصرف اباحت کا کیوں حق نہ ہوگا ضرور ہونا چاہیے۔

دین کا تعلق عبادات اور عادات دونوں سے ہے

پس دین کا تعلق عبادات و عادات دونوں سے ہے اب چاہے وہ بعض عادات کو مباح ہی کر دے یہ بھی اس کا ایک تصرف ہے۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ شریعت کو امور دنیوی سے اور عادات الناس سے کیا تعلق، شریعت کو محض عبادات سے بحث کرنی چاہیے مگر یہ خیال غلط ہے کیونکہ اس میں در پردہ حق تعالیٰ کے وسعت اختیارات پر اعتراض ہے کہ خدا تعالیٰ کے اختیارات اتنے وسیع نہ ہونے چاہئیں کہ ہماری عادات میں بھی دخل دیں اور اس کا زندقہ ہونا بدیہی ہے۔

انتم اعلم بامور دنیاکم کا مفہوم

انتم اعلم بامور دنیاکم (الصحیح لمسلم' الفضائل: ۱۴۱' کنز العمال ۳۲۱۸۲)۔ ان لوگوں نے ایک حدیث یاد کر رکھی ہے۔ (یعنی حضور ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے فرمایا کہ دنیوی امور کو تم خود زیادہ جانتے ہو)۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیوی کاموں سے رسول ﷺ کو کچھ واسطہ نہیں ہم ان کو خود زیادہ جانتے ہیں۔ میں اس دلیل کا بھی جواب

دینا چاہتا ہوں اور وہ جواب خود اسی حدیث کے اندر موجود ہے مگر لوگ حدیث کے الفاظ میں غور نہیں کرتے اس لئے اشکال پڑ جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حضور ﷺ نے اس جگہ یہی تو فرمایا ہے کہ تم دنیا کے کاموں کو زیادہ جانتے ہو۔ یہ تو نہیں فرمایا کہ تم دنیاوی امور میں خود مختار ہو کہ جو چاہو کرو۔ پس ثبوت علم سے ثبوت اختیار کیونکر لازم آگیا ذرا اس کی دلیل تو بیان کیجئے۔

دیکھئے اگر کوئی حاکم کسی کاریگر لوہار سے یہ کہے کہ بھائی ہتھیار بنانا تم ہم سے زیادہ جانتے ہو تو کیا اس کا یہ مطلب ہوا کرتا ہے کہ تم ہتھیاروں کے بارہ میں بالکل آزاد ہو کہ جس کو چاہو ہتھیار بنا کر دے دیا کرو۔ خواہ اس کے پاس لائسنس ہو یا نہ ہو یا جو ہتھیار چاہو بنا لیا کرو۔ چاہے قانوناً اس کی اجازت ہو یا نہ ہو۔ ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ حاکم کے اس قول کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا اسی طرح اس حدیث میں صرف اتنی بات ہے کہ دنیوی کاموں کا طریقہ اور ان کے آثار وخواص لوگوں کو زیادہ معلوم ہیں اور یہ بات اور اس حدیث میں کہاں ہے کہ دنیوی کاموں میں لوگ بالکل آزاد ہیں کہ جو چاہیں کریں کسی کام سے ان کو نہ روکا جائے گا کہاں اعلمیت اور کہاں تخییر علم سے اختیار کیونکر نکل آیا بلکہ اختیار کی نفی دوسری نصوص میں صراحۃً مذکور ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بندوں کو یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ جو چاہیں کیا کریں۔

صفت اختیار میں حق تعالیٰ شانہ کا کوئی شریک نہیں

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے (وربک یخلق مایشاء ویختار ،اور آپ کا پروردگار جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے اختیار کرتا ہے)۔ یعنی جس طرح صفت خلق میں کوئی اس کا شریک نہیں اسی طرح صفت اختیار میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں۔ شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہاں اختیار تکوینی مراد ہے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ یخلق مایشاء۔ (جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے) سے اختیار تکوینی خود ظاہر ہے۔ اگر یختار سے بھی اختیار تکوینی مراد ہوتا تو یخلق مایشاء۔ کے بعد اس کی ضرورت ہی کیا تھی معلوم ہوا کہ اختیار تشریعی مراد ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں ماکان لھم الخیرہ بندوں کے لئے کچھ اختیار نہیں۔ کیونکہ

اوپر بختار میں اختیار شرعی کا مراد ہونا متعین ہو چکا ہے اس لیے ما کان لھم الخیرۃ۔ ان کو کچھ اختیار نہیں ہے۔ میں اسی کی نفی مراد ہونی چاہیے۔ اس صورت میں لام تعریف عہد کے لئے ہوگا۔ اور اگر لام جنس کے لئے مانا جائے تو عموم کی وجہ سے ہر گز اختیار کی نفی ہو جائے گی۔ معنی یہ ہوں گے کہ اختیار تکوینی اور تشریعی دونوں خدا کے لئے مخصوص ہیں کسی کو کوئی اختیار حاصل نہیں نہ تشریعی نہ تکوینی۔ آگے فرماتے ہیں۔ سبحانہ و تعالیٰ عما یشرکون۔ یعنی اللہ تعالیٰ شرک تکوینی اور تشریعی دونوں سے پاک ہے۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔ الا له الخلق و الامر۔ یعنی خدا تعالیٰ ہی کیلئے ہے خالقیت وآمریت۔ یہ آیت تو بہت زیادہ صریح ہے کیونکہ اس میں اختیار تکوینی کا احتمال بھی نہیں کیونکہ امر کا اطلاق جبکہ خلق کے مقابلہ میں ہے شریعت میں امر تشریعی ہی پر ہوا کرتا ہے۔ امر کے معنی حکم کرنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کے سوا حکم کرنے والا اور احکام مقرر کرنے والا کوئی نہیں خلق سے اختیار تکوینی اور امر سے اختیار تشریعی مراد ہے اور ان دونوں کو بصورت حصر خدا کے لئے ثابت کیا گیا ہے جس سے دونوں کی نفی ماسوا سے لازم آ گئی۔

عالم مجردات کی دلیل

اور یہاں میں ایک اور نکتہ بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ بعض لوگوں نے اس آیت سے عالم مجردات کے وجود پر دلیل قائم کی ہے۔ عالم مجردات کو صوفیہ کی اصطلاح میں عالم امر بھی کہا جاتا ہے۔ اس لئے الا له الخلق و الامر۔ یعنی خدا تعالیٰ ہی کیلئے ہے خالقیت وآمریت۔ سے لوگوں کو دھوکہ ہوا اور انہوں نے اسکا یہ مطلب سمجھا کہ خدا ہی کیلئے ہے عالم خلق و عالم امر۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ قرآن کے مخاطب اول اہل عرب تھے اور وہ عالم امر کو جانتے بھی نہ تھے یہ اصطلاح بعد میں حادث ہوئی۔ نزول قرآن کے وقت عالم امر کو کوئی جانتا بھی نہ تھا مگر لوگوں کی عادت ہے کہ اصطلاحات علمیہ کو یاد کر کے ہر جگہ انہی کو چلایا کرتے ہیں۔

علوم قرآنیہ ابتدا و انتہا میں پڑھنے کی ضرورت

اسی لیے میں کہا کرتا ہوں کہ علوم قرآنیہ کو علوم درسیہ سے مقدم کرنا چاہیے بلکہ

پہلے بھی علوم قرآنیہ کو پڑھیں اور خاتمہ بھی انہی پر کریں۔ نہ تو یہ کریں کہ علوم درسیہ کو سب سے پہلے پڑھیں نہ یہ کریں کہ علوم دینیہ سے بالکل فارغ ہو کر پھر علوم درسیہ میں مشغول ہوں کیونکہ پہلی صورت میں یہ اصطلاحات ذہن میں رچ جائیں گی۔ پھر ہر جگہ قرآن وحدیث میں وہی سوجھیں گی۔ حالانکہ قرآن وحدیث میں یہ اصطلاحات اور علوم درسیہ کا کام نہیں دیتے۔ اور دوسری صورت میں یہ خرابی ہے کہ جو علم اخیر میں پڑھا جاتا ہے دل پر اسی کا اثر رہ جاتا ہے پس معقول وفلسفہ کو سب سے اخیر میں پڑھنا بھی برا ہے بلکہ ان علوم کو وسط میں رکھنا چاہیے ورنہ کم از کم دوش بدوش تو ضرور ہوں۔ اصطلاحات کے رچ جانے کا ایک واقعہ میں آپ کو سناتا ہوں۔

اصلاحات رچ جانے کی ضرورت

دیوبند میں جب پڑھتا تھا تو حضرت استاد (مولانا محمد یعقوب صاحبؒ) نے مجھے مسئلہ تصورِ شیخ لکھ کر نقل کیلئے دیا، میں اس کو نقل کر رہا تھا کہ ایک نو وارد طالب علم آئے جواب تک معقول ہی میں منہمک رہے تھے مجھ سے پوچھنے لگے کیا لکھ رہے ہو میں نے کہا مسئلہ تصورِ شیخ وہ بولے کہا شیخ بوعلی سینا بس ان کے نزدیک بوعلی سینا ہی ایک شیخ تھا۔ کیونکہ معقول پڑھنے کی وجہ سے وہی دل میں رچ گیا تھا پس ایسے ہی لوگوں نے جن کے قلوب پر اصطلاحات علمیہ رچی ہوئی ہیں۔

الا له الخلق والامر۔ یعنی خدا تعالیٰ ہی کیلئے ہے خالقیت و آمریت۔ سے عالم امر و عالم مجردات کو ثابت کیا ہے مگر یہ بالکل غلط ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ میں عالم مجردات کا منکر ہوں بلکہ میرا مقصود یہ ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں اس کو بیان کرنا غلط ہے باقی ویسے میں اس کا منکر نہیں میں اس کو مانتا ہوں۔

عالم مجردات کی دلیل نصوص قرآنی میں نہیں

کہ عالم مجردات موجود ہے لیکن اس کی دلیل نصوص قرآنیہ میں کہیں نہیں بلکہ مکاشفہ اس کی دلیل ہے یہ کوئی مسئلہ شرعیہ نہیں ہے جس کیلئے نصوص کی ضرورت ہو بلکہ اس کا تعلق مکاشفہ سے ہے جیسے امریکہ کا وجود شرعی مسئلہ نہیں ہے اسی طرح اس کو سمجھنا چاہیے۔

پس جن لوگوں کی آنکھیں ہیں انہوں نے عالم مجردات کو دیکھا ہے چنانچہ صوفیہ کرام میں بعضے اصحاب کشف ہیں ان کو عالم مجردات منکشف ہوا ہے اور چونکہ ہم ان کو سچا سمجھتے ہیں اس لئے ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں باقی جو چیز مشاہدہ کے متعلق ہو اس کے لئے دلائل بیان کرنا غلطی ہے بس اس کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ اگر کسی کے آنکھیں ہوں وہ خود دیکھ لے۔ رہا یہ کہ فلاسفہ نے تو اس پر دلائل قائم کئے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ وہ دلائل محض لچر ہیں۔ بناء الفاسد علی الفاسد، فاسد کی بنا فاسد پر۔

تمام چیزیں مخلوق ہیں

چنانچہ طلبہ خوب جانتے ہیں مگر وہ مجردات قدیم نہیں بلکہ حادث ہیں اور حادث بھی بالزمان جس کی دلیل الا لہ الخلق۔ اس کے لئے خالقیت ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام چیزیں مخلوق ہیں اس میں مثال بھی داخل ہے۔ اگر کوئی اس استدلال پر یہ شبہ کرے کہ اس آیت میں تو خلق مقابل امر کا ہے اس لئے یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ عالم کی دو قسمیں ہیں ایک حادث بالزماں جو عالم خلق ہے ایک غیر حادث بالزماں جس کا نام عالم امر ہے تو یہ احتمال اگرچہ غلط ہے مگر میں اس سے قطع نظر کر کے دوسری دلیل بیان کرتا ہوں حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اللّٰہ خالق کل شیء۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے خالق ہیں۔ دیکھو کل شے میں مجردات بھی آ گئے۔ اگر کہا جائے کہ خلق ایجاد بین العدم کے ساتھ خاص نہیں تو دوسری آیت لیجئے بدیع السموات والارض۔ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ ابداع اخراج من العدم ہی کے ساتھ خاص ہے اور فلسفہ عالم مجردات وافلاک دونوں کو غیر حادث بالزمان کہتے ہیں اور فرق کا کوئی قائل نہیں۔ پس ایک کے ابداع سے دوسرے کے ابداع کا بھی قائل ہونا پڑے گا۔

صوفیاء مجردات کو حادث بالزماں مانتے ہیں

پس فلسفہ اور صوفیہ کے قول میں اتحاد نہیں۔ فلاسفہ عالم مجردات کو قدیم مانتے ہیں

کیونکہ ان کے نزدیک کوئی مجرد حادث نہیں اور صوفیہ مجردات کے قائل ہیں مگر ان کو حادث بالزماں مانتے ہیں البتہ متکلمین تجرد کو اخص صفات باری تعالیٰ قرار دے کر ان کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا تمام چیزیں حادث ہیں اس کے قائل ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا مجرد ہی کوئی نہیں لہٰذا وہ عالم مجردات کے منکر ہو گئے مگر صوفیہ نے چونکہ عالم مجردات کو دیکھا ہے اس لئے وہ اس کے وجود کے قائل ہو گئے لیکن وہ اس کو حادث مانتے ہیں۔ فلاسفہ کی طرح قدیم نہیں مانتے۔ پس ان کے نزدیک تجرد حق تعالیٰ کے لئے اخص صفات سے نہیں بلکہ وجوب قدیم اس کے اخص صفات سے ہے پس مجرد تو غیر تعالیٰ بھی ہو سکتا ہے۔ مگر مجرد قدیم خدا کے سوا کوئی نہیں۔ اور یہاں سے بعض لوگ یہ سمجھ گئے کہ صوفیہ فلسفی ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔

عالم مجردات کا مسئلہ کشفی ہے

صوفیہ فلسفہ کی کچھ بھی وقعت نہیں سمجھتے وہ تو ہمہ تن شریعت کے متبع ہیں۔ البتہ جن امور سے شریعت نے سکوت کیا ہے ان کے متعلق بعض دفعہ وہ اپنے مکاشفات بیان کر دیتے ہیں چنانچہ عالم مجردات کا مسئلہ بھی محض کشفی ہے جو اتفاقاً فلاسفہ کے قول سے من وجہ موافق ہو گیا لیکن ہر عاقل جانتا ہے کہ توافق اور چیز ہے اخذ اور چیز ہے۔ صوفیہ نے اس مسئلہ کو فلسفہ سے نہیں لیا بلکہ خود اپنے کشف سے معلوم کیا ہے جو لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں وہ صوفیہ پر فلسفی ہونے کا گمان کرنے لگے۔

توافق اور اخذ میں فرق

جیسا کہ بعض لوگوں نے قرآن میں بعض باتیں تورات وانجیل کے موافق دیکھ کر یہ گمان کر لیا ہے کہ قرآن تورات وانجیل سے ماخوذ ہے حالانکہ توافق اور چیز ہے اور اخذ اور چیز ہے توافق سے اخذ کیونکر لازم آ گیا۔ حضور ﷺ نے تورات وانجیل کو کبھی دیکھا بھی نہیں نہ آپ عبرانی اور سریانی زبان کو جانتے تھے۔ نہ اہل کتاب سے اختلاط کی آپ کو نوبت آئی پھر قرآن تورات وانجیل سے ماخوذ کیونکر ہو گیا۔ علاوہ ازیں بعض واقعات میں اہل

کتاب نے تحریف وتبدیل بھی کر دی تھی جن کو قرآن میں صحیح طریقہ سے بیان کیا گیا ہے۔ اگر قرآن ان کتابوں سے ماخوذ ہوتا تو یہ واقعات قرآن میں بھی اسی طرح ہوتے جس طرح انجیل وتورات میں تھے حالانکہ عیسیٰ اور داؤدؑ اور یوسفؑ کے واقعات قرآن میں ایسے طرز پر مذکور ہیں جن سے ان حضرات کی عصمت ونزاہت ثابت نہیں ہوتی۔ پس جس طرح قرآن مجید کی نسبت یہ خیال غلط ہے اسی طرح صوفیہ پر بھی فلسفی ہونے کا گمان بالکل غلط ہے۔ غرض عالم مجردات کا وجود فی نفسہ صحیح ہے جس کے قائل بعض صوفیہ ہوئے ہیں اور متکلمین اس کے بالکل منکر ہیں مگر کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ اس کا قائل ہونا شرعاً لازم نہیں جیسے امریکہ کا قائل ہونا ضروری نہیں۔ اور متکلمین کے منکر ہونے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ الا له الخلق و الامر۔ اسی کیلئے ہے خالقیت وآمریت۔ سے عالم امر مراد ہونا ثابت نہیں ورنہ وہ ہرگز انکار نہ کرتے۔ نص قرآنی کے ہوتے ہوئے متکلمین کبھی کسی مسئلہ کا انکار نہیں کر سکتے۔ خیر یہ تو بیچ میں ایک جملہ معترضہ تھا۔

اختیار تشریعی اور اختیار تکوینی دونوں اللہ تعالیٰ کیلئے مخصوص ہیں

میں یہ کہہ رہا تھا کہ الا له الخلق و الامر (خدا تعالیٰ ہی کیلئے (خاص) ہے خالقیت اور آمریت) سے خالقیت وآمریت۔ دونوں کا خدا کیلئے مخصوص ہونا معلوم ہوگیا۔ پس مخلوق کو نہ اختیار تکوینی حاصل ہے نہ اختیار تشریعی۔ بلکہ یہ دونوں اختیارات خدا تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں اور اسی کی فرع یہ بھی ہے کہ مباحات میں بھی تصرف شرعی کا اجرا ہوتا ہے۔

اباحت بھی شریعت پر موقوف ہے

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ قاعدہ فقہیہ ہے الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ قبل شریعت کے بھی اباحت موجود تھی پس اباحت کا وجود شریعت پر موقوف نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ یہ قاعدہ بھی شریعت ہی سے معلوم ہوا۔ تو اباحت اصلیہ کا ظہور بھی شریعت کے بتلانے پر موقوف ہوا۔ اگر شریعت یہ قاعدہ نہ بتلاتی تو اباحت اصلیہ کا ظہور کبھی

نہ ہوتا۔ تو گویا قبل ورود شرع کے اباحت کا وجود اشیاء میں تھا مگر ظہور نہ تھا۔ شریعت نے اس کو ظاہر کیا۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ظہور کے بغیر وجود بمنزلہ عدم کے ہے۔ پس یہ کہنا صحیح ہے کہ اباحت بھی شریعت ہی پر موقوف ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی کہے کہ اس دوا کو طبیب سے پوچھ کر استعمال کرنا چاہیے نہ معلوم مضر ہے یا نافع ظاہر ہے کہ نفع یا ضرر جو کچھ بھی ہے دوا میں پہلے سے موجود ہے طبیب اس میں ضرر یا نفع پیدا نہ کرے گا مگر پھر بھی اس کا استعمال طبیب کی رائے پر موقوف ہے کیونکہ وہ مظہر نفع وضرر ہے۔ اور یہاں تو خالق ومظہر دونوں حق تعالیٰ ہی ہیں پہلے خدا تعالیٰ نے اشیاء میں اباحت وحرمت پیدا کی پھر اس کو ظاہر کیا چنانچہ اس ظاہر کرنے ہی کا نام ورود شرع ہے۔

حلال وحرام کرنا بھی حق تعالیٰ کا کام ہے

پس یہ مسئلہ ثابت ہو گیا کہ حلال وحرام کرنا حق تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ چنانچہ ایک جگہ نہایت تصریح کے ساتھ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال وھذا حرام لتفتروا علی اللّٰہ الکذب۔ یعنی کسی چیز کے بارہ میں بدون علم کے یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام کیونکہ اس میں خدا تعالیٰ پر افترا باندھنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح کسی چیز کو حرام کرنا خدا کا کام ہے جب ہی تو بلا دلیل حرام کہنا افتراء ہوا۔ اسی طرح حلال کرنا بھی خدا ہی کا کام ہے۔ پس وہ دعویٰ بخوبی ثابت ہو گیا جس کو میں نے شروع میں بیان کیا تھا کہ مباح کو مباح کرنا بھی ایک تصرف ہے اور دین کا تصرف جس طرح فرائض وواجبات ومحرمات میں ہوتا ہے اسی طرح مباحات میں بھی ہوتا ہے۔

حلال وحرام کہنے کا مطلب

اور لتفتروا علی اللّٰہ الکذب (تا کہ کذب کا اللہ تعالیٰ پر افترا کرو) سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کو بدون علم کے حرام وحلال کہنا خدا پر افترا کرنا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں اگر حلال وحرام کہنے کا مطلب یہ ہے کہ عند اللہ حلال یا حرام ہے حالانکہ حکم شرعی ہم

کو معلوم نہیں تب تو افتراء ہونا ظاہر ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ یہ چیزیں خود بخود حلال وحرام ہیں بدون خدا کے حلال وحرام کئے تب بھی جھوٹ ہے کیونکہ خود بخود کوئی چیز حلال وحرام نہیں ہوسکتی چنانچہ یہ ایسی بدیہی بات ہے کہ کفار بھی اس خیال کے قائل نہ تھے وہ بھی جن چیزوں کو حلال وحرام کہتے تھے ان کے متعلق یوں کہا کرتے تھے و اللہ امرنا بہا۔ (کہ خدا نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے) تو اتنی بات وہ بھی جانتے تھے کہ بدون خدا کے حکم کے حلت وحرمت کا ثبوت نہیں ہوسکتا۔

مسلمان دنیوی امور میں بھی خود مختار نہیں

مگر افسوس آجکل بعض مسلمان اس خیال کے ہوگئے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو دنیوی کاموں سے کیا تعلق ان میں ہم خود مختار ہیں جو چاہیں کریں گویا وہ امور دنیویہ کو خود بخود حلال سمجھتے ہیں۔ اس عقیدہ میں یہ لوگ کفار سے بھی دو قدم آگے بڑھ گئے۔ جیسے بعض کفار کی یہ حالت قرآن میں بیان کی گئی ہے کہ دریا میں سوار ہوکر جب طوفان میں مبتلا ہوتے ہیں تو خدا ہی کو پکارتے ہیں خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں پکارتے اپنے سب معبودوں کو اس وقت بھول جاتے ہیں مگر ہم نے بعض مسلمانوں کو جہاز میں دیکھا ہے کہ وہ طوفان کے وقت یا غوث اعظم یا علی وغیرہ کہتے ہیں۔ ان ظالموں کا شرک اس وقت بھی دور نہ ہوا جبکہ مشرکین کا شرک زائل ہوجاتا ہے۔ تو یہ ان سے بھی بڑھ گئے۔ اسی طرح جو لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ بعض چیزیں خود بخود حرام وحلال ہیں یا اپنی طرف سے ان کو حلال وحرام کہتے ہیں تو یہ خدا پر افتراء وکذب کرتے ہیں کیونکہ قاعدہ ہے الشیء اذا ثبت ثبت بلوازمہ (کوئی چیز جب ثابت ہوتی ہے تو اپنے لوازم کے ساتھ ثابت ہوتی ہے)۔ اور کسی چیز کو حلال وحرام ہونے کیلئے لازم ہے کہ خدا تعالیٰ اس کو حلال وحرام کریں اس لئے کہ حلت وحرمت حق تعالیٰ کا حق ہے تو جب اس نے خود کسی چیز کو بدون حکم خداوندی کے حلال وحرام کہا تو یہ شخص اس حق کو اپنے واسطے ثابت کرنا چاہتا ہے اور یہ بہت بڑا افتراء ہے کہ اپنے کو خدا کا شریک بنا رہا ہے اس میں جھوٹ کے ساتھ بے حیائی اور بے شرمی بھی ہے جیسے ایک شخص کسی نواب یا رئیس کا مال چرالائے اور یہ کہے کہ فلاں نواب صاحب نے یہ مجھ کو عطا کیا ہے اس نے جھوٹ تو بولا مگر

نمک حرامی نہیں کی اس چیز کو نواب صاحب ہی کی طرف منسوب کیا کہ یہ ان کی ہے مگر انہوں نے مجھے دے دی، اور ایک شخص چرا کر یہ کہے کہ یہ چیز میری ہے۔ یہ چور بھی ہے اور نمک حرام بھی پس آجکل جو مسلمان خود بخود بعض چیزوں کو حلال وحرام کرتے رہتے ہیں وہ دوسری صورت میں داخل ہیں جس سے پہلے زمانہ کے کافر بھی بچتے تھے وہ کسی چیز کو از خود حلال وحرام نہ کہتے تھے۔ بلکہ تحلیل وتحریم کا حق خدا ہی کیلئے مانتے تھے، ہاں ایک دعوی جھوٹا کیا کرتے تھے کہ **اللہ امرنا بھا** خدا نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے۔ **قل ان اللہ لایامر بالفحشاء**، کہ خدا تعالیٰ فحش و بے حیائی کا امر نہیں کیا کرتا اور جو کام تم کرتے ہو یہ فحش اور بے حیائی کے کام ہیں۔ یہ ہرگز خدا کی طرف سے ماموں ماذوں بہا نہیں ہو سکتے۔

تحلیل وتحریم صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے

غرض یہ بات ثابت ہوگئی کہ تحلیل وتحریم خدا کا کام ہے بدون خدا کے بتلائے ہم کسی مباح کو مباح بھی نہیں کہہ سکتے خواہ وہ عبادات میں سے ہو یا عادات میں سے۔ پس لوگوں کو یہ کہنا کہ آجکل مولویوں کا داڑھی رکھنے کو فرض کہنا تجارات ومعاملات میں دخل دینا کہ ناجائز اور حرام یہ جائز اور مباح ہے صحیح نہیں بالکل غلط ہے کیونکہ دین کا تعلق محض عبادات ہی سے نہیں ہے بلکہ وہ عادات میں بھی تصرف کرتا ہے اور ''**انتم اعلم بامور دنیاکم**'' تم اپنی دنیا کے کاموں کو مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ سے استدلال کا جواب ہو چکا ہے کہ علم اور تخییر میں فرق ہے اور تفسیر حدیث کی آگے آتی ہے سو اس حدیث میں یہ کہاں کہا گیا ہے کہ امور دنیا میں تم خود مختار ہو۔ بلکہ اس کے خلاف دلائل صحیحہ سے ثابت ہے کہ امور دنیا میں بھی ہم لوگ خود مختار نہیں ہیں بلکہ حکم شرعی کے پابند ہیں۔

امور دنیوی میں خود مختار نہ ہونے سے متعلق نص قرآنی

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارث کا پیغام نکاح زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے بھیجا۔ چونکہ حضرت زیدؓ لوگوں کی زبانوں پر غلام مشہور تھے واقع میں وہ غلام نہ تھے بلکہ شریف الاصل آزاد تھے لیکن بدوں نے ان کو کسی قافلہ سے پکڑ کر زبردستی غلام

بنالیا اور بیچ کر دیا تھا اس لئے وہ غلام کے لقب کے ساتھ بدنام ہو گئے۔ جیسے بعض قصبات میں بعض شریف قوموں کے کچھ القاب مشہور ہو جاتے ہیں پھر لوگ ان کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں۔ اسی طرح حضرت زید بھی بدنام ہو گئے تھے اس لئے حضرت زینب نے اور ان کے بھائی نے اس پیغام کی منظوری میں تامل کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی **وما کان لمؤمن ولامؤمنة اذا قضی الله ورسوله امرا ان یکون لهم الخیرة من امرهم**۔ اور کسی مسلمان مرد یا عورت کو یہ اختیار نہیں کہ جب خدا اور رسول اللہ ﷺ کسی بات کا فیصلہ فرما چکیں تو پھر ان کو اپنے معاملہ میں کوئی اختیار رہے۔ صاحبو! ظاہر ہے کہ پیغام نکاح کا منظور کرنا یا نہ کرنا عبادات میں سے نہیں ہے بلکہ یہ ضروریات زندگی میں سے ایک امر ہے جیسا کھانا پینا۔ پھر اس میں عورت اور اس کے اولیاء کی رضامندی بھی شرعاً وعرفاً ضروری ہے چنانچہ کفایت کا اعتبار خود شریعت نے کیا ہے لیکن باایں ہمہ اس واقعہ میں عتاب نازل ہوا کہ حضور ﷺ کی قطعی مرضی معلوم ہو جانے کے بعد مسلمانوں کو کچھ اختیار نہیں کہ وہ دنیوی امور میں بھی حضور ﷺ کی رائے کی مخالفت کریں۔ اگر دنیوی امور میں تخییر ہے تو یہ عتاب کیوں ہوا۔ اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب شریعت نے کفائت کا لحاظ خود ضروری سمجھا ہے تو حضرت زینب اور ان کے بھائی پر اس لحاظ سے عتاب کیوں ہوا جواب یہ ہے کہ حضرت زیدؓ واقع میں کفو تھے لیکن انہوں نے محض ظاہری شہرت کی بناء پر ان کو کفو نہیں سمجھا۔

نیز یہ بھی شبہ نہ کیا جائے کہ حضرت بریرہؓ کے واقعہ میں تو حضور ﷺ نے ان پر کچھ عتاب نہیں کیا حالانکہ انہوں نے مشورہ نبوی کی مخالفت کی تھی۔ یہاں حضور ﷺ کے مشورہ کے خلاف کرنے پر حضرت زینب اور ان کے بھائی پر کیوں عتاب ہوا۔ بات یہ ہے کہ واقعہ بریرہؓ میں حضور ﷺ نے کچھ فیصلہ نہیں فرمایا تھا محض مشورہ کا درجہ تھا۔ اور یہاں حضور ﷺ اپنے دل میں یہ بات طے فرما چکے تھے کہ زید کا نکاح زینب سے ہو جائے اور ان صحابیوں کو بھی قرائن سے اس کا علم ہو گیا تھا لہٰذا بعد معاملہ طے فرما دینے ان کو مخالفت کا حق نہ تھا اور اس کی دلیل خود قرآن کے الفاظ میں موجود ہے۔ **اذا قضی الله ورسوله امرا**۔ جب رسول اللہ ﷺ کسی بات کا فیصلہ کر دیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ

حضور ﷺ اپنی طرف سے اس معاملہ کو طے فرما چکے تھے۔ بہر حال اس واقعہ سے معلوم ہو گیا کہ دنیوی امور میں بھی شریعت کا تصرف جاری ہے اور مسلمانوں کو اس کی مخالفت کا حق نہیں۔ اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ ناتمام علم کافی نہیں۔ محض دو چار کتابیں پڑھنے سے انسان عالم نہیں ہو جاتا۔ آپ نے اس ناقص علم کی حالت دیکھ بھی لی کہ یہ لوگ انتم اعلم بامور دنیاکم (الصحیح لمسلم' الفضائل ۱۴۱' کنز العمال ۳۲۱۸۲)۔ تم دنیا کے کاموں کو زیادہ جانتے ہو۔ سے دنیوی امور میں تخیر کے قائل ہو گئے یہ نہ دیکھا کہ نصوص سے اس کی نفی ہو رہی ہے اس لئے یہ مطلب صحیح نہیں۔ آجکل ہر شخص اپنے کو عالم اور مجتہد سمجھتا ہے مگر جب محقق کے سامنے وہ جاتے ہیں اس وقت ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ہمارا علم سراسر جہل تھا اس لئے اپنے علم کو کسی محقق کے سامنے پیش کرو اگر وہ تصدیق کر دے تب اس کو صحیح سمجھو ورنہ وہ محض جہل ہے۔ صائب کہتے ہیں

بنمائے بصاحب نظرے گوہر خودرا ☆ عیسی نتواں گشت بتصدیق خرے چند

اپنے جوہر کسی صاحب نظر کو دکھلاؤ چند گدھوں کی تصدیق سے کوئی عیسی نہیں بن سکتا۔

صاحب نظر کون لوگ ہیں

چند احمقوں کے مولانا کہنے سے کوئی عالم اور مولانا نہیں ہو جاتا اس کے لئے کسی صاحب نظر کے پاس رہنے کی اور تصدیق کی ضرورت ہے۔ صاحب نظر کون لوگ ہیں یہ وہ کاملین ہیں جو شریعت و طریقت کے جامع ہیں ان کے پاس رہ کر دین سے ایک خاص ذوق حاصل ہوتا ہے۔ یہ ذوق محض کتابوں کے ترجمہ سے نہیں حاصل ہوتا بلکہ اس کا طریقہ صحبت کاملین ہی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں

قال بگذار مرد حال شو ☆ پیش مرد کاملے پامال شو

قال کو چھوڑ کر حال پیدا کرو یہ اس وقت ہو گا جب کسی اہل اللہ کے قدموں میں جا کر پڑ جاؤ۔ صاحبو! علماء کے اندر بھی سب محقق نہیں ہوتے بلکہ ان میں سے کوئی محقق ہوتا ہے ورنہ اکثر محض کتابی عالم ہوتے ہیں جن کو عبارتوں کا ترجمہ کرنا آتا ہے اور اب تو یہ حالت ہو گئی ہے کہ میزان پڑھنے والے کو بھی مولوی سمجھتے ہیں اور جو درسیاست سے فارغ ہو جائے وہ تو گویا

رجسٹری شدہ مولوی ہے حالانکہ علم صرف اسی کا نام نہیں بلکہ اس کے بعد ایک علم اور ہے اس کے بعد آدمی محقق ہوتا ہے علم اور دین کا ذوق اسی کو عطا ہوتا ہے۔ عارف فرماتے ہیں ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند ☆ نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

ہزار نکتہ باریک ترز مو اینجاست ☆ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

دلبری ہر وہ شخص نہیں جانتا جو چہرہ کو چمکا لے نہ ہر وہ شخص سکندری جانتا ہے جو اپنے پاس آئینہ رکھتا ہو یہاں بال سے بھی زیادہ باریک ہزاروں نکتے ہیں قلندری ہر وہ شخص نہیں جانتا جو اپنا سر منڈا لے۔

علم دین میں بھی تجربہ کی ضرورت مسلم ہے

تعجب ہے کہ ہر فن میں تجربہ کی ضرورت مسلم ہے ہر علم میں نو تعلیم یافتہ اور تجربہ کار میں فرق کیا جاتا ہے مثلاً نجار اور معمار اور طبیب وغیرہ جتنے پرانے تجربہ کار ہوں اسی قدر ان کی قدر زیادہ ہوتی ہے اور نو تعلیم یافتہ کو ان کے برابر ہرگز نہیں سمجھا جاتا حالانکہ کتابیں جتنی نئے طبیب نے پڑھی ہیں اتنی ہی پرانے طبیب نے پڑھی ہیں اور جو مسائل نجاری کے نئے نجار نے سیکھے ہیں وہی پرانے نے سیکھے ہیں مگر اس میں ایک بات زیادہ ہے یعنی تجربہ اس لئے اس کی قدر و منزلت زیادہ ہے مگر علم دین میں جو لوگ تجربہ کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے سب کو ایک ہی لکڑی ہانکتے ہیں۔ تو کیا ان کے نزدیک علوم حسیہ کے مسائل تو باریک باریک ہیں اور شریعت ہی کے مسئلے موٹے موٹے ہیں افسوس ان لوگوں کو شریعت کی حقیقت معلوم نہیں۔ دیکھئے طب کی کتابوں میں ہر مرض کی دوا لکھی ہوئی ہے جن کو دیکھ کر ہر شخص بتلا سکتا ہے کہ اس مرض کی یہ دوا ہے مگر طبیب کی ضرورت پھر بھی ہے کیونکہ یہ تشخیص کون کرے گا کہ اس شخص کو فلاں مرض ہے فلاں مرض نہیں اس کی تشخیص کیلئے اطباء کی خوشامد کی جاتی ہے ورنہ علاج کر دینا کیا مشکل ہے اسی طرح شریعت میں بھی تمام امراض روحانیہ کا علاج موجود ہے مگر طبیب روحانی کی ضرورت اس لئے ہے تاکہ یہ تشخیص ہو کہ آپ کے اندر مرض کیا ہے نیز جس طرح اطباء کو پہلے زمانہ کے نسخوں میں اجتہاد کرنا پڑتا ہے کیونکہ وہ آجکل

کے مزاجوں کے موافق نہیں ہیں اسی طرح اطباء روحانی کو بھی اس کی ضرورت پیش آتی ہے تو یہ کام ہر عالم تو نہیں کرسکتا یہ تو بڑا ہی تجربہ کار کرسکتا ہے۔ اگر نا تجربہ کار یہ کام کرنے لگے تو وہ ضرور مخلوق کو تباہ کرے گا۔

قانون الٰہی کو سمجھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں

چنانچہ ہماری طرف ایک طبیب ہیں جو باقاعدہ طب پڑھے ہوئے نہیں ہیں نہ کسی کے پاس رہ کر مطب کیا ہے لیکن وہ علاج کرتے ہیں اور علاج کا طریقہ یہ ہے کہ مریض سے کہہ دیتے ہیں کہ پہلے کسی ہوشیار طبیب سے مرض کی تشخیص کرالاؤ علاج میں کردوں گا۔ جب مریض کسی حکیم سے تشخیص کرالاتا ہے تو وہ کتاب دیکھ کر علاج کردیتے ہیں اگر کہیں مریض کو نقصان ہوا تو وہ یہ کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں کہ صاحب فلاں حکیم نے تشخیص میں غلطی کی ہوگی باقی میں نے تو اسی مرض کا علاج باقاعدہ کیا ہے جو انہوں نے تشخیص کیا تھا۔ بھلا یہ بھی کوئی جواب ہے جو شخص مرض کی تشخیص نہیں کرسکتا وہ علاج کیسے کرسکتا ہے۔ دوسرے کی تشخیص سے آپ کو مزاج کا درجہ اور تغیر اخلاط کی کیفیت کیسے معلوم ہو جائے گی اور جب یہ معلوم نہیں تو آپ نسخہ میں اس کی رعایت کیسے کریں گے جب اس کی رعایت نہ ہوگی تو مریض کو نفع کیسے ہوگا مگر آجکل ہر شخص مجتہد بنا ہوا ہے جو جی میں آتا ہے کرتے ہیں ذرا وہ صاحب مجھ سے ملیں تو میں ان کی خبر لوں گا کیونکہ وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور محبت تو بلا ہے جو اس کا دعوی کرے گا اس کے ساتھ تو ایسا ہی برتاؤ کیا جائے گا۔ ہاں کوئی محبت کا دعوی نہ کرے تو میں اس سے خاص خطاب نہیں کرتا عام خطاب میں سب کچھ کہہ دیتا ہوں۔ غرض آجکل ہر شخص مفسر و مترجم ہے اور ہر ایک شریعت میں رائے دیتا ہے۔ گویا شریعت کا سمجھنا تمام فنون سے آسان ہے حالانکہ یہ تو قانون الٰہی ہے جب دنیوی سلاطین کے قوانین کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا بلکہ خاص وکلاء اور بیرسٹر اور ہائی کورٹ کے جج ہی اس کو سمجھتے ہیں تو خدائی قانون کو ایسا کیا آسان سمجھ لیا ہے۔

دین کا رزق پیدا کرنے کی ضرورت

بہاولپور میں ایک شخص نے قرآن کا ترجمہ یاد کر رکھا تھا اور اس کو بڑا ناز تھا ترجمہ

قرآن کو خوب جانتا ہوں ایک مرتبہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے اس سے پوچھا کہ مدھامتن۔ کا کیا ترجمہ ہے، کہنے لگے بہت سیاہ، مولانا نے پوچھا بہت کا ہے کے معنی اور سیاہ کا ہے کے معنی تو آپ فرماتے ہیں مدہام کے معنی بہت اور متان کے معانی سیاہ پس کتابیں پڑھنا اور ہے اور علم سے مناسبت اور ہے چنانچہ انتم اعلم بامور دنیاکم (الصحیح لمسلم' الفضائل: ۱۴۱' کنز العمال: ۳۲۱۸۲)، تم دنیا کے کاموں کو زیادہ جانتے ہو۔ کے معنی میں بھی غلطی اسی وجہ سے کی گئی کہ محض ترجمہ حدیث کا یاد کر رکھا ہے فن سے مناسبت اور دین کا ذوق نہیں پیدا ہوا۔ دیکھئے خزانچی کو خزانہ کا حال بادشاہ سے زیادہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ سلاطین خزانہ کا حساب کتاب خود نہیں کیا کرتے پس اگر بادشاہ خزانچی سے کسی وقت یہ کہہ دے کہ بھائی خزانہ کا حال تم کو مجھ سے زیادہ معلوم ہے تو کیا اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ تم اس میں خود مختار بھی ہو کہ جس کو چاہو بانٹ دو، ہرگز نہیں۔ زیادہ جاننے سے خود مختار ہونا کیسے لازم آیا پس جس طرح خزانچی کو خزانہ کا حال بادشاہ سے زیادہ معلوم ہے مگر اسے خرچ کرنے کا اختیار نہیں وہ بدون اجازت شاہی کے کسی کو ایک حبہ بھی نہیں دے سکتا اسی طرح دنیا کے کاموں کو ہم انبیاء سے زیادہ جانتے ہیں کہ زراعت کیونکر ہوا کرتی ہے باغبانی کس طرح کیا کرتے ہیں کپڑے کیسے بنا کرتے ہیں مگر ان کاموں میں خود مختار نہیں ہیں کہ جس طرح چاہیں کرلیں۔ بلکہ جس کام کو انبیاء جائز کریں گے ہم اس کو کر سکتے ہیں اور جس سے منع کردیں اس کو چھوڑ دینا واجب ہے۔

دنیوی امور کے احکام شرعی حضور ﷺ سب سے زیادہ جانتے تھے

اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اس حدیث میں تو لفظ اعلم مطلق ہے جس کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں انتم اعلم باحکام امور دنیاکم ۔تم دنیوی کاموں کے احکام کو زیادہ جانتے ہو۔ اور یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں انتم اعلم بتدابیر امور دنیاکم. تم دنیوی کاموں کے طریقے خوب جانتے ہو۔ پس تم نے دوسرے معنی کو کس دلیل سے ترجیح دی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے دوسرے معنی کو اس لئے ترجیح دی ہے کہ دوسری احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ لوگ دنیوی کاموں کے احکام کو حضور ﷺ سے زیادہ نہیں جانتے۔

چنانچہ حضرت زینبؓ کے نکاح کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت احادیث اس قسم کی ملیں گی۔ دوسرے خود اس حدیث کے واقعہ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو مطلب میں بیان کیا ہے وہی صحیح ہے آپ نے فقط انہی الفاظ کو دیکھا ہے اس لئے اشکال پیدا ہوا اگر پوری حدیث کو دیکھتے تو شبہ نہ ہوتا۔ اور اکثر آیات واحادیث میں جہاں کسی کو اشکال ہوتا ہے اس کا سبب زیادہ تر یہی ہوتا ہے کہ اسکے سیاق وسباق میں غور نہیں کیا گیا اس لئے طلبہ کو چاہیئے کہ ہر آیت کو منفرداً نہ دیکھا کریں بلکہ اس کے ساتھ اس کے سیاق وسباق میں بھی غور کیا کریں تب انشاء اللہ تعالیٰ کوئی اشکال نہ ہوگا۔

بروز قیامت غلبہ حق

چنانچہ اس وقت مجھ کو ایک آیت یاد آئی اسمیں اکثر طلبہ کو اشکال ہوا کرتا ہے لیکن اسکا منشاء بھی سیاق میں نظر نہ کرنا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **ولن یجعل اللّٰہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا**، ترجمہ، آیت کا یہ ہے کہ اور حق تعالیٰ کافروں کو ہرگز مسلمانوں پر راہ نہ دے گا یعنی غالب نہ کرے گا۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ ہم تو دیکھتے ہیں بعض دفعہ کفار کو مسلمانوں پر غلبہ ہو جاتا ہے مگر ان صاحبوں نے اس سے پہلے جملے کو نہیں دیکھا، پوری آیت اس طرح ہے، **فاللّٰہ یحکم بینھم یوم القیمۃ ولن یجعل اللّٰہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا**. ترجمہ، پس خدا مسلمانوں میں اور کافروں میں قیامت کے دن فیصلہ فرمادیں گے۔ اور خدا تعالیٰ کافروں کو ہرگز مسلمانوں پر راہ نہ دے گا یعنی قیامت کے فیصلہ میں ہرگز ان کو غلبہ نہ ہوگا کیونکہ وہ ظہور حقائق کا وقت ہے اس وقت حق وباطل میں پورا امتیاز ہو جائے گا اس لئے وہاں حق ہی کو غلبہ ہوگا۔ باطل کو ہرگز غلبہ نہ ہوگا اور دنیا دار العمل ہے یہاں بطور امتحان کے کبھی باطل کو حق پر غلبہ ظاہر میں ہو سکتا ہے تو یہاں دنیوی سلطنت وحکومت سے کیا بحث جو یہ اشکال وارد ہو۔ دنیا میں کفار کے غلبہ کی نفی اس آیت سے کہاں مفہوم ہوتی ہے۔ پس قرآن وحدیث کو جب دیکھو پورے مضمون کو دیکھو ادھورا مضمون مت دیکھو۔ اشکال اسی سے وارد ہوتا ہے۔

تابیر کا مفہوم

پس سب سے پہلے اس حدیث کا واقعہ دیکھنا چاہیے وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو اہل مدینہ کو آپ نے دیکھا کہ وہ کھجوروں کی تابیر کرتے ہیں۔ تابیر اسے کہتے ہیں کہ نر کھجور کے پھولوں کو مادہ سے چھوا دیا جائے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت ہے کہ کھجور میں ایک نر ہوتا ہے اور ایک مادہ نر کے اوپر صرف پھول آتے ہیں پھل نہیں آتا، مادہ پر پھل بھی آتا ہے تو نر کے پھولوں کو مادہ کے اوپر سے چھوا کر گرا دیا جاتا ہے اس سے مادہ پر بہت پھل آتا ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو پھل کم آتا ہے، عجیب خدا کی قدرت ہے۔

نفخ جبرئیلؑ سے حضرت مریمؑ کا حمل

جب ایک مس گل میں یہ خاصیت ہے کہ اس سے مادہ بار آور ہو جاتی ہے تو اگر نفخ جبرئیل سے حضرت مریمؑ کو حمل رہ گیا تو کیا تعجب کی بات ہے ملحدوں کی عقل میں یہ بات نہیں آتی، اسلئے وہ اس واقعہ کے منکر ہیں اور انہوں نے یوسف نجار کو حضرت مریمؑ کا شوہر نکالا خیر ملحدوں پر تو تعجب نہیں کیونکہ وہ قدرت خداوندی کے قائل نہیں مگر افسوس یہ ہے بعض مسلمانان مدعی مفسریت نے جن کو مفسر کہنا ہرگز جائز نہیں اس واقعہ نفخ جبرئیل کا انکار کیا ہے اور یوسف نجار کو حضرت مریم کا شوہر مانا ہے جو نصوص قرآنیہ کے صریح خلاف ہے۔ ان لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جبرئیلؑ کی پھونک سے حمل کیونکر رہ گیا ان لوگوں کو تابیر سے سبق لینا چاہیے کہ نر کے پھول چھوانے سے مادہ کھجور کیونکر بار آور ہو جاتی ہے۔

غرض حضور ﷺ نے صحابہ کو تابیر سے نرم عنوان سے منع فرمایا کہ اگر تم یہ کام نہ کرو تو بہتر ہے۔ غالباً آپ کو ٹوٹکہ اور شگون کا احتمال ہوا کہ کہیں یہ عمل بطور شگون کے نہ کیا جاتا ہو۔ آپ کو یہ نہ معلوم تھا کہ اس میں یہ خاصیت فطرۃً رکھی ہوئی ہے اور کھجور پر زیادہ پھل آنے کا یہی طریقہ ہے۔ شاید کوئی یہاں یہ شبہ کرے کہ حضور ﷺ کو اتنی بات معلوم نہ تھی میں کہتا ہوں کہ ہاں ہم فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کو تابیر کی خاصیت معلوم نہ تھی کیونکہ آپ سائنس دان نہ تھے کہ جڑی بوٹیوں کی خاصیتیں اور باغبانی کا فن بھی

جانتے۔ آپ محض رسول و نبی ﷺ تھے آپ کے لئے یہی فخر ہے کہ آپ احکام الٰہی
اور طرق وصول الی اللہ کے جاننے والے تھے اور دنیا کی صنعتوں کو نہ جانتے تھے۔

علوم شرعیہ کے سامنے سائنس کی حقیقت

سائنس کی حقیقت علوم شرعیہ کے سامنے ایسی ہے جیسے پاخانہ کمانے کا فن کسی فن شریف کے سامنے ہے اب اگر ایک شخص کسی نواب کی تعریف میں یہ کہے کہ فلاں رئیس پاخانہ کمانے کے فن سے بھی ماہر ہیں اور دوسرا یہ کہے کہ وہ اس کام کو جانتے بھی نہیں ان کو اس سے مس بھی نہیں تو بتلایئے ان دونوں میں ادب والا کون ہے۔ پس جو لوگ حضور ﷺ کی تعریف میں یہ کہتے ہیں کہ آپ بڑے سائنس دان تھے وہ ایسے ہی گستاخ ہیں جیسے وہ شخص سائنس کو آپ سے ایسی ہی نسبت ہے جیسے اس فن کو کسی نواب سے پس حقیقت میں آپ کا ادب اور آپ کی تعظیم اسی میں ہے کہ ہم صاف صاف کہہ دیں کہ ہمارے رسول اللہ ﷺ محض رسول و نبی ﷺ تھے سائنس دان نہ تھے انبیاء تو ان کاموں سے منع کرتے ہیں کہ بلا ضرورت حقائق وخواص اشیاء عالم کے دریافت کرنے میں مشغول ہوں بلکہ اپنی آخرت کی اصلاح میں مشغول ہونا چاہیے۔

حدیث مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو ☆ کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

عشق ومحبت الٰہی کی باتیں کرو زمانہ کے اسرار کی جستجو ترک کرو کہ کسی نے بھی اس معمہ کو حکمت سے حل نہیں کیا نہ آئندہ کر سکے گا۔

اشرف العلوم اور ادنیٰ علم

راز دہر سے مراد زمانہ کے واقعات اور فنون طبعیہ ہیں جن میں خواص اشیاء وحقائق اجزاء عالم سے بحث کی جاتی ہے۔ فلاسفہ یونان خود اقرار کرتے ہیں کہ علوم طبعیہ تمام علوم میں ادنیٰ ہیں اور اشرف العلوم علم الٰہی ہے۔ پس انبیاء اشرف العلوم میں مشغول ہوتے ہیں ادنیٰ علم کے پیچھے نہیں پڑتے جس کو اصلاح آخرت میں کچھ بھی دخل نہیں۔ غور کیجئے ایک شخص محبوب سے ملنے گیا اسکے محبوب نے اپنی ملاقات کے لئے ایک خاص میعاد

مقرر کر رکھی ہے کہ جو شخص اسی میعاد میں میرے پاس آئے گا میں اسے ملوں گا اور جو میعاد کے بعد آئے گا اس سے نہ ملوں گا۔ راستہ میں محبوب کا شہر اور قلعہ پڑا اس نے نہ شہر کے بازاروں کی سیر کی نہ قلعہ کے محلات کی سیدھا محبوب کے پاس چلا گیا اور دوسرا شخص بھی اسی کی ملاقات میں پہنچا تو بازاروں کا بھاؤ تاؤ معلوم کرنے اور قلعہ کے پتھروں کی قیمت دریافت کرنے لگا کہ یہ کہاں سے آئے ہیں، کیونکر آئے ہیں کس نے تراشے ہیں پورے مکان کی کیا لاگت ہے یہاں تک کہ اسی حساب و کتاب میں ملاقات محبوب کی میعاد نکل گئی جب وقت گزر گیا تو آپ محبوب کے سامنے پہنچے اس نے فوراً کان پکڑوا کر دربار سے باہر نکال دیا بتلایئے ان دونوں میں آپ کسے عاقل کہیں گے یقیناً اسی شخص کو عاقل کہیں گے جس نے کسی چیز کی طرف لقاء محبوب سے پہلے توجہ نہیں کی۔

انبیاءؑ حقائق اشیاء عالم کے درپے نہیں ہوتے

اے صاحبو! اسی طرح حق تعالیٰ نے آپ کے لئے ایک میعاد مقرر کی ہے یعنی عمر عزیز پس جو شخص موت کے وقت تک حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرلے اسے تو وہ ملتے ہیں اور جو ساری عمر خرافات میں گزار دے اس سے وہ کبھی نہ ملیں گے پس جو عاشق ہوگا وہ خرافات میں ہرگز نہ پڑے گا اسی لئے انبیاءؑ کبھی حقائق اشیاء عالم کے درپے نہیں ہوئے نہ انہوں نے اپنی امت کو اس کی تعلیم دی ہے بلکہ اس میں انہماک سے منع فرمایا ہے پس حضور ﷺ کا طریقہ تابیر کو نہ جاننا کوئی نقص نہیں ہے غرض آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر تم یہ نہ کرو تو اچھا ہے۔

حضرات صحابہؓ کا عشق رسول اللہ ﷺ

صحابہؓ تو حضور ﷺ کے عاشق تھے فوراً چھوڑ دیا۔ صحابہؓ ایسے جاں نثار تھے کہ جب حضور ﷺ کی مرضی کسی امر کے متعلق ان کو معلوم ہو جاتی فوراً اس کی تعمیل کرتے تھے نفع ونقصان کی ذرا پرواہ نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ایک صحابی کے مکان کی طرف گزرے حدیث میں آتا ہے فرأى قبة مشرفة، کہ حضور ﷺ نے وہاں کوئی قبہ بلند دیکھا، دریافت فرمایا کہ یہ مکان کس کا ہے صحابہؓ نے بتلا دیا کہ فلاں صحابی کا ہے بس

اتنی بات ہوئی تھوڑی دیر میں وہ صحابی حاضر خدمت ہوئے تو حضور ﷺ نے منہ پھیرلیا، انہیں یہ کہاں گوارہ تھا کہ حضور ﷺ کا رخ پھرا ہوا دیکھیں بس بے تاب ہو گئے کسی نے خوب کہا ہے

از فراق تلخ مے گوئی سخن ہر چہ خواہی کن ولیکن ایں مکن

فراق کی باتیں کرتے ہو اور جو چاہو سو کرو مگر یہ نہ کرو۔

صحابہ سے دریافت کیا کہ آج حضور ﷺ کا رخ مجھ سے پھرا ہوا کیوں ہے کہ ہم کو اور تو کچھ معلوم نہیں البتہ آج حضور ﷺ تمہارے مکان کی طرف گزرے تھے بلند قبہ دیکھ کر دریافت فرمایا تھا کہ یہ کس کا گھر ہے۔ بس اگر حضور ﷺ کو وہ بلند قبہ نا گوار ہوا ہو تو ممکن ہے۔ باقی اور کوئی بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی وہ بھی ایسے عاشق تھے کہ یہ بھی تحقیق نہ کیا کہ یہ سبب واقعی ہے یا محض احتمال ہی احتمال ہے اس وہم پر کہ اس قبہ ہی سے شاید آپ کو نا گواری ہوئی ہو فوراً جا کر اسے ڈھا دیا۔

بہر چہ از دوست دامانی چہ کفر آں حرف وچہ ایماں

بہر چہ از یار دور افتی چہ زشت آں نقش وچہ زیبا

یعنی جس چیز کی وجہ سے محبوب سے دوری ہو وہ قابل ترک ہے خواہ وہ کچھ ہی ہو۔ اس کے چند روز بعد پھر آپ کا گزر اس مکان کی طرف ہوا تو آپ نے وہ قبہ نہ دیکھا دریافت فرمایا کہ یہاں ایک بلند قبہ تھا اب کیا ہوا صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس کے مالک کو آپ ﷺ کی نا گواری کا احتمال ہوا اس لئے ڈھا دیا۔

حضرات صحابہؓ کا خلوص

سبحان اللہ خلوص اس کا نام ہے کہ مکان کو ڈھا کر حضور ﷺ کو اطلاع بھی نہیں کی کہ میں نے آپ کی رضا کیلئے یہ کام کیا ہے آجکل لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اگر شیخ ان کو کسی ایسی بات کا حکم کرے جس میں بظاہر ان کا دنیوی ضرر ہوتا ہو گو آخرت کا نفع ہی نفع ہو تو اول تو دنیوی ضرر کو گوارا کرنے والے ہی کم ہیں اور جو ہیں بھی وہ دس مرتبہ شیخ کو آ کر سناتے ہیں کہ ہم نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کر دی جس میں در پردہ شیخ پر احسان رکھنا ہوتا ہے۔ غرض

صحابہ نے تابیر کو اس سال چھوڑ دیا تو اس مرتبہ پھل کم آئے۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ اس سال پھل کم کیوں آئے معلوم ہوا کہ تابیر نہ کرنے سے ایسا ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا تابیر کرلیا کرو اس وقت آپ نے یہ بھی فرمایا انتم اعلم باموردنیاکم (**الصحیح لمسلم، الفضائل: ۱۴۱، کنز العمال ۳۲۱۸۲**) تم دنیا کے کاموں کو زیادہ جانتے ہو۔ اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ دنیوی کاموں کا طریقہ اور اسباب کے خواص تم زیادہ جانتے ہو یعنی مجھے اس خاصیت کی اطلاع نہ تھی۔ اور یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ دنیوی کاموں کے احکام میں تم خود مختار ہو۔ اگر یہ مطلب ہوتا تو آپ پہلے ہی سے منع کیوں فرماتے آپ نے ممانعت اسلئے کی ٹوٹکہ اور شگون کا آپ کو شبہ ہوا تھا جب یہ احتمال رفع ہو گیا اور معلوم ہوا کہ تابیر میں یہ خاصیت فطری ہے اس وقت آپ نے اجازت دے دی۔

تابیر کی خاصیت فطری امور دنیوی سے بے خبری نقص نبوت نہیں

باقی اس ارشاد کی حکمت کیا ہے سو میرے دل میں یہ بات القا ہوئی ہے کہ اس خاصیت کے معلوم نہ ہونے سے شاید کسی کو نبوت میں شبہ ہو جاتا کہ آپ کو اتنی بھی خبر نہیں اس لئے حضور ﷺ نے یہ بتلا دیا کہ یہ نہ جاننا کوئی نقص نہیں ہے کیونکہ ہم دین کے واسطے آئے ہیں، دنیا کے کاموں کا طریقہ جاننا نبوت کیلئے ضروری نہیں۔ اور ان کا نہ جاننا نبوت میں نقص نہیں۔ آجکل تو پیری کے واسطے بھی لوگ علم محیط کو لازم سمجھتے ہیں اور بعض لوگ حضور ﷺ کے واسطے علم محیط کے قائل ہو گئے ہیں اب وہ لوگ دیکھیں کہ یہ حدیث کیا بتلا رہی ہے اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ نبوت کیلئے علم محیط ضروری نہیں۔ البتہ جو علوم لوازم نبوت سے ہیں یعنی علوم ضروریہ دینیہ ان کا حصول لازم ہے۔

مباحات میں شریعت کو تصرف کا پورا اختیار ہے

غرض یہ ثابت ہو گیا کہ مباحات میں بھی شریعت کو تصرف کا اختیار ہے چنانچہ اسی بنا پر ارشاد ہے واتوا البیوت من ابوابھا، کہ گھروں میں دروازہ سے آیا کرو۔ ظاہر ہے کہ یہ امر عبادات کے متعلق نہیں بلکہ عادات کے متعلق ہے اور اس میں یہ تصرف کیا کہ

بدون حکم شرعی کے کسی عادت کو ناجائز اور کسی کو باعث ثواب نہ سمجھو۔ اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انتظام بھی مطلوب شرعی ہے ہر کام میں خواہ دینی کام میں ہو یا دنیوی۔ چنانچہ گھر میں پیچھے سے آنا خلاف انتظام ہے۔ اس سے منع کیا گیا ہے اور دروازہ سے آنے کا امر فرمایا گیا۔ اس میں رعایت انتظام کی تاکید ہے مگر ایک تاویل پر تو قاعدہ کلیہ کے طور پر یہ تعلیم کی گئی ہے وہ تاویل یہ کہ واتوا البیوت من ابوابھا کہ گھروں میں دروازہ سے آیا کرو۔ میں بیوت عام ہو مقاصد کو اور ابواب عام ہو ان طرق کو جو ہر کام کیلئے مقرر ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ سب کاموں کو ان کے طریقوں سے کیا کرو۔ اس میں گھروں میں دروازوں سے آنا بھی داخل ہے۔ اور ایک تاویل پر بطور قیاس کے اس پر دلالت ہوگی کہ جس طرح بیت میں باب سے داخل ہونا ایک انتظام ہے اسی طرح ہر مقصود میں اس کے طریق سے داخل ہونا ایک انتظام ہے۔

ایک بزرگ نے اس مضمون کو وقدر فی السرد، (کڑیوں کے جوڑنے میں اندازے کا لحاظ رکھا کرو) سے اخذ کیا ہے۔

ہر امر میں انتظام مطلوب ہے

حق تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کو حکم فرمایا تھا کہ تم زرہ بنایا کرو مگر اس کے ساتھ یہ بھی تعلیم فرمائی، وقدر فی السرد۔ کڑیوں کے جوڑنے میں اندازے کا لحاظ رکھا کرو کہ سب متناسب اور متناسق ہوں یہ نہ ہو کہ ایک بڑی اور ایک چھوٹی ہو جائے اس سے معلوم ہوا کہ انتظام مطلوب ہے ہر امر میں حتیٰ کہ دنیا کے کاموں میں بھی مگر اتنا فرق کہ دنیا کے کاموں میں انتظام مطلوب بالذات نہیں ہے کہیں آپ دنیا ہی کو قبلہ و کعبہ بنالیں بلکہ مقصود بالذات دین کے کاموں میں انتظام ہے۔ لیکن جب تک ہر کام میں انتظام کی عادت نہیں ہوتی اس وقت تک دنیا کے کاموں میں بھی انتظام نہیں ہوتا اس لئے دنیا کے کاموں میں اس واسطہ سے انتظام مطلوب ہو گیا۔ بعض لوگ تو فطرتاً منتظم ہوتے ہیں وہ دنیا اور دین دونوں کے کام انتظام اور اصول کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور بعض لوگ فطرۃً غیر منتظم ہوتے ہیں ان کو بتکلف

انتظام کا عادی بننا چاہیے ہر کام کیلئے وقت مقرر کر لینا چاہیے اور وقت پر ایک کام سے فارغ ہو کر دوسرا کام کرنا چاہیے۔ جب آدمی اعتدال سے ہر کام کرتا ہے تو شدہ شدہ انتظام پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر اس کا دین بھی منتظم ہوتا ہے۔ پس دنیا کے کاموں میں اس کی ضرورت ہے جس کی طبیعت میں انتظام نہیں ہوتا وہ دین کے کاموں میں بھی بے ڈھنگا ہوتا ہے۔

اولیاء اللہ کی طبیعتوں میں بڑا انتظام ہے

حضرات صوفیہ کو اس کا بڑا انتظام ہے حضرت سلطان نظام الدینؒ کے یہاں دو شخص بیعت کے واسطے آئے آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے یہاں کا حوض اس مسجد کے حوض سے بہت بڑا ہے۔ سلطان جی نے سن لیا پوچھا کتنا بڑا ہے کہنے لگے یہ تو معلوم نہیں سلطان جی نے فرمایا کہ جاؤ ناپ کر آؤ۔ بے چارے مرتے کھپتے گئے اور جا کر ناپا تو ایک بالشت بڑا نکلا۔ بڑے خوش ہوئے کہ ہماری بات سچی رہی۔ مہینہ بھر کے بعد حاضر خدمت ہوئے تو سلطان جی نے پوچھا کہ حوض کو ناپ آئے کہا حضور ہاں، فرمایا کتنا بڑا ہے بتلایا ایک بالشت بڑا ہے۔ سلطان جی نے فرمایا کہ تم تو یوں کہتے تھے کہ ہمارا حوض بہت بڑا ہے۔ ایک بالشت بڑے کو بہت بڑا نہیں کہہ سکتے تم میں تحقیق و انتظام کا مادہ نہیں ہے جاؤ تمہاری ہم سے موافقت نہ ہوگی ہم بیعت نہ کریں گے۔ اسی طرح ایک بزرگ کا معمول تھا کہ جب کوئی طالب انکے یہاں آتا تو روٹی اور سالن معمولی خوراک سے مگر باہمی تناسب کی رعایت سے اس کے آگے بھیجتے کھانا بچنے کے بعد پھر دیکھتے سو اگر وہ مناسب انداز سے روٹی سالن چھوڑتا تب تو بیعت کر لیتے اور اگر سالن ختم کر دیا روٹی چھوڑ دی یا روٹی ختم کر گیا اور سالن چھوڑ دیا یا دونوں چیزیں چھوڑیں مگر مناسب انداز سے نہیں بلکہ روٹیاں دو ہیں تو سالن ایک ہی روٹی کا ہے یا برعکس تو اسے بیعت نہ فرماتے تھے اور کہہ دیتے کہ تمہارے اندر سلیقہ اور انتظام نہیں ہمارا تمہارا نباہ نہ ہوگا۔ اگر آج کل کوئی شیخ ایسا برتاؤ کرے تو اس کو بدمزاج کہتے ہیں بھلا ان ناقدروں سے کیا توقع کی جائے۔

اسم اعظم کی نگہداشت اور اس کے حقوق

ایک بزرگ سے ایک شخص نے اسم اعظم کی درخواست کی تھی، انہوں نے کہا کہ

تمہارے اندر چھچھورا پن ہے تم سے ضبط نہ ہوگا ظاہر کردو گے اس لئے تم اس کے قابل نہیں وہ کہنے لگا کہ حضور اب سے میں ضبط سے کام لیا کروں گا اور چھچھورا پن چھوڑ دوں گا۔ خاموش ہو گئے ایک دن انہوں نے ایک پیالہ سر پوش سے ڈھک کر دیا کہ فلاں بزرگ کو دے آؤ مگر کھول کر مت دیکھنا وہ لے کر چلا تھوڑی دیر تو اپنے نفس کو دبایا بہت ضبط کیا مگر پھر یہ خیال غالب ہوا کہ ایک نظر سے دیکھ لینے میں کیا حرج ہے معلوم تو کرنا چاہیے اس میں کیا ہے آخر نہ رہا گیا اور سر پوش کھول کر دیکھا پیالہ میں سے ایک چوہا پھدک کر نکلا اور بھاگ گیا۔ اب یہ بڑے پریشان کہ اب کیا جواب دوں گا مگر ساتھ ہی یہ حیرت کہ یہ معاملہ کیا ہے کیا شیخ نے میری ساتھ ہنسی کی ہے یا ان بزرگ کے ساتھ مذاق کیا ہے۔ آخر کار خالی پیالہ لیکر بزرگ صاحب کے پاس پہنچے کہ مجھے فلاں صاحب نے یہ پیالہ دیکر بھیجا تھا اور سارا واقعہ بیان کیا کہ مجھے حضرت نے منع کر دیا تھا کہ پیالہ کو کھولنا مت۔ میں نے اسے راستہ میں کھول کر دیکھ لیا مجھ سے رہا نہ گیا تو اس میں سے ایک چوہا نکل کر بھاگ گیا، اب میں شرمندہ بھی ہوں اور متحیر بھی۔ ان بزرگ نے پوچھا کہ کیا تم نے اپنے شیخ سے کوئی درخواست کی تھی، کہا ہاں میں نے اسم اعظم کی درخواست کی تھی، مگر انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ تمہارے اندر چھچھورا پن ہے میں نے وعدہ کیا تھا کہ اب ضبط سے کام لیا کروں گا۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ یہ واقعہ تمہارے اسی دعوی کا جواب ہے کہ تم سے ایک چوہے کی نگہبانی تو ہو نہ سکی تم اسم اعظم کی نگہداشت اور اس کے حقوق کی رعایت کیسے کرو گے۔ وہ بیچارہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

اہل اللہ کے واقعات نازک مزاجی

صاحبو! یہ حضرات اہل اللہ بڑے سمجھدار ہوتے ہیں اور نازک مزاج بھی بہت ہوتے ہیں لوگوں نے بعض سلاطین کو نازک مزاج سمجھ رکھا ہے مگر وہ اہل اللہ کے سامنے کیا چیز ہیں ہم نے بزرگوں کا مشاہدہ کیا ہے تم نے مشاہدہ نہ کیا ہو تو تکذیب کر سکتے ہو۔ اہل اللہ میں ذکر کی وجہ سے بہت لطافت آجاتی ہے۔ اس لئے ان کا مزاج بہت لطیف و نازک ہو جاتا ہے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ ایک مرتبہ صبح کو سو کر اٹھے۔ تو آنکھوں میں سرخی

تھی لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ رات سردی لگی اس لیے نیند نہ آئی، ایک مریدنی ضعیفہ حاضر تھی حاضرین سے کہا کہ کوئی صاحب فکر نہ کریں اس کا اہتمام میں کروں گی، چنانچہ اٹھ کر گئی اور دن بھر میں ایک دولائی تیار کر کے رات کو لائی آپ اس وقت لیٹ گئے تھے، فرمایا میرے اوپر ڈال دوو ہ ڈال کر چلی گئی۔ صبح کو پھر آنکھیں سرخ تھیں۔ لوگوں نے وجہ پوچھی، فرمایا رات سردی تو نہیں لگی مگر نیند پھر بھی نہ آئی کیونکہ دولائی میں تگندے ٹیڑھے پڑے ہوئے تھے، اس سے طبیعت کو بار بار الجھن ہوئی تھی، بھلا ایسا ادراک کہیں سلاطین کا بھی ہوا ہے کہ دولائی اوڑھ کر اندھیرے میں تگندوں کا ٹیڑھا ہونا معلوم ہو جائے

ہمارے استاد (مولانا محمد یعقوب صاحبؒ) کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ نانوتہ سے کہیں جانے والے تھے۔ مولانا کی سواری کیلئے چھکڑا لایا گیا یہ تو سادگی تھی یہ حضرات لطیف المزاج ہونے کے ساتھ سادے بھی ہوتے ہیں۔ تصنع اور تکلف کا نام لطافت نہیں ہے یہ حضرات سادے تو غریبوں سے زیادہ تھے اور لطیف المزاج بادشاہوں سے زیادہ۔ چنانچہ یہ تو سادگی تھی کہ سواری کیلئے چھکڑا آیا اس کے بعد جو مولانا کا اسباب آیا تو رزائی اس طرح تہ کی ہوئی تھی کہ ابرہ اوپر اور استر اندر کسی نے یہ سمجھ کر کہ غلطی سے اس طرح طے ہوگئی استر اوپر کر دیا اور ابرہ اندر۔ کیونکہ عموماً ابرہ کی حفاظت زیادہ کی جاتی ہے کہیں میلا نہ ہو جائے۔ مولانا نے جو آکر دیکھا فرمایا یہ کون عقلمند ہیں جنہوں نے استر اوپر کر دیا، ان متصرف صاحب نے عرض کیا حضرت طریقہ اس کا یہی ہے تاکہ ابرہ گردآلود نہ ہو جائے۔ فرمایا خوب سمجھے جب سارا گرد وغبار استر پر پڑیگا تو رات کو اوڑھتے وقت وہ ہمارے دماغ میں نہ پہنچے گا ابرہ کو اوپر کرو۔ اس پر اگر گرد پڑے گی تو بہت سے بہت دیکھنے میں برا معلوم ہوگا مگر ہمارا دماغ تو گرد سے محفوظ رہے گا تم نے ہمارے دماغ سے زیادہ ابرہ کی حفاظت کی۔ اس وقت معلوم ہوا کہ حقیقت میں حکماء یہ لوگ ہیں اور لطافت ان کے اندر ہے رؤسا، اور نوابوں کو تو محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ اہل اللہ سے زیادہ سلیقہ دنیا والوں کو بھی نہیں ہوتا گو ان حضرات کو تجربہ نہ ہو تجربہ اور چیز ہے سلیقہ اور چیز ہے۔ میں نے یہ اس واسطے کہہ دیا کہ کہیں آپ چارپائی بننے کے لئے ان کو نہ دیدیں کہ ہم نے

سنا تھا اہل اللہ کو دنیا والوں سے زیادہ سلیقہ ہر کام کا ہوتا ہے پس چار پائی خوب بنیں گے۔
تو صاحبو! اہل اللہ کو سلیقہ ہر کام کا ہوتا ہے مگر تجربہ نہیں ہوتا اور بعض کاموں کے لئے سلیقہ کافی نہیں ہوتا بلکہ تجربہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

بجنور میں ایک شخص نے ایک عالم کارد لکھا لوگوں نے اسے کہا کہ تم تو جاہل ہو تم نے مولوی صاحب کارد کیا خوب لکھا ہوگا وہ کہنے لگا کہ میں نے فارسی پڑھی ہے اور اس سے سب کچھ آجاتا ہے۔ تو اس شخص نے چار پائی اس کے حوالہ کی کہ ذرا اس کو بھی بن دو اس نے کہا کہ یہ کام تو مجھے نہیں آتا، وہ بولا کہ بس اس برتہ پر دعوی کرتے ہو کہ فارسی سے سب کچھ آجاتا ہے۔ تو مجھے ڈر ہے کہ میرے کلام کے بھی کہیں یہی معانی نہ سمجھے جائیں اس لئے میں نے بتلا دیا کہ تجربہ اور چیز ہے سلیقہ اور ہے۔ علماء طلبہ کو واقعی تجربہ دنیا کے کاموں کا نہیں ہوتا جس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان کو کاموں کی نوبت کم آتی ہے۔

چند فضول سوالات

کانپور میں ایک عربی خواں طالب علم سے ایک انگریزی خواں نے سوال کیا کہ بتلاؤ ثوابت کی شمار کیا ہے انہوں نے کہا کہ مرصودہ کا عدد تو لکھا ہے کہ ایک ہزار بائیس ہیں مگر غیر مرصودہ معلوم نہیں وہ بولا بس یہی ریاضی پڑھی ہے۔ اس نے سائل سے یہ سوال کیا کہ اچھا آپ بتلا دیں کہ سمندر میں مچھلیاں کتنی ہیں اور یہ سوال زمین کا ہے اور آپ کا سوال آسمان کا ہے پہلے آپ زمین کا حال بتلا دیں تو میں بھی آسمان کا حال بتلا دوں گا۔ اب وہ خاموش ہیں طالب علم نے کہا بس یہی جغرافیہ پڑھا ہے آج کل یہ بھی ایک مرض ہے کہ مولویوں سے اینڈے بینڈے سوالات کرتے ہیں اور اگر ان سے جواب نہ آئے تو ان کے علم پر اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے کیا خاک پڑھا ہے اتنی بات کا تو جواب نہ دے سکے۔ سبحان اللہ اسی لیے علماء نے پڑھا لکھا ہے کہ آپ کے واہیات سوالات کو حل کیا کریں ان سے احادیث و آیات کا مطلب پوچھو مسائل و احکام واقعات کا جواب لو الغرض دنیا کے کاموں کا تجربہ تو ان کو ضروری نہیں مگر سلیقہ اور تہذیب اور انتظام ان میں اس قدر ہوتا ہے کہ

واللہ اہل دنیا کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی جس کا امتحان اس طرح ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص ان کے پاس تھوڑے دن رہ کر دیکھ لے اور وہ شخص ایسا ہو جس کو اپنے مہذب اور سلیقہ دار اور منتظم ہونے کا دعوی ہو اور اپنے کو بڑا عاقل سمجھتا ہو ان شاء اللہ تعالی وہ اپنے کو بے وقوف کہہ کر نہ اٹھے تو کوئی بات نہیں تھوڑے ہی عرصہ میں اس کو اپنی تہذیب کا بدتہذیبی ہونا اور اپنے انتظام کا غلط ہونا مشاہدہ ہو جائے گا۔

سائنس کی تحقیقات کے فضول ہونے کا نص سے ثبوت

تمہید میں وقت زیادہ گزر گیا اب میں مقصود کی طرف عود کرتا ہوں میں نے شروع میں کہا تھا اور پھر عنقریب ہی ضمناً بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا تھا کہ اس آیت کے دو محل ہوسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا تعلق خاص رسم جاہلیت سے ہو جو حج کے متعلق تھی اور اس صورت میں ماقبل سے اس کا ارتباط ظاہر ہے کہ اوپر فوائد ہلال میں حج کا ذکر تھا اور اس اسم کا تعلق بھی حج سے ہے۔ دوسرا محل یہ کہ بطریق استعارہ کے اس میں مطلقاً ہر فعل کو صحیح طریق سے کرنے کی تعلیم ہو اور اس صورت میں ربط کے متعلق سوال ہوتا ہے کہ اس سے پہلے۔

یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی مواقیت للناس والحج۔ (لوگ آپ سے چاند کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اس کا گھٹنا بڑھنا لوگوں کے کاروبار اور حج کے اوقات کے لئے ہے)۔ مذکور ہے تو اس سے ولیس البر بان تاتوا البیوت۔ (یہ کوئی نیک کام نہیں ہے گھروں میں تم پچھواڑوں سے آؤ) کو کیا ربط ہے۔ سو وہ ربط یہ ہے کہ ماقبل میں چاند کے متعلق یہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ صحابہؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ چاند کے گھٹنے بڑھنے کی کیا وجہ ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں وجہ اور علت نہیں بیان کی گئی بلکہ حکمت بتلا دی گئی۔ اس سے سائنس دانی کا فضول ہونا یقیناً ثابت ہوگیا۔ پہلے حافظؒ کے شعر سے اس کا فضول ہونا معلوم ہوا تھا اب خود قرآن سے معلوم ہوگیا۔ فرماتے ہیں کہ لوگ چاند کے گھٹنے بڑھنے کے متعلق آپ سے سوال کرتے ہیں کہ اس کی علت کیا ہے تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ چنانچہ اس سے

لوگوں کو اپنے کاروبار کیلئے وقت کا اندازہ ہوتا ہے (یہ تو دنیوی نفع ہے) اور حج وغیرہ کے اوقات معلوم ہوتے ہیں یہ دینی نفع ہے۔ تو علت کو چھوڑ کر حکمت بتلانے میں اس پر تنبیہ کردی گئی کہ علت کا دریافت کرنا فضول ہے۔ حکمت کو معلوم کرنا چاہیے اس کے بعد ارشاد ہے ولیس البر بان تاتوا لبیوت من ظھورھا۔ اور گھروں میں پشت کی طرف سے آنا کچھ نیک کام نہیں بلکہ نیک کام تقوی کا اختیار کرنا ہے۔ پس اس کا تعلق سابق سے یہ ہوا کہ سوال برمحل ہے اور بے محل کی مثال ایسی ہے جیسے گھر میں دروازہ سے داخل ہونا اور پشت کی طرف سے داخل ہونا۔ پس جس طرح گھر میں بغیر دروازہ کے آنا برا ہے اسی طرح سوال بے محل بھی برا ہے آگے فرماتے ہیں واتواالبیوت من ابوابھا۔ اور گھروں میں دروازہ سے آیا کرو۔ یعنی سوالات بھی برمحل کیا کرو بے محل سوال نہ کیا کرو۔ پس اس صورت میں واتواالبیوت من ابوابھا۔ اور گھروں میں دروازہ سے آیا کرو۔ حکم عام ہوگا اس کو خاص اس واقعہ ہی سے تعلق نہیں ہوگا جو اہل جاہلیت میں رائج تھا کہ وہ حالت احرام میں دروازہ سے گھر میں آنا برا سمجھتے تھے بلکہ ایک عام قاعدہ کا بیان ہوگا کہ ہر کام کو اس کے طریقہ سے کیا کرو جس میں وہ واقعہ بھی داخل ہوگیا اور تبعاً اس کا حکم بھی معلوم ہوگیا کہ احرام میں غیر دروازہ سے آنا نیک کام نہیں پس پہلی تفسیر پر تو واتواالبیوت من ابوابھا۔ اور گھروں میں دروازہ سے داخل ہوا کرو۔ میں اہل جاہلیت کے خاص فعل کا حکم مذکور تھا اور دوسری تفسیر پر یہ حکم عام ہوگا اور میرا مقصود جس کو اس وقت بیان کرنا منظور ہے اس دوسری تفسیر پر تو آیت کا مدلول بلاواسطہ ہے۔

ہر بے موقع فعل مذموم ہے

پہلے تفسیر پر چونکہ بواسطہ قیاس اس سے مستنبط ہوتا ہے اس لئے مدلول بواسطہ اور وجہ قیاس ظاہر ہے کہ اتیان بیوت من الظھور۔ مکانوں میں پشت سے آنا۔ ایک بے موقع فعل ہے اس لئے مذموم ہے پس ہر فعل بے موقع مذموم ہوگا اب مستدل کو اختیار ہے کہ جس تفسیر سے چاہے مقصود کو ثابت کردے۔ ایک گودام بھرا ہوا ہے ہم کو اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہیں کھانا شروع کردیں۔ مصری کی ڈلی ہے جدھر سے چاہو منہ مارلو۔ الغرض

دونوں صورتوں میں باختلاف توجیہ آیت سے مستفاد ہوا کہ بے طریقہ اور بے محل اور خلاف قاعدہ کام مت کرو بلکہ ہر کام کو اس کے طریقہ سے کرو اور دنیا کے معاملات میں تو سب لوگ اس قاعدہ کو تسلیم کرتے ہیں مگر مجھ کو یہ بتلانا ہے کہ دین کے بارہ میں لوگ اس قاعدہ کو بالکل چھوڑے ہوئے ہیں چنانچہ آجکل دیکھا جاتا ہے کہ اول تو لوگوں کو دین پر توجہ ہی نہیں حتیٰ کہ بعض لوگ دین کو مانع ترقی سمجھتے ہیں اس لئے اس سے آزاد ہونے کی رائے دیتے ہیں ان لوگوں سے تو مجھ کو خطاب نہیں نہ یہ قابل خطاب ہیں۔

حصول دنیا کی خاطر دین پر توجیہ مذموم ہے

اس وقت مسلمانوں کو خطاب ہو رہا ہے بددینوں کو خطاب نہیں ہو رہا ہے اور یہ لوگ مسلمان نہیں بددین ہیں اس لئے ان لوگوں کی میں شکایت نہیں کرتا کیونکہ شکایت اپنوں کی ہوا کرتی ہے غیروں سے کیا شکایت مجھے اصلی شکایت ان لوگوں سے ہے جو واقع میں مسلمان ہیں اور ان کو دین پر توجہ بھی ہے اور وہ دین پر توجہ کرنے کو ضروری بھی سمجھتے ہیں ان کی یہ شکایت ہے کہ یہ لوگ بھی دین کو اس کے طریقہ سے حاصل کرنا نہیں چاہتے بے قاعدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں چنانچہ بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ دین پر دنیا کے لئے توجہ کرتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں، تہجد کو اٹھتے ہیں، وظیفے پڑھتے ہیں اور مقصود یہ ہے کہ اسی ذریعہ سے ہمارے مقدمات میں آسانی ہو جائے ہم کو رزق میں فراخی حاصل ہو کیونکہ کسی مولوی سے سن لیا تھا کہ گناہوں سے روزی میں تنگی ہو جاتی ہے۔ مصائب نازل ہوتے ہیں تو یہ لوگ محض اسی غرض سے دین دار بنے ہوئے ہیں کہ دنیا کے کام چلتے رہیں۔ جیسے ایک گنوار سے کسی مولوی صاحب نے کہا تھا کہ تو نماز کیوں نہیں پڑھتا۔ اس نے کہا کہ نماز سے مجھے کیا ملے گا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ چالیس دن کے بعد تجھے ایک بھینس دوں گا اس نے نماز شروع کر دی اور دن گننے لگا گویا بھینس ہی میں فنا ہو گیا اسی سے اس کی حالت معلوم ہو گئی کہ اس کو نماز مقصود نہ تھی۔ جب چالیس دن پورے ہو گئے تو مولوی صاحب کے پاس گیا کہ لاؤ وعدہ پورا کرو انہوں نے کہا جا کیسی بھینس لئے پھرتا ہے میں نے تو اس واسطے کہہ دیا تھا کہ جو شخص چالیس دن تک نماز پڑھتا رہتا ہے اسے شوق ہو جاتا ہے میں نے سوچا کہ

اس بہانہ سے تجھے نماز کا شوق ہو جائے گا یہ جواب سن کر وہ گنوار کیا کہتا کہ جاؤ۔ پھر یاروں نے بھی بے وضو ہی ٹرخائی بس پھر نماز چھوڑ دی۔ اور چونکہ اس ظالم نے بے وضو ہی ٹرخائی تھی اسی لئے اس کو شوق بھی نہ ہوا بھلا ایسی نماز کیا اثر کرتی اس حکایت پر تو لوگ ہنسے مگر صاحبو! ہم جیسے بھی سب اس میں مبتلا ہیں ہمارے اس ہنسنے کی ایک مثال ہے۔

حملہ برخودی کنی اے سادہ مرد ☆ ہمچوں آں شیرے کہ برخود حملہ کرو

بے وقوف اپنے ہی اوپر حملہ کرتا ہے جیسا کہ اس شیر نے اپنے اوپر حملہ کیا تھا۔

غور کر کے ایسا شخص دیکھ لے کہ اس کو دین کے کاموں میں دنیا مقصود ہے یا نہیں

بعض لوگ جب تک تنگی معاش میں مبتلا رہتے ہیں اس وقت تک نمازی اور روزہ دار ہوتے ہیں پھر جہاں فراخی میسر ہوئی اور انہوں نے ان کاموں کو بلائے طاق رکھا گویا دین کو محض دنیا کے لئے اختیار کیا تھا جب وہ حاصل ہوگئی پھر دین کی کیا ضرورت رہی۔ بعض لوگ دین کو اس لئے اختیار کئے ہوئے ہیں کہ ان کو اس کے ذریعے سے جاہ و عزت حاصل ہے لوگ دین دار اور مقتدا سمجھتے ہیں، تعظیم و تکریم کرتے ہیں اگر وہ دین داری کے کام چھوڑ دیں تو یہ منافع فوت ہو جائیں گے۔ اس سے بڑھ کر ایک اور تماشا ہے وہ یہ کہ بعض لوگ دنیا کے قصد سے دین کا وہ جزو اختیار کرتے ہیں جس کو خود بھی دین نہیں سمجھتے، جانتے ہیں کہ یہ دین کے کام نہیں سراسر دنیا ہے مگر اپنی اغراض حاصل کرنے کے لئے دوسروں کو سمجھانا چاہتے ہیں کہ یہ دین ہے یہ صورت پہلی صورت سے بھی بدتر ہے کیونکہ گو دونوں جگہ مقصود دنیا ہی ہے اور اس کے لئے دین کو ذریعہ بنایا گیا ہے مگر پہلی صورت میں تو ایسے دین کو ذریعہ بنایا گیا تھا جس کو دین تو سمجھتے تھے تو نیت ہی میں فساد ہوا دین میں تو تغیر نہیں کی اور دوسری صورت ایسے دین کو ذریعہ بنایا گیا ہے جس کو خود بھی دین نہیں سمجھتے مگر مخلوق کو دھوکہ دینے کے لئے اسے دین میں ٹھونسنا چاہتے ہیں تو اس میں فساد نیت اور تغیر دین دونوں ہیں۔ چنانچہ آجکل ایسے بہت کام کئے جاتے ہیں جن کو دین سے کچھ تعلق نہیں ایسے علماء خوب جانتے ہیں کہ یہ محض دنیا ہے مگر نہایت بے باکی کے ساتھ ان کو دین بنایا جاتا ہے۔

دین کا طریقہ معلوم کرنے کی ضرورت

اب میں ان دنیاداروں کی شکایت چھوڑتا ہوں صرف مخلص دینداروں کی ایک حالت بیان کرنا چاہتا ہوں۔ آجکل بعض لوگ جو دیندار ہیں ان میں یہ مرض ہے کہ وہ دین کے کام کرنا چاہتے ہیں مگر اس کا طریقہ معلوم نہیں کرتے۔ تو ان کی ایسی مثال ہے کہ مکان بنانا چاہتے ہیں مگر گارے اینٹ کی فکر نہیں۔ کاشت کرنا چاہتے ہیں مگر تخم وغیرہ سامان جمع کرنے کی تدبیر نہیں یوں چاہتے ہیں کہ بے گارے اینٹ کے مکان بن جائے اور بدون تخم کے کاشت ہو جائے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ ایسا بے ڈھنگا طریقہ اختیار کرتے ہیں جس سے پہلا جمع کیا ہوا ذخیرہ بھی برباد ہو جائے۔

اسباب عادیہ کا اختیار کرنا شرط ہے

خدا تعالیٰ سے اگر ان کو کچھ تعلق ہوا بھی تھا وہ ان کی خرافات سے زائل ہو جاتا ہے ان کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص نے قرض لیکر مکان بنایا تھا جب قرض خواہ نے تقاضا کیا تو اس نے غصہ میں آکر سارا مکان ہی ڈھا دیا کہ جاؤ ہم نے تمہارے قرض کا مکان ہی نہیں رکھا اب لے لو کہاں سے لوگے قرض خواہ نے نالش کردی روپیہ بھی دینا پڑا اور گھر بھی برباد ہوا۔ غرض کام کا طریقہ نہ اختیار کرنے سے یہ لوگ اپنا پہلا سرمایہ بھی برباد کر رہے ہیں صاحبو! دنیا میں جو شخص ایسی بے اصولی کرتا ہے اس کو سب احمق کہتے ہیں مگر افسوس ہے کہ دین میں ایسی بے اصولی کرنے والوں کو نہ کوئی دوسرا احمق کہتا ہے نہ وہ خود اپنے کو احمق سمجھتا ہے حالانکہ وہ اس کا مصداق ہے کہ

دماغ بے ہودہ پخت وخیال باطل ست ☆ دماغ بے ہودہ پکایا خیال باطل باندھا

افسوس کھیتی کی امید اور اسباب سے غفلت یہ کونسی عقلمندی ہے دنیا میں اگر کوئی کھیتی کی امید کرتا ہے تو وہ اسباب کو اختیار کرتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ

رزق ہر چند بے گماں برسد ☆ لیک شرط است جستن از درہا

رزق بیشک ملے گا لیکن اس کو اسباب سے تلاش کرنا شرط ہے۔

کہ رزق ہر چند بیگماں پہنچتا ہے مگر اسکا دروازوں پر تلاش کرنا شرط ہے۔ تعتن
از درہا سے بھیک مانگنا مراد نہیں بلکہ یہ واتوا البیوت من ابوابھا۔ اور گھروں
میں دروازوں سے آؤ۔ کا ترجمہ ہے کہ اسباب عادیہ کا اختیار کرنا طریقہ سے کام کرنا شرط
ہے یہ مطلب گلستان پڑھانے والوں کے ذہن میں بھی نہ آیا ہوگا اور میری سمجھ میں بھی آج
ہی آیا ہے مولانا بھی اسی مضمون کو فرماتے ہیں۔

اطلبوا الا رزاق من اسبابھا وادخلوا الابیات من ابوابھا

روزی کو اس کے اسباب سے طلب کرو اور گھروں میں دروازوں سے داخل ہو۔
یعنی جس طرح روزی کو اسباب سے تلاش کیا جاتا ہے اسی طرح ہر کام کو اس کے
قاعدہ سے کرنا چاہیے۔

رجا اور غرور میں فرق

افسوس آجکل اکثر دینداروں کی حالت یہ ہے کہ وہ دین کو دین کے قاعدہ سے
نہیں حاصل کرتے ہر شخص اپنے اجتہاد پر عمل کر رہا ہے حالانکہ جب کام خلاف قاعدہ ہوتا
ہے تو اس کے ثمرات حاصل نہیں ہوسکتے۔ دیکھئے اگر کھیتی کا قصد ہو اور اسباب اس کے اختیار
نہ کیے جائیں تو ثمرہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور اس حالت میں اس کا امیدوار ہونا کہ مجھے
پیداوار ملے گی سراسر بیوقوفی ہے یہی حالت ان لوگوں کی ہے جو دین کے اسباب اختیار نہیں
کرتے اور ثمرات کے امیدوار ہیں امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں رجا و غرور میں بھی فرق
بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ جب اعمال کی اصلاح کر کے اور اعمال صالحہ پر مداومت کر کے
خداتعالیٰ سے امید رکھی جائے تو یہ رجا ہے اور جو شخص بدون اکتساب اعمال کے بلکہ باوجود
ارتکاب معاصی کے امیدوار ثواب کا ہو وہ غرور میں مبتلا ہے۔ پس رجاء صحیح وہ ہے جس کے
ساتھ اعمال پر مداومت بھی ہو مگر افسوس ہے کہ لوگوں نے دین میں توکل و تقدیر بمعنی تعطل
کا نام رجاء رکھ لیا ہے کہ نہ نماز پڑھتے ہیں نہ اعمال صالحہ کی فکر کرتے ہیں نہ ان کے بجالانے
کا طریقہ دریافت کرتے ہیں نہ معاشرت و معاملات کی اصلاح کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے

ہیں کہ توکل کا کہ ہم کو خدا پر بھروسہ ہے اپنے اعمال پر بھروسہ نہیں خدا تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ بخش دیں گے۔ اور دنیا کے کاموں میں جب ان سے توکل کو کہا جاتا ہے تو وہاں یوں کہتے ہیں کہ توکل برحق ہے لیکن پہلے اسباب کو اختیار کر لینا چاہیے اسباب اختیار کر کے پھر خدا پر توکل کرنا چاہیے دنیا کے کاموں میں تو یہ شعر یاد کر رکھا ہے۔

گفت پیغمبر باآواز بلند ☆ برتوکل زانوئے اشتر بہ بند

نبی کریم ﷺ نے باآواز بلند فرمایا ہے توکل پر اونٹ کا پاؤں باندھ دو۔

گر توکل میکنی درکارکن ☆ کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

اگر تم توکل کرتے ہو تو کاموں میں توکل کرو کسب کرو اور بھروسہ اللہ تعالیٰ پر کرو۔

چنانچہ کوئی شخص بدون بیل خریدے اور ہل چلائے کھتی نہیں کرتا یہاں ہر شخص اسباب کو اختیار کرنے کی رائے دیتا ہے اور جو اس کے بغیر ہاتھ پر ہاتھ رکھے ہوئے کھیتی کا طالب ہو اسے سب بیوقوف بناتے ہیں مگر اے اللہ! دین کے بارے میں یہ ساری عقلیں کیوں مسخ ہو گئیں وہاں توکل بہ معنی تعطل کیوں سوجھتا ہے بلکہ دنیا کے بارہ میں تو بعض لوگ اسباب کی ضرورت کے ایسے معتقد ہیں کہ ان کے بعد خدا تعالیٰ کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے ہمارے یہاں ایک شخص زمیندار ہے اس کا بیٹا نیک ہے نماز روزہ کا پابند ہے ایک دن وہ لڑکا نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کر رہا تھا تو اس کا تایا کہنے لگا کہ یہ لڑکا نماز کے بعد ہاتھ پھیلا پھیلا کر خدا سے کیا مانگتا ہے اس کو کس چیز کی کمی ہے۔ اناج اسکے گھر میں بھر رہا ہے، بیل اسے یہاں ہیں، روپے کی اسے کمی نہیں پھر خدا سے کیا مانگتا ہے، تو بہ توبہ اس شخص کے نزدیک بس ان چیزوں کے بعد خدا تعالیٰ کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ بھلا اگر خدا تعالیٰ غلہ میں آگ لگا دے اور بیلوں کو مار دے اور رقم چوری ہو جائے تو یہ شخص کیا کر لے گا۔ اسی طرح ایک ہمارے ملنے والے ایک جنٹلمین کی حکایت بیان کرتے تھے کہ انہوں نے ایک شخص کو کسی کام کیلئے کہا اس نے کہا کہ یہ کام کل کو ان شاء اللہ تعالیٰ ہو جائے گا تو وہ جنٹلمین کہتے ہیں کہ اس میں خدا کے چاہنے کا (یہ انگریزی طرز کی تقلید ہے) کیا بات ہے بس تم کل کو یہ کام ضرور کر دینا بخدا ان لوگوں کی عقلیں بالکل مسخ ہو گئی ہیں میں کہتا ہوں کہ اگر آج ہی کوئی دشمن کسی

نزاع کی وجہ سے ایک گولی میں اس کا کام تمام کردے اور ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں چنانچہ ان صاحب کا یہی انجام ہوا اور سب سامان حفاظت رکھا رہ گیا تو اس وقت ان کو معلوم ہوا کہ ان شاء اللہ کی کیسی ضرورت ہے پھر تو شاید وہ ہر بات میں ان شاء اللہ کہیں گے۔ یا دفعۃً پیٹ میں درد ہو اور ہیضہ سے رات ہی کو جان نکل جائے یا سانس گھٹ کر مرجائے تو کیا ہو۔ بھلا انسان کی ہستی ہی کیا ہے جس پر یہ غرور کرتا ہے میاں کی ساری زندگی کا مدار ذرا سے سانس پر ہے جہاں سانس بند ہوئی اور قصہ ختم۔ اور سانس بند ہونے کے لئے کھانا پانی ہی کافی ہے۔ بعض لوگ کھانا کھاتے ہوئے لقمہ اٹک جانے سے مرگئے ہیں۔ اگر ان جنٹلمین صاحب کو ایسا واقعہ پیش آجائے تو پھر وہ ہر بات میں ان شاء اللہ کہنے لگیں گے۔

ان شاء اللہ کہنے کی مزاحیہ حکایتیں

جیسے ایک شخص کا قصہ ہے کہ وہ گھوڑا خریدنے جارہا تھا کسی دوست سے راستہ میں ملاقات ہوئی پوچھا کہاں جارہے ہو کہا گھوڑا خریدوں گا اس نے کہا ان شاء اللہ کہہ لو وہ بولا کہ اس میں ان شاء اللہ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ گھوڑا بازار میں ہے اور روپے جیب میں ہیں اب جاؤں گا اور تھوڑی دیر میں خرید لاؤں گا۔ چنانچہ آپ چلے تو راستہ میں کسی جیب کٹ نے جیب میں سے روپے اڑا لیے۔ اب جو آپ گھوڑا خریدنے کے لئے دام نکالتے ہیں تو وہاں صفایا ہے نادم و پشیمان ہو کر واپس ہوا۔ راستہ میں پھر اسی دوست سے ملاقات ہوئی اس نے پوچھا کہو گھوڑا خرید لائے تو آپ کہتے ہیں کہ ہم گھوڑا خریدنے گئے تھے ان شاء اللہ۔ جیب میں اتنے روپے تھے ان شاء اللہ، چور نے جیب کاٹ ڈالی ان شاء اللہ، روپیہ چرالیا ان شاء اللہ اب ہم خالی ہاتھ لوٹ رہے ہیں ان شاء اللہ، اب آپ جوڑ بے جوڑ ہر بات میں ان شاء اللہ ہی کہنے لگے۔ اور یہ جو جنٹلمین صاحب نے کہا تھا کہ اس میں خدا کے چاہنے کی کیا بات ہے یہ اثر سائنس کا ہے۔

اسباب میں تاثیر بھی حکم خداوندی کے سبب ہے

آجکل مسلمانوں نے سائنس والوں کی کاسہ لیسی کی ہے کہ جس طرح وہ محض

اسباب پر نظر کرتے ہیں یہ بھی اسباب پر نظر کرتے ہیں مگر تھوڑا سا فرق ہے اسی لئے میں نے یہ کہا کہ ان لوگوں نے سائنس والوں کی کاسہ لیسی کی ہے وہ فرق یہ ہے کہ اہل سائنس تو خدا کے بھی منکر ہیں اور یہ لوگ خدا تعالٰی کو خالق و موثر مانتے ہیں۔ اہل سائنس فطرۃ اور طبیعت کو موثر حقیقی جانتے ہیں یہ لوگ فطرۃ کو موثر حقیقی نہیں مانتے بلکہ فطرت کو خدا کی مخلوق سمجھتے ہیں مگر یوں کہتے ہیں کہ بس خدا نے فطرت کو پیدا کر کے اس میں تاثیر رکھ دی ہے۔ اب خدا کے تصرف کی کچھ ضرورت نہیں جو کچھ ہوتا ہے فطرت اور اسباب کے ذریعہ سے ہوتا ہے جیسے گھڑی کا چلنا کوکنے والے کا محتاج ہے مگر کوک بھر دینے کے بعد اب اس کو چوبیس گھنٹہ تک کوکنے والے کی ضرورت نہیں وہ خود بخود چلتی رہے گی بلکہ کوک بھر دینے کے بعد اگر تم اس کو روکنا بھی چاہو تو وہ رک نہیں سکتی اسی طرح یہ لوگ خدا کی ضرورت محض کوکنے کے واسطے سمجھتے ہیں اور کوکنے کے بعد خدا کی ضرورت نہیں سمجھتے ان کا خیال یہ ہے کہ خدا نے فطرت اور اسباب کو پیدا کر کے ان میں تاثیر رکھ دی اب سارے کام اسباب ہی سے ہوتے ہیں خدا کے تصرف کی کچھ ضرورت نہیں مگر یہ خیال بالکل باطل ہے مشاہدہ اس کی تکذیب کرتا ہے اگر اسباب میں ایسی تاثیر ہوتی کہ خدا کے چاہنے کو اس میں کچھ دخل نہ رہتا تو اس کی کیا وجہ ہے کہ دوا سے بعض دفعہ نفع نہیں ہوتا بلکہ الٹا ضرر ہونے لگتا ہے مولانا ایک حکایت میں فرماتے ہیں۔

از قضا سر انگبیں صفرا فزود ☆ روغن بادام خشکی مے نمود

از ہلیلہ قبض شد اطلاق رفت ☆ آب آتش را مدد شد ہم چو نفت

قضا سے شہد نے صفرا بڑھایا اور روغن بادام خشکی کرتا تھا اور ہلیلہ سے قبض ہوا پانی مثل تارکول کے آگ کو تیز کرتا تھا۔

ہر امر مشیت خداوندی کے تابع ہے

اطباء رات دن اس کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایک دوا ایک مرض کے لئے نافع ہے مگر بعض دفعہ وہی دوا اس مرض کو بڑھانے لگتی ہے نیز اس کی کیا وجہ ہے کہ بعض لوگوں کو کسب سے معاش نہیں ملتی۔ دو شخص برابر سرمایہ سے تجارت کرتے ہیں اور ان میں ایک عاقل ہوتا

ہے ایک بیوقوف مگر مشاہدہ ہے کہ بعض دفعہ عاقل کی تجارت نہیں چلتی بیوقوف کی چل جاتی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسباب محض برائے نام بہانہ ہیں ورنہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی مشیت سے ہوتا ہے۔

ترقی کا مدار محض اسباب پر نہیں

میں نے ایک شہر میں ایک رئیس دیکھا ہے کہ پہلے وہ چھ پیسے کے مزدور تھے پھر ریلوے میں نوکر ہو گئے۔ پھر ریلوے کے ٹھیکے لینے لگے حتیٰ کہ ترقی کرتے کرتے ہزاروں لاکھوں کے آدمی ہو گئے کہ بڑے بڑے بی اے، ایم اے کی ڈگری پاس کرنے والے ان کے یہاں ملازم تھے اور خود اپنے دستخط بھی نہ کر سکتے تھے اگر ترقی کا مدار محض اسباب پر ہے تو ذرا تم کسی دوسرے کو تو چھ پیسہ کی مزدوری سے لاکھوں ہزاروں کا آدمی بنا دو۔ اور جس طرح اس رئیس نے ترقی کی ہے اس کو بھی وہی ذرائع بتلا دو۔ یقینی بات ہے کہ ہر شخص ان ذرائع سے ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ ہر شخص رات دن مشاہدہ کرتا ہے کہ آج وہ ایک کام کا ارادہ کرتا ہے جو پورا ہو جاتا ہے کل کو پھر اسی کام کا ارادہ کرتا ہے اور پورا نہیں ہوتا۔ اسی لئے ایک بزرگ فرماتے ہیں **عرفت ربی بفسخ العزائم،** کہ میں نے خدا تعالیٰ کو ارادوں کے ٹوٹنے اور ناکام رہنے سے پہچانا کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ارادہ سے کچھ نہیں ہوتا کوئی دوسرا کام کرنے والا ہے۔

اعانت خداوندی اسباب اختیار کرنے کے بعد ہوتی ہے

الغرض یہ خیال جو بعض مسلمانوں میں سائنس والوں کی صحبت سے پیدا ہوا ہے کہ اسباب ہی سے سب کچھ ہوتا ہے غلط اور بالکل غلط ہے مگر مجھ کو یہ بتلانا ہے کہ لوگ باوجود یہ کہ اسباب کے ایسے معتقد ہیں مگر دین کے بارہ میں یہ بھی اسباب کو اختیار نہیں کرتے پس صحیح راستہ یہ ہے کہ نہ اسباب کو مؤثر سمجھے ہیں نہ ان کو فضول خیال کرے عادۃ اللہ یہ ہے کہ اسباب گو مؤثر نہیں مگر جو ان کو اختیار کرتا ہے حق تعالیٰ اس کی امداد فرما دیتے ہیں اور جو شخص اسباب کو اختیار نہیں کرتا اس کی ناکامی کا یہ سبب نہیں کہ اسباب مؤثر تھے اور وہ نہیں پائے گئے بلکہ ناکامی کا راز یہ ہے

کہ اکثر خدا کی اعانت اسباب اختیار کرنے کے بعد ہوا کرتی ہے اور بدون اسکے نہیں ہوتی۔ پس اس نے خدا کی اعانت کو حاصل نہیں کیا۔ خوب سمجھ لو۔ پس اسباب کو جمع کر کے ثمرات کی امید کرنا رجاء ہے اور بدون اسباب اختیار کئے امید رکھنا غرور ہے۔ جیسے ایک شخص کو اولاد کی خواہش ہو مگر نکاح کا قصد نہ ہو یا کنواں کھودنا چاہے اور ہاتھ نہ ہلائے یہ لوگ احمق کہلائیں گے۔ ان کے دماغ میں مالیخولیا سمجھا جائے گا۔ ہاں نکاح کر کے اولاد کی امید رکھنا، پھاوڑا چلا کر کنوئیں کے پانی کا انتظار کرنا یہ رجاء ہے۔ اب آپ دیکھ لیجئے کہ دین کے بارہ میں ایسے لوگ کتنے ہیں جو اسباب کو جمع کر کے امیدوار ہوئے ہیں۔ ایسے بہت ہی کم ہیں اکثر تو محض غرور میں مبتلا ہیں۔

صرف توجہ سے کام نہیں چلتا

سالکین کی حالت یہ ہے کہ بعض لوگ دین کے طالب بن کر شیخ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت گناہوں سے نفرت نہیں ہوتی کچھ توجہ فرما دیجئے غنیمت ہے کہ یہ لوگ عمل کو کچھ تو ضروری سمجھتے ہیں۔ اسی لئے گناہوں سے نفرت کا اہتمام بھی ہے مگر یوں چاہتے ہیں کہ ہمیں خود کچھ نہ کرنا پڑے سارا کام توجہ سے چل جائے۔ اگر توجہ سے اس طرح کام چلا کریں تو پھر نکاح بھی نہ کیا ہوتا بس توجہ کرالی ہوتی اسی سے پلا پلایا بچہ تم کو مل جاتا۔ خوب سمجھ لو کہ کام قاعدہ ہی سے ہوتا ہے نری توجہ سے کام نہیں چلا کرتا۔

ہمت کے لئے گناہوں سے نفرت عقلی کی ضرورت

سو قاعدہ کی رو سے گناہوں سے بچنے کیلئے ہمت کی ضرورت ہے چند دنوں ہمت کر کے دیکھو ان شاء اللہ گناہ خود ہی کم ہو جائیں گے اور جب تم ہی ہمت نہ کرو تو توجہ کیا کرلے گی اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ ہمت بھی کی اور گناہوں سے اس وقت بچ بھی گئے مگر گناہوں سے نفرت نہیں ہوتی تو ہمت بھی اس کی تدبیر نہ نکلی تو اس کی حقیقت سمجھ لو وہ یہ کہ ہمت کے لئے گناہوں سے نفرت عقلی لازم ہے نفرت طبعی لازم نہیں۔

بلا قصد وسوسہ گناہ مضر نہیں

اس غلطی میں بہت سے سالکین مبتلا ہیں کہ وہ گناہوں سے نفرت طبعی کو لازم سمجھتے

ہیں کہ بس کبھی دل پر وسوسہ بھی نہ آئے اسی لئے ہمت کے بعد اپنے کونا کام سمجھتے ہیں سو یہ بالکل غلط خیال ہے وسوسہ گناہ کے مقتضا پر عمل نہ کرنا ضروری ہے۔ بلا قصد وسوسہ کا آنا یا میلان ہونا کچھ مضر نہیں اگر مقتضا پر عمل نہ ہو تو چاہے لاکھ خطرات آتے ہوں اور کیسے ہی گندے وسوسے آتے ہوں واللہ وہ شخص ولی کامل ہے۔

گناہوں سے نفرت عقلی حاصل کرنے کا طریقہ

البتہ اگر وسوسہ کیساتھ اس کے مقتضاء پر عمل بھی ہوتا ہو تو یہ اس کی دلیل ہے کہ اس شخص کو گناہوں سے نفرت عقلی بھی نہیں اس کے علاج کی بیشک ضرورت ہے اور وہ ہمت ہے جس کی تقویت کا طریقہ یہ ہے کہ آیات عذاب ووعید میں غور کرے اور وقت موت اور عذاب قبر اور میدان حشر کا تصور کیا کرے۔ پھر سوچے کہ گناہوں سے موت کے وقت سخت پریشانی ہوگی۔ قبر میں عذاب ہوگا۔ قیامت میں سب کے سامنے ذلت ورسوائی ہوگی اور دوزخ کا عذاب الگ بھگتنا ہوگا روزانہ ایک وقت میں یہ مراقبہ اور تصور کیا کرے اور روزانہ کے اعمال کا محاسبہ کر کے گناہوں سے سچی توبہ کیا کرے اس سے چند روز میں ہمت میں قوت ہو کر نفس کی مخالفت سہل ہو جائے گی۔ اب تم اس کی فکر میں نہ پڑو کہ وسوسہ تو اب بھی آتے ہیں۔ وساوس کا آنا کچھ مضر نہیں اور ان کا قطع کرنا تمہارے اختیار سے باہر ہے تم اس کے مکلّف نہیں ہو، رہا یہ سوال کہ یہ وساوس گو مضر نہیں مگر نہ آتے تو اچھا تھا یہ کیوں آتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اس واسطے آتے ہیں کہ حق تعالیٰ تم کو اجر عظیم دینا چاہتے ہیں اگر تم کو گناہوں کا خطرہ بھی نہ آیا کرتا تو پھر ان سے بچنے میں تمہارا کیا کمال تھا۔ نامرد اگر زنا نہ کرے تو کیا کمال ہے اور اب گناہوں سے بچنے میں تمہارا کمال ظاہر ہوتا ہے کہ وسوسے آتے ہیں خیالات تنگ کرتے ہیں اور تم سب کی مخالفت کرتے ہو اور اسی لئے انسان فرشتوں سے افضل ہے اگر اس میں گناہوں کا تقاضا بھی نہ ہوتا تو پھر اس میں اور فرشتوں میں فرق ہی کیا ہوتا مولانا فرماتے ہیں۔

شہوت دنیا مثال گلخن است ☆ کہ از وحمام تقویٰ روشن است

شہوت دنیا مثل کوڑے کرکٹ کے ہے کہ اس سے تقویٰ کا حمام روشن رہے۔

شہوت دنیا کی مثال

سبحان اللہ کیا عجیب تعلیم ہے فرماتے ہیں کہ شہوت دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے حمام کیلئے خس وخاشاک کہ اگر خس وخاشاک کو حمام جلانے کے کام میں لگایا جائے تو اس سے حمام روشن ہوتا ہے اور اگر حمام کے کام میں نہ لگایا جائے تو ظاہر ہے کہ اس سے گھر خراب ہونے کے سوا کچھ فائدہ نہیں۔ تو خداتعالیٰ نے یہ تقاضا اور یہ وساوس تمہارے اندر اس لئے پیدا کئے ہیں تاکہ تم اس سے تقویٰ کے حمام کو روشن کرو یعنی انکی مخالفت کر کے ہمت سے ان کے مقتضی پر عمل نہ کرو اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارا تقویٰ نہایت لذیذ ہوگا اور اس واسطے یہ تقاضا تم کو نہیں دیا گیا کہ تم اسی سے اپنا گھر بھر لو کہ اس حالت میں تمہارے دل کی وہی حالت ہو جائیگی جو کوڑے کباڑ سے گھر کی حالت ہوتی ہے۔ بس تم کو چاہیے کہ ان وساوس کے آنے سے دل گیر مت ہو اور ساتھ کے ساتھ تقویٰ کے حمام میں ان کو جلاتے رہو گھر میں جمع نہ کرو۔ دوسرا نفع یہ ہے کہ تقویٰ میں نشاط وسرور روحانی ان خطرات ووساوس ہی کے بعد حاصل ہوتا ہے اگر تم بازار میں جاؤ اور کوئی عورت تمہارے سامنے سے نہ گزرے تو تم کو نہ گناہ ہوا نہ کچھ خاص نشاط روحانی حاصل ہوا۔ اور اگر کوئی عورت سامنے سے جاتی ہوئی ملی مگر تم نے اس کی طرف نظر نہ کی تو اس وقت اگرچہ تم کو ایک کلفت ہوگی مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک خاص سرور ونشاط حاصل ہوگا جب چاہے تجربہ کر کے دیکھ لو اس وقت تم بزبان حال یوں کہو گے

للہ الحمد نمردیم ورسیدیم بدوست ☆ آفریں باد بریں ہمت مردانہ ما

خدا کا شکر ہے کہ ہم نہ مرے اور دوست تک پہنچ گئے ہماری اس ہمت مردانہ پر آفرین ہو۔

جوان کے تقویٰ کی مثال

اس تقاضے کی مثال ایسی ہے جیسے کھانے میں نمک مگر تم اس سے ایسے گھبراتے ہو جیسے مثل مشہور ہے کہ گدھے کو دیا تھا نمک اس نے کہا میری آنکھیں ہی پھوڑ دیں تو جس طرح نمک کھانے میں اعتدال کے ساتھ ہو تو کھانا لذیذ ہوتا ہے اسی طرح اس تقاضے سے

بھی تقویٰ لذیذ ہو جاتا ہے بشرطیکہ اعتدال کے ساتھ ہو ورنہ زیادہ نمک سے کھانا کڑوا بھی ہو جاتا ہے۔ اور اسی لئے جوان کا تقویٰ بوڑھے کے تقویٰ سے زیادہ لذیذ ہوتا ہے جوان کو تقویٰ میں بوڑھے سے زیادہ نشاط سرور روحانی حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ بوڑھے کو نہ خطرات آتے ہیں نہ وساوس تو اس کو تقویٰ کی لذت کی کیا خبر ہو اور جوان بیچارہ ہزاروں خطرات وساوس کا مقابلہ کر کے ان سے بچتا ہے تو اس کو تقویٰ کا مزہ معلوم ہوتا ہے جیسے ایک تو وہ شخص ہے جو دریا کے کنارہ پر کھڑا ہے کبھی دریا میں گرنے کی اسے نوبت ہی نہیں آئی اسے کنارہ کی سلامتی کی کیا قدر ہو۔ اور ایک وہ شخص ہے جو دریا میں گر پڑا تھا ڈوبنے کو ہو گیا تھا پھر وہاں سے ہاتھ پیر مار کر غوطہ کھا کر نکل آیا تو اس کی لذت حال اب نہ پوچھو عارف شیرازی اسی کو فرماتے ہیں۔

شب تاریک وبیم موج وگردابے چنیں ہائل ☆ کجا دانند حال ما سبک ساران ساحل ہا

حیرت میں ہماری حالت ایسی ہے جیسے اندھیری رات ہو اور موج کا خوف ہو اور ہولناک بھنور میں کشتی آ گئی ہو ہمارے اس حال کی ان لوگوں کو کب خبر ہو سکتی ہے جو ہلکے پھلکے کنارے پر کھڑے ہیں دریا میں قدم نہیں رکھا۔

پھر جب ایک شخص دریا سے نجات پا کر باہر آتا ہے تو یہ اپنے ہاتھ پیروں کو بوسہ دیتا ہے اور ان کی قدر کرتا ہے کہ ان کے ذریعہ سے میں ہلاکت سے بچ گیا۔

مسلمان کو کامل راحت جنت میں ملے گی

اسی طرح جب سالک مجاہدہ کر کے تقویٰ اختیار کرتا اور مقصود میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ تو بعد میں اس کو بھی اپنے جسم و جان سے محبت ہو جاتی ہے اور وہ ان کی بڑی قدر کرتا ہے کہ میں انہیں کے ذریعہ سے محبوب تک پہنچا ہوں اب ان کی خدمت کرنی چاہیے کیونکہ مجاہدات وریاضات میں یہ سب چکنا چور ہو گئے ہیں پس بزبان حال یوں کہتا ہے۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است ☆ افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را ☆ کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

مجھے اپنی آنکھوں پر ناز ہے کہ انہوں نے تیرے جمال کو دیکھا ہے اور اپنے پاؤں پر رشک ہے کہ تیرے کوچہ میں پہنچے ہیں ہر دم اپنے ہاتھوں کو ہزاروں بوسہ دیتا ہوں کہ انہوں نے تیرا دامن پکڑ کر میری طرف کھینچا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمان جنت میں پہنچ کر کہیں گے **الحمدللہ الذی اذھب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور، الذی احلنا دار المقامۃ من فضلہ لایمسنا فیھا نصب ولایمسنا فیھا لغوب۔** خدا کا شکر ہے کہ اس نے مشقت ورنج کو دور کیا۔ بیشک ہمارا پروردگار بہت بخشنے والا بڑا قدردان ہے جس نے ہم کو ہمیشہ رہنے کے گھر میں پہنچا دیا (محض) اپنے فضل سے جہاں ہم کو نہ مشقت چھو سکتی ہے نہ خستگی۔ تو بات یہ ہے کہ مسلمان کو تو پوری راحت جنت میں ہی جا کر نصیب ہوگی دنیا میں تو وہ ہر وقت معصیت سے ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں کوئی کام خلاف مرضی حق نہ ہو جائے جب یہ مصائب جھیل کر وہ جنت میں پہنچیں گے تو ان کی زبان سے بے ساختہ یہ ثنا نکلے گی۔ اس وقت ان کو اپنے تمام اعضا کی پوری قدر ہوگی اور ان کو خوب راحت پہنچائیں گے کہ لو تم نے دنیا میں بہت مجاہدات وریاضات کئے ہیں اب آرام حاصل کرو۔ اور جس نے غم ہی نہ دیکھا ہو وہ جنت کی کیا قدر کر سکتا ہے حدیث میں آتا ہے کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں پہنچ جائیں گے تو جنت ودوزخ دونوں حق تعالیٰ سے شکایت کریں گی کہ ہم تو خالی رہ گئے ہم کو پر کیجئے تو اس وقت دوزخ کو تو حق تعالیٰ اپنی قدرت سے ویسے ہی بھر دیں گے عجب نہیں کہ اس کے اجزاء سمٹ جائیں اور جنت کے لئے ایک نئی مخلوق پیدا کریں گے تو میں نے اس حدیث کو پڑھ کر حضرت استاد سے عرض کیا کہ حضرت وہ بڑے مزے میں ہوں گے کہ نہ کچھ کیا نہ کرایا مفت میں جنت لے لی مولانا نے فرمایا کہ وہ کیا خاک مزہ میں ہوں گے وہ تو یہ سمجھیں گے کہ جس طرح کی راحت میں ہم ہیں راحت ایسی ہوتی ہوگی اس لئے بس ان کو جنت کی کیا قدر ہوگی۔ اور ہم لوگ دنیا کے مصائب جھیل کر جب جنت میں جائیں گے تو ہم کہیں گے **الحمدللہ الذی اذھب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور۔** خدا کا شکر ہے کہ جس نے ہم سے مشقت ورنج کو دور کیا۔ بیشک ہمارا پروردگار بہت بخشنے والا بڑا قدردان ہے یہ بات ان کو کہاں نصیب۔

راحت کی اصل قدر اہل مصیبت جانتا ہے

ایک مرتبہ مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری کی دعوت دہلی کے ایک شہزادے نے کی ایسے ایسے کھانے پکائے جن کا نام بھی مولانا نے نہ سنا تھا پھر کھانے کے بعد وہ شہزادے مولوی صاحب سے پوچھنے لگے کہ مولانا یہ کھانے کیسے پکے مولانا نے فرمایا کہ ہم کو کیا خبر کیسے پکے ہم نے تو یہ کھانے آج ہی کھائے ہیں ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ اسی طرح پکتے ہوں گے، ہاں کئی بار دعوت کرو اور یہی کھانے کھلاؤ تو اس وقت فرق معلوم ہو کہ پہلی بار ایسے پکے تھے دوسری بار ایسے پکے۔ شہزادے نے کہا اچھا آئندہ بھی دعوت کی جمالی بہتر ہے پھر بھی کھلاؤں گا۔ حقیقت میں راحت کی قدر مصیبت والا ہی سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ مزہ میں ہیں جن کو خطرات و وساوس پیش آتے ہیں۔ ان کو جب دولت تمکین عطا ہوتی ہے تو ان کو اس دولت کی قدر ان لوگوں سے زیادہ ہوتی ہے جن کو خطرات پیش نہیں آئے اور ان کو اس وقت لذت وسرور روحانی بھی زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ غرض گناہوں سے نفرت عقلی مطلوب ہے طبعی نفرت مطلوب نہیں اگر عقلاً تو نفرت ہو اور طبعاً رغبت ہو جس کی علامت یہ ہے کہ تقاضہ کا ورود ہو لیکن مقتضی پر عمل نہ ہو تو یہ وسوسہ کا درجہ ہے اس سے پریشان نہ ہونا چاہیے کیونکہ اس سے اجر بڑھتا ہے۔

خالص ایمان کی علامت

حدیث میں یہ مضمون موجود ہے کہ صحابہؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ بعض دفعہ ہمارے دل میں ایسے خیالات آتے ہیں کہ ہم جل کر کوئلہ ہوجانا پسند کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا **ذلک صریح الایمان (الصحیح لمسلم الایمان ۶۰، رقم: ۲۰۹-سنن ابی داؤد الادب ب ۱۱۹)**۔ یہ تو خالص ایمان کی علامت ہے۔ مگر آج کل لوگ درخواست کرتے ہیں کہ ہم سے وساوس قطع ہوجائیں اور ہم کو گناہوں سے طبعی نفرت ہوجائے حالانکہ حضور ﷺ اس کو صریح الایمان فرمارہے ہیں۔ اس میں ہزاروں سالک مبتلائے غم ہیں۔ بعض لوگ مشائخ کے پاس آتے ہیں کہ حضور دعا کیجئے ہم مقبول ہوجائیں گے مگر خود مقبول بننے کے کام نہیں کرتے تو بڑی غلطی ہے اور دین دار بکثرت اس مرض میں پھنسے ہوئے ہیں۔ صاحبو! پہلے تم بھی تو مقبول ہونے کی کوشش کرو

اور ایسے کام کرو جو مقبولیت کا ذریعہ ہیں پھر شیخ کی دعا سے بھی نفع ہوگا مگر اب تو یہ اندھیر ہے کہ صرف دعا سے مقبول بننا چاہتے ہیں۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں جو جنت کا طالب نہ ہو قرب خداوندی کا طلب گار نہ ہو خدا کی محبت و معرفت کا خواہش مند نہ ہو مگر اس کے طرق کو اختیار نہیں کرتے حق تعالیٰ نے اس غلطی پر اس آیت میں تو بطریق عموم متنبہ فرمایا ہے واتوا البیوت من ابوابھا۔ گھروں میں دروازوں سے آؤ۔ اور دوسری جگہ بطریق خصوصی بھی متنبہ فرمایا یعنی خاص دخول جنت کے بارہ میں صراحۃً ارشاد ہے کہ نری تمنا اور آرزو سے کچھ نہیں ہوتا تم کو عمل کا اہتمام چاہئے۔

نری تمنا سے کام نہیں چلتا

چنانچہ فرماتے ہیں۔ لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتب من یعمل سوءً یجزبہ ولا یجدلہ من دون اللہ ولیا ولا نصیرا. ومن یعمل من الصلحت من ذکر او انثی وھو مومن فاولئک یدخلون الجنۃ ولا یظلمون نقیراً (نہ تمہاری تمناؤں سے کام چلتا ہے نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے۔ جو شخص کوئی برا کام کرے گا وہ اس کے عوض سزا دیا جائے گا اور اس شخص کو خدا تعالیٰ کے سوا نہ کوئی یار ملے گا نہ مددگار ملے گا اور جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو بشرطیکہ مومن ہو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا) شان نزول آیت کا یہ ہے کہ ایک مرتبہ یہود اور اہل اسلام میں قبلہ کے تقدم و تاخر پر تفاخر ہو رہا تھا۔ یہود کہتے تھے کہ ہمارا قبلہ مقدم ہے۔ مسلمان کہتے تھے ہمارا قبلہ مقدم ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ خدا کا قرب اور دخول جنت نہ تمہاری تمناؤں سے حاصل ہو سکتا ہے نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے بلکہ ہمارے یہاں تو یہ قانون ہے کہ جو کوئی برا کام کرے گا اسکو اس کی سزا بھگتنی پڑے گی اور جو نیک کام کرے گا اس کو جنت ملے گی تو ان باتوں سے کیا ہوتا ہے عمل کا اہتمام کرو۔

اس آیت سے صاف معلوم ہو گیا کہ نری تمنا سے کام نہیں چل سکتا اور نری تمنا کا درجہ وہی ہے جس کے ساتھ عمل کا اہتمام نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ مقصود اعمال ہیں ان کو اختیار کرنا چاہیے اس کے بعد جو تمنا ہوگی وہ رجاء کا درجہ ہوگا خلاصہ یہ کہ جب عمل کا مقصود

ہونا ثابت ہو گیا تو اس کا اہتمام سب مسلمانوں کو کرنا چاہیے۔ رہا اس کا طریق تو اس کے لئے ساری شریعت موجود ہے شریعت سے پوچھ پوچھ کر عمل کرو۔ اور اعمال پر مداومت واستقامت کی سہولت اور ان کی اصلاح وتکمیل یہ موقوف ہے اہل اللہ کی صحبت پر، چنانچہ اسی آیت۔

لیس بامانیکم الی اخرھا۔ کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہے **ومن احسن دینا ممن اسلم وجھه لله وھومحسن واتبع ملة ابراھیم حنیفاً**۔ اور اس شخص سے اچھا کون ہے جو اپنی ذات کو خدا کے سپرد کر دے دراں حالیکہ وہ صاحب اخلاص ہو اور ملۃ ابراھیم کا متبع ہو جو کہ حنیف تھے یعنی ماسوائے اللہ سے یکسو تھے۔ یہاں **اسلم وجھه** سے مراد فنا ہے کیونکہ کامل سپردگی اسی سے ہوتی ہے۔ جس کے بعد نسبت احسان عطا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ **وھو محسن** میں نسبت احسان ہی کی طرف اشارہ ہے۔ مقام اخلاص جب کامل ہو جاتا ہے تو اسی کو نسبت احسان سے صوفیہ کی اصطلاح میں تعبیر کیا جاتا ہے۔

اتباع ملت ابراہیم کا مفہوم

آگے بتلاتے ہیں کہ یہ دولت کس طرح حاصل ہوگی ارشاد ہے **واتبع ملة ابراھیم حنیفا**۔ یعنی جو شخص ملت ابراہیم کا اتباع کرے گا اسے یہ دولت عطا ہوگی۔ اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ اتباع ابراہیم سے یہ نعمت عطا ہوگی۔ حتیٰ کہ یہ شبہ ہو کہ بس جو لوگ ابراہیمؑ کی امت میں نہیں ان کو یہ دولت نہ ملے گی بلکہ اتباع ملت ابراہیم پر اس نعمت کو موقوف کیا گیا ہے۔ جس سے مراد ان کے مذاق کا اتباع ہے۔ اور ابراہیمؑ کا مذاق فنا تھا۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ **ومن یرغب عن ملة ابراھیم الامن سفه نفسه ولقد اصطفیناہ فی الدنیا وانه فی الاخرۃ لمن الصالحین اذقال له ربه اسلم قال اسلمت لرب العلمین**۔ ملت ابراہیم سے وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ذات ہی سے احمق ہو ہم نے ان کو دنیا میں منتخب کر لیا ہے اور اسی کی بدولت وہ آخرت میں بڑے لوگوں میں سے شمار کیے جاتے ہیں اور جب ان سے ان کے رب نے فرمایا کہ تم اطاعت اختیار کرو تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے رب العالمین کی اطاعت اختیار کی ہے اور یہ دولت ہر نبی کو عطا ہوتی ہے۔

اتباع فانی کی جزا

چنانچہ ہمارے حضور ﷺ میں اس کا ظہور سب سے زیادہ کامل تھا۔ پس ہمارے لئے ملت ابراہیمیہ کے اتباع کا تحقق اتباع محمدی ﷺ کی صورت میں ہوگا۔ حاصل یہ ہوا کہ یہ دولت کسی فانی کے اتباع سے حاصل ہوگی۔ بدون کسی فانی کے اتباع کے تکمیل اعمال نہیں ہوسکے گی۔ رہا یہ کہ پھر اتباع فانی کے بعد کیا ہوگا آیا صرف استقامت ہی عطا ہوجائیگی یا اس سے بھی زیادہ کچھ ملے گا۔ اس کی بابت ارشاد ہے واتخذ اللّٰہ ابراھیم خلیلا۔ کہ حق تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو مذاق فنا کی بدولت خلیل بنالیا تھا۔ تو سمجھ جاؤ کہ جو شخص کسی فانی کا متبع ہوگا اسے دولت خلت عطا ہوگی میرے ذوق میں اس جملہ کے اندر اتباع فانی کی جزا کا ذکر ہے مگر صراحۃً نہیں بلکہ اشاروں میں بیان کیا ہے کیونکہ

خوشتر آن باشد کہ سر دلبراں ☆ گفتہ آید در حدیث دیگراں

محبوب کے ایسے راز کا دوسروں کی حکایت اور تمثیلات میں بیان ہونا مناسب ہے۔

خلاصہ بیان

حاصل یہ ہوا کہ جس کو مقاصد دینیہ کی طلب ہو وہ عمل کا اہتمام کرے اور تکمیل عمل کے لئے صحبت اہل اللہ کو لازم سمجھے یہ طریقہ ہے کامیابی کا میں نے قاعدہ کلیہ بتلادیا ہے۔ جزئیات کی تفصیل مجالس عرفاء میں ہوتی رہتی ہے اگر صحبت عارفین میسر ہوجائے تو بساغنیمت ہے۔

مقام امن و مے بیغش و رفیق شفیق گرت مدام میسر شود زہے توفیق

مقام امن اور خالص شراب محبت اور شفیق رفیق اگر تم کو ہمیشہ میسر ہوجائیں تو بہت ہی اچھی توفیق ہے۔

اور مطالعہ ملفوظات کے متعلق فرماتے ہیں ۔

دریں زمانہ رفیق کہ خالی از خلل است ☆ صراحی مے ناب و سفینہ غزل است

جو زمانہ شیخ سے خالی ہو اس میں اسکے مکتوبات اور ملفوظات سے مستفید ہو۔

دیکھئے حضرت حافظ کتاب کو بھی رفیق فرما رہے ہیں اور شیخ کا رفیق ہونا اوپر کے شعر سے معلوم ہو چکا ہے نیز اس کا رفیق ہونا ہر اک کو معلوم ہے کہ وہ معین آخرت ہوتا ہے اور حضرت حافظ کے کلام سے کتاب کا بھی رفیق ہونا معلوم ہو گیا۔ باقی فضول مجلس آرائیوں کو چھوڑنا چاہیے اس سے آخرت کا بہت ضرر ہوتا ہے۔ اور اگر کسی شخص کو کسی موقع پر کسی عارف کی خدمت نصیب نہ ہو نیز اوراد و کتب بینی سے گھبرا جائے اور کچھ دیر اپنا دل بہلانا چاہیے تو بجائے چوپال اور مجالس میں بیٹھنے کے اس کو اپنے بیوی بچوں میں دل بہلانا چاہیے اس میں باطن کا ضرر نہیں ہوتا کیونکہ اہل وعیال کی دلجوئی بھی سنت ہے ایک عارف کہتے ہیں۔

جہد کن وبا مردم دانا بنشیں　　　باصدق وصفا
یا با صنم لطیف و رعنا بنشیں　　　با شرم وحیا

اس سے مراد زوجہ ہے یعنی یا تو شیخ کی صحبت میں رہو اگر شیخ میسر نہ ہو تو بیوی کے پاس بیٹھو اس سے بھی حفاظت رہتی ہے۔

زیں ہر دو گرت یکے میسر نشود　　　از طالع خویش
اوقات مکن ضائع و تنہا بنشیں　　　در یاد خدا

اگر ان دونوں میں سے کوئی بھی میسر نہ ہو تو تنہا یاد خدا میں بیٹھو۔

یہ طریقہ ہے آجکل سلامتی کا اور اس کے سوا اور جو تدبیریں سلامتی کی کی جاتی ہیں سب میں فتنہ ہے۔

گر گریزی برامید راحتے ☆ ہم ازانجا پیشت آید آفتے

اگر کسی راحت یا آرام کی امید پر بھاگتا ہے تو اس جگہ بھی تجھ کو کوئی آفت پیش آئے گی۔

واقعی آجکل جن لوگوں کو دوست سمجھا جاتا ہے ان ہی میں سے دشمن نکل آتے ہیں اس لئے اب مخلوق سے ملنے ملانے اور مجلس آرائی کرنے کا زمانہ نہیں رہا انسان اپنے کام میں لگا رہے دنیا کے یا دین کے اور اس کے بعد جو وقت بچے اسے خدا کی یاد میں گزارے۔ کچھ دیر بال بچوں میں دل بہلائے۔ کچھ وقت کتب بینی کے واسطے نکال لے۔

مولانا فرماتے ہیں۔

ہیچ کنجے بے دو و بیدام نیست ☆ جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

کوئی شبہ بے دوڑ دھوپ اور بغیر دام کے نہیں ہے۔ خلوت گاہ حق کے سوا کسی جگہ آرام نہیں ہے۔

پس دنیا و آخرت کی راحت وچین کا طریقہ میں نے آپ کو بتلا دیا ہے۔ میں اس وقت حجت اللہ ختم کر چکا ہوں آگے عمل کرنا نہ کرنا سامعین کے اختیار میں ہے۔ اب خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کیونکہ بدون ان کی امداد کے کچھ نہیں ہوسکتا کہ خدا تعالیٰ ہم کو ظاہری و باطنی بیماریوں سے شفا دے اور ہماری اصلاح فرمائے اور ہم کو عمل کی توفیق دے آمین۔

والحمدللّٰہ رب العلمین

وصلی اللّٰہ تعالی وسلم علی سید المرسلین

سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین

الرغبة المرغوبة
والطلبة المطلوبة

بمقام تھانہ بھون جامع مسجد خانقاہ امدایہ ۱۲ جمادی الاولی ۱۳۴۵ھ بروز جمعہ ۲ گھنٹہ ۵۵ منٹ تک کرسی پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۵۰ تھی۔ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے قلمبند کیا۔

خطبہ ماثورہ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرورانفسنا من سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ ونشھد ان لاالہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ والہ واصحابہ وبارک وسلم امابعد.فاعوذباللّٰہ من الشیطان الرجیم. بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم. فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب.

ترجمہ:...... تو آپ جب فارغ ہوجایا کریں تو محنت کیجئے اور اپنے رب ہی کی طرف توجہ رکھیے۔

آج کے بیان کی وجہ بعض اہل علم مہمانوں کی درخواست ہے پہلے بھی ایک دفعہ اس قسم کی درخواست کی گئی تھی مگر اس وقت طبیعت اچھی نہ تھی مجھے عذر تھا اسلئے عذر ظاہر کردیا تھا۔ جب کچھ ہفتوں کے بعد دوبارہ درخواست کی گئی تو میں اس کے رد سے شرما گیا گو عذر اب بھی ہے کہ طبیعت پوری طرح قوت پر نہیں ہے مگر بحمداللہ قوی عذر نہیں ہے اور پہلے سے اب طبیعت بہت اچھی ہے۔ گو مانعیت کیلئے ضعیف عذر بھی کافی تھا مگر احیاء کی وجہ سے میں نے ضعیف عذر کو پیش نہیں کیا اس لئے اس وقت بیان مختصر ہوگا مگر اب ان شاء اللہ ضرورت کے موافق ہوگا۔ میں نے درخواست کے وقت اتنا ضرور کہہ دیا تھا کہ اگر ضرورت کا مضمون ذہن میں آگیا تو بیان کردوں گا کیونکہ کیف ما اتفق بیان کردینا اور وقت کا پورا کرنا مجھے پسند نہیں الحمدللہ میں ہمیشہ اس کی رعایت کرتا ہوں کہ بیان مخاطبین کی ضرورت کا ہو اور ان کی حالت موجودہ کے موافق ہو یہ کہہ کر میں فکر میں تھا کہ کیا بیان کروں اور اس کے بعد میں قرآن شریف پڑھتا رہا کہ دفعتاً یہ مضمون ذہن میں آگیا جو اہل علم اور مشائخ کی ضرورت کا ہے۔ بلکہ یوں کہئے کہ جن لوگوں کی طرف رجوع عالم

ہے یہ ان کی ضرورت کا ہے خواہ وہ حقیقت میں عالم ہوں یا نہ ہوں شیخ ہوں یا نہ ہوں مقتدا ہوں یا نہ ہوں مگر ان کی طرف مخلوق کا رجوع ہو خواہ کسی دینی سبب سے رجوع ہو یا دینوی سبب سے غرض جس کو مخلوق سے سابقہ زیادہ پڑتا ہو یہ مضمون اس کے کام کا ہے اس میں علماء ومشائخ ومقتدا بھی داخل ہیں اور حکام ورؤساء وامراء بھی داخل ہیں کیونکہ دوسرے طبقہ کے ساتھ بھی حوائج مخلوق وابستہ ہیں اتنا فرق ہے کہ پہلے طبقہ کے ساتھ دینی علاقہ سے مخلوق کا تعلق ہے اور دوسرے طبقہ کے ساتھ دینوی علاقہ سے وابستگی ہے۔ اس تقریر سے اجمالاً معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ مضمون بہت ضرورت کا ہے کیونکہ اس وقت مخاطب زیادہ تر وہ حضرات ہیں جن کی طرف رجوع عالم ہے۔

تعلق مع الخلق کے حدود

پس ان کو تعلق مع الخلق کی حدود کا معلوم ہونا ضرور ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ آج کل جن کی طرف مخلوق کا رجوع ہے ان میں باعتبار غیر ضروری تعلق رکھنے اور اس سے دلچسپی ہونے کے دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ جنکو مخلوق سے تعلق ہے اور تعلق میں انہماک بھی ہے مگر وہ بھی اس کو مستحسن نہیں سمجھتے گو مخلوق سے ملتے ہیں مگر دلی تقاضا یہ ہے کہ کسی طرح یکسوئی نصیب ہو ان کی حالت تو غنیمت ہے اور ان کی اصلاح بھی آسان ہے کہ اگر زیادہ تعلق کی قباحت ان کو بتلا دی جائے تو وہ جلدی مان لیں گے اور اگر تقلیل تعلق کا طریقہ ان کو بتلا دیا جائے تو وہ اس پر عمل کرنے کیلئے بھی تیار ہو جائیں گے کیونکہ اس تعلق کو وہ بھی مستحسن نہیں سمجھتے اور اس سے یکسوئی کے طالب ہیں صرف تدبیر نہ معلوم ہونے کی وجہ سے تقلیل نہیں کرتے اور ایک وہ لوگ ہیں جو تعلق مع الخلق کے ہر درجہ کو محمود اور مقصود اور دین سمجھتے ہیں انکی اصلاح ذرا دشوار ہے کیونکہ جس چیز کو انسان دین سمجھے ہوئے ہیں اس سے اس کو ہٹانا آسان نہیں بہت مشکل ہے دوسرے یہ لوگ عملی غلطی کے ساتھ علمی غلطی میں بھی مبتلا ہیں اور پہلا طبقہ صرف عملی غلطی میں مبتلا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خطاء علمی خطاء عملی سے اشد ہے اور آج کل دوسری ہی قسم کے لوگ زیادہ ہیں۔ تعلق مع الخلق بعض صورتوں میں مامور بہ

ہے۔ میں اس وقت انہی کو اس غلطی پر متنبہ کرنا چاہتا ہوں جس میں وہ مبتلا ہیں اور منشا اس غلطی کا یہ ہے کہ تعلق مع الخلق بعض صورتوں میں دین بھی ہے اور مامور بہ بھی ہے مگر ان لوگوں نے اس کو حکم کلی اور عام بنالیا ہے۔ حالانکہ وہ واقع میں قیود کے ساتھ مقید ہے۔ اور یہ غلطی ایسی ہے جیسے ہم لوگوں نے یعنی اہل علم نے جواز غیبت کو عام کرلیا ہے۔ کیونکہ شریعت نے بعض وجوہ سے بعض مواقع پر اس کو جائز بھی کیا ہے اس کا کلیہ یہ ہے کہ جہاں کسی شخص کی حالت چھپانے سے دین کا یا دوسرے مسلمانوں کا یقیناً یا ظناً (جس سے ظن غالب مراد ہے) ضرر ہوتا ہو وہاں اس کی اصلی حالت ظاہر کردینا جائز ہے۔ اس میں محدثین کا روایت حدیث پر جرح کرنا اور مبتدع گمراہ کن کی بدعت کا ظاہر کرنا اور مستشار کو مستشار فیہ کی حالت کا مستشیر سے بیان کرنا اور مظلوم کا ظالم کی شکایت کرنا سب داخل ہے مگر عوام کو میں متنبہ کرتا ہوں کہ اس کلیہ کو وہ خود استعمال نہ کریں بلکہ جس کی وہ غیبت کرنا چاہیں اس میں پہلے علماء سے فتوی لیں اور عالم بھی ایسا ہو جو ایک درجہ میں مجتہد اور متدین ہو، اجتہاد سے میری مراد یہ نہیں کہ وہ قرآن و حدیث میں اجتہاد کرسکتا ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ فقہاء کے اقوال کو واقعات پر صحیح طور پر منطبق کرسکتا ہو اور یہ اجتہاد ابھی ختم نہیں ہوا بلکہ قیامت تک باقی رہے گا اور تدین سے مراد یہ ہے کہ اغراض کا تابع نہ ہو (یہ حاصل مطلب کا بیان ہے لغت کا بیان نہیں) کیونکہ جو شخص غرض کا تابع ہوگا وہ جائز کو ناجائز اور ناجائز کو جائز کرنے کی کوشش کرے گا اور اہل علم کے تو یہ بائیں ہاتھ کا کھیل ہے چنانچہ ہم رات دن دیکھتے ہیں کہ مولوی جس کی غیبت کرنا چاہتے ہیں کھینچ تان کر اسے حد جواز میں لے آتے ہیں کہ ہماری نیت اس غیبت سے دوسرے کی تحقیر نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی اصلاح مقصود ہے تاکہ اس کے شر سے محفوظ رہیں یا اس کے معتقد نہ ہوں وغیرہ ذلک مگر یہ سب تاویلیں دنیا ہی میں چل جاتی ہیں حق تعالیٰ کے سامنے ان کا چلنا دشوار ہے کیونکہ وہ عالم مافی الصدور ہیں۔ دل کی نیتوں کو خوب جانتے ہیں کہ تمہارا مقصود شفاء غیظ اور دوسرے کی تحقیر تھی یا مسلمانوں کی اصلاح کا قصد تھا۔

کارہا باخلق آری جملہ راست ☆ باخدا تزویر وحیلہ کے رواست

مخلوق کیساتھ تو تمام کام درست رکھتے ہو خدا کے ساتھ مکاری اور دھوکہ بازی کب جائز ہے۔

کار با او راست باید داشتن ☆ رایت اخلاص وصدق افراشتن

اس کے ساتھ کاموں کو ٹھیک رکھنا چاہیے سچائی اور خلوص کا جھنڈا گاڑنا چاہیے

تو جس طرح غیبت کو بعض مواقع میں جائز دیکھ کر ہم نے اس کو عام کرلیا اور اتنا عام کرلیا کہ اسی کو اوڑھنا اور بچھونا بنالیا ہے کہ کوئی مجلس ہماری غیبت سے خالی نہیں ہوتی اسی طرح تعلق مع الخلق کے بعض صورتوں میں مامور اور داخل دین ہونے سے ان حضرات نے دھوکہ کھایا کہ اس کو مطلقاً محمود اور دین سمجھنے لگے حالانکہ وہ کلیتاً محمود نہیں بلکہ بعض افراد اس کے مکروہ و ناجائز ہیں اور بعض افراد خلاف اولی ہیں اور بعض افراد محمود ہیں۔

انتظار نماز بحکم نماز ہے

اس سے شاید بعض لوگوں کو خصوصاً ان کو جو تعلق مع الخلق کو مطلقاً محمود سمجھے ہوئے ہیں توحش ہوا ہوگا مگر توحش کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ تعلق مع الخلق تو اگر کسی صورت میں داخل دین ہے بھی تو مقصود بالغیر اور محمود بالغیر ہوکر ہے جیسا کہ آئندہ واضح ہوگا اور میں آپ کو دکھلاتا ہوں کہ جو اعمال مقصود بالذات اور محمود بالذات بھی ہیں انکے بھی سب افراد محمود نہیں ہیں مثلاً نماز ہی کو لیجئے جو محمود و مقصود بالذات ہے مگر اس کے بھی بعض افراد مکروہ و ناجائز ہیں اور بعض خلاف اولیٰ ہیں اگر کسی پر پیشاب و پاخانہ کا تقاضا ہو تو اس دباؤ کی حالت میں اس کو نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اس وقت بول و تغوط لازم ہے۔ تو کیا کسی وقت بول و تغوط کے مامور بہ ہونا اور نماز سے مقدم ہونا اس کو مقصود بالذات بنادے گا اور کیا آپ اس کو مقصود بالذات کہیں گے ہرگز نہیں بلکہ یہی کہا جائے گا کہ بعض جہات سے اور بعض عوارض کی وجہ سے مقصود بالغیر ہوگیا ہے فی نفسہ ہرگز مقصود نہیں اور وہ عارض کیا ہے جس کی وجہ سے تغوط نماز پر مقدم کیا گیا یہاں ضرور امام ابوحنیفہؒ جیسے فقہاء کی یہاں محض روایت کافی نہیں کہ محض راویوں کی طرح حدیث بیان کیے جائیں اور علل احکام میں نظر نہ کریں گو ایک مسلک یہ بھی ہے مگر مسلک منصور یہی ہے کہ احکام غیر تعبدیہ کی علل میں غور کیا جائے تو امام صاحب نے ایک حدیث میں یہ دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب کھانا اور نماز

مجتمع ہو جائیں اور تم کو بھوک کا تقاضا ہو تو کھانے کو مقدم کرو اور بعض فقہاء نے فرمایا ہے اگر نماز پڑھنے میں کھانے کی لذت میں فرق آنے کا اندیشہ ہو مثلاً ٹھنڈا مٹی ہو جائے گا تو جب بھی تقدیم طعام کی اجازت ہے مگر اس مسئلہ کو عام طور پر بیان کرنے کو جی نہیں چاہتا کیونکہ آج کل اہل ہوی زیادہ ہیں۔ نہ معلوم وہ اس سے کہاں کہاں کام لیں گے بہر حال بعض وقت میں شریعت نے طعام کو صلوٰۃ سے مقدم کر دیا ہے امام صاحب سے اس کی وجہ میں منقول ہے۔ **لان یکون اکلی کله صلوة احب الی من ان یکون صلوتی کلها اکلا**، کہ میرا کھانا نماز بن جائے یہ اس سے اچھا ہے کہ نماز کھانا بن جائے۔ یعنی شریعت کا قاعدہ ہے کہ انتظار صلوۃ بحکم صلوٰۃ ہے تو جو شخص کھانا کھاتا ہو اور اس کا دل نماز کی فکر میں مشغول ہو تو وہ حکماً نماز ہی میں ہے اس طرح اس کا کھانا نماز بن گیا اور جو شخص نماز کی حالت میں کھانے کی فکر میں ہو تو وہ حکماً نماز کھانا بن جائے گی اس حکمت کی وجہ سے شریعت نے تقاضے بول وتغوط کے وقت قضاء حاجت کو نماز سے مقدم کیا اور نماز کو اس حالت میں مکروہ کہا ہے۔

سید الطائفہ حضرت حاجی صاحبؒ کے علوم کی شان

امام صاحب کے اس قول کی نظیر میں ہمارے حاجی صاحب کا بھی ایک ارشاد ہے گو یہ ایک صوفی متاخر کا قول ہے مگر ان کے علوم سلف کے مشابہ ہیں حضرت سے جب کوئی دریافت کرتا کہ میں مکہ مکرمہ میں اقامت کرلوں اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے تو فرماتے جس کا حاصل یہ تھا بہندوستان بودن ودل بمکہ بہ ازاں کہ بمکہ بودن ودل بہندوستان یعنی ہندوستان میں اس حال سے رہنا کہ دل مکہ کے اشتیاق میں ہو اس سے اچھا ہے کہ مکہ میں اس حال میں رہو کہ دل ہندوستان میں اٹکا ہوا ہو۔ مطلب یہ تھا کہ مکہ میں قیام کا اس وقت ارادہ کیا جائے جبکہ یہ حالت نصیب ہو جائے کہ یہاں رہ کر پھر ہندوستان یاد نہ آئے گا اور جس کو یہ حال نصیب نہ ہو اس کیلئے ہندوستان میں قیام کرنا اور مکہ کی یاد میں تڑپتے رہنا ہی بہتر ہے کیونکہ اس شخص کو جب یہ حال نصیب نہیں تو اندیشہ سقوط حرمت کعبہ کا ہے کہ مکہ میں قیام کرنے سے اس کو کعبہ کے ساتھ ضعف تعلق کی حالت ہو جائے کہ

اب نظر میں پہلی سی عظمت و وقعت نہ رہے۔ اسی حکمت کی وجہ سے حضرت عمرؓ کی عادت تھی کہ حج کے بعد لوگوں کو مکہ سے نکالتے تھے اور فرماتے تھے یااھل الشام شامکم ویااھل الیمن یمنکم الخ اے شام والو! تم شام کو جاؤ اور اے اہل یمن تم یمن کو سدھارو (اور فرماتے ھذا ابقی لحرمۃ البیت فی قلوبھم اونحوہ، کہ اس سے ان کے قلوب میں حرمت بیت زیادہ بڑھے گی) تو دیکھئے حالانکہ فی نفسہ قیام حرم افضل واولیٰ اور محمود و مقصود ہے مگر ایک عارض کی وجہ سے ہندوستان ویمن وشام میں رہنا مامور بہ ہوگیا اور بعض حالات میں قیام حرم سے بھی مقدم ہوگیا ان سب مثالوں سے یہ معلوم ہوگیا ہوگا کہ کسی عارض کی وجہ سے مقصود بالغیر کبھی مقصود بالذات سے بھی مقدم ہوتا ہے مگر وہ مقصود بالذات نہیں بن جاتا صرف تقدم زمانی ہو جاتا ہے اور یہ طفرہ ہے کہ شئی متاخر بدون معیت کے اپنے متقدم سے مقدم ہوگئی مگر اس سے انقلاب حقیقت نہیں ہوتا کہ مقصود بالغیر مقصود بالذات اور مقصود بالذات مقصود بالغیر ہو جائے ہرگز نہیں کیونکہ انقلاب حقیقت بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے جس طرح حکماء حرکت اجسام میں طفرہ کے قائل ہوئے ہیں اسی طرح یہ معانی میں طفرہ ہے یہ اسی طرح تعلق بالخلق مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ مقصود بالغیر ہے اور کبھی کبھی جو کسی عارض کی وجہ سے مقصود بالذات پر اس کی تقدیم کا امر ہوا ہے۔

آیت متلو کا مدلول

اسی سے بعض اہل علم کو اس میں مقصودیت ذاتیہ کا شبہ ہوگیا ہے اور وہ اس کو عین دین سمجھنے لگے چنانچہ اب اس غلطی کی وجہ سے عام حالت یہ ہے کہ نماز روزہ سے فارغ ہوئے اور تعلق بالخلق میں مشغول ہوگئے فاذا فرغت فانصب، کی تفسیر کو بالکل الٹ دیا گیا کہ حکم تو یہ تھا کہ مخلوق کے کام سے فارغ ہو کر تعلق بالحق میں زیادہ مشغول ہونے کی کوشش کی جائے اور یہاں حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے فارغ ہو کر تعلق بالخلق میں مشغول ہونے کی کوشش ہے آیت کا مدلول تو یہ تھا کہ اشتغال بالحق کے لئے مخلوق سے فراغ ڈھونڈا جائے اور ہماری حالت یہ ہے کہ اشتغال بالخلق کے لئے حق سے فراغ کو ڈھونڈھتے ہیں پہلی حالت کا مقتضا یہ تھا کہ تعلق بالخلق میں دلچسپی نہ ہوتی بلکہ مخلوق کے ساتھ اشتغال

کے وقت میں یہ بے چینی ہوتی کہ جلدی سے ان سے فارغ ہو کر سارا وقت خدا کیساتھ تعلق بڑھانے میں صرف کیا جائے اور دوسری حالت کا اثر یہ ہے کہ ہم نماز روزہ سے ذکر و تلاوت سے جلدی جلدی فارغ ہونے کی کوشش کرتے اور باقی سارے وقت میں اشتیاق و دلچسپی کیساتھ تعلق خلق میں مشغول ہو جاتے ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ عین نماز میں بھی تعلق بالخلق کا دھیان لگا رہتا ہے۔

قرآن پاک کی قصر آیات

اسی لئے نماز میں چھوٹی چھوٹی سورتیں قل هو الله احد (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما دیں کہ وہ اللہ ایک ہے) انا اعطیناک الکوثر (بے شک ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوثر عطا فرمایا) پڑھتے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ہمارے حال پر رحمت وعنایت ہے کہ قرآن میں چھوٹی چھوٹی سورتیں بھی نازل فرما دیں تا کہ فاتحہ کے بعد جو ایک سورت واجب ہے اور وہ جب چھوٹی سورتوں کے پڑھنے سے بھی ادا ہو جائے پھر امام ابوحنیفہؒ کو دعا دو کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ فاتحہ کے بعد سورت ہی کا پڑھنا ضروری نہیں بلکہ تین آیات بھی کافی ہیں۔ کیونکہ اقصر سورت کی آیات تین ہی ہیں پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ تین آیات انا اعطینا کی آیات کی برابر ہی ہوں بلکہ اقصر آیات بھی کافی ہے پھر اللہ تعالیٰ فقہاء متاخرین کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے سارے قرآن کی آیات کو دیکھ کر سورۃ مدثر کی تین آیتیں تلاش کیں جو بہت چھوٹی ہیں جن کے اٹھارہ ہی حرف ہیں اور انہوں نے فتویٰ دے دیا کہ فاتحہ کے بعد اٹھارہ حرفوں کی مقدار قرآن پڑھنے سے واجب ادا ہو جائے گا چاہے پوری آیت بھی نہ ہو بلکہ آیت کا جز وہی ہو شاید اب تو بعضوں کو انا اعطینا میں بھی دو رکعتیں کرنے کا خیال ہوا ہوگا۔ بعض جہل بھی نافع ہے لوگوں کو اب تک اس مسئلہ کی خبر نہ تھی اس لئے وہ انا اعطینا سے کم میں نماز کو صحیح نہ سمجھتے تھے مگر اب تو علم ہو گیا شاید اب اس سے بھی کم کی نیت ہوئی ہوگی لیکن ہمارا کیا حرج ہے ممکن ہے اس سہولت کو سن کر کوئی بے نماز نماز ہی پڑھنے لگے کہ یہ تو بہت آسان چیز ہے اس میں تو وقت بھی زیادہ نہیں لگتا اور فقہاء نے ایسے ہی لوگوں کی رعایت سے اتنی محنتیں کی ہیں

تا کہ اگر کوئی لمبی نماز سے گھبراتا ہو تو اسے بتلا سکیں کہ فرض وواجب کا ادا ہونا تطویل پر موقوف نہیں وہ تو اختصار سے بھی ادا ہو سکتا ہے اور بعض دفعہ اختصار کی ضرورت بھی ہوتی ہے کہ اس وقت تطویل مکروہ ہو جاتی اور اختصار ہی مطلوب ہوتا ہے مثلاً نماز کا وقت تنگ ہو گیا ہو تو اب لازم ہے کہ فرائض واجبات ہی پر اکتفا کیا جائے اور سنن کو حذف کیا جائے۔

حضرت امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کی حکایت

میں نے ایک معتبر عالم سے سنا ہے کہ ایک دفعہ امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ سفر میں تھے۔ اونٹ کی سواری تھی جو بہت آرام کی سواری ہے۔ کچھ تو آرام ملنے کی وجہ سے کچھ تعب سفر کی وجہ سے سواری ہی کی حالت میں نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ صبح دیر میں آنکھ کھلی پہلے میں اس سے بہت ڈرا کرتا تھا کیونکہ بچپن میں ایک بار اس پر سوار ہوا تھا تو وہی تصور ذہن میں تھا کہ وہ بہت لمبا تھا اور میں بہت چھوٹا تھا گو اب وہ تصور تو عقلاً نہ رہا مگر اس کا اثر یعنی خوف طبعاً باقی تھا مگر جب میں سفر سندھ میں گیا اور بعض مقامات میں اونٹ کی سواری تجویز کی تو میں نے اول انکار کیا کہ مجھے تو اس سے ڈر لگتا ہے انہوں نے کہا آپ سوار ہو کر تو دیکھیں یہ تو بہت آرام کی سواری ہے اس وقت میں انکے کہنے سے سوار ہوا تو میرا خوف زائل ہو گیا اور معلوم ہوا کہ واقعی بہت آرام کی سواری ہے غرض کچھ تو سواری آرام کی تھی اور کچھ سفر میں وقت پر سونے کا موقع نہیں ملتا اس لئے ان حضرات کی آنکھ صبح کو دیر میں کھلی جلدی سے اتر کر وضو کیا اور امام صاحب نے اپنے شاگرد امام ابو یوسفؒ کو نماز میں آگے بڑھا دیا انہوں نے اپنے اجتہاد سے کام لے کر نماز میں بہت اختصار کیا کیونکہ وقت بہت کم رہ گیا تھا راوی کو یہ یقینی یاد تھا کہ انہوں نے سنن کو ترک کر دیا اور اس میں شبہ بیان کیا تھا کہ واجبات کو بھی ترک کیا اور محض فرائض ہی پر اکتفا کیا تھا یا واجبات ترک نہیں کئے غرض بہت ہی جلدی دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا اور دل دل میں ڈر رہے تھے کہ امام صاحبؒ نماز کے بعد دیکھئے اس تعجیل سے خفا نہ ہوں مگر امام صاحب نے نماز کے بعد فرمایا الحمدللہ صار یعقوبنا فقیھا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارا یعقوب (امام ابو یوسفؒ کا نام ہے) فقیہ ہو گیا، جس فعل سے ان کو گرفت کا اندیشہ تھا اسی نے ان کو استاد کی زبان سے فقیہ کا خطاب دلوا دیا اور جس کو امام

ابوحنیفہ فقیہ کہہ دیں سمجھ لو وہ کس درجہ کا فقیہ ہوگا میں اسی کو بیان کر رہا تھا کہ بعض دفعہ اختصار ہی مطلوب ہوجاتا ہے اور تطویل مکروہ ہوجاتی ہے اور اس کی رعایت کرنا فقیہ ہی کا کام ہے ۔نرا صوفی اس کی رعایت نہیں کرسکتا اور جاہل تو بھلا کیا خاک رعایت کریں گے چنانچہ بہت لوگ طلوع آفتاب سے پہلے اٹھ جاتے ہیں ۔مگر علم نہ ہونے کی وجہ سے نماز کو قضاء کردیتے ہیں ان کی تو نیت ہی اتنی دیر میں بندھتی ہے کہ جاننے والا اس میں ایک رکعت پڑھ لے۔

امامت میں کون افضل ہے

ایک دفعہ میں شاہ جانپور میں گیا تھا واپسی کے وقت اسٹیشن پر مغرب کی نماز پڑھی جو عین گاڑی آنے کا وقت تھا۔مجمع میں ایک قاری صاحب بھی تھے میں نے ان کو امامت کیلئے آگے کیا کیونکہ حدیث میں ہے یؤم القوم اقراھم (سنن ابی داؤد ۵۸۲، سنن النسائی ۲: ۷۶) (لوگوں کی امامت وہ کرے جو ان میں قرآن پاک زیادہ قرأت سے پڑھتا ہو) مگر اس بندہ خدا نے قرأت میں ترتیل سے بڑھ کر ترسیل شروع کردی اس وقت میری طبیعت کو بہت الجھن ہوئی اور بار بار یہ خیال ہوتا تھا کہ اب گاڑی آئی بڑی دقت سے نماز پوری کی خیر شکر ہے کہ گاڑی آنے سے کچھ پہلے ہی ختم ہوگئی تھی ۔اس دن میں سمجھا کہ امام صاحب نے جو اقراھم کی تفسیر اعلمھم (ان میں زیادہ مسائل کا علم رکھنے والا ہو) سے کی ہے واقعی وہ صحیح سمجھے ہیں کہ نماز میں اعلم ہی کو امام بنانا چاہیے۔(گو اقراء نہ ہو مگر بقدر ضرورت صحیح قرآن پڑھتا ہو) نرا قاری تو بعض دفعہ نماز کو فاسد کردے گا۔اب نرے صوفیوں کی حالت سنیئے۔ایک دفعہ ایک بزرگ کے ساتھ میرا سفر ہوا بہلی کا سفر تھا راستہ میں مغرب کا وقت آگیا۔بہلی ٹھہرا کر نماز مغرب پڑھی میں تو فرض کے بعد دو سنتیں پڑھ کر کھڑا ہوگیا اور ان بزرگ نے ایسی صلوۃ الاوابین شروع کردی جو میرے لئے ایسی صلوۃ الاوابین ہوگئی کہ آئندہ کے لئے میں نے ایسے بزرگوں کے ساتھ سفر کرنے سے توبہ کرلی یہ وقت صلوۃ الاوابین کا تھا کہ راستہ میں رات ہوگئی اور ساتھیوں کو پریشانی ہو رہی ہے ادھر گاڑی بان کو جلدی ہے کہ کس طرح بیلوں کو منزل پر پہنچ کر جلدی سے گھاس دانہ مل جائے پھر رات کو سفر میں بھی خطرہ ہوتا ہے اور وہ مقام خطرہ کا مشہور بھی تھا اور یہ حضرت اپنی صلوۃ الاوابین کی وجہ سے سب کو باندھے ہوئے ہیں ایک دوسرے بزرگ کے سفر کا واقعہ ایک

شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ راستہ میں ظہر کا وقت آ گیا ہم راہی نماز سے فارغ ہو کر تیار ہو گئے مگر وہ بزرگ مصلّٰی سے نہ اٹھے ان سے کہا گیا تو جواب دیا کہ میں تو ظہر کے بعد عصر تک مصلّٰی ہی پر بیٹھ کر وظیفہ پڑھا کرتا ہوں اب ایک شخص کی وجہ سے سب ساتھیوں کو دو تین گھنٹہ تک مقید رہنا پڑا اور دل میں سب تنگ تھے۔ تو ایسے مواقع پر تطویل کرنا تو جہالت ہے مگر اطمینان و اقامت کی حالت میں زیادہ اختصار کرنا اچھا نہیں۔

تعلق مع الخلق مقصود بالذات نہیں

لیکن ہم لوگ اختصار کے ایسے عادی ہوئے ہیں کہ ہمیشہ قل ھو اللہ اور انا اعطینا ہی سے نماز پڑھتے ہیں اور یوں چاہتے ہیں کہ جلدی نماز سے فارغ ہو کر دوستوں کے ساتھ بات چیت میں مشغول ہوں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے تعلق بالخلق کو مقصود بالذات اور مطلوب سمجھ لیا ہے پس خوب سمجھ لو کہ تعلق مع الخلق مقصود و مطلوب بالذات نہیں ہے گو بعض دفعہ کسی عارض کے سبب مطلوب و مامور بہ ہوتا ہے اور کبھی مطلوب بالذات سے مقدم بھی ہو جاتا ہے مگر اس کو قاعدہ کلیہ بنا لینا سخت غلطی ہے بلکہ اس کے سمجھنے کیلئے اجتہاد کی ضرورت ہے محض کتابیں پڑھ لینا کافی نہیں۔

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند ☆ نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

ہزار نکتہ باریکتر مو ایں جاست ☆ نہ ہر کہ سر بتراشید قلندری داند

جس نے اپنے چہرہ کو روشن کیا وہ دلبری کے لائق نہیں ہر آئینہ رکھنے والے کو سکندر نہیں کہہ سکتے اس جگہ ہزار نکتہ بال سے باریک ہیں ہر وہ شخص کہ سر منڈا لے قلندر نہیں بن سکتا۔

نوجوان علماء کو ایک ضروری نصیحت

اس لیے میں نوجوان مولویوں سے کہا کرتا ہوں کہ گو تم عالم ہو گئے ہو اور تمہاری معلومات بھی تازہ ہیں اور پرانے مولویوں سے زیادہ بھی ہیں کیونکہ جوانوں کا حافظہ اچھا ہوتا ہے مگر پھر ابھی تک تم کو اس کی ضرورت ہے کہ کسی بڈھے کے پاس رہو جبھی تم کو معانی حاصل ہوں گے۔ کیونکہ بزرگوں کی صحبت میں رہنے سے ان کی فہم صائب ہو چکی ہے اور اگر کسی

نوجوان کو معانی بھی الفاظ کے ساتھ القا ہوتے رہتے ہوں تو اس کو بھی کسی کامل کی شہادت کی ضرورت ہے بدون کسی کامل کی شہادت کے اپنے آپ کو مجتہد سمجھنے کا اسے بھی حق نہیں صائب نے خوب کہا ہے۔

بنمائے بصاحب نظرے گوہر خود را ☆ عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

ترجمہ: اپنے موتی کو کسی نظر والے کو دکھلا چند بیوقوف لوگوں کے کہنے سے عیسیٰ نہیں بن سکتا۔

یہ شعر اس شخص پر بہت اچھا صادق ہو رہا ہے جس نے چند گدھوں کی تصدیق سے عیسیٰ ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ بہر حال اگر کسی کو الفاظ کے ساتھ معانی کا بھی القا ہوتا ہو تو اسے بھی از خود اپنے اجتہاد کا معتقد ہو جانا جائز نہیں جب تک کوئی مجتہد اس کے اجتہاد پر شہادت نہ دے دے اور کامل کی شہادت کے بعد اسے اپنی فہم کو موقع فہم میں حجت سمجھنا جائز ہوگا اور یہ تکبر میں داخل نہ ہوگا بلکہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بی اے اپنے کو بی اے سمجھے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعضے انگریزی پڑھنے والے لیاقت و استعداد میں اپنے اساتذہ سے بڑھ جاتے ہیں مگر پھر بھی وہ بی اے خود نہیں ہو سکتے جب تک کوئی ممصر شہادت نہ دے۔ حالانکہ وہاں کبھی ممصر خائن بھی ہوتا ہے پھر بھی اس کی شہادت سے آپ بی اے ہو جاتے ہیں اور اپنے کو بی اے سمجھنے لگتے ہیں اور اگر وہ شہادت نہ دے تو چاہے آپ کتنے ہی لائق و فاضل ہوں مگر بی اے فیل ہی رہیں گے تو جہاں ممصر متدین ہو وہاں اس کی شہادت سے اپنے کو مجتہد سمجھنا کیونکر جائز نہ ہوگا۔

تکبر کی حقیقت

دوسری نظیر اس سے بہتر یہ ہے کہ جیسے حافظ کو اپنے حفظ کا اعتقاد جائز ہے ایسے ہی اس شخص کو اپنے اجتہاد کا اعتقاد جائز ہے۔ اور یہ تکبر نہیں بلکہ تکبر یہ ہے کہ اپنی صفات حمیدہ کو اپنا کامل سمجھے عطاء و فضل حق پر نظر نہ کرے۔ اور دوسروں کو حقیر سمجھے۔ باقی اپنی صفات کی نفی کرنا تواضع نہیں ہے آلہ آباد میں ایک بزرگ محمدی شاہ تھے جو ولایتی تھے اسی لئے ان کی زبان کھڑی تھی۔ ایک میرے دوست بیان کرتے تھے جو حافظ اور حاجی بھی تھے کہ میں ان کی

خدمت میں ایک شخص کے ساتھ گیا جن کو محمدی شاہ صاحب پہلے سے پہچانتے تھے۔ شاہ صاحب نے ان سے پوچھا یہ کون صاحب ہیں اس شخص نے کہا کہ حضرت ان کا یہ نام ہے اور یہ حافظ بھی ہیں اور حاجی بھی ہیں اور بہت نیک ہیں اس پر وہ حافظ صاحب بولے نہیں حضرت میں تو کچھ بھی نہیں اس لفظ پر محمدی شاہ صاحب برہم ہو گئے اور جھلا کر فرمایا تو اچھا تم حافظ نہیں تم یہ چاہتا ہے کہ تمہارا حفظ سلب ہو جائے۔ تمہارا حج ضبط ہو جائے اور تمہارا نماز روزہ خبط ہو جائے کہا نہیں فرمایا۔ پھر یوں کیوں کہتے ہو کہ میں تو کچھ بھی نہیں تم ناشکرا ہے اور اس کے بعد جب کبھی یہ حافظ صاحب ان سے لئے تو فرماتے آؤ ناشکرا مجھے یہ بات ان کی بہت پسند آئی کہ انہوں نے بتلا دیا کہ تواضع کے یہ معنی نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان کی اپنے سے نفی کرے بلکہ معنی یہ ہیں کہ ان کو اپنے کمال سے نہ سمجھے محض فضل و رحمت سمجھے پس اب میرا قول واضح ہو گیا کہ کامل کی شہادت کے بعد اپنے اجتہاد کا اعتقاد جائز ہے اور بدون اس کے جائز نہیں مگر اب یہ حالت ہے کہ لوگ محض اپنے خیال اجتہاد سے تعلق مع الخلق کو مطلقاً محمود و مقصود سمجھتے ہیں حالانکہ یہ کلیہ غلط ہے بلکہ بعض دفعہ عارض کی وجہ سے مقصود بالغیر ہو جاتا ہے۔ اب میں آپ کو ایک معیار بتلاتا ہوں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ تعلق مع الخلق کو مطلوب کون سمجھتا ہے اور کون نہیں سمجھتا اور وہی تعلق مع الخلق کے محمود و مذموم ہونے کا معیار بھی ہے وہ یہ کہ اگر کسی کو دوستوں کے ساتھ باتوں میں مشغول ہونے سے دلچسپی نہ ہو بلکہ اس سے اس کا جی گھبراتا ہو اور نماز و ذکر میں مشغول رہنے کو جی چاہتا ہو اور باتوں میں مشغول ہوتے ہوئے یہ تقاضا ہو کہ جلدی سے بات ختم ہو تو میں اللہ کی یاد میں لگوں تو یہ شخص واقعی تعلق مع الخلق کو مطلوب نہیں سمجھتا اور اس کے لئے اس تعلق کو مذموم نہ کہا جائے گا اور جس شخص کا نماز میں یہ جی چاہتا ہو کہ جلدی نماز سے فارغ ہو کر دوستوں سے باتیں کریں اور ان کی باتوں کی وجہ سے اپنے معمولات کا ناغہ کر دیتا ہو کہ نہ اشراق ہے نہ تہجد ہے نہ ذکر ہے نہ تلاوت ہے ان کی وجہ سے محض فرائض پر اکتفا کرتا ہے اور اس سے بھی جلد

فارغ ہونے کا تقاضا ہے تو یہ شخص تعلق مع الخلق کو مطلوب سمجھتا ہے اور اس کیلئے یہ تعلق مذموم ہے۔ یہ ہے معیار اس کو یاد رکھیں گے مگر بلی کے بھاگو چھینکا ٹوٹا ان لوگوں کو بعض بزرگوں کی کچھ حکایات پہنچی ہیں اور اس کے ساتھ چند کتابیں بھی پڑھ لی ہیں اس لئے ہر بات میں تاویل کرتے ہیں اور اپنے فعل کو بزرگوں کے فعل پر قیاس کر کے سرخرو بنتے ہیں۔

نوچندی کا میلہ

تاویل تو طالب علمی ہی کے وقت سے ان کی گھٹی میں پڑ جاتی ہے مجھے خود اپنا واقعہ یاد ہے جب میں دیوبند پڑھتا تھا۔ اس وقت والد صاحب میرٹھ میں لال کرتی والوں کے یہاں ملازم تھے۔ تعطیل کے موقعہ پر میں اکثر میرٹھ ہی چلا جایا کرتا تھا چنانچہ میں ایک دفعہ تعطیل کے زمانہ میں میرٹھ آیا تو اس وقت نوچندی کا میلہ تھا۔ پہلے تو یہ عرس تھا کسی بزرگ کا مگر اب بازار ہو گیا ہے۔ اور بازار بھی انگریزی اس وقت میرا بچپن تھا سیر کی غرض سے میں نوچندی میں چلا گیا اور اب تو پچپن سالہ میں ہوں مگر اب بھی یہ حال ہے۔

چہل سال عمر عزیزت گذشت ☆ مزاج تو از حال طفلی نگشت

تیری پیاری عمر کے چالیس سال گزر گئے تیرے مزاج میں اب بھی لڑکپن باقی ہے۔

بلکہ دوسرے شعر کا مصداق ہے۔

اے کہ پنجاہ رفت ودر خوابی ☆ مگر ایں پنج روز دریابی

اے وہ شخص کہ تیری عمر کے پچاس برس گزر گئے اور تو سو ہی رہا ہے شاید موجودہ پانچ روز پالیوے۔

بہرحال اس وقت میری بہت تھوڑی عمر تھی ابتدائی کتابیں یا متوسطات پڑھتا تھا۔ جب میں نوچندی سے واپس آیا تو رئیس صاحب نے جو مجھ سے بہت محبت کرتے تھے جتلانے کیلئے پوچھا کیوں مولوی صاحب نوچندی میں جانا کیسا ہے۔ مولوی کا خطاب بھی مولویوں کو طالب علمی ہی سے مل جاتا ہے۔ میزان پڑھنے والا بھی مولوی کہلاتا ہے میں سمجھ گیا کہ یہ سوال مجھ پر اعتراض کرنے کیلئے کیا گیا ہے تو میں نے جواب دیا کہ عوام کو تو ناجائز ہے

مگر ایسے شخص کو جائز جو کبھی مقتدا ہونے والا ہے اور وہ تحقیق حال کی غرض سے جاتا ہے تاکہ بعد میں جب عوام کو اس سے منع کرے تو اس کے قبائح و منکرات ان کے سامنے بیان کر سکے۔ رئیس صاحب کہنے لگے کہ مولوی جو کام بھی کرتے ہیں اس کو عبادت بنا لیتے ہیں تو یہ بھی تاویل تھی کیونکہ طالب علمی ہی سے ہم لوگوں کو تاویل کا مرض ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اب بھی بعض لوگ اپنی حالت میں تاویلیں کرتے ہیں اور اپنے کو بزرگوں پر قیاس کرتے ہیں اور ان کی حکایات کو اپنی تائید میں بیان کر دیتے ہیں کہ وہ بھی تو تعلق مع الخلق کا اہتمام فرماتے اور دوسروں کی خاطر سے اپنے معمولات کو ناغہ کر دیتے تھے۔

دوسروں کی دلجوئی بھی عبادت ہے

مثلاً حضرت حاجی صاحبؒ کی ایک حکایت میں نے اپنے بچپن کے استاد سے سنی ہے کہ ایک دفعہ وہ دیر تک حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس بیٹھے رہے پھر اٹھتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت آج میں نے حضرت کی عبادت کا بہت حرج کیا تو فرمایا کیا عبادت صرف نفلیں ہی پڑھنے کا نام ہے دوستوں کی دلجوئی اور ان کے ساتھ باتیں کرنا بھی تو عبادت ہے۔ یہ حکایت ہم لوگوں کے لئے مضر ہوگئی کہ ہم اپنی حالت کو بھی حاجی صاحب کی حالت پر قیاس کر کے دوسروں کی دلجوئی کو مطلقاً عبادت سمجھنے لگے اور اس کیلئے اپنے معمولات کو برباد کرنے لگے۔ صاحبو! حضرت حاجی صاحب کی حالت کو دوسرے واقعات سے سمجھو کہ وہ کس مقام پر تھے کیونکہ واقعات ہی سے قلبی حالت کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ ایک بار حضرت کی مجلس میں تذکرہ ہو رہا تھا کہ جمعہ و عید کے دن عطر کس نیت سے لگانا چاہیے۔ ہر ایک نے مختلف وجوہ بیان کئے۔ حاجی صاحب نے فرمایا کہ ہم تو اس نیت سے لگاتے ہیں کہ اللہ میاں کو اچھے لگیں۔ یہ بات میں نے اور کسی بزرگ کے کلام میں نہیں دیکھی۔ مگر آج کل ہی ایک حدیث سے اس مضمون کی تائید ملی جس کی تخریج عراقی نے کی ہے جس میں من تطیب اللہ (المغنی عن حمل الأسفار للعراقی ۴:۳۵۴) وارد ہے کہ جو اللہ کے واسطے خوشبو لگائے (اس کیلئے اجر ہے جو حدیث میں مذکور ہے) گو اس کی تفسیر میں اختلاف

ہوسکتا ہے کوئی یہ تاویل بھی کرسکتا ہے۔ من تطیب لامتثال امر اللہ ونحوہ مگر ظاہر حدیث حاجی صاحب کے قول کا موید ہے اس سے میرا بڑا جی خوش ہوا حضرت کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کا علم واقع کے مطابق ہے اور عطر واقع میں اچھی چیز ہے تو علم الٰہی میں بھی یہ اچھی شے ہے تو ہم اس واسطے لگاتے ہیں تاکہ اللہ میاں کو اچھے لگیں۔

تمام عالم کو مراۃ جمال حق سمجھنا

یہاں سے حضرت کی حالت کا پتہ چلتا ہے کہ حضرت کی نظر ہر چیز پر حضرت حق کے بعد ہی پڑتی تھی۔ یعنی ہر چیز سے اول حضرت حق پر نظر پہنچتی تھی۔ پھر اس چیز پر نظر پڑتی تھی۔ تمام عالم حضرت کے لئے مراۃ جمال حق تھا پھر حضرت کے جو مجاہدات منقول ہیں ان کو بھی دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ نے محبت حق کے لئے کیا کیا محنتیں برداشت فرمائی ہیں۔ دنیا سے کس قدر اعراض فرمایا ہے۔ تو جو شخص دنیا سے اس درجہ نفور ہو ظاہر ہے کہ دوستوں کی دلجوئی میں اس کی نیت دنیا کے لئے تو کبھی نہیں ہوسکتی بلکہ محض رضا حق مطلوب تھی۔ اب جو لوگ اپنے کو حضرت پر قیاس کرتے ہیں وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں تو کیا ان کو بھی دنیا سے اس درجہ نفرت ہے اور کیا ذات حق کے سوا ہر چیز سے ان کی نظر اٹھ گئی ہے اگر یہ بات نہیں تو پھر یہ قیاس مع الفارق کیسا؟ حضرت کی ایک حکایت سنئے ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب کے یہاں مثنوی کا درس ہو رہا تھا اسی وقت ایک سائل آیا اور حضرت کی تقریر منقطع ہوگئی۔ کسی نے کہا لوگ کیسے بیوقوف آتے ہیں حضرت نے فرمایا خبردار! سائل سے کبھی تنگدل نہ ہونا یہ تو محسن ہیں ہمارے لئے حمال اثقال ہیں کہ ہمارا بوجھ اٹھا کر آخرت [تک] پہنچاتے ہیں اگر یہ لوگ نہ ہوں تو ہمارے صدقات آخرت میں کسی طرح نہ پہنچ سکیں اس میں اشارہ تھا اس [حدیث] کی طرف جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں مال کی اس قدر کثرت ہوگی کہ آدمی اپنے [صدقہ] لئے لئے پھرے گا اور کوئی اسے قبول نہ کرے گا کیونکہ کوئی فقیر ہی نہ ہوگا ہر شخص یہ جواب دے گا کہ اگر [پہلے] [آتے] تو میں قبول کرلیتا باقی اب تو خدا نے مجھے غنی کردیا ہے اب بتلایئے اس وقت کیا حال

ہوگا اور جو لوگ صدقہ کرنا چاہیں گے اور کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا تو ان کے دل پر کیا گزرے گی۔ اس لئے ہم کو سائلوں کا احسان مند ہونا چاہیے کہ جب تک یہ موجود ہیں اس وقت تک ہم کو صدقات کے پہنچانے میں سہولت ہے۔ اب اگر وہ قبول صدقہ کے عوض میں ہم سے کچھ اجرت بھی مانگیں تو بجا ہے۔

بعض پیرزادوں کی حکایت

جیسا کہ بعض پیرزادوں کی حکایتیں سنی ہیں کہ جو کوئی ان کی دعوت کرتا ہے تو دعوت کے بعد وہ دانت گھسائی بھی لیتے ہیں چنانچہ ایک پیرزادے سے ڈھاکہ کے ضلع میں ایک مقام پر جس کا نام زنجیرا ہے پہنچے اور وہاں جا کر زنجیر ہوں میں جکڑے گئے۔ کیونکہ وہاں ان کے باپ کے مرید تھے خود ان کے مرید بھی تھے خیر وہ ایک رئیس کے یہاں مہمان ہوئے اس نے چلتے ہوئے پچاس روپے پیش کئے آپ نے وہ پھینک دیئے اور کہا کیا ہم پچاس کے لائق ہیں اس نے معذرت کی کہ میں اس وقت زیادہ پیش کرنے سے مجبور ہوں مگر اس نے ایک نہ سنی آخر کار دو سو پر صلح ہوئی یہ دانت گھسائی تھی خیر اب تو سب لوگ اس حرکت پر ملامت و نفریں کرتے ہیں لیکن اگر حضرت کا قول ان کے خیال میں پڑ گیا کہ یہ لوگ حمال اثقال ہیں تو ان کو ایک حجت مل جائے گی مگر خاک حجت نہیں کیونکہ اگر کوئی یہ حجت پیش کرے گا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابھی ایسے حمال اثقال بہت موجود ہیں جو بلا اجرت کے ہمارے اثقال کو اپنے اوپر لاد کر پہنچا سکتے ہیں۔ جب مفت پہنچانے والے نہ رہیں گے اس وقت آپ کو دانت گھسائی بھی دے دیں گے۔ بہرحال حضرت کا یہ مقصود نہ تھا کہ سائلوں کو متصدقین کا شکر گزار ہونے کی ضرورت نہیں اور سائل اپنے کو محسن سمجھیں بلکہ مقصود صرف یہ تھا کہ اغنیاء سائلوں کو حقیر نہ سمجھیں اور ان سے تنگ دل نہ ہوں۔ اس لیے یہ راز بیان فرمایا کہ یہ لوگ حمال اثقال ہیں بتلایئے یہ حقیقت کبھی آپ کے ذہن میں بھی آئی ہے اور حضرت کے ہر وقت یہ حقائق پیش نظر تھے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ہر وقت آخرت ہی پیش نظر تھی۔

جوتا گھسائی کا لطیفہ

دانت گھسائی پر ایک لطیفہ جوتا گھسائی کا یاد آ گیا جو اگرچہ مقام کے مناسب نہیں مگر یاد آ گیا اس لیے استطراداً بیان کئے دیتا ہوں ایک بخیل نمازی بہت تھا اور اکثر بخیل لوگ نمازی بہت ہوتے ہیں۔ شاید اس لئے تا کہ بخل کا عیب کمال عبادت سے مخفی ہو جائے۔ اور لوگ معتقد رہیں تو اس بخیل کی عادت تھی کہ جب عشاء کی نماز کو جاتا تو چراغ گل کر جاتا ایک دن اتفاق سے چراغ گل کرنا بھول گیا مسجد کے راستہ میں یاد آیا تو الٹا گھر کو واپس آیا اور کواڑوں میں کھٹکا کیا اندر سے باندی آئی اور پوچھا کہ آپ تو بہت جلدی واپس آ گئے کیا نماز پڑھ آئے کہا نہیں نماز تو نہیں پڑھی لیکن میں چراغ گل کرنا بھول گیا تھا اس لئے واپس لوٹا باندی نے کہا کہ چراغ تو میں نے جبھی گل کر دیا تھا مگر اب مجھے اس کا فکر ہو گیا کہ مسجد سے یہاں تک واپس آنے میں آپ نے جوتے خواہ مخواہ گھسائے۔ بخیل کی باندی اس سے بھی دو قدم آگے تھی تو آپ نے یہ سن کر کہا جزاک اللہ وفادار ایسے ہی ہوتے ہیں اور جوتوں کا فکر نہ کریں میں نے اسی خیال سے ان کو بغل میں دبا لیا تھا ننگے پیر آیا ہوں اب یہاں پہنچ کر پہن لوں گا یہ تو بیچ میں ایک لطیفہ تھا۔

حضرت حاجی صاحب کے علوم صحیحہ

اب میں پھر حاجی صاحب کی حالت بیان کرنے کی طرف عود کرتا ہوں کہ حضرت کے واقعات سے انکی کامل توجہ الی الآخرۃ کا پتہ چلتا ہے چنانچہ ایک اور حکایت یاد آئی ایک بار ہم لوگ حضرت کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک بوڑھا روتا ہوا آیا اور کہنے لگا حضرت میری بیوی مر رہی ہے دعا کیجئے حضرت نے فرمایا عجیب بات ہے ایک قیدی تو قید سے رہا ہو رہا ہے اور یہ رو رہے ہیں کہ یہ کیوں رہا ہے قید ہی میں کیوں نہ رہا پھر فرمایا میاں روتے کیوں ہو چند روز میں رہا ہو کر تم بھی وہیں پہنچ جاؤ گے جہاں وہ جا رہی ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا واہ آئے تو تھی بیوی کو بچانے یہاں خود ہی سنگوائے گئے کہ اپنے واسطے بھی موت کی بشارت لے چلے۔ مگر حضرت کی گفتگو میں خاص تاثیر تھی کیونکہ دل سے ہر بات نکلتی

تھی جس کا اثر یہ ہوا کہ بڑے میاں کا غم کم ہوگیا اور وہ اطمینان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ پھر کہنے لگے حضرت مجھ سے ایک شخص نے مدینہ جانے کا وعدہ کیا تھا اب وہ وعدہ سے پھر گیا یہ بات اہل ظاہر کی نظر میں منکر نہ تھی بلکہ ہم تو اس کو اشتیاق مدینہ پر محمول کر کے مستحسن سمجھتے مگر حضرت نے سنتے ہی فرمادیا کہ بس بس ہمارے سامنے شرک کی باتیں نہ کرو غیر اللہ پر اتنی نظر کہ ایک شخص کے وعدہ خلافی کر جانے سے آپ کو اتنا رنج کیا وہی تم کو مدینہ پہنچائے گا۔ سبحان اللہ کیا علوم صحیحہ تھے حضرت کی یہ حالت تھی کہ یہ باتیں آپ کے دل میں پیوست تھیں جو بے ساختہ زبان سے نکلتی تھیں تصنع کو وہاں ذرا دخل نہ تھا اور تصنع ہمیشہ چل نہیں سکتا ضرور ایک نہ ایک دن قلب کی اصلی حالت ظاہر ہو جاتی ہے اور حضرت کے یہاں عمر بھر ایسے ہی واقعات پیش آتے تھے جن سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ان کے قلب کو دنیا سے کچھ بھی لگاؤ نہیں ہر وقت توجہ حق تعالیٰ ہی کی طرف ہے پھر ایسا شخص اگر دوستوں کی دلجوئی کو عبادت کہے تو کیا آپ اپنے کو بھی اس پر قیاس کر سکتے ہیں ہرگز نہیں اور اگر قیاس کیا گیا تو اس کی وہی مثال ہوگی جو مولانا نے ایک طوطی کے قصہ میں لکھی ہے۔

سوداگر اور طوطی کی حکایت

ایک سوداگر کی دکان پر ایک طوطی یا مینا تھی جو بہت باتیں کرتی تھی جس سے دکان کی بڑی رونق تھی لوگ طوطی کی باتیں سننے کثرت سے آتے اور سوداگر کا مال بھی خریدتے ایک دن سوداگر کسی کام کو گیا ہوا تھا دکان پر طوطی تنہا تھی کہ دفعۃً بلی آگئی جس کے خوف سے طوطی اپنی جگہ سے بھاگی اور بوتلوں کے پیچھے جا کر پناہ لی اس کی حرکت سے روغن بادام کی شیشی نیچے گر پڑی اور سارا تیل ضائع ہوگیا سوداگر جو واپس آیا تو طوطی کو جگہ سے بے جگہ دیکھا اور روغن بادام کی شیشی نیچے گری ہوئی پائی اسے غصہ آیا اور غصہ میں طوطی کو اتنا مارا کہ گنجا کر دیا اس پر طوطی اینٹھ گئی اور اس نے بولنا بند کر دیا اس کے بعد سوداگر نے اس کی بہت خوشامد کی مگر اس نے ایک بات بھی نہ کی وہ ہر چند پیار کرتا مگر وہ خاموش ہی رہتی سوداگر کو اس کی خاموشی سے بہت قلق ہوا کیونکہ دکان کی رونق ہی نہ رہی اور اب وہ اپنے آپ کو

کوسنے لگا کہ میرے یہ ہاتھ نہ ٹوٹ گئے جن سے میں نے اسکو مارا تھا۔ پھر وہ فقراء وصلحاء کے پاس دعا کرانے اور وظیفہ پوچھنے بھی گیا مگر کوئی بات کارگر نہ ہوئی اتفاقاً ایک دن سوداگر کی دکان کے سامنے ایک گنجا گزرا جس کے سر پر بال نہ تھے طوطی کو اسے دیکھ کر جوش آیا اور بے ساختہ کہنے لگی۔

از چہ اے کل باکلاں آمیختی ☆ تو مگر از شیشہ روغن ریختی

اے گنجے تو گنجوں میں آکر ملا شاید ☆ کہ تو نے بھی روغن بادام کا شیشہ توڑ دیا

کہ اے گنجے تو گنجوں میں کیوں داخل ہوگیا شاید تو نے بھی روغن بادام گرایا ہے

اس بات پر سب بازار والے ہنس پڑے۔

از قیاسش خندہ آمد خلق را ☆ کو چو خود پنداشت صاحب دلق را

مولانا یہ مثال بیان فرما کر ارشاد فرماتے ہیں اور اسی مقصود کیلئے یہ حکایت بیان فرمائی:

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر ☆ گرچہ ماند در نوشتن شیر وشیر

گر بصورت آدمی انسان بدے ☆ احمد و بوجہل ہم یکساں بدے

ترجمہ: پاک لوگوں کے کام کو اپنے پر قیاس مت کر اگرچہ لکھنے میں شیر اور شیر برابر ہیں اگر صورت میں آدمی انسان ہوتا حضور ﷺ اور ابوجہل ایک طرح کے ہوتے۔

یعنی اپنے افعال کو صورت میں بزرگوں کے افعال سے مشابہ دیکھ کر اپنی حالت کو ان کی حالت پر قیاس نہ کرنے لگو کیونکہ صورت کا اعتبار نہیں بلکہ معنی کا اعتبار ہے۔ پس بزرگوں پر تمہارا اپنے کو قیاس کرنا ایسا ہی ہوگا جیسا طوطی نے اس گنجے کو اپنے اوپر قیاس کیا تھا۔

حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کا معمول

بعض لوگ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی حکایات سے احتجاج کرتے ہیں کہ مولانا کی عادت تھی کہ مہمانوں کی خاطر سے بعض دفعہ نماز اشراق وغیرہ ناغہ کر دیتے تھے اس کا بھی یہی جواب ہے کہ مولانا کا اشراق کو حذف کرنا اشراک کی وجہ سے نہ تھا بلکہ توحید میں استغراق کی وجہ سے تھا یعنی وہ مخلوق پر نظر نہ کرتے تھے بلکہ عالم ان کیلئے مرآۃ جمال حق تھا ان کیلئے واقعہ دوستوں کے ساتھ باتیں کرنا بھی عبادت میں داخل تھا مگر تم اپنے کو ان

پر قیاس نہ کرو مولانا فرماتے ہیں۔

لقمہ ونکتہ ست کامل راحلال ☆ تو نہ کامل مخورے باش لال

ترجمہ: لقمہ اور نکتہ کامل کیلئے حلال ہے۔ تو کامل نہیں ہے مت کھا اور زبان بند رکھ۔
تم کامل نہیں ہو اس لئے تم کاملین کے افعال واحوال کی اقتداء نہ کرو اور نہ وہ حلال ہوگا۔

پیش ایں الماس بے اسپر میا ☆ کز بریدن تیغ رابنود حیا

ترجمہ: اس ہیرے کے پاس بغیر ڈھال کے مت آنا۔ کہ تلوار کو کاٹنے سے شرم نہیں آتی۔

تمہارا تو اس اقتداء سے خاتمہ ہو جائے گا بس تم کو کاملین کے اقوال کی اقتداء کرنا چاہیئے اور تقلید اقوال کا یہ مطلب ہے کہ وہ تم کو جو امر کریں اس پر عمل کرو یہ مطلب نہیں کہ ان کی طرح اسرار وحقائق بیان کرنے لگو کیونکہ اس کا نام تقلید واطاعت نہیں بلکہ اس کو نقالی محض کہتے ہیں اور کاملین کی ایسی نقل جائز نہیں۔ غرض بزرگوں کے یہ قصے اور واقعات ہیں جن سے بعض لوگوں کو شبہ پڑ گیا ہے اور انہوں نے اپنی اغراض کے واسطے ان کو آڑ بنالیا ہے اور تعلق مع الخلق میں اپنے کو اکابر پر قیاس کر کے منہمک ہو گئے اور اس کو مقصود اور محمود دین سمجھنے لگے حالانکہ وہ کامل تھے اور کامل کو بعض اوقات ورد کی ضرورت نہیں رہتی باقی تمہارے لئے تو یہ فتوی ہے کہ من لا وردلہ لا واردلہ جس کا کوئی ورد معمول بہ نہ ہو اس کو واردات سے حصہ نہیں مل سکتا تم کو ابھی ورد کی ضرورت ہے اگر تم تعلق مع الخلق وارتباط بالاحباب کی وجہ سے معمولات کو ناغہ کرو گے تو ایک دن بالکل کورے رہ جاؤ گے۔

کاملین کا حال

کاملین کی تو یہ حالت ہے

دست بوسی چوں رسید از دست شاہ ☆ پائے بوسی اندراں دم شد گناہ

جس کو بادشاہ کا ہاتھ چومنے کا مل گیا ہو اس کیلئے پائے بوسی گناہ ہے۔ اور جس کو پائے بوسی بھی نصیب نہ ہوئی ہو اسے دست بوسی کا دعوی کرنا گناہ ہے۔ پس کاملین کو ورد کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کو ہر چیز میں وہی نظر آتا ہے جو ورد میں نظر آتا ہے اسی لئے کامل

کو سکوت کی بھی اجازت نہیں بلکہ اسے بولنا چاہیے اور ناقص کو بولنے کی اجازت نہیں اسے ساکت رہنا چاہیے کیونکہ اس کو سکوت ہی میں محبوب کی طرف توجہ زیادہ ہوگی اور کامل کی نطق وسکوت دونوں میں محبوب کی طرف توجہ رہتی ہے اب اس کو بولنے کی ضرورت ہے تاکہ طالبین کو فیض زیادہ ہو۔

شیخ زبان ہوتا ہے اور مرید کان

چنانچہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ وہ ہر وقت ساکت رہتے ہیں اور ان کے مرید اس بات کو ترستے ہیں کہ شیخ کچھ بولیں تو ہم کو افادہ ہو حضرت نے ان سے فرمایا کہ تم بولتے کیوں نہیں ہو انہوں نے سکوت کے فضائل بیان کئے۔ حضرت نے فرمایا کہ سکوت کے یہ فضائل مبتدی کے لئے ہیں منتہی کیلئے نہیں ہیں بلکہ شیخ کو تو زبان ہونا چاہیے اور مرید کو کان ہونا چاہیے میں نے منتہی کے لئے اس مشورہ کا ایک شعر تجویز کیا ہے۔

بنمائے رخ کہ خلقے والہ شوند وحیراں ☆ بکشائے لب کہ فریاد از مرد وزن برآید

ترجمہ: اپنا چہرہ دکھلایئے تاکہ مخلوق حیران و پریشان ہو۔ اپنے ہونٹوں کو کھولئے تاکہ مرد اور عورتیں فریاد کریں۔

ہمارے حضرت کا امام فن ہونا مشائخ عصر کو مسلم تھا۔ اسلئے حضرت کے ارشاد سے ان بزرگ کی کھوپڑی کھل گئی اور انہوں نے اپنی غلطی کو تسلیم کیا اور مہر سکوت توڑ دی اور بولنا شروع کیا۔ ان کے مرید ہمارے حضرت کو دعا دینے لگے کہ خدا آپ کا بھلا کرے آپ نے ہم کو زندہ کر دیا اب بتلایئے کہ ناقص کو کب حق ہے کہ وہ اپنے کو کامل پر قیاس کرنے لگے۔ دوسرے ان حضرات کی حالت یہ ہے کہ علاوہ احکام مشترکہ کے وہ ہر وقت کے احکام خاصہ کو بھی جانتے ہیں اور تکلم وسکوت ہر حالت میں محبوب کے شیون کو پہچانتے ہیں کہ اس وقت وہ کس چیز سے خوش ہیں وہ بلاشبہ ایسے ہیں جیسے ایاز تھا کہ ایاز کیلئے کوئی قاعدہ اور قانون نہ تھا وہ بادشاہ سے ایسے وقت میں بھی باتیں کر سکتا تھا جس میں دوسروں کے لئے

بات کرنے کی اجازت نہ تھی کیونکہ وہ مزاج شناس تھا موقع اور وقت کو پہچانتا تھا۔ اب اگر ہر شخص ایاز کی ریس کرنے لگے تو یہ اس کی حماقت ہی ہے بلکہ اور درباریوں کو تو قواعد وقوانین عامہ ہی کا اتباع لازم ہے اسی طرح تم چونکہ مزاج شناس نہیں ہو تم کو قانون عام ہی پر رہنا چاہئے تم بزرگوں کے افعال کی ریس نہ کرو اور گو یہ احکام خاصہ بھی عام ہی ہیں یعنی جس شخص کی بھی ایسی خاص حالت ہو ان سب کیلئے عام ہے مگر چونکہ ایسے خواص ہی کم ہیں اس بناء پر ان کو احکام خاصہ کہہ دیا گیا ہے پس اس سے کوئی شخص اس جہل میں نہ پھنس جائے کہ طریقت کے احکام شریعت کے احکام کے مضاد ہیں نعوذ باللہ بہرحال اس سے مجھے انکار نہیں کہ تعلق مع الخلق بھی ایک درجہ میں محمود ہے مگر اس کی ایک حد ہے۔

کتب تصوف کس کیلئے کارآمد ہیں

اور اس کیلئے خاص خاص مواقع ہیں جن کو کسی کامل سے دریافت کرو۔ محض کتابوں سے یہ مسئلہ حل نہ ہوگا کیونکہ کتابوں میں امور محمودہ کی حدود وغیرہ کا ایسا ذکر نہیں جس کو عام بھی صحیح طور پر سمجھ لیں اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ میں کتابوں کو بیکار نہیں کہتا وہ بے شک کام کی ہیں مگر طبیب کے کام کی ہیں۔ مریض کے کام کی نہیں۔ کتب طب سے کوئی مریض اپنا معالجہ نہیں کرسکتا حالانکہ کتابوں میں سب کچھ موجود ہے۔ اور طبیب انہی سے علاج کرتا ہے مگر تم نہیں کرسکتے اور اگر معمولی مرض کا علاج کر بھی لیا تو شدید امراض کا علاج تو کبھی نہیں کرسکتے چنانچہ بحران کی بحث گو طب کی کتابوں میں مذکور ہے مگر اسکو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا یہ بحث اس قدر لطیف ودقیق ہے کہ اطبائے حال نے یعنی ڈاکٹروں نے تو گھبرا کر اس کا انکار ہی کردیا کہ بحران کوئی چیز نہیں مگر اطبائے قدماء نے اس بحث کو بڑی خوبی سے ضبط کیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس بحث کا الہام ہوا ہے چنانچہ انہوں نے بخار کے ایام کی تقسیم کی ہے کہ بعض ایام میں طبیعت ومرض کا مقابلہ ہوتا ہے۔ طبیعت ان ایام میں مرض کو دفع کرنا چاہتی ہے اور مرض طبیعت کو دبانا چاہتا ہے۔ اس کیفیت ومقاومت کا نام بحران ہے پھر ان ایام میں بعض دن تو سخت بحران کے ہیں اور بعض دن ہلکے بحران کے اسی لئے مریض کو اور اس

کے تیمارداروں کو چاہیے کہ جب کسی کو بخار آئے اس کا دن اور وقت یادرکھیں تا کہ طبیب سے بیان کرسکیں اور طبیب کو ایام بحران کی رعایت آسان ہو بھلا محض کتاب دیکھ کر ان امور کی رعایت مریض سے کیونکر ہوسکتی ہے ہرگز نہیں ہوسکتی بلکہ میں تو تجربہ سے کہتا ہوں کہ مریض اپنے معالجہ میں معمولی امراض کے اندر بھی غلطی کھائے گا چنانچہ مجھے پہلے ہر سال برسات کے اخیر میں بخار آیا کرتا تھا (اب تو بحمداللہ بہت سالوں سے نہیں آیا) اور ہمیشہ صفراوی بخار ہوتا تھا میں نے ایک دفعہ خیال کیا کہ مجھے غلبہ صفرا سے بخار ہوتا ہے اور حکیم صاحب ہر سال قریب ایک ہی نسخہ لکھتے ہیں لاؤ اس کو نقل کرلیں جب بخار آیا کرے گا اس کو استعمال کرلیا کریں گے۔ حکیم صاحب کو تکلیف دینے کی ضرورت نہ ہوگی۔ چنانچہ ایک سال ایسا ہی کیا کہ پچھلے سال کا لکھا ہوا نسخہ خود ہی استعمال کرلیا مگر چند روز تک استعمال کرنے سے بھی خاک نفع نہ ہوا آخرکار حکیم صاحب کو بلایا انہوں نے نسخہ لکھا اس کے پینے سے آرام ہوگیا۔ پھر تحقیق ہوا کہ اس سال صفرا کے ساتھ بلغم صاحب بھی تشریف لے آئے ہیں کیونکہ اب بڑھاپے کا سن شروع ہوگیا ہے اب اگر میں اس نسخہ کی بھی نقل کرلیتا کہ چلو اس میں صفرا اور بلغم دونوں کی رعایت ہے تو یقیناً اس سے بھی اگلے سال نفع نہ ہوتا بلغم ہی بڑھتا۔ (یعنی بلکہ تکلیف وغم ہی زیادہ ہوتا یہ بلغم مرکب سے مفرد نہیں) کیونکہ مجھے اس کا اندازہ کیسے ہوتا کہ اس سال بلغم صفرا سے زیادہ ہے یا مساوی ہے یا کم ہے۔ اس کا اندازہ تو طبیب ہی کرسکتا ہے جو نبض کی حالت کو پہچانتا ہے۔ اس لئے کتب طب سے معالجہ کرنا طبیب ہی کا کام ہے اسی طرح احیاء العلوم اور فتوحات مکیہ جو تصوف کی کتابیں ہیں بیکار نہیں بلکہ کارآمد ہیں مگر شیخ کے کام کی ہیں طالب کے کام کی نہیں طالب کو تو اپنے معالجہ کیلئے کسی محقق کا اتباع لازم ہے پس تم بزرگوں کے واقعات سن کر تعلق مع الخلق کو اپنے لئے محمود سمجھو بلکہ کسی محقق سے دریافت کر کے اس کے احکام کا اتباع کرو۔

عبادت کا معمول کتنا ہونا چاہیے

یہ غلطی تھی جس میں آج کل بہت سے اہل علم بھی مبتلا ہیں۔ اس وقت میں اس

کو رفع کرنا چاہتا ہوں اب آیت کا ترجمہ سنئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں :فاذا فرغت فانصب، جب آپ فارغ ہو جائیں کسی چیز سے؟ اس پر سب مفسرین کا اتفاق ہے ای عن التبلیغ کہ تبلیغ سے فارغ ہونا مراد ہے آگے جزا ہے۔ فانصب یعنی تبلیغ سے فارغ ہو کر محنت کیجئے اور مشقت برداشت کیجئے اس پر بھی اتفاق ہے کہ عبادت میں محنت و مشقت مراد ہے یہاں حق تعالیٰ نے فاعبد نہیں فرمایا بلکہ فانصب فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ عبادت اتنی کرنا چاہیے جس میں کچھ مشقت بھی ہو گو زیادہ نہ ہو جو تحمل سے زیادہ ہو لیکن اتنی ہونی چاہیے جس میں نفس کو کچھ تکلیف ہو یہ مطلب نہیں کہ اتنی زیادہ محنت کرو جس سے دل اکتا جائے بلکہ اپنی قوت و طاقت کے اعتبار سے اتنی عبادت کی جائے جو تحمل کے موافق ہو اور کسی قدر نفس پر اس میں محنت پڑے۔ بعض لوگ اس مشقت میں بھی پہلے بزرگوں کی نقل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بھی غلطی ہے کیونکہ پہلے بزرگوں میں قوت زیادہ تھی آج کل اتنی قوت کہاں بس اس کیلئے بھی طالب کو کسی محقق حال کا اتباع کرنا چاہیے۔ اس کے سامنے اپنی حالت بیان کر دے پھر جو کچھ وہ تجویز کر دے اس کے موافق عبادت کرے محض کتابیں دیکھ کر معمولات مقرر نہ کرے کیونکہ آج کل پہلے بزرگوں کی طرح عبادت کرنا دشوار ہے چنانچہ ایک بزرگ کی عادت تھی کہ وہ رات کو پلاؤ کا قاب سامنے رکھ لیتے اور نفس سے کہتے کہ دو رکعت پڑھ لے۔ پھر تجھے یہ قاب دے دوں گا۔ دو رکعت کے بعد کہتے کہ دو رکعت اور پڑھ لے پھر کھلاؤں گا۔ اسی طرح صبح کر دیتے مگر یہ انہی کا نفس تھا جو اس سے بہل جاتا تھا ہماری حالت تو یہ ہے کہ غالباً چار ہی رکعت کے بعد نفس کہہ دے گا کہ تمہارے وعدہ کا تجربہ ہو گیا تم اپنی پلاؤ کو رکھو مجھے اس کی ضرورت نہیں میں ٹھنڈا پلاؤ کھا کر کیا کروں گا بس میں تو اب پڑ کر سوتا ہوں چنانچہ بعضے بچوں کی یہ حالت دیکھی گئی ہے کہ اگر ان سے دس دفعہ سبق کے کہنے کو کہا جائے تو دس دفعہ تو کہہ لیتے ہیں اور اگر کبھی دس کے اوپر دو دفعہ کہنے کو کہا جائے تو وہ دس بار کا پڑھا ہوا بھی بھلا دیتے ہیں۔

چلہ سکوت

ہمارے ایک دوست ہیں وہ باتیں بہت کرتے تھے میں نے ان کو زیادہ باتیں

کرنے سے منع کیا مگر یہ تو دشوار معلوم ہوا کہ باتیں کریں اور کم کریں کیونکہ قلت کلام کی ابھی تک عادت نہیں تھی اس لئے یہ تجویز کیا گیا کہ وہ ایک چلہ سکوت کا کریں جس میں کسی سے بالکل بات نہ کریں اس طرح قلت کلام کی عادت ہو جائے گی تو پھر باتیں کرنے کی حالت میں بھی تقلیل آسان ہوگی مگر احتمال یہ بھی تھا کہ شاید چلہ سکوت نافع نہ ہو اور وہ اس سے تقلیل کلام کے عادی نہ ہوں بلکہ چلہ کے بعد شاید پہلے سے بھی زیادہ بولنے لگیں لیکن اور کوئی طریق سمجھ میں نہ آیا اور چلہ سکوت ہی کو نافع سمجھا گیا میں نے زیادہ کاوش نہ کی کیونکہ احتمال یہ بھی تو تھا کہ چلہ نافع ہو جائے چنانچہ انہوں نے چلہ کیا اور سکوت مطلق اختیار کیا حتیٰ کہ وہ مجھ سے بھی بات نہ کرتے تھے۔ لیکن میں ان سے باتیں کرتا تھا۔ کیونکہ میں تو چلہ میں نہ تھا۔ میں کبھی کبھی ہنس کر کہہ دیتا تھا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ چلہ کے بعد آپ کی وہی مثال نہ ہو جیسے ایک سوار کے گھوڑے کو لید سونگھنے کا مرض تھا کہ چلتے میں جب لید کرتا گھوم کر اسے ایک دفعہ سونگھ لیتا پھر آگے چلتا اسی طرح سارے راستہ میں جب لید کرتا اسے سونگھ کر آگے چلتا تھا ایک دفعہ یہ سوار جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک اور سوار اس کے ساتھ ہو گیا اس نے جو گھوڑے کو لید سونگھتا دیکھا تو اس سے کہا کہ میاں یہ کیا واہیات ہے اس نے کہا کہ بھائی اس گھوڑے کو یہی مرض ہے اور میں اس سے تنگ آ گیا ہوں دوسرے سوار نے کہا بہت اچھا آج میں اس کا یہ عیب نکالوں گا چنانچہ وہ پیچھے ہو گیا اور جب گھوڑے نے لید سونگھنے کا قصد کیا اس نے پیچھے سے دو چار چابک رسید کئے اور وہ سیدھا چلنے لگا۔ پھر جب دوسری دفعہ لید کی اس نے دو چار ہنٹر اور لگائے اور وہ درست ہو گیا غرض پندرہ کوس تک اس نے لید سونگھنے کا اسے موقع نہ دیا اس کے بعد اس کا گاؤں قریب آ گیا اور اس نے کہا لو بھائی ہم تو جاتے ہیں اللہ حافظ پہلے سوار نے اس کا شکریہ ادا کیا کہ تم نے آج بہت اچھی طرح منزل کٹوا دی ورنہ یہ گھوڑا مجھے بہت تنگ کرتا خیر دوسرا سوار تو شکریہ لے کر چلا گیا اور اب اس گھوڑے نے اس کو کن انکھیوں سے دیکھنا شروع کیا جب دیکھا وہ بہت دور ہو گیا اور اپنے گاؤں میں گھس گیا ہے تو یہ گھوم کر الٹا واپس ہوا اور راستہ میں جہاں جہاں لید کی تھی سب کو سونگھا۔ سوار نے

ہر چند مارا پیٹا مگر وہ باز نہ آیا اب اس نے دوسرے سوار کو کوسنا شروع کیا کمبخت اگر تو ہنٹر مار مار کر اسے لید سونگھنے سے نہ روکتا تو آج یہ رجعت قہقری تو نہ ہوتی کہ پندرہ کوس طے کئے کرائے برباد ہوئے اسی طرح مجھے یہ اندیشہ ہے کہ آپ چلہ سکوت کے بعد اس کی کسر پوری نہ کریں اور اتنا بولیں کہ پہلے سے بھی بڑھ جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ چلہ پورا کر کے وہ پہلے سے بھی زیادہ بولے پھر یہاں سے اپنی ملازمت پر چلے گئے وہاں جا کر شعر و شاعری میں مشغول ہو گئے اور مشاعروں میں شریک ہونے لگے ذکر و شغل سب چھوٹ گیا پھر اسی زمانہ میں اتفاق سے میرا سفر ان کے مقام ملازمت کی طرف ہوا تو میں نے ان کو دھمکایا اور شعر و شاعری سے روک دیا اب حالت اعتدال کی ہے۔

عبادت میں ضرورت اعتدال

اس لیے میں کہتا ہوں کہ اتنی مشقت برداشت نہ کرو جس سے نفس گھبرا جائے ورنہ اس کا انجام تعطل ہوگا کہ جتنا کام کر سکتے تھے وہ بھی نہ کرو گے مگر یہ بھی نہ ہوا کہ بالکل خراب نواب ہی ہو جاؤ کہ اتنی کم عبادت کرو جس میں نفس کو ذرا بھی مشقت نہ ہو بلکہ اعتدال کی رعایت چاہیے حضور ﷺ نے دین میں اسی کی بہت رعایت فرمائی ہے۔ چنانچہ امامت میں آپ نماز کو مختصر فرماتے تھے اور اسی کا حکم بھی فرمایا ہے۔ **من ام منکم فلیخفف فان وراء ہ الضعیف والمریض وذوا الحاجة ومن صلی لنفسه فلیطول ماشاء**(**الصحیح لمسلم، الصلاۃ ۱۸۶، مسند احمد ۴: ۲۱۶**) کہ جو امامت کرے وہ ہلکی نماز پڑھے کیونکہ اس کے پیچھے کمزور، بیمار اور ضرورت مند لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنے لئے نماز پڑھے یعنی منفرد ہو وہ جتنی چاہے تطویل کرے گویا نہ اختصار دائما مطلوب ہے نہ تطویل بلکہ ہر اک کا ایک موقع ہے مگر آج کل اس حدیث کے برعکس حالت ہے کہ جماعت میں تو لمبی لمبی سورتیں پڑھتے ہیں اور تنہا نماز میں انا اعطینا اور قل ھو اللہ ہی ہمیشہ پڑھتے ہیں۔ سورہ بقرہ پوری تو شاید ہی کبھی کوئی پڑھتا ہوگا ہاں صلوٰۃ الکسوف میں کسی متبع سنت نے کبھی پڑھ لی ہو وہ بھی جماعت ہی میں پڑھی ہوگی تنہا کون پڑھتا ہے پس یہ صورت اعتدال کے خلاف ہے بلکہ چاہیے کہ امامت میں تو مقتدیوں

کے لحاظ سے اختصار کریں اور تنہا ذرا کسی قدر تطویل کیا کریں ہاں اتنی تطویل نہ کریں جو نفس پر زیادہ شاق ہو جس کو نباہ نہ سکیں غرض نہ تو الفقد ہو نہ انحد ہو شاید آپ نے الفقد کے معنی نہ سمجھے ہوں گے یہ اختصار ہے الحمد للہ قل ھو اللہ کا جس میں الحمد کا الف لیا گیا اور الضالین کا نون اور قل ھو اللہ کا قاف اور احد کی دال یہ الفقد ہو گیا اور انحد میں ان نفی کا کلمہ ہے یعنی بیحد وہ یہ ہے کہ اتنی تطویل ہو جو حد سے گزر جائے کیونکہ ایک مفرط ہے ایک مفرط ہے اور افراط وتفریط دونوں معیوب ہیں۔

افراط وتفریط پر ایک لطیفہ

افراط وتفریط پر ایک لطیفہ یاد آیا کہ دو شخصوں کے دو شعر ہیں ایک زاہد مفرط کا دوسرا مسرف مفرط کا زاہد نے کہا

گرچہ خدا گفت کلوا واشربوا ☆ لیک نفرمود کہ بسیار کلوا

ترجمہ: اگرچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کھاؤ اور پیو۔ مگر یہ نہیں فرمایا کہ بہت کھاؤ دوسرے نے جوب دیا۔

گرچہ خدا گفت ولاتسرفوا ☆ لیک نفرمود بکاہیا وضو

ترجمہ: اگرچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فضول خرچی نہ کرو۔ لیکن کاہیا ہے وضو کرنے کو نہیں فرمایا۔

مضمون دونوں کا صحیح ہے مگر ضرورت اس کی ہے کہ دونوں شعروں کو جمع کیا جائے۔ ورنہ الگ الگ ہر اک کا مضمون ناتمام ہے کہ ایک میں تفریط ہے ایک میں افراط ہے اور ضرورت اعتدال کی ہے جو دونوں کے جمع کرنے سے حاصل ہوگا پس فانصب میں اسی مشقت ومحنت کا امر ہے جو اعتدال کے اندر ہو افراط وتفریط سے پاک ہو اور اعتدال وہ شخص کر سکتا ہے جس کا فہم بھی درست ہو اور تدین میں بھی راسخ کسی کو یہ دولت خود حاصل ہو تو اسے یہ حالت مبارک ہو اور اگر خود حاصل نہ ہو تو اسے کسی کامل کے پاس رہنا چاہیے اور اس طرح رہنا چاہیے۔

قال را بگذار ومرد حال شو ☆ پیش مرد کاملے پامال شو

یعنی اس کے سامنے اپنے کو پامال کر دے۔ پامال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی

رائے وفکر کو فنا کر دے۔

اور اس کیلئے تیار رہے کہ شیخ میری ذات میں جو کچھ بھی تصرف کرے گا میں اس کو خوشی سے برداشت کروں گا اور اس کو اپنی اصلاح وفلاح سمجھوں گا۔ ورنہ اگر بات بات پر اس کو رنج وملال ہونے لگا تو اس کی وہ مثال ہوگی جو مولانا نے مثنوی میں بیان فرمائی ہے کہ ایک شخص قزوینی اور مصور کے پاس جا کر کہنے لگا کہ میری پشت پر شیر کی تصویر بنادو اس نے کہا بہت اچھا اور اس کے بعد نیل اور سوئی لے کر تیار ہوا اور کمر میں ایک جگہ سوئی کو کچ سے چبھایا اس شخص نے آہ کی اور کہا میاں کیا بناتے ہو کہا دم بنا رہا ہوں کہنے لگا اس کو چھوڑ دو یہ شیر دم کٹا ہی سہی آخر بے دم کے بھی تو شیر ہوتے ہیں۔ مصور نے دم کو چھوڑ کر دوسری جگہ سوئی چبھائی اس نے پھر آہ کی اور کہا اب کیا بنا رہے ہو کہا سر بنا رہا ہوں اس نے کہا سر کو بھی چھوڑ کچھ اور بناؤ اس نے تیسری جگہ سوئی چبھائی اس نے پھر آہ کی اور پوچھا کیا بنا رہے ہو کہا کان بنا رہا ہوں کہا کان کو بھی رہنے دو کیا شیر بوچا نہیں ہوتا اس نے چوتھی جگہ سوئی چبھائی اس نے پھر آہ کی اور کہا اب کیا بناتے ہو کہا پیٹ بنا رہا ہوں کہنے لگے اس کو کچھ کھانا پینا تھوڑا ہی رہ گیا ہے پیٹ بھی رہنے دو مصور نے سوئی پھینک دی اور کہا

شیر بے گوش وسر وشکم کہ دید ☆ این چنیں شیرے خدا ہم نافرید

ترجمہ: ایسا شیر کہ جس کے کان بھی نہ ہوں پیٹ بھی نہ ہو کسی نے نہیں دیکھا ایسا شیر خدا تعالیٰ نے بھی پیدا نہیں کیا۔

کہ ایسا شیر خدا نے بھی پیدا نہیں کیا جس کے نہ سر ہو نہ پیٹ ہو پھر میں بدوں اس کے شیر کی تصویر کیونکر بنادوں جاؤ معلوم ہوتا ہے کہ تم کو شیر مطلوب ہی نہیں اس پر مولانا فرماتے ہیں اور اس مضمون کیلئے حکایت لائے ہیں۔

چوں نداری طاقت سوزن زدن ☆ پس تواز شیر ژیاں کم دن بزن

جب تو سوئی کی بھی برداشت نہیں کر سکتا تو پھر شیر مست کا نام مت لے۔

کہ جب تمہیں ایک سوئی چبھانے کی بھی تاب نہیں تو شیر کی تصویر بنوانے کا دعویٰ بھی نہ کرو یا مطلب عالی کا نام ہی نہ ہو اور کمال حاصل کرنے کی طلب ہی نہ کرو کیونکہ کمال تو

اس طرح ہی حاصل ہوگا کہ کاملین کے سامنے اپنے کو پامال کردو عارف اسی کو فرماتے ہیں۔

یا مکن با پیلباناں دوستی ☆ یا بناکن خانہ برانداز پیل
یا مکش برچہرہ نیل عاشقی ☆ یا فروشو جامہ تقویٰ بہ نیل

یا تو ہاتھی والوں سے دوستی مت کرو اگر کرتے ہو تو ہاتھی کے قد کے برابر مکان بناؤ۔ اپنے چہرہ پر عاشق کا نشان مت لگایا پرہیزگار کے کپڑے دریائے نیل میں دھو۔

یعنی جامہ دعویٰ تقویٰ اگر عاشقی کی صورت اختیار کرتے ہو تو دعویٰ تقوی کے لباس کو دھوڈالو یعنی اپنے کو متقی اور بزرگ نہ سمجھو بلکہ ذلیل وخوار و گنہگار سمجھو۔ اور شیخ اگر تم کو نالائق و پاجی کا خطاب دے تو اس سے ذرا بھی ملول نہ ہو اور اگر ملال پیدا ہوا تو تم مولانا کے اس قول کے مصداق ہو۔

تو بیک زخمے گریزانی زعشق ☆ تو بجز نامے چہ می دانی زعشق

تو ایک زخم کی وجہ سے عشق سے بھاگتا ہے تو اس عشق کا نام ہی نام جانتا ہے۔

بس آج کل تو ایسے طالب رہ گئے ہیں کہ خود مجھ سے ایک تعلقہ دار اودھ نے یہ کہا کہ کسی ایسے پیر کا پتہ بتلاؤ جو مریدوں کی خاطر کرتا ہو مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب کے یہاں تو مریدوں کی بڑی ذلت ہوتی ہے۔ افسوس یہ لوگ طالب خدا ہو کر اس کے طالب ہیں کہ شیخ ان کی خاطر وعزت کرے اور ہم نے ادنیٰ ادنیٰ فنون کے طالبوں کو دیکھا ہے کہ وہ استاد کے تھپڑ اور طمانچے کھاتے ہیں اور ذرا ملول نہیں ہوتے۔ مولانا رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی سے بواسطہ ایک ترکی سپاہی کی حکایت سنی گئی ہے۔ کہ ایک دن پریڈ کررہا تھا کہ اس میں اس سے کچھ غلطی ہوئی تو افسر نے اس کو ایک تھپڑ مارا اور سپاہی بدستور اپنے کام میں لگا رہا اور افسر کے تھپڑ سے اس پر کسی قسم کی ناگواری ظاہر نہ ہوئی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ مجھے بڑی حیرت ہوئی کیونکہ یہ سپاہی حکومت کا نوکر بھی نہ تھا بلکہ اپنے گھر کا رئیس تھا اور قواعد سپہ گری محض اس لئے سیکھتا تھا کہ ترکی حکومت نے قانوناً سب کے ذمہ فوجی قواعد کا سیکھنا لازم کر رکھا تھا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے دوسرے وقت اس ترکی سے پوچھا کہ تم کو افسر کے تھپڑ سے کچھ رنج ہوا تھا یا نہیں تو وہ ہنسنے لگا اور کہا اگر آج ہم اس پر رنج کریں گے تو پھر کل

کو جنرل بننے کے قابل کیونکر ہوں گے۔ واقعی سچ کہا حقیقت میں جو بچہ یا سپاہی اپنے استاد اور افسر کے تھپڑ سے بھاگے گا وہ محروم رہے گا۔

ہرآن طفل کوجور آموزگار ☆ نہ بیند جفابیند از روزگار

جو بچہ کہ اپنے استاد کا ظلم برداشت نہیں کرسکتا وہ دنیا میں تکلیف اٹھائے گا۔

ایک سب جج کی حکایت

میرے ایک دوست نے ایسی ہی ایک حکایت ایک سب جج کی بیان کی مگر سب جج ایسے نہیں ہوتے کہ انہوں نے جائے ملازمت پر ایک باہر والی عورت کو اپنے گھر میں ڈال لیا تھا اور اس کی محبت میں ایسے مشغول ہوئے کہ گھر پر اپنی بیوی بچوں کو بھی خرچ بھیجنا بند کر دیا ان کے والد صاحب کو کسی سے یہ خبر معلوم ہوگئی کہ صاحبزادہ نے کسی باہر والی عورت کو اپنے پاس رکھا ہے وہ سنتے ہی برافروختہ ہوگئے اور گھر سے چل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ اس شہر میں پہنچے جہاں سب جج صاحب ملازم تھے لوگوں سے پتہ پوچھا معلوم ہوا کہ کچہری میں اجلاس کر رہے ہیں وہ غصہ میں بھرے ہوئے اجلاس ہی پر پہنچے سب جج نے جو اپنے والد کو دیکھا تعظیم کے لئے اٹھنا چاہا مگر بڈھے نے اتنی مہلت ہی نہ دی اور کرسی پر گرا کر ان کو جوتا سے مارنا شروع کیا لوگوں نے دوڑ کر ان کو روکنا چاہا سب جج سب کو دھمکا دیا کہ خبردار کوئی آگے نہ بڑھے یہ میرے قبلہ وکعبہ ہیں غرض بڈھے نے خوب دل بھر کر مارا جب تھک گئے تو ایک طرف کو بیٹھ گئے سب جج نے کپڑے جھاڑ کر عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں کچھ کام کرلوں اور اگر دل میں کچھ اور غبار باقی ہو تو میں حاضر ہوں۔ بڑے میاں نے پھر کندہ کاری شروع کی اس کے بعد کہا اچھا اب اجلاس کا کام کرو۔ سب جج نے پھر بدستور مقدمات کی ساعت میں مشغول ہوگئے اس وقت تو بظاہر ان کی ذلت ہوئی مگر شہر میں جب یہ خبر مشہور ہوئی تو ہر شخص کی زبان پر انکی تعریف تھی کہ سبحان اللہ کیسے لائق فرزند اور سعادت مند بیٹے ہیں کہ باوجود اتنی عزت وعظمت کے بھی باپ کے ہاتھ سے پٹنا ناگوار نہیں ہوا۔ واقعی اپنے بزرگوں کے ہاتھ سے جو ذلت ہو وہ ذلت نہیں۔ بلکہ بڑی عزت ہے۔ اس لئے اپنے بزرگوں کے سامنے ذلت سے ناگواری نہ ہونا چاہیے۔ یہی کامیابی کا اور عزت کا پیش خیمہ ہے پس فہم کا

درست کرنا چاہتے ہو تو کاملین کے سامنے ہر ذلت کو گوارا کر کے کچھ دنوں رہو ان شاء اللہ فہم درست ہو جائے گا ہاں کوئی خود ہی سلیم الفہم ہو تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے اس کو صحبت کامل کی ضرورت نہیں مگر ایسے نادر ہیں جیسے بعض دفعہ مرغی کے انڈے میں سے محض مشین کی گرمی پہنچانے سے بچہ نکل آتا ہے مگر سنا یہ ہے کہ ایسے بچے زندہ نہیں رہتے جلد ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ خود سلیم الفہم ہوتے ہیں ان کو اصلاح خلق کے مناسبت تامہ نہیں ہوتی گو فہم کتنا ہی سلیم ہو مگر ان سے فیض نہیں چلتا فیض رسانی کی شان اسی بچہ میں آئے گی جس نے کچھ دنوں کسی مرغی کے نیچے رہ کر پروبال نکالے ہوں۔ باقی حضرات انبیاء کو ادبنی ربی فاحسن تادیبی وعلمنی ربی فاحسن تعلیمی (میرے رب نے مجھے ادب سکھایا پس کتنا اچھا ادب سکھایا اور میرے رب نے مجھے تعلیم دی پس کتنی اچھی تعلیم دی) (کشف الخفاء للعجلونی ۸۷، کنز العمال: ۳۱۸۹۵) کے سبب تربیت خلق کی حاجت نہیں ہوتی۔ یہ گفتگو فانصب کی تفسیر پر چلی تھی کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو حد سے زیادہ مشقت ہو وہ بالکل نوابی ہو بلکہ اعتدال چاہیے اور اعتدال کسی محقق سے سیکھو اور آج کل سب مشائخ محقق نہیں ہوتے بلکہ بعضے تو بہت زیادہ کام لیتے ہیں چنانچہ ایک بزرگ کے یہاں ہر شخص کے لئے چوبیس ہزار دفعہ اسم ذات کی تعلیم تھی چاہے وہ مشغول ہو یا بیمار ہو اس سے کم کسی کو نہ بتلاتے سو یہ لوگ محقق نہیں ہیں بلکہ عطائی ہیں عارف ان کی بہت شکایت فرماتے ہیں۔

خستگاں را چوں طلب باشد وقوت نبود ☆ گر تو بیداد کنی شرف مروت نبود

زخمیوں کو جب طلب ہو اور طاقت نہ ہو اگر تو ظلم کرے مروت نہیں۔

اور فرماتے ہیں

طفل را گر نان دہی بر جائے شیر ☆ طفل مسکیں را ازاں نان مردہ گیر

بچہ کو اگر دودھ کی بجائے روٹی کھلا دے تو وہ بچہ مر جائے گا۔

چار پارا قدر طاقت بار نہ ☆ بر ضعیفاں قدر ہمت کار نہ

چوپایوں پر طاقت کے مطابق بوجھ رکھو۔ کمزوروں سے محنت کے موافق کام لو۔

ترجمہ: یاد رکھو مطلوب کا حاصل ہونا کچھ زیادہ کام کرنے پر موقوف نہیں بلکہ بقدر

ہمت طلب ہونا چاہیے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ مریض ضعیف کی چھ رکعتیں قوی کی چھ سو رکعتوں کی برابر ہے کیونکہ اس کو چھ رکعت ہی کی ہمت ہے اور ثواب دینے والے اللہ تعالیٰ عز شانہ ہیں وہ ہر شخص کی حالت اور ہمت کو اچھی طرح جانتے ہیں اسی لئے ہمارے حاجی صاحب فرماتے ہیں۔

بس ہے اپنا ایک بھی نالہ پہنچے وہاں ☆ گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ و فریاد ہم

واقعی اگر دل سے اور توجہ سے تھوڑا کام بھی ہو تو وہ بے توجہی کے ساتھ زیادہ کام کرنے سے بڑھ کر ہے پس جو زیادہ کام نہ کر سکے وہ تھوڑا ہی کرے مگر توجہ سے کرے اور دل سے کرے یہی وصول کیلئے کافی ہے ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روے ☆ بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہائے ہوئے

فارغ البالی کے ساتھ اپنے محبوب کی طرف نظر کرنا بہتر ہے کہ بادشاہی میں تمام دن شور و غل کرنا۔

فراغ دل کی قید قابل لحاظ ہے واقعی فراغ دل کے ساتھ تھوڑی دیر بھی خدا کو یاد کر لینا بڑی دولت ہے۔ حضرت شیفتہ فرماتے ہیں اور چونکہ وہ نقشبندی ہیں اس لئے وہ اس مضمون کو نقشبندیہ کے رنگ میں بیان فرماتے ہیں۔

چہ خوش ست باتو بزمے بہ نہفتہ ساز کردن ☆ در خانہ بند کردن سر شیشہ باز کردن

کیا اچھا ہو کہ تو محفل میں اکیلا ہو گھر کا دروازہ بند اور شراب کا شیشہ کھلا ہو۔

اس حالت کے ساتھ واقعی ایک بزم بھی بہت بڑی دولت ہے۔ پس یہ طریقہ غلط ہے کہ سارے طالبوں کو ایک ہی لکڑی ہانکا جائے۔ بلکہ اقویا کو ان کے مناسب کام بتلاؤ اور ضعفاء کو تھوڑا بتلاؤ اور اس کی تاکید کرو کہ وہ تھوڑا ہی کام توجہ کے ساتھ کریں ان شاء اللہ وہ زیادہ ہی کے برابر ہو جائے گا۔

ہر نماز کے بعد تین مرتبہ لا الہ الا اللہ کہنے کا حکم

چنانچہ بعض بزرگوں نے اپنے بعض مریدوں کو جو دینی مشاغل میں زیادہ مشغول

تھے صرف اتنا کام بتلایا ہے کہ ہر نماز کے بعد تین مرتبہ لا الہ الا اللہ جہراً کہہ لیا کرو اب رسمی پیروں کے یہاں یہ رسم ہوگئی کہ نماز کے بعد یا فجر و عصر کے بعد سارے نمازی مل کر جہراً لا الہ الا اللہ کہتے ہیں اور اس کا سختی کے ساتھ التزام کرتے ہیں حالانکہ سب کے واسطے بزرگوں نے نہیں کیا تھا بلکہ خاص خاص لوگوں کو بتلایا گیا تھا۔ مگر جاہلوں نے اس کو حکم عام ہی بنا لیا اور التزام کر لیا اسی واسطے علماء نے اس کو بدعت کہا اب ان پر آوازے کسے جاتے ہیں کہ لو بھائی ذکر اللہ بھی بدعت ہوگیا ہائے علماء کی بڑی مصیبت ہے ان سے بھی کوئی جماعت خوش نہیں مگر محقق صوفیہ ان سے خوش ہیں وہ ان کی قدر کرتے ہیں چنانچہ علامہ شعرانی جو بہت بڑے محقق صوفی ہیں فرماتے ہیں کہ نزاع صوفیہ دقیق ہے جو عوام کی فہم سے بالا ہے اس لئے عوام کو بھی لازم ہے کہ علوم میں صوفیہ کا اتباع نہ کریں بلکہ علماء اور جمہور کا اتباع کریں کیونکہ یہ لوگ منتظم ہیں نظام شریعت بلکہ عالم علماء ہی کے اتباع سے قائم رہ سکتا ہے ہمارے ماموں صاحب کہتے تھے کہ اگر علماء دنیا میں نہ ہوتے تو سب لوگوں کو کافر ہی بنا دیتے کیونکہ ہماری باتیں عوام کی فہم سے خارج ہیں نہ معلوم وہ کیا سے کیا سمجھتے اور ایمان کو برباد کر دیتے مولویوں کا بڑا احسان ہے کہ انہوں نے مخلوق کا ایمان سنبھال رکھا ہے۔ تو اے وہ صوفی جو مولویوں سے ناخوش ہے اور ان پر آوازیں کستا ہے تو ان کا احسان مان کہ تو انہی کی بدولت چین سے بیٹھا ہوا اللہ اللہ کر رہا ہے اور گوشہ عافیت میں بیٹھا ہوا ہے۔ منتظم پولیس کی قدر جبھی ہوتی ہے جبکہ رات کو راحت سے پڑ کر سوتے ہو پس یہ علماء منتظم پولیس ہیں کہ مخلوق کے ایمان کی حفاظت کرتے ہیں اگر یہ اپنا کام چھوڑ دیں تو پھر صوفی صاحب کو حجرہ سے نکل کر یہ کام کرنا پڑتا اور سارا تصوف اور حال و قال رکھا رہ جاتا۔

اصلاح خلق کا کام فرض کفایہ ہے

کیونکہ اصلاح خلق کا کام فرض کفایہ ہے اگر مولوی اس کو چھوڑ دیں تو پھر صوفیوں پر ملاں بننا فرض ہو جائے گا پس تیری گھٹری کی خیر اسی وقت تک ہے جب تک یہ منتظم جماعت دنیا میں موجود ہے تم تو رات کو پڑ کر آرام کرتے ہو اور آنکھ کھل گئی تو نماز و ذکر میں مشغول ہو جاتے ہو اور مولویوں کی یہ حالت ہے کہ حضرت شاہ اسماعیل صاحب رات

کو سید صاحب کے مہمانوں کے پیر دبایا کرتے تھے اور اگر کوئی پوچھتا کون ہے تو فرمادیتے کہ میں ہوں سید صاحب کا نوکر یہ سنکر مہمان خاموش ہو جاتے بہت عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ مولانا اسماعیل صاحب پیر دبانے آیا کرتے ہیں یہ تو پہلے بزرگوں کا قصہ ہے اور میں نے اپنے استاد مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کی ایک حکایت اس سے بڑھ کرسنی ہے مجھے تو یہ حکایت سن کر پسینہ آگیا کہ حضرت نے اپنے کوکس درجہ مٹایا تھا وہ یہ کہ حضرت کے یہاں ایک مہمان آئے جن کے ساتھ ایک کافر بھی تھا گرمی کی دوپہر میں جب مہمان سور ہے تو مولانا دبے دبے پاؤں تشریف لائے اور اس ہندو کے پاؤں دبانا شروع کئے راوی کا بیان ہے کہ اس وقت میں اتفاق سے جاگ رہا تھا میں گھبرا کر پہنچا اور عرض کیا کہ حضرت آپ یہ کیا کررہے ہیں فرمایا یہ بیچارہ تھکا ماندہ ہے اس کی تھکن اتار رہا ہوں میں نے کہا حضرت پھر میں دبادوں گا آپ ہٹ جائیں فرمایا نہیں تم تو خود تھکے ہوئے ہو اور مہمان بھی بس تم پڑے رہو غرض نہ معلوم کتنی دیر تک اس کافر کے پیر دبائے اور وہ بے ہوش پڑا سوتا رہا کیونکہ کافروں کی آنکھ تو مرنے ہی پر کھلے گی جب عذاب کے فرشتے نظر آئیں گے تو یہ بیداری میں بھی سوتے ہی رہتے ہیں۔ اور مولانا پر غلبہ حال تھا کہ منتہی ہو کر ایسا کام کیا بھلا آج کل کسی صوفی نے بھی ایسا کیا ہے ہم نے تو کسی کو نہیں سنا پھر وہ کس منہ سے علماء پر آوازیں کستے ہیں لیکن اس جگہ منتہیوں کیلئے ایک بات کہتا ہوں اور شاید وہ بات آپ مجھ ہی سے سنیں گے کسی اور سے نہ سنیں گے وہ یہ کہ جس جگہ زیادہ تواضع کرنے سے دوسرے کو تکلیف ہوتی ہو وہاں قصداً اتنی تواضع نہ کرو باقی اگر حال ہی غالب ہو جائے یا اس احتمال کی طرف التفات ہی نہ ہو وہ اور بات ہے۔

تواضع میں ضرورت اعتدال

جیسے مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادیؒ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں حرم میں بیٹھا ہوا تھا اور جوتے دروازے پر چھوڑ آیا تھا کہ حاجی صاحب قدس سرہ تشریف لائے اور آپ نے میرے جوتے لاکر چپکے سے میرے پاس رکھ دیئے اور فرمایا کہ وہ جگہ اطمینان کی نہ تھی جوتے اپنے پاس رکھنا چاہیے۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ میں ندامت میں غرق ہو گیا

اور دیر تک پسینہ پر پسینہ آتا رہا کہ اللہ اکبر کہاں حضرت اور کہاں یہ تکلیف میں نے کیسی حماقت کی مگر حضرت کو اس طرف التفات ہی نہیں ہوا کہ یہ کوئی بڑی تواضع کی بات ہے تو بعض طبائع کو بلکہ اکثر کو واقعی اپنے بزرگوں کی زیادہ تواضع کرنے سے بہت ندامت و تکلیف ہوتی ہے اور بعضے بزرگوں کو اپنے خدام کی خدمت سے بھی تکلیف ہوتی ہے وہ اس کو پسند نہیں کرتے کہ کوئی خادم ان کی جوتیاں اٹھادے اور رکھے تو وہاں ان کی بھی ایسی خدمت نہ کرے چنانچہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی جوتیاں ایک حافظ صاحب نے جو مولانا کے مرید بھی تھے اٹھا کر رکھ دیں تو مولانا کھڑے ہوگئے اور فرمانے لگے کہ حافظ صاحب یہ جوتے تو تبرک اور سر پر رکھنے کے قابل ہوگئے اب بتلاؤ پاؤں میں کیا پہنوں۔ مطلب یہ تھا کہ آئندہ سے ایسا نہ کرنا مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ مگر اس مضمون کو لطیف عنوان سے بیان فرمایا اسی طرح ہمارے استاد مولانا فتح محمد صاحب کو لوگوں کی خدمت سے تکلیف ہوتی تھی وہ اس کو پسند نہ کرتے تھے کہ کوئی انکی جوتیاں اٹھادے۔ ایک دفعہ مولانا جوتیاں اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے جامع مسجد کے فرش پر آرہے تھے کہ ایک معتقد دوڑے اور جوتیاں لینا چاہا مولانا نے نہیں دیں اس شخص نے ایک ہاتھ سے مولانا کی کلائی زور سے پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے جھٹکا دے کر جوتے چھیننے کی کوشش کر رہا تھا کہ اتنے میں میں پہنچ گیا اور میں نے اس کو ڈانٹا دھمکایا کہ بزرگوں کے ساتھ یہ گستاخی کہ ان سے چھینا جھپٹی کرتے ہو بس خدمت وہی اچھی جس سے بزرگوں پر گرانی نہ ہو غرض بزرگوں کو بھی اس کا خیال کرنا چاہیے کہ اپنے خدام کے ساتھ ایسی تواضع نہ کریں جس سے ان کو خجلت و کلفت ہو اور خدام کو بھی اس کا خیال کرنا چاہیے کہ اپنے بزرگوں کو جو خدمت ناگوار ہو وہ نہ کیا کریں۔ بلکہ بزرگوں کیلئے تو اس کی ضرورت ہے کہ کبھی کبھی خادم سے کہہ دیا کریں کہ جوتے وہاں سے اٹھا کر یہاں رکھ دو اس کے یہ معنی نہیں مریدوں کو ذلیل کیا کریں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس سے خادم خوش ہوں گے کہ ہم کو اپنا سمجھتے ہیں اور کبھی یہ خدمت بہ نیت اصلاح و تعلیم تواضع کے لینا چاہیے کیونکہ اصلاح اسی طرح ہو سکتی ہے۔ کہ عملاً اس کا رتبہ بتلادے خود خادم بن کر آپ مخلوق کی اصلاح نہیں کر سکتے۔ بلکہ آج کل طبائع میں ایسی کجی ہے کہ چند دن کے بعد ایسا کرنے سے عام

لوگ بیباک ہو کر سر پر چڑھ جائیں گے اور خود تمہاری ہی اصلاح کرنے لگیں گے جیسے ایک بزرگ سے سانپ بیعت ہو گیا تھا آپ نے اس سے عہد لیا کہ کسی کے کاٹنا نہیں اس نے عہد کر لیا یہ خبر جانوروں کو بھی ہو گئی تو سب نے آ کر اسے تنگ کرنا اور نوچنا کھسوٹنا شروع کر دیا کیونکہ اس سے تو اطمینان تھا کہ یہ کاٹے گا نہیں چند روز کے بعد ان بزرگ کا جنگل میں سے گزر ہوا تو سانپ کو زخمی برے حال میں دیکھا پوچھا کیا ہوا تو مردہ کیوں ہو رہا ہے کہا حضرت میری بیعت و عہد کا حال جانوروں کو معلوم ہو گیا اب سب مجھے مارتے اور تنگ کرتے ہیں اگر میں کچھ کہوں تو بیعت ٹوٹتی ہے۔ فرمایا میں نے کاٹنے سے منع کیا ہے پھنکارنے سے منع نہیں کیا اب کے کوئی تیرے پاس آئے تو پھن اٹھا کر پھنکار دیا کر جس سے دیکھنے والے کو یہ شبہ ہو کہ کاٹنا چاہتا ہے اب غریب کو چین ہوا اور جانور دور بھاگنے لگے اسی طرح بزرگوں کو بھی بعض دفعہ پھنکارنے کی ضرورت ہے تاکہ لوگ سر نہ چڑھ جائیں چنانچہ شاہ فیصل الرحمٰن صاحب کا یہی رنگ غالب تھا اور ہمارے مشائخ ہر چند کہ بہت خلیق ہیں اور اپنے پاس آنے والوں کے ساتھ نرمی کرتے ہیں لیکن تعلیم کے وقت ضرورت کے موقعہ پر وہ بھی سیاست سے کام لیتے ہیں چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب ہمارے حضرات میں سب سے زیادہ نرم اور ایسے خلیق تھے کہ عوام بھی ان کو خلیق مانتے تھے لیکن مولانا کی ایک حکایت امیر شاہ خاں صاحب مرحوم نے بیان فرمائی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تعلیم کے وقت مولانا بھی سیاست سے کام لیتے تھے۔ امیر شاہ خاں صاحب کا بیان ہے کہ ایک دفعہ مولانا دہلی تشریف لائے اور شاید کسی مطبع میں قیام فرمایا مولانا احمد حسن صاحب امروہی بھی ساتھ تھے رات کو مولانا احمد حسن صاحب کی اور میری چارپائی متصل تھی اور مولانا کی چارپائی ذرا فاصلہ پر تھی ہم دونوں باہم باتیں کرنے لگے میں نے کہا صبح کی نماز ایک برج والی مسجد میں پڑھیں تو اچھا ہے کیونکہ سنا ہے وہاں کے امام قرآن اچھا پڑھتے ہیں وہ قاری بھی ہیں اور خوش الحان بھی ہیں اس پر مولانا احمد حسن صاحب نے چونکہ باہم خوب بے تکلفی تھی برہم ہو کر فرمایا کہ ارے پٹھان تو بڑا جاہل ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتا ہے جو ہمارے حضرت (یعنی مولانا محمد قاسم صاحب) کی تکفیر کرتا اور ان کی شان میں

گستاخی کرتا ہے یہ بات مولانا نے بھی سن لی فرمایا ارے احمد حسن مولانا کے تو وہ شاگرد تھے اور محبوب شاگرد تھے ان کو اس طرح خطاب کرنے کا حق تھا مگر ہم کو یہ حق نہیں کیونکہ مولانا احمد حسن صاحب ہمارے تو مخدوم ہیں ہاں نقل کرنے کا مضائقہ نہیں جیسے حق تعالیٰ کو عصی آدم ربہ فغوی کہنے کا حق ہے کیونکہ وہ خدا ہیں اور آدم علیہ السلام ان کے بندے ہیں خدا کو حق ہے کہ اپنے بندہ کو جس طرح چاہیں خطاب فرمائیں گو وہ بندہ کیسا ہی عالی رتبہ ہو مگر خدا تعالیٰ کے سامنے تو سب بندے اور غلام ہی ہیں۔ لیکن ہمیں اور آپ کو اپنی طرف سے ایسا کہنے کا حق نہیں ورنہ گردن پنے گی البتہ نقل کا مضائقہ نہیں۔ چنانچہ تلاوت میں بطور نقل کے ہم اس کو پڑھتے ہی ہیں غرض مولانا نے فرمایا ارے احمد حسن میں تو سمجھا تھا کہ تجھے کچھ علم آ گیا تو اوروں کو جاہل کہتا ہے مگر تو خود جاہل ہے ارے کیا وہ امام محض اس وجہ سے کہ میری تکفیر کرتا ہے امامت کے قابل نہیں رہا یہ تو اس کی دینداری کی علامت ہے کیونکہ وہ جو مجھے برا کہتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو کسی کے ذریعہ سے میرے متعلق کوئی بددینی کی بات پہنچی ہے جو اسکے نزدیک بددینی میں داخل ہے اس حالت میں تو اس پر واجب تھا کہ مجھے برا سمجھے یہ تو اس کی دینداری کی علامت ہے کہ جس شخص کے متعلق اس کو بددینی کی بات پہنچتی ہے جس کو وہ اپنے زعم میں دین کے خلاف سمجھتا ہے اس کو برا سمجھتا ہے اس کے بعد فرمایا کہ صبح کو ہم اسی امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے چنانچہ صبح کو وہیں تشریف لے گئے اور اپنے مخالف کے پیچھے نماز پڑھی اس حکایت سے مولانا کے بہت سے کمالات ظاہر ہوتے ہیں منجملہ انکے یہ بھی ہے کہ تربیت و تعلیم کے وقت مولانا سیاست و تنبیہ سے کام لیتے اور حاکمانہ لہجہ اختیار فرماتے تھے تواضع محض کی صورت میں ہر موقع پر اختیار نہ فرماتے تھے اور واقعی بدون اس کے اصلاح دشوار ہے باقی مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور مولانا دیوبندی رحمہما اللہ تعالیٰ کے جو واقعات میں نے اوپر بیان کئے ہیں وہ غلبہ حال کا اثر تھا اور غلبہ حال ہر وقت نہیں رہا کرتا لیکن میں یہاں سے مبتدیوں کے کان کھولتا ہوں کہ جب ان حضرات نے جو منتہی تھے ایسے ایسے کام کئے ہیں اور مسافروں اور کافروں تک کے پیر دبائے ہیں تو تم کو مبتدی ہو کر ان کاموں سے کیا شے مانع ہے۔

طریق اصلاح کی شرط اول

افسوس آج کل کے مبتدی عوام کے سامنے تو اپنے کو کیا مٹاتے یہ تو اپنے کو شیخ کے سامنے بھی نہیں مٹاتے جس کے سامنے اپنے کو پامال کر دینا طریق کی اول شرط ہے مگر یہ اس کے سامنے بھی اپنی فکر ورائے کو فنا نہیں کرتے خود رائی سے کام لیتے ہیں حالانکہ کمال اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اپنے کو کسی کامل کے ہاتھ میں کالمیت فی ید الغسال سپرد نہ کر دو اور حقائق کا انکشاف بھی اسی پر موقوف ہے۔ چنانچہ اس حقیقت میں جو آج کل خلط ہو رہا ہے کہ یہ خبر نہیں تعلق مع الخلق کس درجہ میں مانع ہے اور کس درجہ میں مانع نہیں ہے اس کی تحقیق کیلئے بھی صحبت کاملین کی اسی طرح ضرورت ہے کہ اپنے کو بالکل ان کے سپرد کر کے صحبت اختیار کی جائے یہ تو فاذا فرغت فانصب کے متعلق گفتگو تھی آگے ارشاد ہے والی ربک فارغب، اس کا یہ ہے کہ اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت اور توجہ کیجئے اس جملہ کے متعدد مسائل ہیں۔

توجہ الی اللہ اصل مطلوب ہے

ایک تو یہ کہ توجہ الی اللہ اصل مطلوب ہے اور توجہ الی الخلق گو وہ دین ہی ہو اصل مطلوب نہیں بلکہ مطلوب بالغیر ہے کیونکہ یہاں جس توجہ الی الخلق سے فارغ حاصل کرنے اور اس سے فارغ ہو کر رغبت الی اللہ میں مشغول ہونے کا امر ہے وہ توجہ الی الخلق بھی دین ہی تھی اس لئے کہ نبی کی توجہ الی الخلق افادہ خلق کے لئے ہوتی ہے اور افادہ خلق دین ہے اور یہاں سے بعض صوفیہ کے اس قول کی اصل معلوم ہو گئی کہ ولایت نبوت سے افضل ہے جس کا یہ مطلب نہیں کہ ولی نبی سے افضل ہوتا ہے جیسا کہ بعض حکما نے سمجھا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ نبی میں جو دو شانیں ہوتی ہیں ایک ولایت کی اور ایک نبوت کی تو نبی کی ولایت نبی کی نبوت سے افضل ہوتی ہے چنانچہ دیکھ لیجئے کہ نبی کی توجہ الی افادۃ الخلق من حیث النبوت تھی اور توجہ الی اللہ من حیث الولایت مگر یہاں حق تعالیٰ توجہ الی الافادہ کو بمقابلہ توجہ الی اللہ غیر مقصود بالذات بتلا رہے ہیں پس ثابت ہوا کہ اصل مطلوب نبی کیلئے بھی توجہ

الی اللہ ہے اور توجہ الی الافادہ مطلوب بالغیر ہے۔

بوقت فراغ مناسب معمول

دوسرے یہاں تقدیم معمول سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ فراغ کے وقت میں حق تعالیٰ کی طرف توجہ کلی ہونا چاہیے کہ اس وقت بجز حق تعالیٰ کے اور کسی چیز پر توجہ نہ ہو کیونکہ تقدیم معمول حصر کو مفید ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوا انصب الی ربک وحدہ لاترغب الی شئی غیرہ، کہ اس وقت صرف خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کیجئے اور کسی چیز کی طرف التفات نہ کیجئے بس یہ حال ہو۔

چہ خوش ست با تو بزمے بہ نہفتہ ساز کردن   در خانہ بند کردن سر شیشہ باز کردن

اور اس سے بھی توجہ الی اللہ کا مطلوب بالذات اور توجہ الی الخلق کا مطلوب بالغیر ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ توجہ الی اللہ میں تو توجہ خلق سے قطع نظر کا حکم ہے اور توجہ الی الخلق کے وقت یعنی تبلیغ کے وقت کہیں یہ حکم نہیں کہ صرف تبلیغ ہی پر توجہ ہو اور کسی کی طرف توجہ نہ ہو بلکہ اگر نصوص میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تبلیغ کے وقت توجہ الی اللہ بھی مامور بہ ہے۔ بلکہ محققین نے تو تبلیغ کو بھی توجہ الی اللہ ہی فرمایا ہے مگر بواسطہ جیسے آئینہ میں سے صورت محبوب دیکھی جائے یہ بھی محبوب ہی کی رویت ہے کہ آئینہ کی رویت نہیں مگر یہ رویت بواسطہ ہے اور عاشق کا تو کام ہی محبوب کو دیکھنا ہے اگر کسی وقت رویت بلاواسطہ کی اجازت نہ ہو بلکہ آئینہ میں سے دیکھنے کا امر ہو تو وہ اسی کو غنیمت سمجھے گا اور کاملین کے لئے خلق مراۃ حق ہے ان کو اس میں بھی حق تعالیٰ ہی کا مشاہدہ ہوتا ہے غرض کامل توجہ الی الخلق میں بھی توجہ الی اللہ سے غافل نہیں ہوتا کیونکہ توجہ الی الخلق کے دو جز ہیں ایک ذکر دوسرے طاعت اور وہ توجہ الی الخلق میں ان دونوں سے غافل نہیں ہوتے۔ ذکر سے تو اس لئے غافل نہیں ہوتے کہ کوئی کام ان کو یاد محبوب سے نہیں ہٹا سکتا ہر کام میں اور ہر حالت میں ان کا دھیان اسی کی طرف لگا رہتا ہے اور یہ کچھ عجیب وغریب بات نہیں عشق مجازی میں بھی اس حالت کا سب مشاہدہ کرتے ہیں دیکھئے اگر آپ کسی سردار پر عاشق ہوں اور اپنی ملاقات کے لئے کوئی

وقت آپ کو بتلا دے کہ فلاں وقت فلاں جگہ آجانا اور آپ اس کیلئے تیاری کریں غسل کا انتظام کریں، کپڑے عمدہ پہننے چاہیں اور غسل سے پہلے حجامت بنوائیں تاکہ آدمیوں کی سی صورت ہو وحشیانہ شکل نہ ہو تو سچ بتلایئے کہ عین حجامت اور غسل سے تبدیل لباس کے وقت آپ کا دھیان محبوب کی طرف ہوگا۔ یقیناً آپ یہ سب کام کریں گے مگر دل اسی کے دھیان میں ہوگا، پھر سالکین و کاملین کی حالت پر آپ کو کیوں تعجب ہے اگر ان کو بھی ہر کام میں محبوب کی طرف دھیان رہے مولانا فرماتے ہیں۔

عشق مولی کے کم از لیلی بود گوئے گشتن بہراد اولی بود

مولیٰ کا عشق کیا لیلیٰ کے عشق سے بھی کم ہے۔ گیند بننا اس کے لئے زیادہ بہتر ہے

اور شیخ فرماتے ہیں۔

ترا عشق ہمچوں خودے زآب وگل ☆ رباید ہمہ صبر وآرام ودل

عجب داری از سالکان طیق ☆ کہ باشند در بحر معنی غریق

دمادم شراب الم درکشند ☆ در تلخ بینند دم درکشند

چوسلطان عزت علم برکشد ☆ جہاں سر بجیب عدم برکشد

تجھے عشق اپنے جیسے مٹی اور پانی والے کا دل سے صبر اور آرام لے جاتا ہے۔ تعجب رکھتا ہے تو سالکان طریق سے جو کہ معنی کے دریا میں غرق ہو۔ دمبدم رنج کی شراب پیتے ہیں اگر کڑوا دیکھتے ہیں خاموش ہو جاتے ہیں۔ اگر عزت کا بادشاہ جھنڈا بلند کرے ساری دنیا ناپید ہو جاتی ہے۔

ذکر اللہ اور تجارت

جن پر یعنی جن کے دلوں پر حق تعالیٰ کی تجلی ہوتی ہے وہ بھلا کسی اور کی طرف کیونکر توجہ کر سکتے ہیں وہ بلاشبہ توجہ الی الخلق میں بھی مشاہدہ حق کرتے ہیں مگر لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔ چنانچہ بعض لوگوں کو لاتلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ (انہیں تجارت اور بیع اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی) پر شبہ ہوتا ہے کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے عین

بیع وتجارت کے وقت ذکر اللہ سے غفلت نہ ہو اور اللہ کی طرف دھیان رہے میں نے کہا کہ یہ اس طرح ہو سکتا ہے جیسے تم عین ذکر اللہ کے وقت تجارت کے حساب وکتاب سے غافل نہیں ہوتے اور نماز کے وقت بھی تجارت وغیرہ کے دھیان میں رہتے ہو نظیر تو موجود ہے پھر حیرت کیوں ہے۔ بھائی جس طرح تم کو ذکر اللہ تجارت سے غافل نہیں کرتا اور نماز کے اندر تجارت کا حساب کرتے ہو ایسے ہی ان کو تجارت ذکر اللہ سے غافل نہیں کرتی وہ تجارت میں بھی اللہ کی یاد کا حساب کرتے رہتے ہیں۔ بس بات یہ ہے کہ جو چیز دل میں پیوستہ ہو جاتی ہے اس سے کوئی چیز حاجب ومانع نہیں ہوتی تمہارے دل میں دنیا پیوست ہو گئی ہے اس لئے تم کو ذکر اللہ دنیا کی یاد سے اور اس کے دھیان سے مانع نہیں ہوتا اور اہل اللہ کے دل میں اللہ کی محبت پیوستہ ہو گئی ہے انکو کوئی چیز اور کوئی کام ان کی یاد سے مانع نہیں ہوتا یہ تو ذکر کی حالت ہے کہ توجہ الی الخلق میں بھی وہ ذاکر ہوتے ہیں۔ اور طاعت کی حالت یہ ہے کہ وہ ہر کام میں احکام شرعیہ کی رعایت کرتے ہیں چنانچہ تبلیغ میں بھی جس میں ظاہراً تعلق مع الخلق ہے اس کی رعایت کرتے ہیں جس سے وہ تعلق مع الخلق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ تبلیغ میں وہ نرمی کرتے ہیں سختی اور درشتی نہیں کرتے مگر اسی وقت تک جب تک محبوب کی شان میں کوئی گستاخی نہ کرے اور جب مخاطب محبوب کی شان میں گستاخی کرنے لگے پھر ان سے زیادہ غصہ اور کوئی نہ ہوگا۔

حرمات الٰہیہ کی ہتک

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے واسطے کبھی انتقام نہیں لیا۔ ہاں جب حرمات الٰہیہ کی ہتک ہوتی ہو تو پھر آپ سے زیادہ غصہ دار کوئی نہ تھا۔ اس وقت آپ اللہ کے واسطے انتقام لیتے تھے اور غزوہ بدر میں جب ستر کفار قید ہو کر آئے اور حضور ﷺ نے صحابہؓ سے ان کے متعلق مشورہ لیا تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ سب ائمۃ الکفر ہیں سب کو قتل کر دیا جائے اور ہر مسلمان کے حوالے اس کا کافر عزیز کیا جائے ہر شخص اپنے عزیز کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے تاکہ سب دیکھ لیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی محبت کے سامنے اپنے کسی عزیز کی محبت کی پروا نہیں کرتے پس جب انتہاک حرمات اللہ ہوتا ہو اس وقت یہ حضرات اپنے کسی عزیز کی بھی پروا نہیں کرتے۔ اور اس وقت انکی درشتی اور سختی

بھی سب حق کیلئے ہوتی ہے۔ اور جب دین کا ہتک نہ ہو تو پھر وہ نرمی اور خوش اخلاقی سے تبلیغ کرتے ہیں۔ غرض حضور ﷺ کیلئے تبلیغ بھی توجہ الی اللہ ہی تھی کیونکہ آپ توجہ الی الخلق میں بھی ذکر اللہ اور اطاعت میں مشغول تھے مگر حق تعالیٰ نے اس توجہ کو بھی مقصود بالذات نہیں قرار دیا بلکہ اصل مقصود اور مطلوب بالذات توجہ الی اللہ بلاواسطہ ہے لیکن حکمتوں کی وجہ سے یہ توجہ بواسطہ یعنی توجہ الی الخلق بھی شروع کی گئی تاکہ دوسروں کو بھی ایسا بنایا جائے کہ وہ توجہ الی اللہ بلاواسطہ کے اہل ہو جائیں۔

توجہ الی الخلق سے حضور ﷺ کا حال

اگر حضور ﷺ تبلیغ نہ فرماتے اور مخلوق پر توجہ نہ فرماتے تو بتلایئے آج ہمارا کیا حال ہوتا مگر باوجود اسکے کہ آپ کی توجہ الی الخلق محض دین تھی اور افادہ خلق کے لئے تھی پھر بھی اس توجہ کی وجہ سے حضور ﷺ کی حالت یہ تھی کہ آپ توجہ بلاواسطہ مقابلہ میں اس توجہ بواسطہ کے متعلق فرماتے ہیں **انه ليغان على قلبي (الصحيح لمسلم' الذكر: ۴۱' مشكوة المصابيح: ۲۳۲۴)** کہ میرے دل پر بھی کسی وقت ابر سا چھا جاتا ہے اس کی شرح میں علماء ظاہر تو تھک گئے مگر صوفیہ جو اہل اسرار ہیں انہوں نے آگے بڑھ کر تفسیر یہ کی ہے کہ اس غین سے مراد وہ گرانی ہے جو توجہ الی الخلق میں آپ پر ہوتی تھی کیونکہ حضور ﷺ کا طبعی تقاضا توجہ بلاواسطہ کا تھا توجہ بواسطہ طبعاً گراں تھی نہ اس وجہ سے کہ یہ وسائط آپ کیلئے معاذ اللہ مانع عن الحق تھے ہرگز نہیں آپ کی شان تو بہت بڑی ہے اور ادنیٰ درجہ کا صوفی یوں کہتا ہے۔

ہر چہ بینم در جہان غیر تو نیست ☆ یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

دنیا میں جو کچھ دیکھتا ہوں سوائے تیرے نہیں ہے یا تو خود ہے یا تیری عادت ہے یا تیری خوشبو ہے۔

جب ایک ادنیٰ صوفی کے لئے تمام جہان مرآۃ حق ہے اور اس کی کوئی چیز حق سے مانع نہیں ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ کس کی مجال ہے جو توجہ الی الخلق کو آپ کے حق میں توجہ حق سے مانع کہہ سکتے نہیں بلکہ بات وہی ہے کہ آپ کا اصلی تقاضا توجہ بلاواسطہ کا تھا۔ آپ کا دل یہی چاہتا تھا کہ حضرت حق کی طرف بلاواسطہ توجہ کروں اور توجہ الی الخلق میں بھی گو توجہ الی الخلق تھی مگر بواسطہ تھی یہ واسطہ آپ پر گراں تھا مگر حکمت کی وجہ سے

حق تعالیٰ نے آپ کو توجہ الی الخلق کا مامور کیا تا کہ مخلوق کی اصلاح ہو اسی کو دوسری آیت میں فرماتے ہیں: والی ربک فارغب، یعنی جب آپ تبلیغ وافادہ خلق سے فارغ ہو جائیں تو اب صرف خدا تعالیٰ کی طرف توجہ فرمایئے جو آپ کا اصلی تقاضا ہے اور وہی مطلوب بالذات ہے بہر حال اس جملہ سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ فارغ وقت میں جب حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو تو اس وقت صرف حق تعالیٰ ہی کی طرف توجہ کرو اس وقت توجہ بواسطہ نہ ہونا چاہیے بلاواسطہ ہونا چاہیے اگر تنہائی میں بھی یہ واسطے باقی رہے تو وقت ہی ضائع کیا آخر پھر توجہ بلاواسطہ کا کونسا وقت ہوگا اسی کو شیخ شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

چو ہر ساعت از تو بجائے رود دل ☆ بہ تنہائی اندر صفائے نہ بنی
گرت مال وزر ہست زرع وتجارت ☆ چو دل با خدا ہست خلوت نشینی

جو ہر گھڑی تیرا دل بھاگا بھاگا پھرے تو تنہائی کے اندر بھی صفائی نہ دیکھے گا اور اگر تیرے پاس مال اور سونا ہے اور زراعت اور تجارت ہے جب تیرا دل خدا کے ساتھ ہے تو خلوت میں بیٹھنے والا ہے۔

یعنی اگر صورۃ خلوت ہو مگر قلب تعلقات میں گرفتار ہو تو اس خلوت کا کچھ فائدہ نہیں اور اگر مال وزر اور کھیتی اور تجارت میں بھی دل خدا تعالیٰ کے ساتھ لگا ہوا ہو تو تم جلوت میں بھی خلوت نشین ہو اسی مضمون کو ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں۔

گر باہمہ چو بامنی بے ہمہ ☆ در بے ہمہ چو بے منی باہمہ

اگر تو تمام مخلوق کے ساتھ اور دل میرے ساتھ ہو تو بغیر سب کے ہے۔ اور اگر تو بغیر سب کے ہے اور میرے ساتھ نہیں تو سب کیساتھ ہے۔

حضرت عمرؓ کا نماز میں انتظام لشکر کشی

پس کم از کم خلوت میں تو ایسی توجہ ہونا چاہیے کہ اس وقت دل خیالات غیر سے پاک ہو ورنہ وہ خلوت خلوت نہ ہوگی بلکہ جلوت ہوگی البتہ اگر ایسا خیال ہو جس کی اجازت محبوب کی طرف سے ہو یعنی دین کا ہو اور ضرورت کا ہو تو وہ خلوت کے منافی نہیں اور ایسا خیال قرب مقصود کے خلاف نہیں ہے۔ اس خیال کی ایک نظیر وہ ہے جس

کو حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔انی لا جھز جیشی و انا فی الصلوٰۃ، کہ میں نماز میں لشکر کشی کا انتظام کرتا ہوں وجہ اس کی یہ تھی کہ یہ بھی دین ہی کا کام تھا اور ضروری تھا۔اور ذکر اللہ وماوالاہ، میں داخل تھا کیونکہ اس سے مجاہدین کے ذکر کی تکمیل ہوتی ہے۔اور غافلوں کو ذاکر بنا کر اس سے کثرت ذاکرین کی تحصیل ہوتی ہے اور کثرت مشاغل کے سبب خارج نماز اوقات بعض دفعہ اس کیلئے کافی نہ ہوتے تھے اور نماز میں یکسوئی ہوتی ہے اور تدبیر وانتظام کا کام محتاج یکسوئی تھا اس لئے حضرت عمرؓ نماز میں بضرورت یہ کام کر لیتے تھے اور یہاں سے غلطی معلوم ہوئی ان لوگوں کی جو آج کل مشوروں کے لئے جلسے کرتے پھرتے ہیں بھلا مشورہ بھی کہیں جلسوں میں ہوا کرتا ہے۔صاحب مشورہ کیلئے یکسوئی اور اجتماع قوت فکر یہ کی ضرورت ہے اور مجمع کثیر میں قوت فکر یہ کیسے مجتمع ہو گی۔صاحبو! ایسے مہمات میں نظر کرنے کا طریقہ تو حق تعالیٰ نے خود قرآن میں ہم کو بتلا دیا ہے۔چنانچہ ارشاد ہے قل انما اعظکم بواحدۃ، اس میں کفار کو رسالت محمد یہ ﷺ کی حقانیت معلوم کرنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے کہ میں تم کو ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں ان تقوموا للہ مثنی و فرادیٰ، کہ تم اللہ کے واسطے دودو اور تنہا تنہا کھڑے ہو جاؤ یعنی آمادہ ہو جاؤ ثم تتفکروا مابصاحبکم من جنۃ، پھر سوچو کہ تمہارے رسول ﷺ کو جنون ہے یا نہیں تو تمہارا دل اس وقت یہی کہے گا کہ جنون نہیں ہے۔اس میں سوچنے کا خاص طریقہ بتلایا گیا جس کے یہ اجزاء ہیں ایک یہ اہتمام کرو دوسرے یہ کہ یہ اہتمام اللہ کے لئے یعنی خلوص سے ہو تیسرے یہ کہ فکر کرو چوتھے یہ کہ مجمع نہ ہو کہ اس سے فکر میں تشتت ہوتا ہے یا تو اس کو اکیلے سوچو یا کوئی دقیق بات ہو تو ایک کو اور شریک کر لو اور ایک کی تحقیق نہیں مطلب یہ کہ اتنا تعدد ہو جو مشوش فکر نہ ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ جو کام یکسوئی کے محتاج ہیں وہ جلسوں میں طے نہیں ہو سکتے مگر آج کل لوگ عام طور پر اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ مشورہ کیلئے جلسے کرتے ہیں جس میں ہزاروں آدمی ہوتے ہیں بھلا اس طرح مشورہ کیا خاک ہو گا غرض حضرت عمرؓ کی یہ خلوت میں جلوت چونکہ باذن حق تھی اس لئے الی ربک فارغب کے منافی نہ تھی خوب سمجھو۔

تیسرا مسئلہ اس سے یہ مستنبط ہوا کہ الی ربک فارغب میں توجہ الی اللہ کا امر

فرمایا گیا ہے اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ اوامر میں حد اختیار تکلیف ہوتی ہے اور جو درجہ حد اختیار سے خارج ہو وہ مکلف بہ نہیں ہوتا یہاں تک کہ ایک بڑا مسئلہ حل ہوا وہ یہ کہ اگر کسی کو نماز و ذکر میں وساوس بے اختیار آتے ہوں خواہ اپنے کاروبار کے وساوس یا کوئی مرد کسی عورت پر یا امرد پر (جس کے لفظی معنی تو بڑے مرد کے ہوسکتے ہیں کیونکہ یہ مرد کا افعل التفضیل ہے اور حقیقت میں وہ چھوٹا مرد ہے) فریفتہ ہوگیا ہو اور اس کی طرف دل کو ہٹانا چاہتا ہو لیکن اضطراراً بلا اختیار اس کا خیال نماز و ذکر میں آجاتا ہو تو یہ مضر نہیں اس میں بہت لوگ مبتلائے غم ہیں اور ان وساوس سے پریشان ہوتے ہیں تو وہ مطمئن رہیں کہ یہ خیالات اضطراریہ توجہ کامل کے منافی نہیں ان سے کچھ ضرر نہیں ہوتا البتہ اختیاری وساوس نہ ہوں۔ جن میں یہ مضطر نہیں۔ غرض کمال توجہ الی اللہ کے منافی وہ وساوس و خیالات ہیں جو اختیاری ہوں اگر وہ وساوس اختیاریہ مباحات کے درجہ میں ہیں تو ان سے گناہ تو نہ ہوگا البتہ ذکر ناقص ہوگا اور اگر تصورات محرمہ ہیں تو ان سے گناہ بھی ہوگا چنانچہ نص میں وارد ہے۔ **واللہ یعلم خائنة الاعین وماتخفی الصدور** (اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں آنکھوں کی خیانت کو اور جو تمہارے سینوں میں چھپا ہے) اور **وان تبدوا مافی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ** (اور اگر تم ظاہر کرو جو تمہارے دلوں میں ہے یا اسے چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لیں گے) ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وساوس پر بھی مواخذہ ہوگا اگر حدیث نہ ہوتی تو ہم ان نصوص کو عام ہی سمجھتے کیونکہ مافی انفسکم اور ماتخفی الصدور میں لفظ ما عام ہے۔ لیکن حدیث سے تفسیر معلوم ہوئی کہ مراد وساوس اختیاریہ ہیں جو درجہ عزم میں ہوں اور اب حدیث سے مسئلہ منکشف ہونے کے بعد تو خود آیت کے الفاظ پر نظر کرکے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ مراد اختیاری خیالات ہیں کیونکہ ابداء و اخفاء افعال اختیاریہ ہیں۔ جن کا تعلق افعال اختیاریہ ہی سے ہوگا اور اس کے بعد **لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا** (اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی حیثیت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے) نے مطلب کو بالکل صاف کردیا کہ وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں اور وساوس اضطراریہ وسعت سے خارج ہیں۔ بعض لوگوں کو **ولقد خلقنا الانسان ونعلم ماتوسوس بہ نفسہ ونحن اقرب الیہ من حبل الورید** (اور ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے جی میں جو خیالات آتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں اور ہم انسان کے اس

قدر قریب ہیں کہ اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ) سے شبہ ہوا ہے کہ اس سے مطلق وسوسہ پر مواخذہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ محاورات قرآنیہ سے اکثر جگہ اخبار عن العلم سے وعید ہی مقصود ہوتی ہے۔ مگر سیاق وسباق میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مواخذہ کا ذکر نہیں بلکہ دراصل یہاں اوپر سے اثبات معاد کا ذکر ہے جس کیلئے اثبات قدرت علم کی ضرورت ہے تو حق تعالیٰ نے اول قدرت کو بیان فرمایا ہے کہ ہماری قدرت کامل ہے چنانچہ اوپر فرمایا ہے۔

افلم ینظر واالی السماء فوقھم کیف بنینا ھا وزینا ھا ومالھا من فروج، والارض مددنھا والقینا فیھا رواسی وانبتنا فیھا من کل زوج بھیج، الی قولہ افعیینا بالخلق الاول بل ھم فی لبس من خلق جدید.

اثبات قدرت کے بعد اب علم کامل کو ثابت فرما رہے ہیں، ولقد خلقنا الانسان ونعلم ماتوسوس بہ نفسہ ونحن اقرب الیہ من حبل الورید

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر کی طرف آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسا اونچا اور بڑا بنایا اور ستاروں سے اس کو آراستہ کیا اور اس میں کوئی رخنہ تک نہیں اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو جمایا اور اس میں ہر قسم کی خوشنما چیزیں اگائیں جو ذریعہ ہے بینائی اور دانائی کا ہر رجوع ہونے والے بندہ کیلئے اور ہم نے آسمان سے برکت یعنی نفع والا پانی برسایا پھر اس سے بہت سے باغ اگائے اور کھیتی کا غلہ اور لمبی لمبی کھجور کے درخت جن کے گچھے خوب گندھے ہوتے ہیں بندوں کے رزق دینے کیلئے اور ہم نے اس (بارش) کے ذریعہ سے مردہ زمین کو زندہ کیا پس اسی طرح زمین سے نکلنا ہوگا .... سے .... (تا) کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے میں تھک گئے بلکہ یہ لوگ از سر نو پیدا کرنے کی طرف سے (محض بے دلیل) شبہ میں ہیں۔

کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے (اور اپنی پیدا کی ہوئی چیز کا علم ہم کو کیسے نہ ہوگا) اور ہم ان باتوں کو بھی جانتے ہیں جو اس کے دل میں گزرتی ہیں اور ہم رگ گردن سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ پس اب یہاں ونعلم ماتوسوس بہ نفسہ ایسا ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے الا یعلم من خلق کیا جس نے پیدا کیا وہ بھی (تم کو) نہ جانے گا (تو اور کون جانے گا یعنی خالق کو بالضرور مخلوق کا علم ہوگا) پس آیت کو مواخذہ سے کچھ تعلق نہیں اب اگر کسی کو یہ

احتمال ہو کہ جس طرح اس آیت کا مواخذہ سے تعلق نہیں ممکن ہے کہ دوسری آیات کو بھی مواخذہ سے تعلق نہ ہو جن سے تم نے وساوس وخیالات اختیاریہ پر مواخذہ کو ثابت کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں قرائن سیاق وسباق سے مواخذہ پر دلالت مفہوم ہو رہی ہے۔

قلب کی تمنا اور اشتہا پر مواخذہ

اور اگر کوئی آیات سے نہ سمجھے تو حدیثوں میں تو یہ مسئلہ صاف طور پر مذکور ہے رسول ﷺ فرماتے ہیں **العینان تزنیان وزنا هما النظر والقلب یتمنی ویشتهی ویصدق ذلک الفرج اویکذبه (مسند احمد ۲: ۳۷۲، مجمع الزوائد ۶: ۲۵۶)**، اس میں حضور ﷺ نے آنکھ کے لئے بھی زنا ثابت فرمایا ہے اور قلب کے لئے بھی کہ آنکھ بھی زنا کرتی ہے۔ اس کا زنا دیکھنا ہے (بقصد شہوت) اور دل بھی زنا کرتا ہے اس کا زنا تمنا اور اشتہا ہے آگے فرج کے زنا کو الگ بیان فرمایا ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ قلب کی تمنا واشتہا پر بھی مواخذہ ہے مگر وہی جو بقصد ہو جو بلا قصد ہو وسوسہ زنا کیا کفر وشرک کے وساوس بھی مضر نہیں پس وساوس غیر اختیاریہ سے بالکل مطمئن رہو ان سے کچھ بھی ضرر نہیں ہوتا۔ میں اس مسئلہ کو تاکید وتوضیح کے ساتھ اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ بہت لوگ اس کے نہ جاننے کی وجہ سے پریشانیاں اور وہم میں مبتلا ہیں اور اس میں عوام کو زیادہ ابتلاء نہیں زیادہ وساوس کے وہم میں آپ اتقیاء کو مبتلا دیکھیں گے کیونکہ شیطان اپنے وقت کو خراب نہیں کرتا ہے وہ بڑا جنٹلمین ہے کہ وہ بے ضابطہ اپنے وقت کو فضول ضائع نہیں کرتا بلکہ ضابطہ سے کام کرتا ہے۔ تو جن سے وہ گناہ بھی آسانی سے کرا سکتا ہو ان کو وسوسے کیوں ڈالے اور خواہ مخواہ القاء وساوس میں اپنا وقت کیوں برباد کرے ہاں جن سے گناہ بلا واسطہ نہیں کرا سکتا اور یہ اتقیاء ہیں جن سے اگر وہ زنا یا چوری کرانا چاہے تو جانتا ہے کہ وہ فوراً اس سے متوحش ہوں گے اور کبھی اس فعل پر جرات نہ کریں گے ان کو وہ عبادت کے وقت وساوس میں مبتلا کرتا اور اس طرح پریشان کرتا ہے تاکہ وساوس سے گھبرا کر یہ عبادات کو ترک کر دیں چنانچہ بہت سے اتقیاء کو اس نے وساوس کے چکر میں ڈال کر عبادات وذکر سے معطل کر دیا کیونکہ ان کی حالت یہ ہوگئی ویسے بیٹھے رہیں تو ایک وسوسہ بھی پاس نہیں آتا

اور جہاں نماز وذکر میں مشغول ہوئے معاً وساوس کفر وشرک ومعاصی کے آنا شروع ہوئے پھر چونکہ وہ محقق نہ تھے اس لئے گھبرا گئے۔ اور نماز وذکر چھوڑ بیٹھے اور شیطان اپنے مقصود میں کامیاب ہوگیا، مگر جو محقق ہیں وہ اس سے نہیں گھبراتے کیونکہ ان کی نظر میں قرآن وحدیث ہے اور عمل بالقرآن ان کی طبیعت ثانیہ ہوگئی ہے ان میں رسول اللہ ﷺ کا اس شان کا ظہور ہے کان خلقه القرآن (مسند احمد ۹۱۶، کنز العمال ۱۸۳۷۸) وہ تو وساوس آنے کے وقت کہتے ہیں الحمدللّٰه الذی رد کیده الی الوسوسته (سنن ابی داؤد ۵۱۱۲، مسند احمد ۱:۲۳۵) کہ خدا کا شکر ہے کہ دشمن کی سب چالیں ختم ہوکر وسوسہ ہی پر رہ گئیں وہ ان وساوس سے نہیں گھبراتا بلکہ شیطان سے کہتا ہے کہ آ جتنے وسوسے ڈال سکے ڈال دے میرا کچھ ضرر نہیں ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ وسوسہ سے خوش ہونا چاہیے تا کہ شیطان تمہاری خوشی کو دیکھ کر بھاگ جائے کیونکہ اس کو مسلمان کی خوشی گوارا نہیں وہ تو رنج دینے کیلئے وسوسہ ڈالتا ہے پھر جب دیکھے گا کہ اس کو تو الٹی خوشی ہے بھاگ جائے گا۔

وساوس سے نجات کا سہل نسخہ

میں ایک بات اور کہتا ہوں وہ یہ کہ وساوس پر اس نیت سے خوش نہ ہو کہ اس خوشی سے وساوس دفع ہوجائیں گے کیونکہ شیطان ان نکتوں کو سمجھتا ہے جب وہ دیکھے گا کہ یہ دفع وساوس کے لئے تدبیر کررہا ہے تو وہ کبھی نہ بھاگے گا بس اس کا سہل نسخہ یہی ہے کہ ان کی پروا ہی نہ کرے اور دفع کی نیت ہی نہ کرے اس جگہ میں سالکین سے ایک اور بات کہتا ہوں کہ تم مجاہدہ کرو مگر ثمرات کے منتظر نہ ہو کام میں لگے رہو اور شیطان کے جلدی بھاگنے کا انتظار نہ کرو کیونکہ وہ تم سے جلدی سے جلدی نہ بھاگے گا بلکہ وہ تو اس وقت بھاگے گا جب ذکر راسخ ہوجائے گا۔ اور ذکر کا راسخ ہونا ایک دو دن کا کام نہیں۔

صوفی نشود صافی تا درنکشد جامے ☆ بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

صوفی صاف نہیں ہوتا جب تک کہ محبت کی شراب کا پیالہ نہیں پیتا۔ بہت سے سفروں کی ضرورت ہے جب کچا پکا ہوتا ہے۔

مگر آج کل یہ حالت ہے کہ جاهل اذا صلی یومین انتظر الوحی کہ کسی

جاہل کی طرح دو دن تہجد پڑھ کر سمجھتے ہیں کہ بس اب ہم کامل ہو گئے اب شیطان ہمارے پاس نہیں آ سکتا ان کی وہی مثال ہے رات پڑی تھی بوند نام رکھا محمود (یہاں پہنچ کر عصر کی اذان ہو گئی تو فرمایا کہ اب میں ختم ہی کرنے والا ہوں نماز سے پہلے ہی بیان ختم کر دوں گا پھر خاموشی کے ساتھ اذان کا جواب دیتے رہے بعد اذان کے فرمایا) میں یہ عرض کر رہا تھا کہ وساوس بلا اختیار پر اور رغبت اضطراریہ الی الاجنبیہ وغیرہ پر مواخذہ نہیں بلکہ مواخذہ قصد پر ہے اگر قصداً وساوس لائے گا یا عمداً کسی مرد یا عورت کی طرف توجہ کرے گا تو گناہ ہوگا اور اسی پر مواخذہ ہے یہی مضر ہے رہا یہ کہ بلا اختیار اگر نامحرم کی طرف رغبت ہو یا وسوسہ آئے تو اس کا دفع مطلوب ہے یا نہیں عام کے ذہن میں جس میں علماء کالعوام کا ذہن بھی داخل ہے یہ کہ اس کا دفع مطلوب ہے اس لئے عام لوگ اس کے دفع کی کوشش کرتے ہیں مگر محققین فرماتے ہیں کہ دفع کے قصد سے بھی اس کی طرف توجہ نہ کرے بلکہ جب وسوسہ آئے اس وقت مقصود کی طرف توجہ کی تجدید کر دے اور وسوسہ کے نہ احضار کا قصد کرے نہ دفع کا کیونکہ دفع بدون توجہ کے ہوگا نہیں تو دفع وسوسہ کا قصد کرنے سے اس کی طرف اور توجہ بڑھے گی۔ گھٹے گی نہیں پھر جب شیطان اس کو وسوسہ کی طرف متوجہ پائے گا تو اور زیادہ وسوسہ ڈالے گا بس اس کی ایسی مثال ہے جیسے تار برقی کہ اگر اس کو اپنی طرف قریب کرنے کی نیت سے پکڑو جب بھی چمٹتا ہے اور دفع کی نیت سے پکڑو جب بھی چمٹتا ہے بس سلامتی اسی میں ہے کہ اس کو پکڑو ہی نہیں نہ جلب کے لئے نہ دفع کیلئے بس اپنے کام میں لگے رہو اور اگر کوئی یہ کہے کہ یہ تدبیر مذکور کافی نہیں کیونکہ اجنبیہ کا خیال نہ توجہ الی اللہ سے دفع ہوتا ہے نہ اس خیال کی طرف بے التفاتی برتنے سے تو میں کہتا ہوں کہ تم غم نہ کرو ان شاء اللہ اسی طرح رفتہ رفتہ ایک دن دفع ہو جائے گا اور اگر عمر بھر بھی دفع نہ ہو تو تم اس تدبیر کے کرنے کے بعد سبکدوش ہو گئے اب تم کو اس خیال سے کچھ ضرر نہیں بلکہ نافع ہوگا کیونکہ تم مجاہدہ میں مشغول ہو اور میرے اس دعویٰ کی دلیل ایک حدیث ہے جس کو مختلف طرق سے روایت کیا گیا ہے جن میں سے بعض طرق میں ایک وضاع بھی ہے مگر سب میں نہیں ہے ہاں ضعیف سب طرق ہیں مگر اس کا مضمون قواعد شرعیہ کے موافق ہے اس لئے ضعف بھی منجبر ہوگا۔

عفت قلب کا مفہوم

وہ حدیث یہ ہے من عشق فعف وکتم فمات فھو شھید (اتحاف السادة المتقین ۷: ۴۳۹، الدر المنثرہ لاحادیث المنتشرہ ۱۵۲) جو کسی پر عاشق ہو گیا پھر اس نے عفت اختیار کی اور اپنے عشق کو چھپایا وہ شہید ہے۔ عفت کی قید تو شرعاً لازم ہے ہی جس میں عفت جوارح وعفت قلب سے داخل ہیں اور عفت قلب سے مراد وہی ہے کہ بلا اختیار اور بالقصد خیال نہ لائے اور کتمان اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ معشوق رسوا نہ ہو کیونکہ عشق کی شہرت کے بعد لوگ ان دونوں کے مختلف گمان پکانے لگتے ہیں تو خواہ مخواہ اظہار عشق کر کے دوسرے کو کیوں رسوا کیا کہ ہم تو ڈوبیں گے مگر تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے۔ دوسرے کتمان اس لئے بھی ضروری ہے کہ دوسرے لوگ اس معشوق پر عاشق نہ ہو جائیں کیونکہ تجربہ ہے کہ بعض دفعہ ایک شخص کو سو دفعہ کسی نے دیکھا ہو مگر کسی کا اس کی طرف التفات نہیں ہوا اور جہاں یہ سنا کہ اس پر کوئی عاشق ہے اب لوگوں کو اس کے محاسن کی طرف التفات شروع ہوا کہ دیکھیں اس میں کیا وصف ہے جس کی وجہ سے فلاں شخص عاشق ہو گیا۔ التفات کا ہونا غضب تھا کہ اب بہت سے عاشق اول اپنے عشق کو ظاہر کر کے سوتے ہوئے فتنہ کو جگانا اور خالی الذہن آدمیوں کو اس کی طرف متوجہ کرنا اور اپنی بلا میں سینکڑوں کو مبتلا کر دیتا ہے۔ پھر کوئی صورت پر عاشق ہوتا ہے کوئی ناز وانداز پر عاشق ہوتا ہے کوئی اخلاق وعادات پر فریفتہ ہوتا ہے۔ غرض اب وہ اس شعر کا مصداق ہو جاتا ہے۔

بہار عالم حسنش دل وجاں تازہ می دارد ☆ برنگ اصحاب صورت رابوار باب معنی را

اس کے عالم حسن کی بہار دل اور جان کو تازہ کرتی ہے۔ صورت والے اس کے رنگ کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور اہل معنی اس کی خوشبو سونگھ کر راضی ہوتے ہیں۔

اس لئے کتمان کی سخت ضرورت ہے۔ اب اگر عفت وکتمان کے بعد بھی عشق کا زخم دل سے نہ گیا اور برابر اسی خیال میں گھلتا رہا تو یہ شخص شہید ہے کیونکہ صاحب مجاہدہ عظیمہ ہے جب تپ کہنہ کا کھلا ہوا مریض یعنی مدقوق شہید ہے تو تپ عشق کا مارا ہوا تو ضرور ہی شہید ہو گا کیونکہ حرارت عشق حرارت حمی سے اشد ہے۔

نفع لازمی نفع متعدی سے افضل ہے

چوتھا مسئلہ اس آیت سے یہ مستنبط ہوا کہ یہ جو مشہور ہے کہ نفع متعدی نفع لازمی سے افضل ہے یہ علی الاطلاق صحیح نہیں بلکہ اصل یہی ہے کہ نفع لازمی نفع متعدی سے افضل ہے کیونکہ آیت میں رسول اللہ ﷺ کو امر ہے کہ جب آپ نفع متعدی سے فارغ ہو جائیں یعنی تبلیغ سے تو نفع لازمی میں مشغول ہوں یعنی توجہ الی اللہ میں۔ یہ سیاق صاف بتلا رہا ہے کہ نفع لازمی متعدی سے افضل ہے کیونکہ متعدی سے فراغ کو طلب کیا گیا ہے نہ کہ لازمی سے پھر اس کے بعد نفع لازمی میں اشتغال کلی کا حکم ہے کہ اسی میں توجہ رکھئے اس وقت دوسری طرف التفات نہ ہوں جیسا الی ربک کی تقدیم کا مقتضا ہے اور ظاہر ہے کہ اگر نفع متعدی افضل ہوتا تو اس سے فراغ مطلوب نہ ہوتا بلکہ یوں ارشاد ہوتا فاذا فرغت من ذکر ربک فانصب فی التبلیغ و الیہ فارغب ، نیز نفع لازمی میں مشغول ہونے کے وقت نفع متعدی سے قطع نظر کا امر ہوتا جیسا تقدیم معمول کا مدلول ہے کیونکہ مقصود بالذات سے کسی وقت قطع نظر نہیں ہوا کرتی اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ نفع متعدی مقصود بالعرض اور نفع لازمی مقصود بالذات ہے۔ اور گو یہ مشہور کے خلاف ہے مگر حقیقت یہی ہے اور قول مشہور کا منشایا تو یہ ہے کہ بعض جگہ نفع متعدی لازمی سے اور مقدم ہو گیا ہے مگر اس سے افضیلت بالذات لازم نہیں آتی بلکہ اقدمیت واوکدیت ایک عارض کی وجہ سے ہوئی ہے کہ نفع متعدی پھر نفع لازمی کی طرف مفضی ہوگا کہ دوسرا شخص بھی رغبت الی اللہ کرے گا اور ذکر وصلوٰۃ میں مشغول ہوگا اور اگر اس پر کوئی یہ شبہ کرے کہ شاید نفع متعدی اس لئے شروع ہوا ہوتا کہ وہ نفع لازمی کے بعد متعدی کی طرف مفضی ہو اس طرح کہ دوسرا شخص بھی اپنی اصلاح کر کے تبلیغ کے قابل ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو تبلیغ کے قابل بھی وہ نفع لازمی حاصل کرنے کے بعد ہوگا کیونکہ جس کی خود اصلاح نہ ہوئی ہو وہ دوسروں کی اصلاح نہیں کر سکتا پھر دوسرے کو تبلیغ کے قابل ہونا یقینی نہیں کیونکہ بعض لوگ اصلاح و تکمیل غیر کے اہل نہیں ہوتے اور نفع لازمی کا اہل ہر شخص ہے۔ پس نفع متعدی پر نفع لازمی کا ترتب تو یقینی

ہے کہ آج ہی سے اس کا ترتب شروع ہو جاتا ہے اور نفع متعدی کا ترتب موہوم ہے کہ نہ معلوم یہ دوسروں کی اصلاح کے قابل ہوگا یا نہیں اور تجربہ ہے کہ دوسروں کی اصلاح کے قابل سو میں سے ایک دو ہوتے ہیں پھر قابل ہوا بھی تو نہ معلوم کب ہوگا اور ہو بھی گیا تو نہ معلوم اس کو اصلاح غیر کی نوبت آئے گی یا نہیں کیونکہ بہت سے سالک نفع متعدی کے قابل ہوتے ہیں مگر ان کو اس کی نوبت ہی نہیں آتی یا کم آتی ہے تو ایسے نفع موہوم کے لئے کسی شے کا ایسا مشروع ہونا کہ وہ مقصود بالذات ہو جائے از بس بعد ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ بالعرض یہ بھی مقصود ہو جائے لیکن مقصود بالذات وہی نفع ہو سکتا ہے جس کا ترتب یقینی ہو اور اس کا ظہور بھی موہوم نہ ہوا اور وہ نفع لازمی جو نفع متعدی پر فوراً ہی مرتب ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ دوسرے اگر نفع سے مقصود نفع متعدی ہوگا تو طالب کو اس مقصودیت کی اطلاع کے بعد اس کے قصد کی اجازت بھی ہوگی کیونکہ مقصود کا ارادہ بھی مقصود ہوتا ہے۔ اور مقصود کی نیت مضر ہو تو ہو ہی نہیں سکتی مگر شیوخ محققین سے جو کہ مجتہدین فن ہیں جن کا فتویٰ قواعد فن سے حجت ہے ان سے پوچھئے کہ وہ طالب کو نفع متعدی کی نیت کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں وہ فرماتے ہیں کہ طالب اگر ذکر و شغل سے مخلوق کو نفع پہنچانے کا قصد کرے گا تو وہ کبھی فتح یاب نہ ہوگا یہ ارادہ رہزن طریق ہے اپنی اصلاح کے زمانہ میں اس کو صرف اپنی اصلاح کا قصد کرنا چاہیے دوسروں کی اصلاح کا خیال مانع طریق بلکہ قاطع طریق ہے اس سے اپنی اصلاح کے لالے پڑ جاتے ہیں تو یہ اچھا مقصود بالذات ہوا جس کا قصد کرنا رہزن طریق ہے اب بتلایئے اس حالت میں نفع متعدی کو افضل اور مقصود بالذات کیسے کہہ سکتے ہیں۔ پھر اپنی اصلاح و تکمیل کے بعد بھی ہر شخص کو نفع متعدی کی اجازت نہیں بلکہ اس کا اہل صرف وہی ہے جس کو مشائخ نے اجازت دی ہو اگر نفع متعدی اصل ہے اور یہی مقصود بالذات ہے تو تکمیل کے بعد اس کو از خود نفع متعدی میں مشغول ہونے سے کیوں روکا جاتا ہے اور اجازت شیخ کی قید کیوں لگائی جاتی ہے یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ نفع متعدی مقصود بالذات نہیں ورنہ لازم آتا ہے کہ جن لوگوں کو نفع متعدی کی اجازت نہ دی گئی ہو وہ سب کے سب ناقص ہی ہوں حالانکہ مشائخ کے نزدیک یہ بالکل غلط ہے وہ تصریح کرتے ہیں کہ کمال مقصود کا حصول اس

پر موقوف نہیں اور قید اجازت کا راز یہ ہے کہ امر بالمعروف کیلئے کچھ آداب ہیں جن کے قابل ہر اک نہیں ہوتا مثلاً بعضوں کو سیاست وتدبیر کا ملکہ نہیں ہوتا جس کے بغیر امر بالمعروف بجائے مفید ہونے کے موجب فتنہ وفساد ہو جاتا ہے۔ اس لئے بعض لوگوں کو گو وہ درجہ کمال کو پہنچ سکے ہوں ارشاد وتلقین ونفع متعدی کی اجازت نہیں دی جاتی مگر اس سے ان کے کمال کی نفی نہیں ہوتی حالانکہ نفع متعدی کا مقصود بالذات ہوتا اس صورت میں نفی کمال کو مستلزم ہے جو اجماع محققین کے خلاف ہے دوسرے میں پوچھتا ہوں کہ اگر نفع متعدی مقصود بالذات ہے تو حربی دار الحرب میں اسلام لائے اور نفع متعدی پر قادر نہ ہو تو بتلایئے وہ کیا کرے نفع لازمی کو لازمی پکڑے یا نفع متعدی کو۔ اگر نفع متعدی میں مشغول ہونا لازم کیا گیا تو تکلیف مالا یطاق اور اگر نفع لازمی کو اس کو امر کیا گیا تو ثابت ہوا کہ نفع متعدی مقصود بالذات نہیں کیونکہ مقصود بالذات سے کوئی مسلمان محروم نہیں ہو سکتا۔ یہ سب اس امر کے دلائل ہیں کہ نفع متعدی مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود بالعرض ہے۔ اور مقصود بالذات نفع لازمی ہے پس وہی افضل بھی ہے کیونکہ مقصود بالعرض سے افضل ہوا کرتا ہے۔ یہ جواب ہو گیا شبہ مذکورہ کا اور ثابت ہو گیا کہ خود نفع متعدی مقصود بالذات نہیں اس لئے مقصود آیت وہ مفضی ہوگا نفع لازمی کی طرف اس لئے وہ بھی اوقد ہو جاتا ہے اور یا قول مشہور ماول ہے یعنی نفع لازمی یعنی اپنے عمل کے ساتھ نفع متعدی یعنی تبلیغ بھی جمع ہو جائے۔ یہ نفع متعدی خاص مقرون بالعمل افضل ہوگا صرف نفی لازمی سے کیونکہ مجموع مطلوبین کا افضل ہوتا ہے مطلوب واحد سے باقی موازنہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص صرف نمازی ہے نماز کا مبلغ نہیں اور ایک شخص صرف نماز کا مبلغ ہے نمازی نہیں۔ ان میں دیکھو کون افضل ہے اس معیار کے بعد مسئلہ میں کوئی خفا نہیں رہ سکتا۔

خلاصہ وعظ

اب میں ختم کرتا ہوں خلاصہ تمام بیان کا یہ ہے کہ تعلق مع اللہ اصل مقصود ہے تو ہم کو زیادہ اہتمام اس کا کرنا چاہیے اور جن کی طرف مخلوق کا رجوع ہو خواہ دین کی غرض سے یا دنیوی غرض سے ان کو تعلق مع الخلق کا وقت منضبط کرنا چاہیے اور باقی وقت خداتعالیٰ کی یاد میں صرف کریں۔ خصوصاً وہ لوگ جن کو خداتعالیٰ نے ملازمت وغیرہ سے مستغنی کیا ہے جن کے گھر میں کھانے پینے کا سامان موجود ہے ان کو اس کا اہتمام زیادہ کرنا چاہیے کیونکہ ان کو دوسروں سے زیادہ ذکر حق کو موقع مل رہا ہے خوب کہا ہے ایک عارف نے۔

خوشا روزگارے کہ داردکسے ☆ کہ بازار حرصش نباشد بسے

بقدر ضرورت بسیارے بود ☆ کندکارے ارمرد کارے بود

اسی کا اچھا زمانہ ہے کہ اس کو زیادہ حرص نہیں۔ ضرورت کے موافق مالداری ہو کام والا آدمی کام کرتا رہے۔

ایک مضمون ذہن میں پہلے تھا بلکہ چند مضامین تھے مگر اب ذہن سے نکل گئے اس لئے ختم کرتا ہوں اوران کا ذہن سے نکل جانا شائد اسی حکمت سے ہوا ہو کہ وقت بھی نہیں رہا۔ اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس بیان کو نافع فرمائے اور ہم کو تعلق مع الحق کی توفیق دے اور تعلق مع الخلق سے فراغ نصیب ہو۔

وصلی اللّٰہ علی سیدنا و مولانا محمد و علی الہ و اصحابہ اجمعین۔

والحمدللّٰہ رب العالمین اشرف علی ۱۲ج ۱۳۵۰ھ

التصدی للغیر

بمقام جامع مسجد تھانہ بھون ۸ محرم ۱۳۴۰ھ کو ارشاد فرمایا۔

خطبہ ماثورہ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ ونشھد ان لاالہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم امابعد.فاعوذباللّٰہ من الشیطان الرجیم. بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم. قال اللّٰہ تعالی یایھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذاھتدیتم الی اللّٰہ مرجعکم جمیعاً فینبئکم بما کنتم تعملون.(مائدہ:۱۰۵)

اے ایمان والو جیسے جانوں کی حفاظت کرو۔ جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا تمہیں خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے اس وقت وہ تم کو تمہارے سب کاموں سے جو (دنیا میں) کئے تھے آگاہ کریگا (اور ان کا بدلہ دے گا)۔

ہماری ایک خصلت

چونکہ یہ معمول ہے کہ ہمیشہ ضروری امر کو انتخاب کر کے بیان کیا جاتا ہے اسلئے کہ مقصود تو یہی ہے کہ ہماری حالت کی اصلاح ہو اور یہی وجہ ہے کہ جس روز کوئی ضروری مضمون سمجھ میں نہیں آتا اس روز بیان نہیں ہوتا آج بھی ایک ضروری مضمون ذہن میں آیا ہے۔اس آیت شریف میں جو میں نے تلاوت کی ہے ایک بہت ضروری بات حق تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہے کہ جس کی طرف بہت کم التفات ہوتا ہے مگر حق تعالیٰ کو تو خبر ہے حق تعالیٰ نے ہماری ہر مصلحت کی رعایت فرمائی ہے اور وہ ضروری بات ہماری ایک خصلت اور مرض ہے جو اس آیت میں بیان فرمایا۔اور حاصل اس کا یہ ہے کہ اپنی فکر کم ہونا یا نہ ہونا اور دوسروں

کی فکر ہونا چنانچہ واقعات اور طرزِ عمل شہادت دیتا ہے۔ کہ یہ مرض ہم لوگوں میں موجود ہے جب نظر کریں گے دوسروں ہی پر کریں گے حیرت ہے اس مریض پر کہ جو طبیب حاذق کے پاس پہنچے اور پڑوسیوں کے نبض وقارورہ وبیان امراض میں مشغول ہو جائے اور خود مدقوق ہو مگر اپنی کچھ فکر نہ ہو اور یہ فکر دوسروں کی خواہ اچھی نیت سے ہو یا بری نیت سے اور اپنے سے بے فکر ہو جانا ہر حالت میں برا ہے بعض صورتوں میں تو اصل ہی سے مذموم ہے اور بعض میں مال کے اعتبار سے قبیح ہے۔ غرض یہ امر اکثر لوگوں میں مشترک ہے کہ اپنی فکر کم ہے دوسروں کی زیادہ ہے جہاں چار آدمی بیٹھتے ہیں دوسروں کا ذکر کرتے ہیں۔

اہل اللہ کا طرز

پہلے بزرگوں کا طرز یہ تھا کہ جہاں بیٹھتے تھے اپنے عیوب کا ذکر کرتے تھے یہ مطلب نہیں کہ پوشیدہ گناہوں کا ذکر کرتے ہوں اس لئے کہ ناہوں کا اظہار تو خود معصیت ہے بلکہ عیوب نفس جو مادہ ہے گناہ جیسے بخل، کبر، عجب وغیرہ تاکہ دوسروں کو ہماری نسبت تقدس وورع کا پتہ نہ ہو یا یہ اصلاح ہو جائے چنانچہ جس کو خارش ہوتی ہے وہ جہاں بیٹھتا ہے یہی ذکر کرتا ہے کہ میاں بڑی تکلیف ہے اس سے دو غرضیں ہوا کرتی ہیں یا تو یہ کہ شاید کوئی دوا مل جائے یا اس لئے کہ لوگ مجھ کو بیمار سمجھ کر میرے پاس نہ آئیں اسی طرح حضرات اہل اللہ اپنے عیب باطنی ظاہر کرتے ہیں۔

اپنے عیوب سے بے فکری پر اظہار افسوس

اور ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ دوسروں کے عیوب بیان کرتے ہیں کہ فلاں رشوت لیتا ہے فلاں سود کھاتا ہے فلاں یہ کام کرتا ہے پھر اس میں دو طرز ہیں بعض تو کھلم کھلا معصیت میں مبتلا ہوتے ہیں اور بعض جو متقی کہلاتے ہیں کنایۃً کہتے ہیں گویا اللہ میاں کو پھسلاتے ہیں جس کے بارہ میں مولانا خوب فرماتے ہیں۔

خلق را گیرم کہ بفریبی تمام ☆ درغلط اندازی تاہر خاص وعام

ہم نے مانا کہ تم نے مخلوق کو پورے فریب سے مٹھی میں لے لیا ہے غلط اندازی

میں خاص و عام تک کو تم نے مبتلا کر رکھا ہے۔

کارہا با خلق آری جملہ راست ☆ با خدا تزویر و حیلہ کے رواست

مخلوق کے ساتھ تمہارے سب کام درست ہیں تو خدا تعالیٰ کے ساتھ حیلہ وفریب کب روا ہے۔

کار با اوراست بایدداشتن ☆ رایت اخلاص وصدق افراشتن

اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو کام اور معاملہ درست رکھنا چاہیے پوری سچائی اور اخلاص ان کے ساتھ رکھنا چاہیے۔

پھر کیا کرتے ہیں دھوکے کیلئے غیبت کے آخر میں فرماتے ہیں کہ اے اللہ ہمارے حال پر رحم فرما گویا بڑے شفیق ہیں کہ یہ قصہ ہمدردی کے لئے بیان کیا ہے ان بزرگ نے اس معصیت کو طاعت کی فہرست میں داخل کیا ہے ایسی مثال ہے کہ ایک شخص نے پاخانہ پھرا اور اس پر چاندی کا ورق لپیٹ دیا تاکہ لوگوں کو دھوکہ ہو کیا ٹھکانا ہے شرور نفس کا اسی واسطے حدیث میں ہے ونعوذ باللہ من شرور انفسنا (مسند احمد ۱:۳۹۲' الدر المنثور ۳:۲۶) (یعنی اپنے نفس کی شرارتوں سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں) بہرحال کم و بیش ہم سب اس میں مبتلا ہیں کہ دوسروں کے عیوب چھانٹتے ہیں اور اپنے عیوب سے بے فکر ہیں۔

ہر یکے ناصح برائے دیگراں ☆ ناصح خود یافتم کم در جہاں

یعنی ہر شخص دوسروں ہی کے لئے ناصح بنا ہوا اپنے آپ کو نصیحت کرنے والے کا وجود دنیا میں بہت ہی کم ہے)۔

یہ وہ خصلت ہے کہ چھوٹے سے لے کر بڑے تک اور دنیا دار سے لے کر دیندار تک قریب قریب سب ہی اس میں مبتلا ہیں اس سے بڑھ کر کیا مضرت ہوگی کہ آدمی اپنے مرض کو بھول جائے اور دوسروں کے امراض کا تا پھرے یا یہ کہ اپنے اوپر فوجداری کا مقدمہ قائم ہے اور دوسروں کے جواپنے کام میں مشغول نہ ہو بزرگان دین نے اس کا یہاں تک معالجہ کیا ہے کہ ایک بزرگ نے اپنے پیر کو کسی دوسرے مقام سے لکھا کہ یہاں کفار کا غلبہ ہے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کفار سے بچائے پیر نے جواب میں لکھا ارے بیہودہ ہم نے تجھ کو مسلمانوں اور کفار کے فیصلہ کے لئے بھیجا ہے یا کام کے لئے اپنے کام میں مشغول

رہو خبردار جو آئندہ ایسے لغویات میں مشغول ہوئے۔

گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش ☆ رموز مملکت خویش خسرواں دانند

(اے حافظ گدائے گوشہ نشین ہو تم کو شور و غل زیبا نہیں اپنی سلطنت کے رموز واسرار بادشاہ خوب جانتے ہیں یعنی تم اپنے کام میں لگے رہو دوسرون کی فکر میں مت پڑو)۔

حضرت احمد جامؒ فرماتے ہیں۔

احمد تو عاشقی بہ مشیخت تراچہ کار ☆ دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

(احمد تم اللہ تعالیٰ کے عاشق ہو مشیخت سے تم کو کیا غرض اس کی محبت میں دیوانے اور متوالے ہو جاؤ سلسلہ ہو، ہو، نہ ہو، نہ ہو)

غلو ہر امر میں مذموم ہے

وہ حضرات تو سلسلے کی بھی فکر نہیں فرماتے ہیں یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ سلسلے کی فکر تو دین ہے کیا اس کو بھی چھوڑ دینا چاہیے بات یہ ہے کہ غلو ہر امر میں مذموم ہے دیکھے کھانا کھانا موجب حیات ہے لیکن جب حد سے بڑھے گا تو مضر ہو گا اور ہیضہ کا مرض جو کہ بھوکوں کے نزدیک مبارک مرض ہے ہو جائے گا ایک طالب کا قصہ ہے کہ دور سے دیکھا کہ جنازہ آرہا ہے پوچھا کہ اس کو کیا مرض تھا کسی نے کہا کہ ہیضہ ہو گیا ہے پوچھا کہ ہیضہ کیا ہوتا ہے کہا کہ زیادہ کھانے سے ہو جاتا ہے کہنے لگے کہ یہ مبارک مرض ہم کو نہ ہوا تو دیکھئے کھانا کیسا اچھا امر ہے لیکن حد سے بڑھنے سے مذموم ہو جاتا ہے چار روٹی کی جگہ کسی دن سات روٹی کھا کر دیکھو اور لیجئے ظہر کی چار رکعت ہیں بجائے چار کے اگر پانچ رکعت پڑھے تو غیر مقبول ہے پس جس وقت یہ خطاب کیا گیا دیوانہ باش الخ اس وقت مخاطب کے اندر دوسروں کی فکر اصلاح کا اگر چہ وہ محمود ہو غلو دیکھا ہو گا اور یہ قاعدہ ہے کہ حرارت جب غالب ہوتی ہے تو اس کا علاج برودت سے کیا جاتا ہے برودت کا غلبہ ہو تو حرارت سے اس کا دفعیہ کرتے ہیں اسی طرح فکر کا علاج بے فکر کرنے سے ہوتا ہے پس مقصود اصلی یہی ہے کہ میاں دوسروں کا اتنا فکر بھی نہ چاہیے اپنے کام میں لگو اس لئے

فرما دیا دیوانہ باش الخ یعنی اپنے مطلوب حقیقی کی یاد میں دیوانہ رہو دوسروں کی فکر چھوڑ و اسی طرح بعض اوقات مبصرین کو معلوم ہوتا ہے۔

دوسروں کی فکر کا اصل منشاء

دوسروں کی فکر کا اصل منشاء جاہ وغیرہ ہے اس وقت بھی فکر غیر سے منع فرماتے ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ تھے ان کا مرید بہت مجاہدہ وریاضت کرتا تھا مگر اثر کچھ نہ تھا وہ بزرگ بھی بہت پریشان تھے کہ کیا بات ہے اثر کچھ نہیں۔ ایک روز اس سے پوچھا کہ میاں یہ تو بتلاؤ کہ تمہاری نیت اس سے کیا ہے۔ کہ حضرت نیت یہ ہے کہ اپنی اصلاح ہو جائے تو دوسروں کو ہدایت کروں فرمایا توبہ کرو یہ شرک فی الطریقت ہے ابھی سے بڑا بننے کی فکر ہے۔ یہاں تو بجز اس کے کچھ نہیں مٹ جائے گم ہو جائے۔

افروختن وسوختن وجامہ دریدن ☆ پروانہ زمن شمع زمین گل زمن آموخت

(یعنی افروختہ ہونا پروانہ نے جلنا شمع نے، جامہ دری کرنا گل نے مجھ سے سیکھا ہے)

تو درو گم شود وصال اینست وبس ☆ گم شدن راگم کن کمال اینست وبس

(وصال بس یہی ہے کہ محبوب حقیقی کی محبت میں مٹ جاؤ گم ہو جاؤ بڑا کمال یہی ہے کہ اس گم ہونے کو بھی گم کردو (یعنی فنا الفنا حاصل کرو)۔

پھر خدا جس کو چاہے بڑا بنا دے خود کون اس کا قصد کرے اور خود کرنے سے ہوتا بھی نہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست ☆ تانہ بخشد خدائے بخشندہ

(یعنی یہ سعادت قوت بازو سے نہیں حاصل ہو سکتی جب تک خدائے تعالیٰ نہ عطا کریں)۔

بڑا بننا اپنے اختیار میں نہیں

سب سے بڑھ کر فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اگر بڑا بننا کوشش سے ہوتا تو حضور ﷺ بنتے خود آپ کو اس کی نسبت یہ ارشاد ہے: وکذالک اوحینا الیک روحا من امرنا ماکنت تدری ماالکتب ولاالایمان ولکن جعلناہ نورا نھدی بہ من نشاء من عبادنا۔ یعنی اے محمد ﷺ ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی آپ نہ جانتے

تھے کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے لیکن ہم نے اس کو ایسا نور بنا دیا کہ اس کے ذریعہ ہم جس کو چاہتے ہیں اپنے بندوں میں سے ہدایت کرتے ہیں جب انبیاء کے اختیار میں نہیں تو اوروں کی تو کیا ہستی ہے مگر اب پہلے ہی سے پیر بننے کی فکر ہو جاتی ہے۔

اے بے خبر بکوش کہ صاحب خبر شوی ☆ تا راہ بیں نباشی کے راہ بر شوی

(یعنی اے بے خبر کوشش کرتا ہے کہ تو صاحب خبر ہو جب تک راہ صحیح دیکھنے والا نہ بنے گا رہبر دوسروں کا کب ہو سکتا ہے یعنی عارف بننے کی کوشش کرو جب تم خود عارف نہ ہو گے دوسروں کو کب عارف بنا سکتے ہو)۔

در مکتب حقائق پیش ادیب عشق ☆ ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

(حقائق و معارف کے مدرسہ میں ادیب عشق کے پاس خبردار اے لڑکے کوشش و محنت کر ایک روز پدر ہو جائیگا یعنی کسی مرشد کے دل کے پاس راہ سلوک طے کر پھر کہیں جا کر ایک روز تم بھی شیخ طریقت بن جاؤ گے)۔

دیکھو ہر شخص پہلے بیٹا بنتا ہے مگر اس کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ باپ بھی بنوں گا اول تو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ بیٹا کس کو کہتے ہیں خوب سمجھ لو پس جیسا بیٹا بننے کے بعد باپ بننا اختیار میں نہیں۔

طریق میں اصلی شئی طلب ہے

اسی طرح یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص پیر ہی بن جائے چنانچہ بہت سے انبیاء ہوئے ہیں کہ ان کی امت میں معدودے چند ایمان لائے ہیں اور بعض ایسے ہوئے ہیں کہ کل ایک ہی شخص ان پر ایمان لانے سے مشرف ہوا اور بعض کی امت میں ایک بھی مومن نہیں ہوا پس مدار کار اس پر نہیں کہ ہر شخص سے ارشاد و ہدایت ہو ہی بلکہ خود اپنی کامیابی پر بھی نظر نہ کرے اس طریق میں اصل شے طلب ہے اور طالب کی یہ شان ہونا چاہیے۔

یا بم اورا یا نیابم جستجوئے میکنم ☆ حاصل آید یا نہ آید آرزوئے میکنم

یعنی اس کو پاؤں یا نہ پاؤں اس کی جستجو کرتا ہوں وہ ملے یا نہ ملے اس کے ملنے کی آرزو کرتا ہوں۔

۲۰۹ ایک کسی مراد کا طالب کبھی بس نہیں کرتا اسی دھن میں رہتا ہے کہ شاید کبھی مل جائے یا کبھی اس کی نگاہ ہی پڑ جائے تعجب ہے کہ خدا کا طالب ہو اور قصد کامیابی سے تجاوز کر کے اس کو بڑا بننے کی فکر۔

وصول مطلوب نہیں

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرمایا کرتے تھے مقصود طلب ہے، وصول مطلوب نہیں اس لئے کہ وصول تو مقدور نہیں اور طلب مقدور ہے بالکل سچی بات ہے اور اگر وصول ہی مقصود ہو تو اس کا طریقہ بھی یہی ہے کہ طلب اپنا شغل بنائے اور طلب کے وقت ثمر کی طرف التفات نہ کرے ورنہ ہرگز سعی نہ کرے گا مثلاً حساب کا نوکر عین حساب کتاب کے وقت اگر اپنے مقصود (یعنی تنخواہ) کا مراقبہ کرے کہ تنخواہ ملے گی تو فلاں شئے خریدوں گا اور ایک روپیہ فلاں کو دوں گا تو اسے وہ کام ہرگز نہ ہو سکے گا اور تنخواہ ملنا موقوف ہے۔ کہ پورے مہینہ کا کام کرے اس لئے بالکل معطل ہو جائے گا اور اگر اپنے کام میں لگا رہے اور مقصود کی طرف ملتفت نہ ہو تو کام کرتے کرتے مقصود اس پر مرتب ہو جائیگا عالی ہمتی یہ ہے کہ طلب کو من حیث ہو مقصود سمجھے اسی واسطے بزرگان دین مریدین سے کہتے ہیں کہ کام کئے جاؤ پس ثمرات کی طرف ملتفت رہنا اور اس سے بڑھ کر بڑے بننے کی فکر ابتداء ہی سے سدراہ ہے اور یہاں سے یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی ہو گی کہ دوسروں کے دین کی فکر جب بعض وقت مانع ہو جاتی ہے تو دوسروں کی دنیا یا عیوب کی فکر بطریق اولیٰ سنگ راہ ہو گی یہ ہے وہ خصلت جس کا ذکر اس آیت میں ہے مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو تم اپنی فکر کرو کہ جو شخص گمراہ ہو گا تم کو ضرر رساں نہ ہو گا جبکہ تم خود راہ یاب ہو گے یعنی پھر دوسرے کے پیچھے زیادہ کیوں پڑتے ہو یہ آیت گو بالفاظہا تمام مذکورہ صورتوں کو شامل نہیں بلکہ خاص صورتیں اس میں مراد ہیں لیکن باشتراک علت یا مستقل دلیل سے تمام صورتوں سے تعرض کیلئے کافی ہے اس لئے ان صورتوں کو بھی سمجھ لو میں مختصراً بیان کرتا ہوں کہ کبھی تو فکر غیر میں پڑنا اس طرح ہوتا ہے کہ دوسروں کے عیوب ظاہر کئے جائیں پس یہ غیبت ہے اور اس کا مذموم ہونا ظاہر ہے۔

غیبت کی دینی و دنیوی مضرت

اور اس کی مضرت دنیا و آخرت دونوں میں ہے دنیا کی مضرت تو یہ ہے کہ جب کسی کا عیب کوئی بیان کرتا ہے تو اکثر اس کو خبر ہو ہی جاتی ہے اور اس سے باہمی تشویش و نا اتفاقی ہوتی ہے آپس میں فساد ہو جاتا ہے اور اگر دل میں مثلاً عداوت ہو مگر غیبت نہ کی جائے اور زبان سے ظاہر نہ کیا جائے تو کچھ بھی فساد پیش نہیں آتا اور دین کی مضرت یہ ہے کہ قیامت کے دن غیبت کرنے والے کی نیکیاں اس کو مل جائیں گی جس کی غیبت کی تھی ایک بزرگ تھے ایک شخص ان کو برا کہتا تھا وہ اس کو روپے بھیجتے تھے اس نے جب دیکھا کہ یہ تو میرے ساتھ احسان کرتے ہیں تو برا کہنا چھوڑ دیا انہوں نے دینا بھی چھوڑ دیا اس نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا بات ہے فرمایا کہ تم نے ہم کو دینا چھوڑ دیا ہم نے تم کو دینا چھوڑ دیا۔ حضرت امام حسن بصریؒ نے سنا کہ کوئی ہماری غیبت کرتا ہے آپ نے اس کو ایک طبق تمر کا بھیجا غرض یہ ہے کہ غیبت مضرت دینی و دنیوی سے خالی نہیں اور یہ ایسی بلا ہے کہ لوگوں میں بہت پھیلی ہوئی ہے اور وجہ اس کی صرف یہ ہے کہ اپنے عیوب پر نظر نہیں ہے۔

ذکر ریائی

حضرت مولانا جامیؒ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص ذکر ریائی کرتا ہے فرمایا کرتا تو ہے تم تو یہ بھی نہیں کرتے۔

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن ☆ بازی اگرچہ پا نہ سکا سر کو کھو سکا

کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز ☆ اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

یعنی اس نے کچھ تو کام کیا کرنے والے کو نہ کرنے والا کیا چڑا سکتا ہے البتہ اگر وہ اپنے عیوب ہی سے قطع نظر کر لے گا وہ دوسرے کو کہہ سکے گا۔

غیبت گناہ جاہی ہے

غیبت نہایت سخت گناہ ہے حتیٰ کہ حدیث میں آیا ہے الغیبة اشد من الزنا (مجمع الزوائد ۸: ۹۱، مشکوٰۃ المصابیح ۴۸۷۴) یعنی غیبت زنا سے سخت تر

ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ غیبت تو حق العبد جب وہ معاف کرے گا تب معاف ہوگا اور زنا حق اللہ ہے توبہ اور ندامت سے معاف ہو جائے گا اور آخرت میں جب غیبت کرنے والے کی نیکیاں معتاب کو ملنے لگیں گی تو وہ کیوں معاف کرے گا اس لئے کہ وہ وقت شدت احتیاج کا ہے اور اللہ تعالیٰ تو غنی ہیں اپنے حق کو معاف فرمادیں گے اور عبد محتاج ہے اور ایک فرق اور ہے جس کو ہمارے حضرتؒ نے دو کلموں میں فرمایا۔ فرمایا کہ غیبت گناہ جاہی ہے اور زنا گناہ باہی ہے شرح اس کی یہ ہے کہ آدمی جب زنا سے فارغ ہوتا ہے تو خود اپنی نظر میں بھی اور غیروں کی نظر میں بہت ذلیل وخوار ہوتا ہے غرض اس کو بعد گناہ کے ذلت وندامت ہوتی ہے اور غیبت کے بعد ندامت نہیں ہوتی بلکہ فخر کرتا ہے اور اظہار واعلان کرتا ہے اور بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جس معصیت کے بعد ندامت اور عجز ہو وہ اس اطاعت سے بھی بہتر ہے جس کے بعد عجب اور پندار ہو چہ جائیکہ گناہ بھی اور موجب عجب بھی ہو اور عجب اس میں لازم ہے کیونکہ غیبت آدمی جب ہی کرتا ہے جبکہ اپنے کو پاک سمجھے پس یہ عیب بڑا سخت ہے۔

اپنی اصلاح کا مختصر طریقہ

اس لئے اس کی اصلاح مختصر طریق سے بتاتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایک وقت معین کر کے اس میں اپنے عیوب سوچا کرے جتنی شرارتیں اور گناہ کیے ہیں سب کو پیش نظر کرے اور جو کوئی عیب یاد نہ آئے تو یہ خود ایک عیب ہے اسی کو سوچا کرے اور یہ میں نے اس لئے کہا کہ بہت سے غبی ایسے بھی ہیں کہ وہ اپنے کو سب عیوب سے خالی اور پاک سمجھتے ہیں چنانچہ کوئی مصیبت آتی ہے تو بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ خدا جانے کس گناہ میں پکڑے گئے ہم نے تو کوئی گناہ بھی نہیں کیا۔

گناہ کی حقیقت

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یہ گناہ کی حقیقت ہی نہیں جانتے بزرگان دین کی تو یہ کیفیت تھی کہ طاعت کے کام کو بھی طاعت کی فہرست میں درج نہ کرتے تھے حضرت سفیان ثوریؒ اور ایک دوسرے محدثؒ نے ایک مرتبہ ایک پوری رات حدیث کے مذاکرے میں ختم

کردی جب صبح ہوئی تو ان محدث صاحب نے فرمایا آج کی رات بھی کیسی مبارک رات تھی کیسے اچھے کام میں گزری حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ میاں اگر برابر سرابر چھوٹ جائیں تو غنیمت ہے اس لئے کہ میری تمام تر سعی اس میں تھی کہ کوئی ایسی حدیث سناؤں جو آپ نے نہ سنی ہو اور آپ کی کوشش یہ تھی کہ ایسی حدیث بیان کریں کہ جو مجھ کو معلوم نہ ہو ہر شخص در پردہ اپنے علوم کا دعوی کر رہا تھا اللہ اکبر ایک آج کل کے حضرات ہیں کہ ان کو اپنا کوئی گناہ بھی یاد نہیں آتا اس لئے اگر کسی کو عیب یاد نہ آئے تو اسی پر رودے کہ مجھ کو کوئی عیب یاد نہیں آتا یہ سب سے بڑا عیب ہے کہ آدمی اپنے کو بے عیب سمجھے فلاتزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی تم اپنے آپ کو مقدس مت سمجھو تقوی والے کو وہی خوب جانتے ہیں۔

قوت فکریہ کی عجیب خاصیت

بہرحال جو عیب ہو اس کو سوچے نصف گھنٹہ ہمیشہ یہی شغل کرے قوت فکریہ میں اللہ تعالیٰ نے عجیب خاصیت رکھی ہے تمام ترقی اس قوۃ فکریہ ہی کی بدولت ہوتی ہے اور حق تعالیٰ نے جگہ جگہ قرآن شریف میں اس کا حکم فرمایا ہے آپ اور تجربہ کر لیجئے لیکن اول اول تو تکلف ہوگا اور رفتہ رفتہ اور وقتوں میں وہ عیوب یاد آنے لگیں گے جب ترقی اور ہوگی تو اپنے عیوب ہر وقت پیش نظر رہیں گے پھر کسی کی غیبت ہرگز نہ ہوگی جیسے کسی شخص کے سانپ بچھو لپٹ رہے ہوں اس کو جب اس کا علم ہوگا تو اوروں پر مکھی بیٹھی ہوئی اس کو نظر آئے گی یا اس پر طعن نہ کرے گا حتیٰ کہ اگر واقع میں وہ شخص برا ہوا اور اس کی مذمت کی کوئی دلیل شرعی ہو بھی ایسے وقت میں وہ اس کی بھی غیبت نہ کریگا۔

حضرت رابعہ بصریہؒ کی حکایت

جیسا کہ حضرت رابعہ بصریہؒ کی حکایت ہے ان کی خدمت میں چند آدمی دنیا کی مذمت کرتے تھے فرمایا کہ اٹھ جاؤ کہ تم کو دنیا کی محبت ہے اگر کسی کو شبہ ہو کہ حدیثوں میں تو مذمت دنیا کی آئی ہے جواب یہ کہ وہاں ضرورت ہے اور اس مجلس میں سب تارکان دنیا تھے اس لئے ضرورت نہ تھی پس یہ مذمت ناشی تھی نفس سے کہ در پردہ دعوی تھا اپنے کمال

کا کہ ہم ایسی مرغوب عام کو مبغوض سمجھتے ہیں اور کسی شے کے مبغوض سمجھنے پر دعویٰ وفخر کرنا موقوف ہے اس شے کی باوقعت سمجھنے پر اور یہی معنی ہیں کہ تم کو اس سے محبت ہے کیونکہ وقعت ہوتی ہے کسی خوبی سے اور خوبی کا قائل ہونا مدح ہے اور مدح علامت محبت ہے پس ظاہر میں تو یہ حرکت صرف غیر مفید تھی مگر اس حدیث سے مضر تھی تو دیکھئے دنیا کی مذمت غیبت نہیں بلکہ ایک درجے میں عبادت ہے لیکن چونکہ اس وقت اس کی ضرورت نہ تھی اسلئے فضول ولایعنی ضرور ہے۔

علم کی قسمیں

اس موقع پر میرے ایک مناسب مقام بات یاد آ گئی اور وہ ایک علم ہے جو پرسوں عطا ہوا اس سے پہلے یہ امر سمجھ میں نہ آیا تھا وہ یہ کہ میں یوں سمجھتا تھا کہ علم کی تین قسمیں ہیں نافع اور مضر اور غیر نافع وغیر مضر لیکن واقعات کے اندر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو غیر مفید ہے وہ بھی حقیقت میں مضر ہی ہے میں پختگی کے ساتھ کہتا ہوں کہ جس شے کے اندر کوئی فائدہ نہیں ہے وہ مضرت سے خالی نہیں اور تقسیم مشہور اور اس تحقیق میں کچھ تعارض نہیں اس لئے کہ تین قسموں کی طرف تفریق باعتبار ابتداء کے ہے یعنی ابتداء میں فی الواقع علم کی تین ہی قسمیں ہیں مفید مضر غیر مفید مضر لیکن آثار کے اعتبار سے اور مآل کار میں وہ غیر مفید بھی مضر ہو جاتا ہے تو آثار کے اعتبار سے کل دو قسمیں ہیں مفید اور مضر اس لئے امر فضول بھی قابل ترک ہوا حاصل یہ کہ چونکہ دنیا کی مذمت کی اس مقام میں ضرورت نہ تھی اس لئے ایک لغو بات ہوئی اس لئے حضرت رابعہ بصریہ کو ناپسند ہوا حضرات اہل بصیرت بلاضرورت بروں کو بھی برا نہیں کہتے۔ حکایت ختم ہوئی۔

جناب رسول ﷺ نے بضرورت مذمت دنیا فرمائی

اب اس حکایت میں جو شبہ اور اس کا جواب تھا اس کی کسی قدر توضیح مناسب معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی خشک مغز کہے کہ خود جناب رسول اللہ ﷺ نے دنیا کی مذمت کی ہے بات یہ ہے کہ نری اردو کی کتابیں دیکھنے سے عالم نہیں ہوتا جب تک کہ ان

کو کسی عالم سے سبقاً سبقاً نہ پڑھے جیسے طب کی کتابیں اردو میں ہونا کافی نہیں جب تک کسی حکیم کے یہاں طب نہ کرے طب کی کتابیں دیکھنے سے جیسے کوئی حکیم نہیں بنتا اسی طرح دینیات دیکھنے سے دیندار نہیں بنتا جب تک کسی استاد سے نہ پڑھے پس یہ قصہ رابعہ بصریہؒ کا بھی ایسے ہی علم متلقی عن الشیوخ پر موقوف ہے اگر ایسا علم ہو تو اعتراض کچھ بھی نہیں بات یہ ہے کہ جناب رسول ﷺ نے جو دنیا کی مذمت کی تو آپ کو ضرورت تھی دنیا کے محبین دنیا کو سنائیں اس لئے کہ حضور ﷺ تو تمام جن وانس کی طرف مبعوث تھے اور ان میں محبین دنیا بھی تھے اور حضرت رابعہ بصریہؒ کی خدمت میں اس وقت سب کے سب مقدس ہی تھے اس لئے انہوں نے فرمایا **قوموا عنی فانکم تحبون الدنیا** اور **من احب شیا اکثر ذکرہ** ، یعنی میرے پاس سے اٹھ جاؤ اس لئے کہ تم لوگ دنیا کو دوست رکھتے ہو اور جو شخص کسی شے کو دوست رکھتا ہے اس کا ذکر زیادہ کرتا ہے شرح اس اجمال کی موقوف ہے اس کی چند مثالیں سمجھنے پر دیکھو فخر اور تفاخر اس پر کیا کرتے ہیں کہ ہم کو ہزاروں روپے ملتے تھے ہم نے نہیں لیے اور اس پر کوئی فخر نہیں کرتا ہم نے گو وہ نہیں لیا ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ فرق یہی ہے کہ ہزار روپے کو باوقعت سمجھتے ہیں اسلئے اس کے ترک کو فخر جانتے ہیں اور گوہ کی کوئی وقعت نہیں اسلئے اس کے چھوڑ دینے کو فخر نہیں سمجھتے۔ اور مثال لیجئے یہ کہا کرتے ہیں کہ ہم نے فلاں رئیس کو پیٹا اور یہ نہیں کہتے کہ ہم نے فلاں بھنگی کو مارا اس لیے کہ رئیس کو وقیع سمجھتے ہیں پس حضرت رابعہ بصریہؒ کے فرمانے کا حاصل یہ ہوا کہ اے بزرگو تم جو دنیا کی مذمت کرتے ہو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی تمہارے قلب میں وقعت ہے اس لئے مذمت کرتے ہو چیونٹی کی مذمت کیوں نہیں کرتے اس لئے وہ بچاری اس قابل نہیں کہ اس کی کوئی مذمت کرے تو حضرت رابعہ بصریہؒ نے ان کا مرض بیان کیا۔

حضرات اہل اللہ صاحب معانی ہیں

یہ ہے جواب اس اشکال کا جو محض صحت الفاظ سے میسر نہیں ہوتا اور نرے طوطی کی طرح پڑھ لینے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کسی کامل کی صحبت نہ ہو۔ الحمدللہ حضرت حاجی صاحبؒ کی صحبت سے یہ فائدے ہوئے ہیں مجھ سے ایک شخص نے دیوبند میں پوچھا تھا کہ

میاں حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس کیا ہے جو تم لوگ باوجود علماء فضلاء ہونے کے ان کے پاس جاتے ہو میں نے کہا کہ ہمارے پاس تو الفاظ ہی الفاظ ہیں اور ان کے پاس معانی ہیں وہ ہمارے محتاج نہیں اس لئے ان کو مغز اور حقیقت حاصل ہے اور ہم ان کے محتاج ہیں فہم انہی حضرات کا حصہ تھا اور یہی لوگ مصداق من یرد الله به خیرا یفقه فی الدین (الصحیح للبخاری ۱ : ۲۷، مشکوۃ المصابیح: ۲۰۰)، یعنی جس کے ساتھ، اللہ تعالیٰ بھلائی کرنا چاہتے ہیں دین کے اندر اس کو سمجھ عطا فرما دیتے ہیں۔ کے ہیں۔

حضرات اہل اللہ کا حال

ان حضرات کی تو یہ کیفیت تھی کہ اشیائے مذمومہ کی بھی بلا ضرورت مذمت نہ کرتے تھے اور ہم لوگ دوسروں کے عیوب کی فکر میں ہیں کہ جو منہی عنہ اور حرام ہے۔

یزید پر لعنت کرنا کیسا ہے؟

ایک بزرگ سے کسی نے یزید کے بارے میں پوچھا تھا کہ یزید کیسا تھا۔ یزید شعر گوئی میں بڑا ماہر تھا دیکھئے اس شیخ نے یزید کی بھی ایک مدح کی اس لئے کہ ان حضرات کو بجز اپنے عیوب کے دوسروں کے عیوب میں سے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ ایک شخص نے مجھ سے بھی پوچھا تھا کہ یزید کو لعنت کرنا جائز ہے میں نے کہا کہ ہاں اس شخص کو جائز ہے کہ جس کو یقین ہو کہ میں یزید سے اچھا ہو کر مروں گا تو حقیقت یہی ہے کہ جب تک خاتمہ ایمان پر نہ ہو کیا اطمینان ہو سکتا ہے ہم لوگوں کی تو یہ حالت ہے۔

گہ رشک برد فرشتہ برپاکی ما ☆ گہ خندہ زندد یو زناپاکی ما

کبھی ہماری پاکی پر فرشتہ کو رشک آتا ہے اور کبھی ہماری ناپاکی پر شیطان بھی ہنستا ہے۔

ایمان چو سلامت بہ لب گور بریم ☆ احسنت بریں چستی وچالاکی ما

قبر کے کنارہ پر جب ہم ایمان کو صحیح سلامت لیجائیں اسی وقت ہماری چستی وچالاکی پر تم کو آفرین کہنا چاہیے۔

تو ایسی حالت میں ہم کیا منہ لیکر کیا کسی کو کہیں۔

بجائے نحو کے محو ہونے کی ضرورت

ممکن ہے آج جس پر ہم طعن کریں کل کو ہماری حالت ایسی ہو جائے کہ وہی ہم پر طعن کرنے لگے جیسا مولانا رومیؒ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک نحوی کشتی میں بیٹھا اپنی نحو دانی پر نازاں تھا ملاح سے پوچھا کہ میاں ملاح کچھ نحو جانتے ہو کہا نہیں نحوی صاحب نے کہا کہ میاں تم نے اپنی آدھی عمر ضائع کر دی آگے چل کر کشتی ایک بھنور میں پھنس گئی ملاح نے کہا نحوی صاحب کچھ تیرنا بھی سیکھا ہے کہا نہیں۔ ملاح نے کہا تو تم نے اپنی ساری عمر کھودی مولاناؒ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ نحو کام نہیں آتی یہاں تو محو کام آتا ہے یعنی مٹ جانا نافع ہے غرض نرے دعوی کمالات سے اور دوسروں کی تنقیص سے کچھ نہیں ہوتا کہ انا کذا وانا کذا وفلاں کذا وفلاں کذا۔ ایک صاحب نے اسی مذاق کے مرثیے کی مجلس میں بیٹھے تھے اور کہتے تھے میں نہ ہوا میں یزید کو قتل کر دیتا۔ ایک گنوار بولا میں ہوں یزید مجھ کو قتل کر اپنا سامنہ لے کر رہ گئے، حاصل یہ ہے کہ اگر چہ کوئی مسئلہ ہی ہو یا کوئی امر کسی وقت کے اعتبار سے محمود ہو جیسے یزید کی مذمت اس کے مشغلہ بنانا اور فضول بلا ضرورت اس میں مشغول ہونا ناپسند ہے ہاں جب ضرورت ہو اور مسئلے کی تحقیق منظور ہو تو اس میں کلام کرنا مضائقہ نہیں۔

اپنی مصلحت سے وعظ کہنا بے سود ہے

میں جودھ پور گیا تھا وہاں وعظ ہوا وعظ سے پہلے ایک صاحب نے میرے کان میں کہا کہ یہاں بہت سے مفتری لوگ ہیں تم لوگوں پر دو تہمتیں لگاتے ہیں ایک تو یہ کہ تم لوگ وہابی ہو اور جناب رسول اللہ ﷺ کے (نعوذ باللہ) فضائل کے منکر ہو اور دوسرے یہ کہ تم غیر مقلد ہو اس لئے مناسب یہ ہے کہ وعظ میں حضور ﷺ کے فضائل اور امام صاحبؒ کے فضائل بیان کئے جائیں تا کہ شبہات جاتے رہیں لیکن الحمد للہ میری سمجھ میں آ گیا کہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ہم کو اچھا سمجھنے لگیں اس سے ان غریبوں کا کیا فائدہ ہوا میں نے کہا کہ وعظ طب ہے طبیب دوا وہ بتلائے گا جو مرض کے مناسب ہو کہ اس میں مریض کی

مصلحت ہے اگر کوئی طبیب اس بات میں بدنام ہو جائے کہ یہ کڑوی دوا لکھتے ہیں تو اگر وہ اس عار کے دھونے کے واسطے حلوا لکھ دے جس کی مریض کو ضرورت نہ ہو تو وہ طبیب نہیں ہے کیونکہ اس نے اپنی مصلحت کو مریض کی مصلحت پر ترجیح دی اس لیے میں اس وقت فضائل نبوی ﷺ اور فضائل امامؓ کو بیان کرنے میں ان مخاطبین کی تو کوئی مصلحت نہیں دیکھتا اس لئے اس کا بیان نہ کرونگا کہ اس میں صرف یہ مصلحت ہے کہ میری بدنامی جاتی رہے بلکہ میں وہ امراض بیان کروں گا جو ان لوگوں کے اندر ہیں کہ اس میں ان لوگوں کی مصلحت تو ہے۔

ہر شئی کا ایک موقع ہے

صاحبو! غیر ضروری موقع پر مذمت تو درکنا مدح بھی زیبا نہیں۔ دیکھئے اگر کوئی نمازی بجائے تسبیح رکوع سجدے میں سورہ فاتحہ پڑھے تو اس کو ناجائز کہا جائے گا حالانکہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا محمود ہے ہر شے کا ایک موقع ہے جب وہ اس موقع پر کی جاتی ہے تب ہی مناسب ہوتی ہے اور بے موقع نادرست و ناجائز ہو جاتی ہے۔

کہ بے حکم شرع آب خوردن خطاست ☆ وگر خوں بہ فتوی بریزی رواست

یعنی شرع کے خلاف پانی پینے میں بھی گناہ ہے مثلاً رمضان کے مہینہ میں کوئی شخص جس پر روزہ فرض تھا بلا عذر اس نے پانی پیا وہ گنہگار ہوگا ہاں اگر فتوی کے موافق کسی کو قتل کر دے تو جائز ہے۔

ضلع اعظم گڑھ

میں ایک شخص نے جماعت کے وقت بسم اللہ پڑھ کر نماز کی اقامت کہی میں نے پوچھا کہ تم نے بسم اللہ کیوں پڑھی کہنے لگا بسم اللہ پڑھنا تو اچھا ہی ہے میں نے کہا کہ بیشک بسم اللہ پڑھنا اچھا ہے لیکن یہ اس کا موقع نہیں حضرت ابن عمرؓ کی حکایت ہے کہ ان کی مجلس میں کسی شخص کو چھینک آئی اس نے کہا السلام علیکم۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میاں سلام کرنا بہت اچھی شئے ہے لیکن ہم کو جناب رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر یہ تعلیم فرمایا ہے کہ ہم الحمد للہ کہا کریں۔

شان رسول اکرم ﷺ

سبحان اللہ یہ ہیں حقیقی فضائل جناب رسول اللہ ﷺ کے بادیہ نشین عرب کو ایسا مہذب بنادیا کہ آج سارا یورپ اس کو مانتا ہے کہ ہم کو عرب کی بدولت فہم آیا ہے اور کیوں نہ ہو علمنی ربی فاحسن تعلیمی وادبنی ربی فاحسن تادیبی (کشف الخفاء للعجلونی: ۸۷، کنزالعمال ۳۱۸۹۵) یعنی تعلیم دی مجھ کو میرے رب نے پس اچھی ہوئی میری تعلیم اور ادب سکھایا مجھ کو میرے رب نے سو اچھا ہو گیا میرا ادب سکھانا۔

آپ کی شان ہے غرض جبکہ سلام بے موقع ناپسند ہے تو کسی کے ذمائم تو ظاہر ہے کہ کیوں نہ ناپسند اور حرام ہوں گے۔

عیب گوئی کی دو صورتیں

غرض ایک صورت تو کسی کے عیب بیان کرنے کی یہ تھی اس میں تو منشاء نفس ہے دوسری صورت کسی کے درپے ہونے کی یہ ہے کہ اس میں منشاء نفس نہیں ہے یعنی اس کی عیب گوئی یا عیب جوئی نہیں کی بلکہ اس کا منشاء دین ہے۔

کسی کے درپے ہونا امر زائد ہے

یعنی اس کے درپے اصلاح اس لئے ہوئے کہ اس کی بد دینی سے خود ہم کو یا دوسروں کو ضرر نہ پہنچے اور اس میں اس قدر منہمک ہوئے کہ بعض اپنی ضروریات دینیہ ظاہرہ یا باطنہ ضائع ہونے لگیں یہ ظاہر نظر میں جائز معلوم ہوتا ہے لیکن غور کر کے دیکھا جاتا ہے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس قصد سے کس کے زیادہ درپے ہونا امر زائد ہے کیونکہ کوئی شخص کسی کے بگڑنے سے نہیں بگڑتا جو کوئی بے راہ ہوتا ہے وہ اپنے ہی فعل سے ہوتا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب کوئی بگڑتا ہے تو بے راہ لوگوں کے ساتھ اختلاط اور دوستی کرنے سے گمراہ ہوتا ہے تو یہ دوستی کرنا خود اس کا فعل ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ قرآن شریف میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں: فاذا قرات القران فاستعذبالله من الشیطن الرجیم۔

انه لیس له سلطن علی الذین اٰمنوا وعلی ربهم یتوکلون. انما سلطانه علی الذین یتولو نه والذین هم بہ مشرکون۔ (یعنی جب تم قرآن پڑھوتو اللہ تعالیٰ سے شیطان مردود کی پناہ مانگو (یعنی اعوذ پڑھو) بیشک اس شیطان کا قابوان لوگوں پرنہیں ہے جوایمان لائے (یعنی عقائدان کے صحیح ہیں) اوراپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں (یعنی عمل بھی انکے صحیح ہیں) اس کا غلبہ تو ان لوگوں پر ہے جواس سے دوستی کرتے ہیں اوران لوگوں پر جواللہ کے ساتھ شریک کرتے ہیں حق تعالیٰ نے ان آیتوں میں یہ بات بتلادی کہ شیطان کا قابودوشخصوں پر چلتا ہے ایک تو مشرکین پر دوسرے اس سے دوستی کرنے والوں پر۔

صحبت بد کا انجام

واقعات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص خراب ہوتا ہے وہ دوستی کرنے سے خراب ہوتا ہے اس سے کوئی نہیں بگڑا کہ دوسروں کی اصلاح نہیں ہوئی میں بہ قسم کہتا ہوں کہ اگر سارا جہاں شیاطین سے بھر جائے اور تمام دنیا میں ایک مومن ہو اور وہ ان سے دوستی نہ کرے تو ہرگز ہرگز نہیں بگڑ سکتا یہ ساری خرابی اس کی ہے کہ اہل باطل سے دوستی کرتے ہیں اختلاط رکھتے ہیں بہت سے نام کے متقی بھی اس مرض میں مبتلا ہیں سخت غیرت کی بات ہے کہ جولوگ خدا سے بغاوت کریں ان سے دل مل جائے۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد ☆ فدائے یک تن بیگانہ کا شنا باشد

یعنی ہزار اپنے کہ وہ خدائے تعالیٰ سے بیگانہ ہوں اس ایک بیگانہ پر قربان ہیں جو خدائے تعالیٰ کا آشنا عارف ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لاتجدقومایؤمنون باللّٰه والیوم الاٰخر یوادون من حاداللّٰه ورسوله ولوکانوا اٰبآء هم اوابناء هم اواخوانهم اوعشیرتهم اولئک کتب فی قلوبهم الایمان وایدهم بروح منه۔ یعنی نہیں پائیں گے آپ اے محمد ﷺ ایسی قوم کو جواللہ اور یوم آخر میں ایمان رکھتے ہوں کہ وہ دوستی کریں ان لوگوں سے جواللہ اوراس کے رسول ﷺ کی مخالفت کریں اگر چہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا گھرانے والے یہ لوگ (یعنی مومنین) وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انکے قلوب

میں ایمان جما دیا ہے۔ اوران کو اپنے پاس سے روحانی تائید کی ہے۔

ایمان کا تقاضا

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ ورسول ﷺ کے مخالفین کے ساتھ دوستی نہ ہو اور نیز اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوستی سے بچنا دو چیزوں پر موقوف ہے اول تصحیح عقائد اور دوسری بات وہ ہے جس کو روح فرمایا ہے روح کہتے ہیں حیات کو اس سے مراد نسبت مع اللہ ہے جس سے قلب کی حیات ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق ☆ ثبت ست بر جریدہ عالم دوام ما

یعنی جس کو عشق حقیقی سے روحانی زندگی حاصل ہوگئی وہ اگر مر بھی جائے تو واقع میں بوجہ اسکے کہ اس کو لذت قرب کامل توجہ کی حاصل ہے اس لئے اس کو زندہ کہنا چاہیے۔

اور یہی وہ شے ہے جس کو فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ۔ یعنی ہم انکو ضرور بالضرور پاکیزہ زندگی عطا کریں گے) میں حیوۃ طیبہ فرمایا ہے۔

خلاصہ وعظ

پس حاصل یہ ہوا کہ جو لوگ تصحیح عقائد اور نسبت مع اللہ سے مشرف ہیں وہ اس دوستی سے بچ سکتے ہیں پس ثابت ہوگیا کہ جو کوئی گمراہ ہوتا ہے دوسرے کے گمراہ ہونے سے نہیں ہوتا بلکہ اپنے فعل سے ہوتا ہے اسلئے یہ نیت ہونا دوسروں کے درپے ہونے کے واسطے بھی اس کی بد دینی ظاہر کردے باقی اس کوشش میں لگتا ہے کہ وہ کسی طرح ٹھیک ہی ہوجائے۔ ایک زائد بات ہے بعض اوقات وہ تو درست نہیں ہوتا اور یہ خود بگڑ جاتا ہے کیونکہ اس کی اصلاح کیلئے زیادت اختلاط کی ضرورت ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ وہ خود اس پر غالب آجائے اور اسی کو بگاڑ دے چنانچہ بہت جگہ ایسا ہوا ہے تیسری صورت یہ ہے کہ اپنے یا دوسروں کے بچانے کی غرض سے درپے نہیں ہوا بلکہ خود اس کی اصلاح بالذات مقصود ہے جس کا باعث محض شفقت ہے اس میں بھی مبالغہ

کرنا اور زیادہ پیچھے پڑنا نہ چاہیے چنانچہ جناب فخر عالم ﷺ سے تو زیادہ کوئی مصلح نہیں مگر آپ کو بھی حکم ہے کہ آپ زیادہ پیچھے نہ پڑیں۔ قال اللہ تعالیٰ لاتحزن علیھم۔ یعنی انکے بارے میں غم نہ کرو۔ قال اللہ تعالیٰ من اھتدی فانما یھتدی لنفسہٖ۔ یعنی جو شخص راہ پر آئے گا سو وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے راہ پر آئیگا قال اللہ تعالیٰ لعلک باخع نفسک الایکونوا مؤمنین۔ یعنی شاید آپ ان کے ایمان نہ لانے پر غم کے مارے اپنی جان (دے دینگے) اور زیادہ پیچھے پڑنے سے بعض مرتبہ خود اس شخص کے دین کا ضرر ہو جاتا ہے وہ یہ کہ وہ شخص مثلاً دشمن ہو گیا درپے ایذا ہو گیا جو کام دین کا اطمینان کے ساتھ ہو رہا تھا اس میں خلل پڑنے لگا۔ حاصل یہ ہے کہ ہر کام کی ایک حد ہے جب اسکے اندر ہوگا تو محمود ہے ورنہ لائق ترک ہے۔ پس دوسروں کے درپے اصلاح ہونے کی تین صورتیں ہوئیں اور سب کے احکام و آثار مفصل بیان ہو چکے۔ اب اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی اصلاح کی توفیق عطا فرمائے اور فضول اور لغو اور معاصی سے محفوظ رکھے۔

آمین برحمتک یا ارحم الرحمین۔

الاسراف

بمقام مراد آباد ۲۷ صفر ۱۳۳۱ھ ۴ گھنٹے ۴ منٹ تک ارشاد فرمایا۔
مولانا سعید احمد صاحب نے قلمبند فرمایا۔

خطبہ ماثورہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا من سیئات اعمالنا ومن یھدہ اللہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ ونشھد ان لاالہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالی علیہ والہ واصحابہ وبارک وسلم امابعد.فاعوذباللہ من الشیطان الرجیم. بسم اللہ الرحمن الرحیم.انہ لایحب المسرفین (الاعراف: ۳۱)

اللہ تعالیٰ فضول خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

رخصت پر عمل کرنا محمود ہے

یہ ایک بڑی آیت کا ٹکڑا ہے لیکن چونکہ مجھ کو صرف اسی جزو کے متعلق اس وقت بیان کرنا ہے اس لئے میں نے اسی پر اکتفا کیا۔ اگرچہ میرا معمول ایسے مواقع پر اکثر یہ ہے کہ پوری آیت پڑھ دیتا ہوں اور اس کو میں اقرب الی الادب (ادب کے زیادہ قریب) سمجھتا ہوں۔ کہ پوری آیت پڑھی جائے۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ صرف اسی جملہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ جس کے متعلق بیان کرنا مقصود ہوتا ہے کیونکہ اجازت تو اس کی بھی ہے یعنی عزیمت اور افضل تو یہی ہے کہ پوری آیت پڑھی جائے لیکن رخصت یہ بھی ہے کہ اسی جملہ پر اکتفا کیا جائے۔ خصوصاً جبکہ وہ جملہ مستقل ہو اس وقت تو اس پر اکتفا کرنا بلاشبہ جائز ہے اور خدا تعالیٰ کے نزدیک رخصت پر عمل کرنا بھی محمود ہے اور نکتہ اس میں یہ ہے کہ اس میں عملاً جواز کا اظہار ہے۔ چنانچہ ایک روایت ہے ان اللہ یحب ان یؤتی رخصہ کما یحب ان یوتی عزائمہ (مسند احمد: ۲:۱۰۸، کنز العمال: ۵۳۳۴) حق تعالیٰ جیسا کہ عزائم پر عمل کرنے کو پسند کرتے ہیں اسی طرح رخصتوں پر عمل کرنے کو بھی پسند کرتے ہیں یہ تو اس شبہ کے دفعیہ کے لئے گفتگو تھی کہ جزو آیت کیوں پڑھا جبکہ پوری آیت کا پڑھنا

افضل تھا خصوصاً میں ابھی یہ بیان بھی کرچکا ہوں کہ ادب یہی ہے کہ پوری آیت کا پڑھنا افضل ہے۔ اس تقریر سے ان شاء اللہ یہ شبہ حل ہوگیا ہوگا کہ اب یہ بات سمجھنے کی ہے کہ اس وقت میں نے اس آیت کو کیوں اختیار کیا تو میرا معمول یہ ہے اور یہی مناسب بھی ہے کہ بیان میں وقتی ضرورتوں کو مقدم کیا جائے یعنی جس وقت جس مضمون کی زیادہ ضرورت معلوم ہو اس وقت اسی کو بیان کیا جائے ورنہ یوں تو پھر ہر مضمون اپنے مرتبہ ذات میں ضروری ہی ہے اور ضروری نہ ہوتا تو نازل ہی کیوں ہوتا۔ جب سب احکام ضروری ہیں اور ایک وقت میں سب کا بیان کرنا بھی دشوار ہے تو لامحالہ ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا ضروری ہوگا اب رہی یہ بات کہ وجہ ترجیح کیا ہونا چاہیے۔ سو اس میں فی نفسہ اختلاف رائے ہونا ممکن ہے مگر قرآن سے جو فیصلہ معلوم ہوتا ہے وہ سب سے مقدم ہے۔

ربانی کا مفہوم

قرآن میں ایک جگہ علماء کو خطاب کیا گیا ہے ولکن کونوا ربانین الخ کہ تم کو ربانی ہونا چاہیے جس کا ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس نے کیا ہے الذی یقدم صغار العلم قبل کبارھا ، کہ ربانی وہ ہے جو چھوٹے علوم کو جو کہ فہم مبتدی کے لائق ہوں مقدم کرے۔ اور بڑے علوم جو کہ فہم مبتدی سے بالا ہوں موخر کرے۔

خلاصہ یہ کہ مربی ہوں مگر یہ وہاں ہوسکتا ہے جہاں کہ حاضرین ایک مدت تک اپنے ساتھ رہیں تاکہ طویل صحت سے ہر شخص کی فہم کا اندازہ ہوجائے اور پھر ہر ایک کی فہم کے مطابق علوم بیان کیئے جائیں اور ہر ایک کو الگ الگ وقتاً فوقتاً تعلیم دی جائے اور جہاں یہ نہ ہو تو وہاں کونوا ربانین تم کو ربانی ہونا چاہیے۔ پر عمل کرنے کی صورت دوسری ہوگی۔ اور وہ صورت اس کی علت معلوم ہونے سے معلوم ہوسکتی ہے۔ بات یہ ہے کہ ربانی کا ترجمہ جو یہ کیا گیا ہے چھوٹے علوم کو بڑے علوم پر مقدم کرے یہ ربانی کی حقیقت نہیں بلکہ محض ایک تمثیل ہے کہ ربانی کی ایک شان یہ بھی ہوتی ہے۔

ربانی کی حقیقت

ورنہ حقیقت اس کی یہ ہے کہ ربانی وہ شخص ہے جو مصلحت اور ضرورت کی رعایت

کرے سو اسکا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ چھوٹے علوم کو مقدم کرے۔ اور ایک یہ بھی طریق ہے کہ علوم میں سے جو زیادہ ضروری ہو اس کو مقدم کردے۔ یہ بھی ربی الناس وہ لوگوں کی تربیت کرتا ہے۔ میں داخل ہے۔ پس اصل مقصود اور محط (منزل) فائدہ تربیت ہے۔ سو ناصح کے لئے ضروری ہے کہ اس کی نظر تربیت پر ہو اور تربیت کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ زیادہ ضروری چیز کو مقدم کرے اسی طرح الاھم فالاھم (اول اس چیز کو مقدم کرے جو سب سے زیادہ ضروری ہے پھر اس چیز کو جو اس کی دوسری چیزوں سے زیادہ ضروری ہے علیٰ ہذا) کی رعایت کرے اس لئے میرا یہی معمول ہے کہ بیان میں وقتی ضرورتوں کا زیادہ لحاظ کرتا ہوں اور جہاں مسلمانوں کو ضرورتیں مختلف ہوں اور جن چیزوں کی زیادہ ضرورت ہو وہ بھی بہت ہوں اور ظاہر ہے کہ بیان تو ایک ہی کا ہوسکتا ہے۔ ایک وقت میں سب کا بیان نہیں ہوسکتا تو اب ان میں سے کسی کی تقدیم کی بجز اس کے اور کوئی صورت نہیں کہ ان میں سے جو قلب میں آجائے وہ بیان کردیا جائے۔ اگر دسترخوان پر متعدد کھانے ہوں سب برابر درجے کے ہوں نہ ایک دوسرے سے بڑھیا نہ ہو تو ان میں تقدیم وتاخیر کی بھی صورت ہے کہ جس کو دل پہلے چاہے اور جس پر ہاتھ پہلے پڑے اسے پہلے کھانا چاہیے۔ اسی طرح جب بیان کرنے والے کی نیت اصلاح ناس (لوگوں کی اصلاح کرنے کی ہو) اور قابل اصلاح امور بہت سے ہوں اور ان میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ ہو تو ضروری مضامین میں سے جو مضمون بھی دل میں آجائے اس کو منجانب اللہ (اللہ تعالیٰ کی جانب سے) سمجھا جائے گا۔ بہرحال میں نے اس وقت غور کیا کہ کیا بیان کیا جائے اور اپنے مکرم میزبان سے بھی پوچھا مگر تھوڑی دیر پہلے تک کوئی مضمون ذہن میں نہ آیا کیونکہ یہاں والوں کی کسی خاص ضرورت کا تو مجھے علم نہیں تھا اور مسلمانوں کی عام ضرورتیں بہت زیادہ ہیں مگر ہمارے میزبان صاحب نے ایک بات نہایت اچھی کہی کہ جو بیان کردیا جائے گا۔ وہی سامعین کے مناسب حال ہوگا۔ اسکا مطلب قریب قریب یہی ہے کہ ضرورتیں تو بہت ہیں ان میں سے جو مضمون بھی دل میں آجائے گا انشاء اللہ وہی منجانب اللہ ہوگا اور وہی سامعین کو زیادہ مفید ہوگا۔

اسراف سے دین و دنیا دونوں برباد ہوتے ہیں

الغرض میں نے بہت غور کیا مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا اب جس وقت بیان کرنے بیٹھا ہوں خود بخود دل میں یہ خیال آیا کہ اسراف (فضول خرچی کرنا) کے متعلق بیان کیا جائے۔ کیونکہ مسلمانوں میں جہاں بہت سی خرابیاں ہیں ایک خرابی یہ بھی ہے اور اس کے مفاسد بہت زیادہ ہیں۔ ظاہر میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسراف سے دنیا ہی خراب ہوتی ہے مگر نہیں غور کرنے سے یہ بات ظاہر ہو جائے گی۔ کہ اس سے دنیا و دین دونوں خراب ہوتے ہیں۔ کیونکہ اول تو اسراف سے خدا نے منع فرمایا ہے تو وہ گناہ ہوا اور گناہوں سے دین کا خراب ہونا ظاہر ہے۔ دوسرے اسراف سے پریشانی بہت زیادہ لاحق ہوتی ہے۔ اور پریشانی سے دین کا بھی بہت ضرر ہوتا ہے۔ بعض دفعہ اس سے نوبت بکفر (کفر تک نوبت) پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے اس کے بیان کی ضرورت ہے۔ دوسرے یہ مرض آج کل بہت عام ہو گیا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ میں اس میں مبتلا ہوں۔ جب اس مضمون کی ضرورت معلوم ہوگی تو اب اس کی حقیقت بھی سمجھ لینی چاہیے۔

اسراف کی حقیقت

ہر چند کہ اسراف عرفاً اس کو کہتے ہیں کہ مال میں بے موقع زیادہ خرچ ہو اور بیان سے یہی مقصود بھی تھا اور اب بھی ہے مگر اسراف کی حقیقت صرف یہی نہیں بلکہ اس کی ایک فرد یہ بھی ہے۔ حقیقت میں اسراف کہتے ہیں۔ حد اعتدال گزر جانے کو جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ خرچ کرنے میں انسان حد اعتدال سے گزر جائے۔ اسی طرح تمام گناہ اسراف میں داخل ہیں کیونکہ شریعت نے انہی باتوں کو گناہ کہا ہے۔ جن میں سے حد اعتدال سے خرچ ہوتا ہے۔ اسراف کی حقیقت جاننے کے بعد اب ہم کو اپنی حالت پر نظر کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ ہم لوگ حد اعتدال پر کہاں تک قائم ہیں اور اعتدال سے کس قدر نکلے ہوئے ہیں۔ ہماری حالت یہ ہے کہ یا تو بخل میں مبتلا ہیں یا فضول خرچی میں بس ہماری وہ حالت ہے۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی ☆ تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

کسی دن مولوی صاحب سے بخل کی مذمت اور برائی سنی تھی۔ اس سے اگر بچے اسراف شروع کر دیا پہلے بھی اعتدال سے باہر تھے اب بھی اعتدال سے باہر ہی رہے اتنا فرق ہے۔ کہ بخل کو خود بھی برا جانتے تھے اور اسراف کو برا بھی نہیں جانتے کیونکہ بخیل آدمی کو عرفاً حقیر سمجھا جاتا ہے۔ عام لوگ اس سے کنجوس مکھی چوس کہہ کر پکارتے ہیں اس لئے بخل سے کبھی خود بھی نفرت ہو جاتی تھی اور فضول خرچی کرنے والے کو کوئی برا نہیں کہتا۔ جاہل لوگ اسے سخی اور عالی حوصلہ مشہور کرتے ہیں۔ اس لئے یہ بھی جامہ میں پھولا نہیں سماتا اور اچھی طرح پہلے سے زیادہ فضول خرچی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اب تو آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ اسراف کے بیان کی کس قدر ضرورت تھی کہ یہ مرض ایسا ہے جس کو مرض ہی نہیں سمجھا جاتا۔ میں اس کے متعلق تعلیم اور اصلاح کا طریقہ آگے بیان کروں گا۔ ابھی اس مضمون کا ضروری ہونا بیان کرتا ہوں کہ یہ ایک سخت بلا ہے جس سے بچنا چاہیے۔ مگر افسوس ہے کہ اس کو بلا نہیں سمجھا جاتا بلکہ لوگ الٹا اس پر مسرور ہوتے ہیں کہ ہم بخیل نہیں بلکہ خوب خرچ کرنے والے ہیں اسی وجہ سے اس بلا کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کو غیر بخل سمجھ کر محمود خیال کرتے ہیں سو ایسے شخصوں کی کبھی اصلاح ہو ہی نہیں سکتی۔ اصلاح تو اس کی ہوتی ہے جسکی نظر اپنے عیبوں پر ہو۔ ہماری نظر دوسروں کے عیبوں پر ہوتی ہے۔

ہر یکے ناصح برائے دیگراں ☆ ناصح خود یافتم کم در جہان

ہر شخص دوسروں ہی کے لئے نصیحت کرتا ہے۔ دنیا میں اپنے آپ کو نصیحت کرنے والے بہت ہی قلیل ہیں۔

طاعون کا حقیقی سبب

مثلاً کہیں طاعون ہو جائے تو بجائے اپنے اپنے عیبوں کی اصلاح کے لوگوں کا مشغلہ یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کے عیبوں کو بیان کرتے ہیں کہ میاں فلاں شخص اپنے پڑوسی کی بیوی کو تاکتا ہے، بھلا طاعون نہ آئے تو اور کیا ہو ان ہی گناہوں کا تو قہر بستی پر پڑ رہا

ہے۔ مگر اس شخص کو اپنے عیبوں پر ذرا نظر نہیں ہوئی کہ میں نے بھی کوئی گناہ کیا ہے یا نہیں اور یہ شکایت بھی ان لوگوں سے ہے جو ان مصائب کو گناہوں کی وجہ سے سمجھتے ہیں ورنہ آج کل تو اس مذاق ہی کے لوگ کم ہیں جو ان مصائب کو اعمال کی خرابی کی طرف منسوب کریں بلکہ بہت لوگ ان کو اسباب مادیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کہ ہوا بگڑ گئی۔ اس لئے طاعون ہو گیا۔ میں اس کا انکار نہیں کرتا کہ طاعون میں ہوا بگڑنے کو دخل نہیں ممکن ہے کہ اس کو بھی دخل ہو۔ مگر میں کہتا ہوں کہ آپ شریعت کے بتلائے ہوئے سبب کا کیوں انکار کرتے ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک چیز کے متعدد اسباب ہوں۔ ایک سبب قریب ہو ایک سبب بعید۔ ایک سبب ظاہری ہو۔ ایک سبب حقیقی۔ آپ یہ کہتے ہیں کہ ہوا بگڑنے سے طاعون ہوا میں کہتا ہوں کہ یہ ظاہری سبب ہے حقیقی سبب اس کا یہ ہے کہ آپ نے گناہوں کی کثرت کی۔ اس کا انکار آپ کس دلیل سے کرتے ہیں۔ میں اس مقصود کے واضح کرنے کیلئے ایک مثال بیان کرتا ہوں۔ اس سے آپ کی سمجھ میں آجائے گا کہ ظاہری سبب اور حقیقی سبب میں کیا فرق ہے۔ مثلاً ایک شخص کو پھانسی ہو گئی اور وہ مر گیا۔ اب دو شخصوں میں گفتگو ہوئی کہ اس کی پھانسی کا سبب کیا ہے ایک شخص کہتا ہے کہ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ وہ کسی طرح سے تختہ کے اوپر پہنچ گیا اور ریشمی پھندا اس کے گلے میں پڑ گیا۔ پھر کسی طرح تختہ اس کے نیچے سے الگ ہو گیا۔ تو اس کا گلا گھٹ گیا۔ اور وہ مر گیا۔ ایک دوسرے شخص نے کہا کہ اس کی پھانسی کا سبب یہ ہے کہ اس نے ایک جرم کیا تھا اس وجہ سے اس پر حاکم نے ناراض ہو کر پھانسی دلوادی۔ تو کیا اس پر وہ پہلا شخص یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ تم سائنس کے منکر ہو کہ اس کی موت کا تو اختناق یعنی گلا گھونٹ جانا ہے اور تم جرم کو اس کا سبب بتاتے ہو۔ کیا اس جرم نے آکر اس کا گلا گھونٹ دیا۔ ظاہر ہے کہ وہ یہ اعتراض کبھی نہیں کر سکتا اور اگر کوئی احمق یہ اعتراض کرے بھی تو تمام مخلوق اس کو پاگل بنائے گی اور یہ کہے گی کہ تیرا یہ کہنا صحیح ہے کہ موت کا سبب اختناق (گلا گھونٹ جانا) ہے۔ مگر اس کا اصلی سبب تو حاکم کا حکم ہے۔ اور اس حکم کا سبب اس کا جرم ہے۔ غرض اسی اختلاف میں ہر عاقل یہی کہے گا کہ وہ شخص سچا حق پر ہے جو یہ کہتا ہے کہ پھانسی کا سبب اس کا فعل ہوا اور وہ سبب طبعی کا منکر نہیں مگر وہ یہ کہتا

ہے کہ اس سبب طبعی کا سبب خود اس کا فعل ہے ورنہ پھانسی تو پہلے سے بھی موجود تھی پہلے سے وہ کیوں نہ مر گیا اور اب بھی موجود ہے۔ پھر اس سے روزانہ موتیں کیوں نہیں ہوتیں۔

دین کا نام لیتے ہی کوتاہ نظری کا الزام

صاحبو! غضب کی بات ہے کہ اس شخص کو تو محقق سمجھا جائے اور علماء کو جو طاعون کا سبب آپ کے گناہوں اور افعال کی خرابی کو بتلاتے ہیں غیر محقق کہا جائے یہ کہاں کا انصاف ہے کہ جس کو کوتاہ نظر کہا جاتا ہے اسی کی نظر کو دوسری جگہ عالی نظر کہا جاتا ہے غضب کہ دین ہی کے موقع پر سب لوگ بے ہوش ہو جاتے ہیں اس پر مجھے اپنے مجنوں دوست کی بیان کی ہوئی ایک حکایت یاد آتی ہے کہ انہوں نے لاہور کے پاگل خانہ میں ایک مجنوں کو دیکھا کہ وہ سب باتیں ٹھکانے کی کرتا تھا۔ جن سے کسی کو بھی نہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ پاگل ہے، مگر جہاں اس کا نام اس کے سامنے لیا گیا اور اس پر جنون سوار ہوا۔ یہی حالت آج کل ہمارے بھائیوں کی ہے۔ کہ جب تک ان کے سامنے دین کا نام نہ لو تو عاقل بھی سمجھ دار بھی سب کچھ ہیں۔ مگر جہاں دین کا نام کسی نے لیا اور وہ کوتاہ نظر ہوا۔ صاحبو! آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ جو شخص پھانسی کا سبب ڈکیتی کو بتلاتا ہے اس کو تو تم عاقل کہتے ہو اور اسی کا نظیر وہ عالم شریعت ہے۔ جو طاعون کا سبب آپ کی بدعملی کو بتاتا ہے۔ یہ شخص عالی نظر کیوں نہیں۔ چونکہ یہ دین کا معاملہ ہے۔ اس لئے اس میں علماء کو تو کوتاہ نظر سمجھا جاتا ہے۔ اور اس شخص کو عالی نظر سمجھا جاتا ہے۔ جو جراثیم کو طاعون کا سبب بتلاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اچھا ہم نے مانا کہ طاعون کا سبب آب وہوا کا خراب ہونا ہی سہی لیکن یہ تو بتاؤ کہ روایت آب وہوا (آب وہوا کی خرابی) کا کیا سبب ہے۔ اگر اس کا بھی کوئی سبب ہے تو پھر اسکا کیا سبب ہے کیونکہ ہر حادث کی انتہا ایک قدیم پر ضروری ہے۔ تو اس کی انتہا بھی ایک قدیم پر ہوگی اور اگر قدیم پر انتہا نہ مانو تو تسلسل لازم آئے گا۔ کیونکہ ہر حادث علت اور سبب کا محتاج ہوتا ہے اور تسلسل محال ہے تو منتہا ہونا ضروری ہے۔ اور منتہا ہونے کے قابل سوائے مشیت الٰہی کے اور کوئی چیز نہیں تو جس طرح حاکم نے پھانسی کا حکم دیا تھا جس سے مجرم ہلاک ہوا اسی

طرح حق تعالیٰ نے کارکنان قضاوقدر کو حکم دیا کہ آب وہوا کو خراب کردو، انہوں نے آب وہوا خراب کردی جس سے چوہے مرنے لگے اور طاعون پھیل گیا۔ اب جیسا کہ وہاں ایک سچے مخبر (خبر دینے والے) کی ضرورت ہے جو یہ بتلادے کہ چونکہ اس شخص نے جرم کیا تھا اس وجہ سے حاکم نے پھانسی کا حکم دیا۔

مسلمانوں پر نزول مصائب کا سبب

اسی طرح یہاں بھی ایک سچے مخبر کی ضرورت ہے جو یہ بتلادے کہ گناہوں کی وجہ سے یہ بلائیں نازل ہوتی ہیں سو سنو وہ سچا مخبر قرآن ہے جس میں حق تعالیٰ کا ارشاد موجود ہے۔ **وما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر**، کہ تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تمہارے ہاتھوں کے کرتوت سے پہنچتی ہے۔ اور حق تعالیٰ بہت سے گناہوں سے درگزر کردیتے ہیں پس یہ کیوں نہ کہا جائے کہ سبب اس طاعون کا وہ بیماری بدعملی اور سیہ کاری ہے۔ یہاں ایک سخت مرحلہ ہے جس نے علماء کو بھی پریشان کر رکھا ہے۔ چنانچہ ابھی میرے پاس ایک خط آیا تھا۔ جس میں سخت گندے مضامین تھے۔ اس لئے میں اس مرحلہ کو بھی طے کردینا چاہتا ہوں وہ مرحلہ یہ ہے کہ ابھی بیان کیا گیا ہے کہ مصائب اور بلائیں اکثر گناہوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے آتی ہیں ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔ دوسرا مقدمہ یہ کہ کفر سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں تو کفار سب سے بڑے گنہگار ہوئے تو ان مقدمات سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کفار پر مسلمانوں سے زیادہ مصائب اور بلائیں آنی چاہئیں۔ حالانکہ بعض دفعہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ طاعون کی وجہ سے اکثر مسلمان ہی فوت ہوتے ہیں۔ ہندو وغیرہ کم مرتے ہیں۔ اسی طرح آج کل ترکوں سے کفار کی جنگ ہے اور بعض دفعہ بہت متوحش خبریں آتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ترک مغلوب ہوگئے۔ ان واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آج کل سب سے زیادہ مصیبت مسلمانوں پر ہے۔ تو بعض لوگوں کو یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر بلا اور مصیبت کا سبب بندوں کے گناہ اور بداعمالیاں ہیں تو سب سے زیادہ مصیبت کفار پر ہونی چاہیے تھی۔ مسلمانوں ہی پر سب سے زیادہ مصیبت کیوں ہے۔ جن

صاحب کا خط میرے پاس آیا تھا۔ اس میں ایسے ہی گندے مضامین بھرے ہوئے تھے۔ کہ کیا آج وہ آیتیں اور وہ وعدے سب منسوخ ہوگئے جو قرآن میں مسلمانوں سے کئے گئے تھے۔ وکان حقا علینا نصر المؤمنین، کہ مسلمانوں کی امداد ہمارے اوپر لازم ہے۔ آج کل تو کفار کی امداد کی جارہی ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ خدا ان ہی کا طرف دار ہے۔ اور ایسے ہی واہی تباہی مضامین تھے اور ان حضرات کو یہ شبہات پیدا ہوئے۔ ترکوں کے معاملات میں اخبارات دیکھنے سے اور ترکوں کی شکست کی خبر آنے سے تو میں نے ان کے خط کا تو یہ جواب لکھ دیا ہے کہ ذرا منہ سنبھال کر باتیں کرو خدا کی شان میں گستاخی نہ کرو بڑے ترکوں کے طرف دار خدا سے بھی زیادہ بنتے ہو پہلے ان کی حالت تو دیکھو کہ ترکوں کی حالت آج کل کیا ہے اور ان میں اسلام کس قدر باقی ہے۔ مجھے واللہ ترکوں کی نسبت یہ الفاظ لکھتے ہوئے شرم آتی تھی کہ اپنے بھائیوں کے عیب کو میں کھولوں۔ مگر اس شخص کے ایمان کی حفاظت کے لئے مجھے ایسا کرنا پڑا کیونکہ اگر میں یہ نہ لکھتا تو اس کے ایمان کی خیر نہ تھی۔ اور ہاں میں ان کو یہ لکھنا بھول گیا کہ تم کو اخبار نہیں دیکھنا چاہیے کیونکہ یہ اسی کا اثر ہے۔ اخبار میں ترکوں کی شکست کی خبریں دیکھ کر آپ کو خدا پر بھی اعتراض ہونے لگا۔ تو جس شخص کو اخبار دیکھنے سے اتنا اثر ہوتا ہو اس کو ہرگز اخبار دیکھنا اور سننا جائز نہیں۔

ترکوں سے حقیقی ہمدردی

اس پر بعض لوگوں کو شبہ ہوگا کہ اخبار تو ترکوں کی ہمدردی کی وجہ سے دیکھے جاتے ہیں اور مسلمانوں سے ہمدردی کرنا شریعت کا حکم ہے تو اخبار دیکھنے سے روکنا گویا ترکوں کی ہمدردی سے روکنا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اخبار دیکھنا یہ کوئی ہمدردی نہیں ہے اور نہ ہمدردی کا اس میں انحصار ہے ہمدردی یہ ہے کہ آپ ترکوں کی امداد مالی کریں۔ جس سے ان کو نفع پہنچے گا۔ چاہے آپ اخبار کا ایک حرف بھی نہ پڑھیں۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ اکثر اخبار دیکھنے والے دو چار باتوں کے سوا ترکوں کے ساتھ مالی ہمدردی بہت کم کرتے ہیں اور اخبار بھی ہمدردی کی وجہ سے کوئی کوئی دیکھتا ہوگا۔ آجکل تو زیادہ تفریح کے واسطے اخبار

دیکھے جاتے ہیں۔ پھر اچھا ہم نے مانا کہ اخبار دیکھنے میں ترکوں سے ہمدردی ہی کی نیت ہے۔ مگر ترکوں سے جو ہمدردی ہے وہ اسی لئے تو ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کے ساتھ تعلق رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اور اگر کسی کو ترکوں کی ہمدردی خدا سے بے تعلقی کا سبب ہو جائے اس کو ایسی ہمدردی سے ضرور روکا جائے گا۔ غرض ان کو تو میں نے یہ جواب لکھ دیا تھا کہ پہلے ان کا پکا مسلمان ہونا تو ثابت کرو۔ اور یہ جواب میں نے اس لئے دیا کہ اس شخص کے مذاق کے موافق یہی جواب تھا۔ اس کے شبہات دوسرے جوابوں سے دفع نہ ہوتے۔ ورنہ ہمارے پاس اس شبہ کا دوسرا جواب بھی ہے جو اس وقت بھی صحیح ہے جبکہ وہ پکے مسلمان بھی ہوں اور پھر بھی ان کی شکست پر شکست ہو وہ جواب اس وقت بھی صحیح ہوگا وہ یہ کہ مصیبت کا سبب جیسا کہ گناہ ہے اسی طرح رفع درجات بھی اسکا سبب ہے۔ بعض دفعہ امتحان اور آزمائش کیلئے اور درجات بلند کرنے کیلئے بھی بلائیں نازل ہوتی ہیں۔

سنئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستھم الباساء والضراء وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین امنوا معه متی نصر الله الا ان نصر الله قریب.

کیا تم نے یہ گمان کیا کہ جنت میں ویسے ہی داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تک تم کو وہ حالت پیش نہیں آئی جو پہلے لوگوں کو پیش آچکی ہے کہ ان کو لڑائی اور بیماری کی تکلیف پہنچی اور وہ یہاں تک جھڑ جھڑائے گئے کہ رسول اور ان کیساتھ والے مسلمان کہنے لگے کہ دیکھئے اللہ کی مدد کب آتی ہے سن لو کہ اللہ کی مدد قریب ہی ہے۔

ایک جگہ فرماتے ہیں۔ اذا استیئس الرسل وظنوا انھم قد کذبوا جاء ھم نصرنا فنجی من نشاء ولا یرد باسنا عن القوم المجرمین۔

یہاں تک جب رسول ناامید ہو گئے اور کفار نے گمان کیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا اس وقت ہماری مدد آئی سو جس کو ہم نے چاہا ان کو نجات دی گئی اور باقی لوگ ہلاک کئے گئے اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے ٹل نہیں سکتا۔

حضرات مقبولین پر انبار مصائب

ان آیتوں سے حاصل مشترک اتنا ثابت ہوا کہ پہلے زمانہ میں حضرات مقبولین پر اوران سے بڑھ کر رسولوں کا طبقہ ہے جن میں معصیت کا احتمال ہی نہیں ان پر ایسے ایسے مصائب آئے کہ رسول گھبرا کر کہنے لگے متی نصر اللّٰہ، خدا کی امداد کب آئے گی اور حتی اذا استیئس الرسل ای من ایمان قومھم، یہاں تک کہ رسول اپنی قوم کے ایمان سے مایوس ہو گئے۔ یعنی امداد الٰہی میں اتنی دیر ہوئی کہ رسول اپنی قوم کو نصیحت کرتے کرتے ان کے ایمان سے مایوس ہو گئے۔ اور انبیاءؑ کی یہ حالت نہ تھی کہ ایک وعظ کہہ کر جو دیکھا کہ لوگ جنید بغدادی نہیں ہوئے تو ان کی اصلاح سے ناامید ہو جاویں بلکہ حالت یہ تھی کہ ایک مدت مدید تک وعظ کہہ کر بھی ناامید نہ ہوتے تھے۔ نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تک اپنی قوم کو نصیحت کی اور ناامید نہ ہوئے جب اتنی مدت میں بھی ان پر کچھ اثر نہ ہوا تب ان کے ایمان سے مایوس ہوئے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ انبیاءؑ کتنی مدت دراز تک اپنی قوم سے مایوس نہ ہوتے تھے تو اتنی طویل مدت کے بعد نصرت خداوندی نازل ہوئی تھی۔ اور اس وقت تک انبیاءؑ اور مومنین مصیبتیں بھی جھیلتے تھے۔ وظنوا انھم قد کذبوا، یعنی اور کفار نے گمان کیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا۔ کی تفسیر میں بہت اقوال ہیں۔ اور بعضے سخت اور مشکل ہیں مگر سہل یہ ہے۔ کہ ظنوا کی ضمیر کفار کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہے کہ کفار نے یہ کہا کہ ہم مکذوب نہیں۔ یعنی رسولوں نے جو ہم کو عذاب کی دھمکی دی ہے وہ جھوٹ بات ہے اگر سچی ہوتی تو اس مدت دراز میں عذاب کے کچھ تو آثار معلوم ہوتے غرض ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاءؑ اور پہلے مقبولین ایک مدت تک مستھم الباساء والضراء (یعنی ان کو لڑائی اور بیماری کی تکلیف پہنچی) کی حالت میں اور ایسی بڑی بڑی مصیبتوں میں رہے کہ ایسی مصیبتیں ہم لوگوں کو کبھی پیش نہیں آئیں۔ مگر آج ترکوں کی ذرا سی حالت میں لوگوں کو خدا تعالیٰ سے بدگمانی ہونے لگی۔ یاد رکھو خدا تعالیٰ پر کبھی کسی کو بدگمانی کا حق نہیں ان کی حکمتوں کے راز کسی کو کیا معلوم۔ آپ اپنے خانگی معاملات کے راز اپنے نوکروں کو نہیں بتلاتے حالانکہ آپ میں اور ان میں بہت تقارب ہے۔ مگر اس کے باوجود بھی اپنا بھید آپ

نوکروں کونہیں بتلاتے۔ تو خدا کیوں آپ کو اپنے معاملات کے راز بتلاویں آپ میں اور خدا میں تو کچھ بھی مناسبت نہیں چہ نسبت خاک را با عالم پاک (خاک کو عالم پاک سے کیا نسبت) اسی کو حافظ فرماتے ہیں۔

حدیث مطرب ومی گو وراز دہر کمتر جو ☆ کہ کس نکشو دونکشاید بحکمت ایں معمارا

اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت اور اس کے ذکر وشغل کی طرف متوجہ ہو اسرار حقیقت اور اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کے راز معلوم کرنے کو ترک کرو کسی شخص نے اس معمہ کو نہ حل کیا اور نہ کوئی کر سکے۔

بہر حال حق تعالیٰ کی حکمتیں ہیں جن کی وجہ سے مقبولین پر بھی وہ مصائب نازل کرتے ہیں۔

زاں بلاہا کانبیا برداشتند ☆ سر بچرخ ہفتمیں افراشتند

ان بلاؤں کی وجہ سے جو انبیاءؑ نے برداشت کیں انکے درجات ومراتب تمام مخلوق سے بلند ہو گئے۔

جاں صدیقاں ازیں حسرت بریخت ☆ کاسماں برفرق ایشاں خاک بیخت

صدیقوں نے اسی حسرت میں جانیں ضائع کیں کہ آسمان نے ان کے سروں پر خاک چھانی۔

مجاہدہ اضطراریہ سے اصلاح نفس

یہ گویا رفع درجات ہے ان بلاؤں سے مقبولین کے درجے بلند ہوتے ہیں۔ نیز اس میں مجاہدہ اضطراریہ بھی ہے کہ مصائب سے اخلاق درست ہو جاتے ہیں۔ نفس کی اصلاح بہت کچھ ہو جاتی ہے۔ جب ہم لوگوں کو اپنے نفس کی اصلاح اور درستی اخلاق کی فکر نہیں ہوتی تو حق تعالیٰ مجاہدہ اضطراریہ سے ہماری اصلاح فرما دیتے ہیں۔ آپ ان شکستوں کی خبروں سے یہ سمجھتے ہیں کہ ترک مغلوب ہو گئے۔ مگر آپ کو کیا معلوم ہے کہ اس سے جوان کے نفس کی اصلاح ہوئی ہوگی وہ کتنی فتوحات کا پیش خیمہ ہوگا۔ یہی حال طاعون میں سمجھنا چاہیے۔ کہ مسلمانوں میں طاعون کا زیادہ پھیلنا اس کی دلیل نہیں ہوسکتی کہ

معاذ اللہ مسلمان خدا تعالیٰ کے نزدیک ان کافروں سے بھی زیادہ ذلیل ہیں ہرگز نہیں بلکہ کبھی مسلمانوں کے درجے بلند کرنے اور ان کو شہادت کے مرتبے دینے منظور ہوتے ہیں اس لئے ان میں طاعون زیادہ پھیلتا ہے۔ حدیث میں صاف تصریح کہ المطعون شھید (الصحیح للبخاری ۷:۱۶۹، کنز العمال: ۱۱۲۲۱) طاعون میں مرنے والا شہید ہے۔ اسی لئے جو لوگ اس راز کو سمجھتے ہیں وہ ہر بلا سے خوش ہوتے ہیں۔ نہ وہ شکست و ہزیمت سے گھبراتے ہیں۔ نہ طاعون سے پریشان ہوتے ہیں۔

ناخوش تو خوش بود برجان من ☆ دل فدائے یار دل رنجان من

محبوب کی جانب سے جو امر پیش آئے گو اپنی طبیعت کے خلاف اور ناخوش ہی کیوں نہ ہو وہ میری جان پر خوش و پسندیدہ ہے۔ میں اپنے محبوب پر جو میری جان کو رنج دینے والا ہے اپنے دل کو قربان کرتا ہوں۔

اور دوسروں کو بھی اس کی وصیت کرتے ہیں کہ محبوب حقیقی سے راحت میں اور رنج میں غرض ہر حال میں خوش رہنا چاہیے۔

بس زبوں وسوسہ باشی ولا ☆ گر طرب را باز دانی از بلا

یعنی تم بالکل مغلوب وساوس سمجھے جاؤ گے اگر محبوب کے طرب و بلا میں فرق سمجھو گے۔

باطنی کلفت پر راضی رہنا صبر عظیم ہے

یعنی دونوں حالتوں میں کچھ فرق نہ ہونا چاہیے یہ سمجھ کر ہر حالت محبوب ہی کی طرف سے ہے دونوں پر راضی رہنا چاہیے تو خواہ کلفت ظاہری ہو یا باطنی وہ ہر ایک پر راضی رہتے ہیں اور باطنی کلفت پر راضی رہنا یہ بہت بڑا صبر ہے۔ کیونکہ ظاہری کلفت میں صرف جسم کو تکلیف ہوتی ہے۔ روح کو بشاشت رہتی ہے۔ اور باطنی کلفت میں یہ وہم ہو جاتا ہے۔ کہ میں مردود ہو گیا۔ جیسا کہ حالت قبض میں ایسا ہوتا ہے اور یہ خیال سالک کے لئے سخت سوہان روح ہے مگر وہ اس پر بھی راضی رہتے ہیں اور کہتے ہیں۔

باغباں گر پنج روزے صحبت گل بایدش ☆ بر جفائے خار ہجراں صبر بلبل بایدش

یعنی اگر باغبان اس بات کا خواہش مند ہے کہ چند روز صحبت گل میسر ہو جائے تو اس کو لازم ہے کہ بلبل کی طرح خار ہجراں کی جفا پر صبر کرے اس سے صحبت گل حاصل ہو جائے گی۔

اے دل اندر بند زلفش از پریشانی منال ☆ مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش

اے دل محبوب کی زلف کی قید میں گرفتار ہے تو پریشان ہو کر گریہ وزاری مت کر۔ کیونکہ مرغ زیرک جب جال میں پھنس جائے تو اس کو تحمل کرنا چاہیے شاید کہ اللہ تعالیٰ اس کو نجات دے دیں ورنہ گریہ وزاری سے سوائے پریشانی کے اور کوئی نتیجہ نہیں۔ آگے اسی کی تتمیم کیلئے کہتے ہیں۔

تکیہ بر تقوی و دانش در طریقت کافریست ☆ راہرو گرصد ہنر دارد توکل بایدش

طریقت میں تقویٰ اور دانش پر بھروسہ کرنا کفر ہے سالک اگر سو ہنر رکھتا ہو یعنی زہد و طاعت وغیرہ تو بھی اس کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ یہ اسی لئے کہا ہے کہ کبھی ذاکر کو یہ خیال ہو جاتا ہے کہ میں اتنا کام کرتا ہوں اتنا مجاہدہ کرتا ہوں پھر یہ پریشانی کیوں ہے تو کہتے ہیں۔

راہرو گرصد ہنر دارد توکل بایدش

(سالک اگر سو ہنر بھی رکھتا ہو تب بھی اسے توکل کرنا چاہئے)

قبض کی حکمتیں

اور یہ حالت قبض کی کچھ بری حالت نہیں بلکہ اس میں بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں اور یہ حالت سبھی کو پیش آتی ہے۔ حضور ﷺ سے زیادہ کون ہوگا جب اول اول وحی نازل ہوئی ہے تو اس کے بعد تین برس کا وقفہ ہوا آپ کا جو علاقہ حق تعالیٰ سے تھا ظاہر ہے کہ کیسا علاقہ تھا کہ وہاں تو ہر دم بالکل حضور کامل تھا۔ پھر روزانہ فرشتے کے واسطے سے بات چیت ہوتی تھی۔ جس کی لذت کو حضور ﷺ ہی جان سکتے ہیں کوئی دوسرا کیا سمجھ سکتا ہے۔ پھر اس پر جب تین برس تک سلسلہ خطاب بند رہے تو حضور ﷺ کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ آپ کو کیسی سخت کلفت ہوئی ہوگی۔ اس پر دوسری مصیبت یہ کہ کفار کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ محمد ﷺ (سیدی و روحی) کو ان کے خدا نے چھوڑ دیا ہے۔ حضور ﷺ کو اتنی کلفت تھی کہ آپ نے بہت مرتبہ قصد کیا کہ اپنے کو پہاڑ کے اوپر سے گرا دیں۔ جب آپ اپنے کو گرانے

کا قصد کرتے اسی وقت جبرئیلؑ تشریف لاتے کہ اے محمد ﷺ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیلؑ ہوں۔ آپ اپنے کو ہلاک نہ کیجئے۔ جبرئیل کی اس بات سے آپ کو تسلی ہو جاتی۔ ایسی حالت میں تین سال گزر گئے اگر کسی اور شخص کو اتنا شدید قبض رہتا تو نہ معلوم اس کا کیا حال ہو جاتا۔ تین سال کے بعد وحی نازل ہوئی۔ اور قبض کے بعد بسط ہوا۔ سورہ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں اسی طرح ایک بار اور قبض واقع ہوا کہ کفار طعن کرنے لگے۔ سورہ والضحیٰ اور قریب وقت میں الم نشرح نازل ہوئیں۔ سورہ الم نشرح میں اس قبض وبسط کا تذکرہ کیا گیا۔ شرح صدر سے مراد وہی حالت بسط ہے جو قبض کے بعد حاصل ہوئی۔ ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظهرک۔ یعنی ہم نے آپ پر سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی۔ وہ بوجھ جس نے آپ کی کمر توڑ دی تھی یہی قبض کی حالت تو تھی۔ یہ کوئی فقر وفاقہ کی کلفت نہ تھی۔ فقر وفاقہ سے آپ کو کبھی پریشانی نہیں ہوئی۔ غرض چاہے وہ کلفت ظاہری ہو یا باطنی ہر ایک پر صبر کرنا چاہیے۔ عام لوگ تو باطنی کلفت کو کلفت ہی نہیں سمجھتے کیونکہ وہ اس مزہ ہی سے ناواقف ہیں اور جو لوگ اس کو کلفت سمجھتے ہیں وہ یہ غلطی کرتے ہیں کہ باطنی کلفت پر صبر نہیں کرتے حالانکہ اس پر بھی صبر کرنا چاہیے۔ اسی کو شیخ شیرازی فرماتے ہیں۔

خوشا وقت شوریدگان غمش ☆ اگر ریش بینید وگر مرہمش

محبوب حقیقی کے غم میں پریشان لوگوں کا بہت اچھا وقت ہے اگر زخم دیکھتے ہیں اور اگر اس پر مرہم رکھتے ہیں۔

دما دم شراب الم درکشند ☆ وگر تلخ بینند دم درکشند

ہر دم رنج والم برداشت کرتے ہیں۔ اور اگر تلخی پاتے ہیں تو خاموش رہتے ہیں۔

مقبولین پر کلفتیں آنے کی حکمت

خلاصہ یہ کہ مقبولین پر بھی کلفتیں آتی ہیں۔ ظاہر پرستوں کو اس سے شبہ ہو جاتا ہے۔ کہ گناہوں کی وجہ سے مصیبتیں آتی ہیں تو انہوں نے کیا گناہ کیا تھا بلکہ دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ نیک بندے اور مقبولین کو فقر وفاقہ وغیرہ کی تکلیف زیادہ رہتی ہے۔ اور رند بازاری لوگ

بڑے عیش اور مزے میں زندگی گزارتے ہیں۔ یعنی ظاہری عیش ان کو زیادہ ہوتا ہے کھانے پینے میں تنگی نہیں ہوتی۔ مگر یہ شبہ بالکل لغو ہے کیونکہ دنیا میں عادۃ اللہ یہ ہے کہ سب نعمتیں ایک شخص کو نہیں دی جاتیں کسی کو ظاہری عیش نصیب ہوتا ہے کسی کو باطنی عیش عطا فرماتے ہیں۔ ایسے بندے بہت کم ہیں جن کو دونوں عیش نصیب ہوں اسی کو ایک محقق کہتے ہیں۔

کم عاقل عاقل اعیت مذاھبہ ☆ وجاھل جاھل تلقاہ مرزوقا

ھذا الذی ترک الاوھام حائرۃ ☆ وصیر العالم النحریر زندیقا

یعنی دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ بعض عاقل کامل تنگی میں ہیں کہ ان کو کوئی ذریعہ معاش کا میسر نہیں اور جاہل کامل صاحب نصیب اور وسعت رزق سے مالا مال ہے۔ اس بات نے عقلوں کو حیران کر دیا اور بعضے متبحر عالم اس سے زندیق ہو گئے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ سو یہ مسئلہ ایسا باریک ہے کہ اس سے ہزاروں عالم بددین ہو گئے۔ مگر جس کو خدا بچائے وہ بچ سکتا ہے۔

ایک مسئلہ دقیق

اس نکتے پر مجھے ایک حکایت یاد آئی۔ کہ ایک درویش تھے وہ چلے جا رہے تھے ایک شہر میں پہنچے تو وہاں پھاٹک بند دیکھا پوچھا کہ بھائی پھاٹک بند کیوں ہے۔ معلوم ہوا کہ بادشاہ کا باز چھوٹ گیا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ شہر پناہ کے دروازے بند کر دیئے جائیں۔ تاکہ باز باہر نہ چلا جائے۔ درویش کو بادشاہ کی حماقت پر بہت تعجب ہوا۔ یہ ناز میں آکر کہنے لگے کہ واہ اللہ میاں نے اچھے کو بادشاہی دے رکھی ہے ایک ہم ہیں کہ پاؤں میں جوتیاں تک سالم نہیں۔ بعض اہل اللہ پر ناز کی شان غالب ہوتی ہے وہاں سے ارشاد ہوا کیا تم اس پر راضی ہو کہ اس کی سلطنت مع اس کی حماقت کے تم کو دے دیں۔ اور تمہاری صلاحیت اور عقل مع تمہارے فقر و فاقہ کے اس کو دیدیں، درویش ڈر گیا اور کانپ گیا کہ کہیں ساری عمر کی کمائی سلب نہ ہو جائے، کہنے لگے کہ اے اللہ میں اس پر راضی نہیں ہوں میں اپنی حماقت سے توبہ کرتا ہوں۔ سو واقعی عقل وہ دولت ہے کہ جس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت

گرد ہے۔ اگر ایک عاقل تنگ دست ہو اور بیوقوف مالدار ہو تو عاقل کو غور کرنا چاہیے میرے پاس عقل کی کتنی بڑی دولت ہے۔ اسی بناء پر حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔

رضينا قسمة لجبار فينا لناعلم وللجهال مال

فان المال يفني عن قريب وان العلم باق لايزال

یعنی ہم اس تقسیم پر بہت راضی ہیں اللہ میاں نے بڑا اچھا حصہ لگایا کہ ہم کو علم عنایت فرمایا اور جاہلوں کو مال کیونکہ مال تو بہت جلد فنا ہو جائے گا اور علم ہمیشہ باقی رہنے والی دولت ہے جو کبھی فنا نہ ہو گی۔

مال اور علم میں فرق

حضرت مال اور علم میں اتنا بڑا فرق ہے کہ کیمیا گر مالدار نہیں ہوتا بلکہ علمدار ہوتا ہے۔ یعنی اس کے پاس ایک علم ہوتا ہے مگر بڑے بڑے نواب اس کی چلم بھرتے ہیں۔ حالانکہ وہ محض تانبہ کو سونا بنا دیتا ہے۔ اور جو کیمیا گر مردہ سے زندہ اور زندہ سے پائندہ۔ (قائم رہنے والا) بنا دیتا ہے۔ اس کو اپنے علم پر کیوں ناز نہ ہو گا۔ اور اس کو نوابوں اور رئیسوں کی کیا پرواہ ہو گی۔ زندہ سے پائندہ بنا دینے کا مطلب حضرت حافظؒ نے بیان فرمایا ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق ☆ ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

یعنی جس کو عشق حقیقی سے روحانی حیات حاصل ہو گئی وہ اگر مر بھی جائے تو واقع میں اس وجہ سے کہ اس کو لذت قرب کامل طور سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس کو زندہ رکھنا چاہیے۔ تو اس کیمیا کی کیا حالت ہونی چاہیے۔ صوفیہ نے کہا کہ ان الانسان خلق للابد کہ انسان ہمیشہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو اس کو اپنا سرمایہ لینا چاہیے جو ہمیشہ باقی رہے اور وہ علم ہی ہے۔ اس لیے حیات نافعہ تو اہل اللہ ہی کو حاصل ہے تو مال اور علم میں اتنا فرق ہے۔ دوسرے مال کی تو یہ حالت ہے کہ لوگ اس کو چھپاتے پھرتے ہیں دیکھاتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ کہیں چوری نہ ہو جائے۔ اس لئے بعضے مالدار لنگوٹا باندھے پھرتے ہیں۔ صورت سے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ مالدار بھی ہے بخلاف علم کے کہ اس کے چوری ہونے

کا خوف ہی نہیں پھر اسے جتنا خرچ کرو یعنی وعظ کہو یا درس دو اتنا ہی بڑھتا ہے اور اس میں ترقی ہوتی ہے۔ اس لئے اہل علم کو ڈر تو نہیں ہوتا۔ ہاں بعض علوم پر غیرت بہت ہوتی ہے۔ غیرت اس قدر ہوتی ہے کہ فرماتے ہیں۔

بامدعی مگوئید اسرار عشق و مستی ☆ بگذار تا بمیرد در رنج و خود پرستی

یعنی ظاہر پرستوں کے سامنے عشق و مستی کے اسرار بیان مت کرو ان کو رنج اور خود پرستی میں مرنے دو۔

اور ان حضرات کو اسی غیرت کے سبب اظہار کا جوش زیادہ نہیں آتا۔ لوگ ان کی تکفیر کرتے ہیں۔ مگر ان کو پرواہ نہیں ہوتی وجہ اس کی یہ ہے کہ انہوں نے ایک ایسے کو پکڑا ہے کہ اسکے بعد انہیں کسی کی پرواہ کیوں ہو۔

آنکس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند ☆ فرزند و عیال و خانماں راچہ کند

جس کو محبوب حقیقی کی معرفت حاصل ہو گئی اس کو اہل و عیال اور مال و دولت کی کچھ پروا نہیں ہوتی۔

حق تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں

واقعی جس شخص کو مخلوق کی پرواہ ہو سمجھنا چاہیے کہ اس نے خدا تعالیٰ پہچانا ہی نہیں۔ لوگ اہل اللہ کو بے حس و بے غیرت کہتے ہیں کہ ان کو کسی بات پر جوش ہی نہیں آتا۔ مگر وہ جانتے ہیں کہ ہمارے پاس کیمیا ہے کسی کو اس کی کیا خبر ہے اور کیمیا گر کو اگر کوئی ان کے علم کیمیا کی نفی کرے تو جوش نہیں ہوا کرتا۔ کیمیا دارند چہ بود کیمیا

ان کے پاس ایسی کیمیا ہے کہ اس کے سامنے اس کیمیا ظاہری کی کچھ حقیقت نہیں۔ الغرض ان درویش کو یہ کہا گیا تھا کہ کیا تم راضی ہو کہ تمہارا فقر و فاقہ اور صلاحیت اور علم بادشاہ کو دیدیا جائے اور اس کی سلطنت اور حماقت تم کو دیدی جائے۔ اسی طرح جو لوگ کفار کی ثروت اور عیش کو دیکھ کر اور اپنی مصیبت و تکلیف پر نظر کر کے للچاتے اور خدا تعالیٰ کی شکایتیں کرتے ہیں ان کو سمجھنا چاہئے کہ اگر حق تعالیٰ کفار کا کفر اور ثروت و عیش ان کو دیدیں اور ان کا فقر و فاقہ اور ایمان ان کو دیدیں۔ تو کیا یہ اس پر راضی ہوں گے اگر یہ راضی نہیں ہو سکتے اور یقیناً کوئی مسلمان اس پر راضی نہ ہوگا۔ تو ان کو

خدا تعالیٰ کی شکایت کرتے ہوئے ڈرنا چاہیے اور اپنے ایمان کی دولت پر خدا کا شکر کرنا چاہیے۔ علامہ غزالیؒ لکھتے ہیں کہ جس عالم کو یہ تمنا ہوتی ہے کہ مجھے مال کیوں نہیں ملا تو گویا وہ یہ کہتا ہے کہ بادشاہ نے مجھے گھوڑا تو دے دیا گدھا کیوں نہیں دیا۔ گدھا بھی مجھے دو تو اس کا یہ کہنا غلط ہے بلکہ جب تم کو گھوڑا مل گیا تو گدھا کسی دوسرے کو دے دیا جائے گا۔ اسی طرح کا یہ استدلال ہے کہ ہمیں علم ملا تدبیر ملی تو ہمیں مال بھی ملنا چاہیے۔ سو اس کو جاننا چاہیے کہ یہ اسکی غلطی ہے۔ جب تم کو علم دیا گیا ہے تو مال کسی دوسرے کو ملے گا۔ پس جو لوگ اس راز کو سمجھ گئے وہ ایسی تمنا سے بچ گئے ورنہ زندیق ہونے میں کوئی تعجب ہی نہیں۔ غرض یہ شبہ اس لئے واقع ہوا تھا کہ آپ نے یہ سمجھ لیا تھا کہ مصیبت ہمیشہ گناہ ہی سے آتی ہے۔ حالانکہ کبھی رفع درجات کیلئے بھی بلائیں آتی ہیں۔ ممکن ہے کہ اس کو کوئی تاویل سمجھے تو بات یہ ہے کہ محبت میں سب باتیں ظاہر ہیں ورنہ کچھ بھی نہیں۔ اگر خدا تعالیٰ سے تعلق اور لگاؤ ہو تو ہر مسئلہ میں انسان کی تسلی ہو سکتی ہے۔ طبیعت خود بخود تسلی کی راہ نکالتی ہے۔ اور اگر تعلق نہ ہو تو سچی بات بھی تاویل معلوم ہوتی ہے۔

مسبب واحد کے متعدد اسباب

اگر اس تقریر سے کسی کو تسلی نہ ہوئی تو وہ یوں سمجھے کہ حق تعالیٰ حکیم ہیں اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس عالم میں ہر چیز کسی سبب اور علت کے ساتھ وابستہ ہے۔ پس لامحالہ مصائب اور تکلیف کا بھی کوئی سبب ہونا چاہیے۔ مگر کبھی ایک مسبب کے لئے کئی سبب ہوتے ہیں۔ کبھی نماز کیلئے چلتے ہیں کبھی قضا حاجت کے لئے کبھی کسی پر ظلم کرنے کیلئے اور جیسے غصہ کہ کبھی دشمن پر آتا ہے جس کا سبب عداوت ہے اور کبھی کسی وجہ سے دوست پر بھی آتا ہے۔ غرض ایک مسبب کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔ اب بعض دفعہ ان اسباب میں سے ایک سبب ظاہر ہوتا ہے اور بقیہ اسباب ذرا خفی ہوتے ہیں۔ تو کوتاہ نظر آدمی اسی ظاہری سبب کو سبب سمجھ لیتا ہے اور باطنی اسباب پر اس کی نظر نہیں ہوتی تو اس لئے وہاں ضرورت ہوتی ہے جمیع اسباب کے احاطہ کر لیجئے میں اس کی ایک اور مثال بیان کرتا ہوں کہ مسبب واحد کیلئے کئی اسباب بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً آپ کو ایک شخص نے

بڑے زور سے دبایا اور ایسا دبایا کہ آپ کی ہڈی پسلی ٹوٹنے لگی تو دیکھئے دبانے کے اسباب جدا جدا ہیں ایک تو یہ کہ راستہ میں آپ کا کوئی دشمن ملا اس نے آپ کو تکلیف پہنچانے کیلئے دبایا ایک یہ صورت ہے کہ آپ کو کوئی ایسا شخص ملا جس کے دیکھنے کو آپ ترستے تھے۔ اور یہ امید بھی نہ تھی کہ وہ آپ کو وہ ہاتھ بھی لگائے گا۔ دفعۃً وہ شخص بے خبری میں آپ کو آکر دبالے اور بہت زور سے دبوچے ممکن ہے کہ جب تک آپ کو یہ علم نہیں کہ دبانے والا کون ہے اس وقت تک آپ کو تکلیف اور پریشانی ہے۔ مگر جب یہ معلوم ہو جائے کہ دبانے والا کون ہے اس وقت آپ کیا کہیں گے یقیناً یہی کہیں گے۔

اسیرت نخواہد رہائی زبند ☆ شکارت نجوید خلاص از کمند

اے محبوب آپ کا قیدی قید سے رہائی کا طالب نہیں اور آپ کا شکار کمند سے خلاصی کا جویاں نہیں۔

اور اگر وہ تھوڑی دیر کے بعد آپ کے حال پر ترس کھا کر خود چھوڑنا بھی چاہے کہ مبادا کہیں آپ مر نہ جائیں تو آپ یہ کہیں گے۔

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ☆ سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اے محبوب دشمنوں کا ایسا نصیب نہ ہو کہ آپ کی تلوار سے ہلاک ہوں دوستوں ہی کا سر سلامت رہے کہ آپ اس پر خنجر آزمائیں۔

اور کہیں یہ کہیں گے۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے ☆ یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

بلا اور مصیبت کی حقیقت

تو دیکھئے مسبب واحد ہے اور سبب مختلف مگر ہر ایک کا اثر جدا ہے جو دباؤ عداوت کی وجہ سے پڑا ہے اس کا دوسرا اثر ہے اور جو محبت کی وجہ سے ہے اس کا دوسرا اثر ہے جب یہ بات سمجھ میں آگئی کہ ایک مسبب کیلئے مختلف اسباب بھی ہوا کرتے ہیں تو اب سنئے کہ آپ نے اب تک صرف ایک سبب کو سنا ہے **ما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم**، کہ جو مصیبت آتی ہے وہ انسان کی بداعمالی کی وجہ سے آتی ہے۔ دوسرا سبب بھی تو سنئے

حدیث میں ہے اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل، کہ سب سے زیادہ سخت بلا انبیاءؑ پر آتی ہے۔ پھر ان لوگوں پر جو ان کے بعد دوسروں سے افضل ہوں وعلیٰ ہذا معلوم ہوا کہ کلفت کا سبب فقط ایک ہی نہیں کیونکہ انبیاء علیہ السلام یقیناً گناہوں سے معصوم ہیں تو ان پر گناہوں کی وجہ سے کلفت ورنج کا آنا ممکن نہیں لامحالہ یہی کہنا پڑے گا کہ کبھی رفع درجات کیلئے کبھی کلفت پیش آتی ہے۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مصیبت گناہ کی وجہ سے آتی ہے کیونکہ مااصابکم من مصیبة یعنی جو بھی تم کو مصیبت پہنچتی ہے۔ اس سے عموم مستفاد ہوتا ہے۔ اور فبما کسبت ایدیکم، تمہارے ہی ہاتھوں کی کرتوت سے پہنچتی ہے۔ ظاہراً حصر معلوم ہوتا ہے۔ اب اس آیت کو اس حدیث سے تعارض ہو گیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا رفع درجات کیلئے بھی آتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حدیث وقرآن میں تعارض کے وقت قرآن ہی کو ترجیح ہوگی پس یہی ثابت ہوا کہ گناہ ہی کی وجہ سے مصیبت آتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ تعارض کچھ نہیں اور اس شبہ تعارض کا جواب خود اسی آیت میں موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ مااصابکم من مصیبة، کہ جو کچھ تم کو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے کرتوت سے آتی ہے تو یہاں مصیبت کا لفظ ہے اور حدیث میں مصیبت کا لفظ نہیں ہے وہاں بلا کا لفظ ہے۔ پس آیت کا حصر بالکل صحیح ہے کیونکہ مصیبت مذنبین (گناہگار ہی) کو آتی ہے اور اہل مصیبت گناہ گار ہی لوگ ہیں۔ ان پر جب مصیبت آتی ہے گناہوں ہی کی وجہ سے آتی ہے اور مقبولین اہل مصیبت نہیں ہیں وہ اہل بلا ہیں ان پر جب بلاء آتی ہے رفع درجات (اور زیادہ بڑھانا) محبت کیلئے آتی ہے اور مصیبت اور بلا میں صورۃ فرق کم ہوتا ہے ظاہر میں دونوں ایک ہی معلوم ہوتی ہیں مگر آثار میں دونوں کے بڑا فرق ہوتا ہے جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ دونوں کی حقیقت بھی الگ الگ ہیں۔ پس مصیبت کی حقیقت ہی سزا اور انتقام اور بلاء کی حقیقت ہے محبوبانہ چھیڑ چھاڑ اور امتحان۔ محبوب کے دبانے اور بھینچنے کو مصیبت کوئی نہیں کہا کرتا۔ پس انبیاءؑ اور مقبولین پر بلا آیا کرتی ہے مصیبت نہیں آیا کرتی اور بلا کے معنی لغت عربی میں آزمائش اور امتحان کے ہیں۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے دو شخصوں کے برابر بخار آتا ہے۔ آخر اس کی

کیا وجہ۔ کیا نعوذ باللہ حضور ﷺ سے گناہ صادر ہوتے تھے۔ ہرگز نہیں آپ گناہوں سے بالکل معصوم تھے۔ اور اگر کوئی لغزش اپنے درجہ کے مناسب ہو بھی گئی تو پہلے ہی اگلی پچھلی سب خطائیں معاف ہو جانے کی خوشخبری آ چکی تھی اس لئے آپ میں یہ احتمال کسی طرح بھی نہیں ہو سکتا بس وجہ وہی ہے کہ بیماری میں ذرا انسان پر عجز و انکسار اور آہ کرنا کراہنا غالب ہوتا ہے۔ اور یہ ادا حق تعالیٰ کو پسند ہے اس ادا کے دیکھنے کیلئے مقبولین پر بلا بھیج دیتے ہیں اور کبھی صبر کا امتحان کرنا مقصود ہوتا ہے تو جب یہ بات کہ کلفت کے اسباب مختلف ہیں تو لازمی طور پر آثار بھی مختلف ہوں گے۔ اہل مصیبت یعنی اہل معصیت ذرا سی تکلیف سے زیادہ پریشان ہو جاتے ہیں چنانچہ ایسے ہی لوگ طاعون سے بھاگتے ہیں۔ اگر کوئی شخص طاعون کی جگہ سے آیا ہو اس سے بھی بھاگتے ہیں کہ یہ طاعون کی جگہ سے آیا ہے۔ شاید اس کو شیطان لپٹ رہا ہو اور اس کے پاس جانے سے ہمارے اوپر بھی اثر نہ ہو جائے۔ بھلا اس وہم کا بھی کچھ ٹھکانا ہے بات یہ ہے کہ معاصی کا یہ خاصہ ہے کہ اس سے دل کمزور ہو جاتا ہے۔ اس لئے اہل مصیبت کا دل بہت کمزور ہوتا ہے۔ ایک شخص طاعون سے بھاگ کر ایک گاؤں میں ایک شخص کے مکان پر ٹھہرا اور تھا نمازی آدمی۔ مسجد میں نماز کیلئے جاتا تو اس مسجد میں بعضے پرانے نمازیوں نے نماز کیلئے آنا چھوڑ دیا اس شخص کی کتنی بڑی ذلت ہے تو بات یہ ہے کہ طاعون سے بھاگنے والے کی کسی جگہ جا کر عزت نہیں ہوتی۔ جس میں راز یہ ہے کہ یہ شخص خدا تعالیٰ سے بھاگتا ہے اس پر مجھے یہ شعر یاد آیا کرتا ہے۔

عزیزے کہ از درگہش سر بتافت ☆ بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

جو شخص اللہ تعالیٰ کی درگاہ کو چھوڑ دیتا ہے جس دروازے پر جاتا ہے کچھ عزت نہیں پاتا وہاں سے دھتکارا جاتا ہے۔

حضرات اولیاء اللہ کا اشتیاق موت

اور جو لوگ کہ اپنے گھر میں پڑے رہتے ہیں۔ ان کی آخرت میں تو عزت ہوتی ہی ہے کہ طاعون کی جگہ ایمان اور ثواب کی نیت سے جمے رہنے پر شہادت کا ثواب ملتا ہے۔ چنانچہ احادیث میں اس کی تصریح ہے مگر اس کے علاوہ ان لوگوں کی دنیا میں بھی عزت ہوتی

ہے۔ کہ لوگ ان کو قوی القلب اور مستقل مزاج سمجھتے ہیں۔ بہرحال اہل ذنوب کو پریشانی ہوتی ہے۔ اور جہاں کلفت کا سبب رفع درجات ہوتا ہے وہاں آثار بھی دوسرے ہوتے ہیں کہ نہ وہ پریشان ہوتے ہیں۔ نہ گھبراتے ہیں۔ چاہے ان کے جسم میں تکلیف ہو مگر روح خوش رہتی ہے۔ روح کے لئے ایک عید ہوتی ہے۔ کیونکہ از محبت تلخہا شیریں شود۔ محبت سے تلخیاں بھی شیریں ہو جاتی ہیں۔ اور اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ وہ اس مسرت کو بے ساختہ ظاہر کر دیتے ہیں ورنہ روح کو تکلیف ہونے کی حالت میں مسرت کب ظاہر ہوتی ہے۔ پھر سب سے بڑی مصیبت جس کو ام المصائب۔ تمام مصیبتوں کی ماں یعنی جڑ۔ کہنا چاہیے موت ہے اس پر کوئی راضی نہیں ہوتا چنانچہ اگر کسی سے یہ کہا جائے کہ تمہارے لئے دو صورتیں ہیں تو اسی وقت مرجاؤ یا ایک برس تک بیمار رہو۔ ان دونوں میں سے جس کو چاہو اختیار کر لو تو غالباً ہر شخص اتنی مدت مدید تک مریض رہنے پر راضی ہو جائے گا مگر موت پر ہرگز راضی نہ ہوگا۔ مگر اہل اللہ کی یہ حالت ہے کہ وہ خود موت کے بھی مشتاق رہتے ہیں وہ حضرات یوں کہتے ہیں۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بردم ☆ راحت جاں طلبم وزپے جاناں بردم

یعنی وہ دن بہت خوشی کا ہے جس دن اس دنیائے فانی کو چھوڑ کر محبوب حقیقی کے پاس کوچ کریں۔

نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے ☆ تا در میکدہ شاداں وغزل خوان بردم

ہم نے اس دن کے لئے نذر کی ہے کہ اگر یہ دن نصیب ہو جائے تو در محبوب تک خوش وخرم غزلیں پڑھتے ہوئے جائیں۔

وہ موت کے وقت کے لئے نذریں مانتے ہیں۔ اس پر شاید کوئی یہ شبہ کرے کہ حجرہ میں بیٹھ کر ایسا کہہ دیا ہوگا مگر جب نزع کا وقت آیا ہوگا۔ اس وقت ساری حقیقت معلوم ہوگئی ہوگی۔ اس وقت یہ سب باتیں بھول گئے ہوں گے۔ تو حضرت یہ بات نہیں واقعات سے ان حضرات کی حالت سچی معلوم ہوتی ہے اور یقیناً وہ موت کے وقت بھی ایسے ہی خوش تھے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اسی کی تعلیم کرتے آئے ہیں کہ زندگی ایسی اختیار کرو کہ مرنے کے

وقت سب لوگ تمہاری فرقت میں رو رہے ہوں۔ اور تم وصال خداوندی کے سرور میں ہنس رہے ہو۔ چنانچہ ایک قطعہ اس مضمون کا مجھے یاد آیا فرماتے ہیں۔

یادداری کہ وقت زادن تو ☆ ہمہ خنداں بودند تو گریاں

یعنی پیدائش کے وقت تم تو روتے ہوئے آئے تھے۔ اور اعزا اقارب ہنس رہے تھے۔ خوشیاں منا رہے تھے۔

آنچناں ذی کہ وقت مردن تو ☆ ہمہ گریاں شوند تو خنداں

زندگی ایسی اختیار کرو کہ مرنے کے وقت اور تو سب روئیں اور تم ہنستے ہوئے جاؤ۔ چنانچہ ایسے واقعات بھی ہوئے ہیں کہ بعض اہل اللہ مرنے کے وقت بالکل شاد و خرم نظر آتے ہیں۔ ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ان کے نزع کے وقت سب رو رہے تھے۔ اور ان کی یہ حالت تھی کہ بے ساختہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم ☆ جسم بگذارم سراسر جاں شوم

اب وہ وقت آ گیا ہے میں قید جسم سے آزاد ہو جاؤں گا۔ بدن کو چھوڑ کر سرتا پا روح بن کر وصال حق سے سرفراز ہوں گا۔

تو صاحبو! نزع کے وقت یہ مستی بناوٹ سے نہیں ہو سکتی اگر ہو سکتی۔ تو کوئی کر کے دکھلا دے اور فرماتے تھے۔

چیست توحید آنکہ از غیر خدا ☆ فرد آئی درخلا و در ملا

توحید یہی ہے کہ خلوت اور جلوت میں غیر اللہ کی طرف توجہ نہ رکھو۔

یہ تو آپ نے موت کے وقت کا حال سنا اور اس سے بھی زیادہ سخت وقت موت کے بعد کا ہے کہ وہی وقت ہے مصیبت کا جو کچھ ثواب و عذاب ہوگا موت کے بعد ہی تو ہوگا مگر اہل اللہ کی حالت اس وقت بھی عجیب ہوتی ہے۔ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں وہ اور بھی زیادہ خوش رہتے ہیں۔

حضرت سلطان الاولیاء کے جنازہ کا حال

حضرت سلطان الاولیاء کی حکایت ہے کہ جب ان کا جنازہ چلا تو ان کے ایک

مرید پر حالت طاری تھی کیونکہ شیخ کے انتقال کا صدمہ مریدوں سے زیادہ کس کو ہو سکتا ہے غرض جنازہ جارہا تھا کہ اس مرید نے جنازہ کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا۔

سرو سیمنا بصحرا می روی ☆ سخت بے مہری کہ بے ما میروی

اے محبوب آپ صحرا کو جا رہے ہیں ہم کو چھوڑ کر جانا سخت بے مہری کی بات ہے۔

اے تماشہ گاہ عالم روئے تو ☆ تو کجا بہر کے تماشاے روی

آپ کا چہرہ انور تو خود تماشا عالم ہے۔ آپ کہاں تماشہ کے لئے تشریف لیجا رہے ہیں۔

تاریخ میں لکھا ہے کفن میں سے آپ کا ہاتھ اونچا ہو گیا۔ لوگوں نے کہا کہ کیا غضب کرتے ہو چپ رہو۔ اور اس واقعہ سے کچھ تعجب نہ کرنا چاہیے کیونکہ مرنے کے بعد انسان کو دوسری حیات عطا ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ سب کچھ احساس کر سکتا ہے۔ اور یہ حیات اولیاء میں عوام سے زیادہ ہوتی ہے۔ تو کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ اس حیات کا اثر بطور کرامت کے جسم پر بھی ظاہر ہو جائے مگر یہ کبھی کبھی ہوتا ہے۔ غرض خدا نے ظاہر کر دیا کہ اب یہ لوگ اس قدر مطمئن ہیں کہ ان کو مرنے کے بعد بھی وجد آتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے **الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون**۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ناک واقعہ پڑنے والا ہے نہ وہ مغموم ہوتے ہیں۔

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کی حکایت

تو صاحبو! ان حضرات کو مصیبت کہاں ہوئی جن باتوں کو آپ سمجھتے ہیں ان میں تو ان کو لذت آتی ہے اور ان کی لذت کی یہ حالت ہے کہ ایک بار حضرت شاہ ابوالمعالی کے گھر ان کے پیر تشریف لائے۔ یہ گھر پر موجود نہ تھے۔ گھر والوں نے پیر صاحب کو ٹھہرایا۔ مگر حالت یہ تھی کہ گھر میں کئی وقت سے فاقہ تھا۔ گھر والوں کو بڑی فکر ہوئی کہ پیر صاحب کے لئے تو کچھ کھانا پکانا چاہیے۔ کیونکہ اول تو ہر مہمان کی خاطر کیا ہی کرتے ہیں پھر مہمان بھی کیسا معزز کہ پیر اور پیر بھی کیسا محقق۔ ایسا پیر نہیں جیسے آج کل ہوا کرتے ہیں کہ اکثر مریدان کو لالچی اور بھیک منگا سمجھتے ہیں اور مریدوں کا بھی کیا قصور وہ پیر بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ رامپور کے ایک شخص نے کسی درویش کے ایک مرید سے پوچھا کہ تم کو کچھ فیض بھی

ہوا تو کیا کہتا کہ سقادہ ہی میں نہ ہو تو بدھنے میں کہاں سے آئے۔ غرض وہ ایسے نہ تھے وہ ایسے پیر تھے کہ مریدوں کے دل میں ان کی عظمت تھی مگر مرید کی حالت یہ تھی کہ ان کے گھر کھانے کو بھی نہ تھا نہایت تنگی سے گذرتی تھی جس کو آجکل تباہی اور بربادی سمجھا جاتا ہے۔ مگر اللہ والے اس کو اپنے لئے نعمت اور فخر سمجھتے ہیں اور وہ اسی میں خوش رہتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں آجکل افلاس ہے اس لئے کہ ان کی حالت خراب ہے میں کہتا ہوں صاحبو! افلاس کا ڈر نہیں اصل میں اس خرابی کا سبب بد دینی ہے۔ آپ یورپ کو دولت مند سمجھتے ہیں مگر کیا ان میں سب ہی دولت مند ہیں ہرگز نہیں ان میں بھی کتنے ہی آدمی سردی سے مر جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ کسی قوم کی حالت اچھی ہونے کیلئے یہ ضروری نہیں کہ ان میں ہر شخص دولت مند ہو بلکہ حالت درست ہوتی ہے۔ افعال حسنہ اور اخلاق حمیدہ سے جس قوم میں یہ باتیں ہوں گی اس کی حالت درست ہوگی چاہے وہ کیسی ہی مفلس قوم ہو۔ شاید آپ یہ کہیں کہ اہل یورپ تو کافر ہیں وہ تو دیندار نہیں ہیں پھر ان کی حالت ترقی پر کیوں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ وہ کافر ہیں خدا کے دشمن ہیں اس لئے اگر وہ تھوڑے سے کام بھی اچھے کریں گے تو ان کی حالت دنیوی درست ہو جائے گی۔ ان میں اتفاق اور اتحاد اور قومی ہمدردی بہت زیادہ ہے۔ دوسرے ان میں ہر کام کا ایک انتظام اور قاعدہ ہے اور یہ باتیں فی نفسہ اصلاح حال میں مؤثر ہیں۔ جو اصل میں مسلمانوں کو اختیار کرنا چاہیں تھیں۔ کیونکہ ان کو مذہباً اس کی بہت تاکید کے ساتھ تعلیم کی گئی ہے۔ مگر مسلمانوں نے ان باتوں کو چھوڑ دیا، دوسری قوموں نے ان سے فائدہ اٹھایا مگر یہ یاد رہے کہ مسلمانوں کی حالت صرف اتفاق واتحاد سے درست نہیں ہو سکتی بلکہ ان کو پوری طرح احکام اسلام کی پابندی اور وقعت کرنا لازم ہے۔ کیونکہ یہ حق تعالٰی کے خاص بندے ہیں۔ اگر یہ تھوڑی سی بھی نافرمانی کریں گے تو ان پر غصہ زیادہ ہوگا۔ تو صاحبو! اگر اپنی بھلائی چاہتے ہو تو دینداری اختیار کرو ابھی تو مسلمانوں میں اتنی فلاکت (ناداری)، کسی میں نہیں ہوئی کہ تباہ ہو جائے۔ اور اگر ان میں اتفاق ہو تو ایک ہی امارت سے دس آدمی کھا سکتے ہیں۔ مگر آج ہمدردی تو کیا ہوتی مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ غریبی کو جرم قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ غریبی اور امیری کسی کے اختیار میں نہیں۔ آج ایک شخص

امیر ہے کل کو غریب ہو جاتا ہے۔ چند روز میں حق تعالیٰ اس کو غنی کر دیتے ہیں۔

فراخی اور تنگی کا مدار مشیت الٰہی پر ہے

میں نے ایک شخص کو دیکھا ہے کہ وہ چھ پیسے روز کی کنڈے اٹھانے کی مزدوری کماتے تھے پھر وہ لاکھوں روپے کے آدمی ہو گئے۔ اب بھلا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ تدبیر سے اس درجہ کو پہنچ گئے ہرگز نہیں بلکہ یہ محض مشیت الٰہی کی وجہ سے ہوا۔ میں کہا کرتا ہوں کہ جو لوگ تدبیر پر مرتے ہیں وہ آدمی کو بجائے چھ پیسے روز کے تین آنے روز دیں اور وہ تمام تدبیریں بتلا دیں جن سے بظاہر پہلے شخص کو ترقی ہوئی۔ پھر ہم دیکھیں کہ دوسرا شخص ان تدبیروں سے کتنی ترقی کرتا ہے۔ اگر اس طرح ترقی ہوا کرتی تو ہر شخص دوسرے کی تدبیروں کو دیکھ کر امیر ہو جایا کرتا۔ مگر در حقیقت فراخی اور تنگی کا مدار ان اسباب پر نہیں ہے مشیت الٰہی پر ہے۔ دوسرے کسی قوم میں افلاس اتنا عام نہیں ہوتا کہ سبھی مفلس ہوں۔ بلکہ قاعدہ یہ ہے کہ ہر قوم میں کچھ غنی ہوتے ہیں کچھ مفلس ہوتے ہیں۔ جب یہ بات ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں ہی کی حالت خراب ہے۔ سو بات یہ ہے کہ ان میں افعال حسنہ اور اخلاق حمیدہ کی کمی ہے۔ پس اصل شکایت ان کی بددینی کی ہے۔ تو حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کی حالت یہ تھی کہ ان کے یہاں اکثر فاقہ رہتا تھا اتفاق سے جس دن پیر صاحب آئے اس دن بھی فاقہ تھا۔ ان کی بی بی نے محلہ میں ایک عورت کو بھیجا کہ کہیں سے کچھ آٹا دال قرض مل جائے تو لے آ۔ مگر ایسے غریبوں کو ادھار بھی کون دیتا ہے بے چاری جہاں گئی صاف جواب ملا۔ پیر صاحب نے دیکھا کہ ایک عورت پریشان پھرتی ہے سمجھ گئے کہ شاید میرے کھانے کے واسطے کچھ انتظام کرتی پھرتی ہے۔ ان حضرات کی فراست بڑی غضب کی ہوتی ہے۔ اس لئے حدیث میں ہے **اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله** (سنن الترمذی: ۳۱۲۷، کنز العمال: ۳۰۷۳۰) مومن کی فراست سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ وہ خدا کے نور سے ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ مومن سے مراد متقی ہے تقویٰ سے ایک خاص نور پیدا ہوتا ہے۔ انہوں نے اس عورت سے پوچھا کہ تو پریشان گھبرائی کیوں پھرتی ہے۔ ہر چند کہ اس کو راز ظاہر کرتے ہوئے شرم

آتی تھی۔ مگر چونکہ ایک بزرگ کے گھر میں رہی تھی اس لئے سمجھ گئی۔

نتواں نہفتن درد از طبیباں (طبیبوں سے درد نہیں چھپانا چاہیے)

کہ بزرگوں سے حال کا اخفا کرنا مناسب نہیں اس نے پورا قصہ سنا دیا۔ کہ آج شاہ صاحب کے گھر میں فاقہ ہے۔ محلہ میں سے آٹا دال ادھار منگایا تھا وہاں سے بھی نہ ملا۔ اس کی پریشانی ہے کہ آپ کو کیا کھلا دیں۔ پیر صاحب کو یہ سن کر بڑا رنج ہوا آپ نے ایک روپیہ اپنی جیب میں سے نکال کر دیا کہ اس کا آٹا گیہوں منگا کر کچھ تو اب پکالو باقی کو رکھ دینا پھر کام آئے گا۔ اور قلم دوات منگا کر ایک تعویذ لکھ دیا کہ اس کو اناج میں رکھ دینا حق تعالیٰ برکت دیں گے۔ یہ حضرات تعویذ گنڈوں والے نہیں ہوتے۔ جیسا کہ آجکل اس کو بھی پیری مریدی کے لوازم سے سمجھا جاتا ہے۔ ہاں کبھی کبھی تعویذ کر بھی دیتے ہیں۔ کیونکہ شرعاً اجازت ہے۔ اور اس سے یہ بھی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ کبھی کبھی پیر کو بھی مریدوں کو کچھ دینا چاہیے۔ یہ نہیں کہ ہمیشہ مریدوں ہی سے وصول کیا کریں اور خود کچھ نہ دیں۔ جیسا کہ آجکل مشہور ہے کہ پیر کے یہاں خالی جائے خالی آئے۔ گویا اس کو لازم سمجھتے ہیں کہ جب پیر کے پاس جائے ضرور کچھ ہدیہ ساتھ لے جائے۔ یہ بالکل واہیات ہے بلکہ پیر کو ہمیشہ دینا اس پر ظلم کرنا ہے کیونکہ ہر عادت کا ایک خاصہ ہوتا ہے ہمیشہ دینے کا خاصہ یہ ہے کہ دوسرے آدمی کو اس سے انتظار کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب آپ ہمیشہ لیے جایا کریں گے تو ان کے دل میں حرص پیدا ہوگا۔

اشراف نفس اور ادب شیخ

اور حدیث میں آیا ہے کہ ما اتاک من غیر اشراف فخذہ (جمھرۃ انساب العرب ۱۶۷) کہ جو چیز بغیر انتظار نفس کے آئے اس کو قبول کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو انتظار کے بعد آئے اس کو نہ لینا چاہیے۔ تو آپ ہمیشہ دے دے کر پیروں کے دلوں میں دنیا کا انتظار پیدا کرنا چاہتے ہیں جس کا انجام یہ ہوگا کہ اگر وہ ہمیشہ لے لیا کریں تو ناپسندیدہ چیز کھایا کریں گے۔ اور نہ لیں گے تو آپ کا دل برا ہوگا۔ پس بہتر یہی ہے کہ التزام ہرگز نہ کیا جائے۔ جب بہت شوق کا غلبہ ہو تو لے گئے ورنہ حذف کر دیا بزرگوں کے انتظار سے اپنے کو یہاں تک بچایا ہے کہ بلب گرام میں ایک بزرگ تھے ایک

مرتبہ ان کے یہاں فاقہ تھا ان کے ایک شاگرد اس روز سبق پڑھنے آئے تو شیخ کو بہت مضمحل
دیکھا قرائن سے سمجھ گئے کہ آج ان پر فاقہ ہے۔ اس حالت میں انہوں نے سبق پڑھنا نہ
چاہا اور کسی بہانہ سے سبق ٹالا۔ وہاں سے اٹھ کر وہ اپنے گھر آئے اور ایک سینی میں کھانا لگا کر
شیخ کی خدمت میں لائے۔ شیخ نے فرمایا کہ واقعی تم کھانا ایسے وقت پر لائے کہ مجھ کو حاجت
ہے مگر اس کے قبول کرنے سے ایک امر مانع ہے وہ یہ کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو چیز اشراف
نفس (انتظار نفس) کے بعد آئے اسے قبول نہ کرنا چاہیے۔ اور جب تم میرے پاس سے اٹھ
کر گئے تو مجھے خطرہ ہوا کہ تم میرے واسطے کھانا لاؤ گے۔ تو یہ کھانا انتظار کے بعد آیا ہے اسلئے
میں قبول نہیں کر سکتا۔ اللہ اکبر تقویٰ اس کا نام ہے واقعی ایسی حالت میں حدود شریعت
پر مستقیم رہنا بڑی جوانمردی ہے اور یہاں سے یہ بھی سمجھ لیجئے کہ کشف کیا چیز ہے کیونکہ
صاحب کشف کو مرید سے کچھ دینے سے پہلے ہی کشف کے ذریعہ سے معلوم ہو جائے گا کہ
یہ مجھے کچھ دے گا۔ اور اس علم کا خاصہ ہے کہ انتظار پیدا ہوگا۔ اور انتظار کے بعد قبول
کرنا خلاف سنت ہوگا۔ تو بعض دفعہ یہ کشف بھی پریشان کر دیتا ہے۔ غرض سنت پر عمل یہ
ہے کہ جوان بزرگ نے کر کے دکھلایا نہ یہ کہ۔

زسنت نہ بینی درایشاں اثر ☆ بجز خواب پیشیں فرماں سحر

یعنی بجز رات کے اگلے حصے میں سونے کے سویرے اٹھنے کے حکم کی وجہ سے ان
میں سنت کا کوئی اثر نہ پاؤ گے۔

یہ تو شیخ کا ادب تھا کہ انہوں نے خلاف سنت ہونے کی وجہ سے کھانا قبول نہ کیا
اور اب مرید کا ادب دیکھئے کہ اس نے شیخ پر اصرار نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہہ کر کھانا اٹھا لیا کہ بہت
بہتر ہے میں کھانا واپس لئے جاتا ہوں۔ اب آجکل مرید دونوں طرف سے تکلیف دیتے
ہیں۔ مثلاً پیر کے سامنے کھانا لایا گیا اور انہوں نے کھانے سے انکار کیا۔ مگر پھر بھی اصرار
کئے جاتے ہیں کہ نہیں جناب کھائے۔ ارے بھائی تمہارا کیا بگڑے گا بے بھوک کھانے سے
بھگتنا تو انہیں پڑے گا۔ پس بزرگوں پر اصرار نہ کرنا چاہیے۔ خاص کر ان سے جن سے
عقیدت ہو۔ مگر آج کل تو لوگ مرید نہیں بنتے گرو بنتے ہیں جیسے مولانا گنگوہیؒ فرمایا کرتے

تھے۔ کہ ایک شخص ایک گرو کے پاس گیا کہ مجھے اپنا چیلہ بنالو۔ اس نے کہا چیلہ بننا بڑا مشکل ہے۔ تو وہ کیا کہتا ہے کہ چیلا بننا مشکل ہے تو پھر گرو ہی بنالو۔ بہرحال اس مرید نے اصرار نہیں کیا اور کھانا لے کر چل دیئے۔ شاید آپ کہیں کہ اچھی خشکی تھی۔ بندہ خدا نے کچھ تو کہا ہوتا۔ صاحبو! جو خشکی نہ تھی اس نے تدبیر کی اور ایسی تدبیر کی کہ بڑے بڑے فلسفی کو نہ سوجھے۔ واللہ یہ عقل سلیم بدون صحبت اہل اللہ کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ نہ کسی عالم کو نہ کسی بی اے کو نہ کسی ایل۔ ایل۔ بی کو یہ دوسری بات ہے کہ دنیا والوں کو دنیا کا تجربہ زیادہ ہو سو تجربہ دوسری چیز ہے۔ عقل دوسری چیز ہے یہ عقل سلیم اہل اللہ ہی کو نصیب ہوتی ہے۔

طلباء کی عقلمندی

میرے ہاں ایک طالب علم پڑھتے تھے ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ ثوابت (وہ ستارے جو حرکت نہیں کرتے) غیر موصودہ۔ (وہ ستارے جو قواعد رصد سے نہ معلوم ہوئے ہوں) کتنے ہیں انہوں نے کہا ہم کو خبر نہیں وہ شخص کہنے لگا کہ پھر آپ نے پڑھا کیا ہے وہ طالب علم بولے کہ بہت اچھا آپ نے تو بہت پڑھا ہے۔ بتلایئے سمندر میں مچھلیاں کتنی ہیں۔ طالب علموں کی عقل پر ایک لطیفہ یاد آیا۔

ایک بادشاہ طالب علموں کا معتقد تھا اور وزیر معتقد نہ تھا وہ ان کو حقیر سمجھتا تھا۔ اور بادشاہ کو خیال یہ تھا کہ طالب علم عقلمند بہت ہوتے ہیں ایک مرتبہ بادشاہ اور وزیر دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ ایک طالب علم سامنے سے نکلے پھٹے ہوئے کپڑے برا حال۔ صاحبو! طالب علم کا یہی فخر اور ناز ہے کہ اس کی صورت سے عجز و انکسار و عبدیت ٹپکے یہ طالب علمی نہیں کہ ایسے بنے ٹھنے رہیں کہ صورت سے فرعونیت اور تکبر ظاہر ہو۔ آج یہ حالت ہے کہ طالب علمی کو ذلت سمجھ کر چھپاتے ہیں سو ان کو سن لینا چاہیے۔

یا مکن با پیلباناں دوستی ☆ یا بنا کن خانہ برا انداز پیل

یا تو فیل بانوں سے دوستی مت کرو یا اپنا مکان ہاتھی کے موافق بناؤ۔ یعنی یا تو طلباء کی جماعت میں داخل نہ ہو اگر ہوتے ہو تو ان کا مذاق وطرز اختیار کرو۔

جس جماعت میں آپ داخل ہونا چاہتے ہیں یا تو ان کا مذاق اور طرز اختیار

کیجئے اور اگر آپ اس طرز کو ذلت سمجھتے ہیں تو پھر اس علم کو چھوڑ دیجئے وہ علم اختیار کیجئے جس سے آپ کو فرعون وہامان کی عزت حاصل ہو اور اگر علم دین کا شوق ہے تو پھر ایسے ہی رہو کہ صورت سے معلوم ہو جائے کہ یہ طالب علم ہیں اور جو کوئی تم پر طعن کرے تم سب کے جواب میں کہہ دیا کرو۔

ما گر قلاش و گر دیوانہ ایم ☆ مست آں ساقی وآں پیمانہ ایم

یعنی اگر چہ ہم مفلس و قلاش اور دیوانہ ہیں تو کیا غم ہے یہ کیا کم ہے کہ محبوب حقیقی کی شراب محبت سے مست اور سرشار ہیں۔

اور خوب افتخاراً کہو۔

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں ☆ کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

میں گدائے میکدہ ہوں لیکن مستی کے وقت دیکھو کہ ناز فلک پر اور حکم ستارہ پر کرتا ہوں۔

طالب علمی کا فخر

طالب علمی کا فخر یہی ہے کہ صورت سے معلوم ہو جائے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:
سیما ھم فی وجوھھم من اثر السجود۔ یعنی ان کے آثار تاثیر سجدہ کی وجہ سے ان کے چہروں میں نمایاں ہیں۔

غرض وہ طالب علم جا رہے تھے۔ بادشاہ نے ان کو بلایا تو وہ آ کر بیٹھے اور السلام علیکم کے سوا اور کوئی آداب شاہی ادا نہ کئے۔ بادشاہ نے وزیر سے پوچھا کہ بتلاؤ اس حوض میں کتنے کٹورے پانی آ سکتا ہوگا۔ اس وقت بادشاہ حوض کے کنارہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ وزیر اس سوال سے حیران ہو گیا اور اس کو کچھ جواب نہ بن پڑا۔ اب بادشاہ نے اس طالب علم سے سوال کیا کہ مولانا آپ بتلائیں کہ اس حوض میں کتنے کٹورے پانی آ سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضور پہلے یہ بتلایا جائے کہ وہ کٹورہ کتنا بڑا ہے۔ اگر وہ حوض ہی کے برابر ہے تو ایک کٹورہ پانی آئے گا۔ اور اگر اس سے آدھا ہے تو دو کٹورے اور اگر تہائی ہے تو تین کٹورے اور اگر چوتھائی ہے تو چار۔ غرض اسی طرح جو نسبت کٹورے کو حوض سے ہوگی اسی نسبت سے

کٹوروں کا عدد ہوگا۔ اس جواب کو سن کر بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ میں نہ کہا کرتا تھا کہ طالب علم بہت عقلمند ہوتے ہیں۔ بہرحال عقل جس کا نام ہے وہ اہل اللہ میں زیادہ ہوتی ہے۔ ہاں تجربہ بعض باتوں کا ان کو نہیں ہوتا۔ سو تجربہ تو بہت سی باتوں کا آپ کو بھی نہ ہوگا۔ مثلاً جوتا سینے کا۔ کپڑا بننے کا تجربہ آپ کو بھی نہیں۔ اور ان حضرات کو اخباروں سے دلچسپی نہیں ہوتی اور ان کو اخبار بینی کی فرصت ہی کہاں ہے ان کی حالت تو یہ ہے۔

ماقصہ سکندر ودارانہ خواندہ ایم ☆ ازما بجز حکایت مہرووفا مپرس

یعنی ہم نے سکندر اور دارا کے قصے نہیں پڑھے ہیں ہم سے تو مہرہ وفا کی حکایتیں پوچھو۔

رہا یہ کہ اخبار دیکھنے کی ضرورت تو ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی حالت معلوم ہوتی رہتی ہے تو میں اس کو تسلیم کرتا ہوں مگر اس کیلئے ہم کو اخبار دیکھنے کی ضرورت نہیں کسی نہ کسی ذریعہ سے بات معلوم ہو ہی جاتی ہے۔

استبد لک الایام ماکنت جاھل ☆ ویاتیک بالاخبار من لم تزود

جن واقعات سے تم ناواقف ہو زمانہ خود بخود تم کو ان سے واقف بنادیگا۔
اور تمہارے پاس وہ لوگ خبر لائیں گے جن کے لئے وار کا تم نے کچھ انتظام نہیں کیا ہے۔

ایک اخبار دیکھئے اور ہم سے آکر کہہ دیا کیجئے یہ کیا ضرور ہے کہ ہر شخص اخبار ہی دیکھے تو تجربہ کار ہونا اور بات ہے اور عاقل ہونا اور بات ہے تو وہ طالب علم بہت عاقل تھے انہوں نے جب دیکھا کہ شیخ نے اس کھانے کے قبول کرنے سے ایک شرعی عذر کردیا تو وہ کھانا اٹھا کر چل دیے اور شیخ پر مطلق اصرار نہیں کیا۔ جب ذرا دور نکل گئے اور شیخ کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئے تو پھر واپس ہوئے اور کہا کہ حضرت اب تو قبول کرلیجئے۔ اب تو یہ کھانا مایوسی کے بعد آیا ہے کیونکہ جب میں لے کر چلا تھا اس وقت یقیناً آپ کا دل اس سے خالی ہوگیا ہوگا۔ اس پر شیخ بہت مسرور ہوئے اور طالب علم کی اس فہم پر اس کو دعا دی اور فرمایا واقعی اب کوئی عذر نہیں ہے تو اہل اللہ کی احتیاط کی یہ حالت ہوتی ہے۔

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ صاحب کا فقر اختیاری

میں شاہ ابوالمعالیؒ صاحب کا قصہ بیان کررہا تھا۔ بیچ میں اور باتیں آگئیں۔ جب

ان کے پیر صاحب تعویذ دے کر چلے گئے اور شاہ صاحب سفر سے واپس ہوئے تو انہوں نے کئی دن تک دیکھا کہ گھر میں فاقہ نہیں ہوا۔ بڑے پریشان ہوئے کہ آخر بات کیا ہے ۔فاقہ کیوں نہیں ہوتا۔اے لیجئے لوگ ان پر رحم کرتے ہیں کہ ہائے فلاں بزرگ کے یہاں فاقہ ہے مگر خود ان کی حالت یہ ہے کہ فاقہ نہ ہونے پر پریشان ہوتے ہیں۔ رحم پر مجھے حضرت حاجی صاحب کا واقعہ یاد آیا کہ مولوی منور علی صاحب آپ کے خادم تھے ان کو ایک حاجی صاحب نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میرا مال اہل حاجت غرباء کو تقسیم کر دینا۔انہوں نے مستحقین کی ایک فہرست تیار کی اور مشورہ کے لئے حضرت کو دکھائی۔ حضرت نے پوچھا کہ اس میں فلاں فلاں کا نام نہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت وہ چالاکی ہوشیاری سے کما لیتے ہیں میں نے ایسوں کے نام لکھے ہیں جو محض اہل توکل ہیں۔ حضرت نے فرمایا واہ صاحب تم نے خوب سمجھا۔ دیکھو چیز دیتے ہیں قدر دان کو اور تم نے ایسوں کا نام لکھا ہے جن کو ہفت اقلیم کی بھی قدر اور پرواہ نہیں اور جو لوگ محب دنیا ہیں اور اس کے قدر دان ہیں ان کا نام ہی نہیں۔ دوسرے ان کو تو اللہ میاں نے بھی ذمہ داری لے رکھی ہے۔ کیونکہ وہ متوکل ہیں اور متوکلین کے لئے وعدہ ہے۔**ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ**، جو خدا پر توکل کرتا ہے خدا اس کے لئے کافی ہے اور ان حریصوں کی یہ خاص قسم کی ذمہ داری نہیں گو بالمعنی الاعم ان کی بھی ہے۔ **ومامن دابۃ فی الارض الاعلی اللہ رزقھا**۔یعنی کوئی جاندار اور روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو۔ ان کو تم نے بھی محروم رکھا۔ حضرت حاجی صاحب کے یہاں علاوہ باطنی برکات کے ہر وقت زبان سے بھی گوہر نثار ہوتے رہتے تھے۔ تو یہ قصہ مجھے اس وقت یاد آ گیا کہ لوگ اہل اللہ کے فاقوں پر رحم کرتے ہیں ان پر رحم کرنے کی آپ کو ضرورت نہیں۔ رحم تو ان پر کرو جن پر حضرت حاجی صاحبؒ نے رحم کیا باقی اہل اللہ تو اس تکلیف پر ایسے راضی ہیں کہ جب شاہ ابوالمعالیؒ صاحب کے یہاں فاقہ نہ ہوا تو آپ نے گھر والوں سے پوچھا کہ ارے بھائی کیا بات ہے کئی دن سے فاقہ نہیں ہوا بیوی صاحبہ نے سارا قصہ بیان کیا کہ آپ کے پیر صاحب تشریف لائے تھے۔ اور ایک روپیہ غلہ کے واسطے اور ایک تعویذ غلہ میں رکھنے

کے واسطے دے گئے ہیں۔اس کی برکت سے فاقہ نہیں ہوا یہ واقعہ سن کر شاہ صاحب بڑے پریشان ہوئے کہ اگر تعویذ رہنے دیتا ہوں تو میرا مذاق بگڑتا ہے اور اگر نکالتا ہوں تو سخت بے ادبی ہے پیر کے عطیہ سے اعراض ہے۔اب بتلایئے عقلا ایسے موقع پر کیا کرتے۔مگر حدود کی نگہداشت انہی حضرات کا کام ہے۔یہ ہر چیز کا پورا حق ادا کرتے ہیں۔آپ نے فرمایا کہ حضرت شیخ کے تعویذ کے لئے ہمارا سر مستحق ہے۔غلہ میں اس کا رکھنا بے ادبی ہے۔لاؤ ہم اس کو اپنے سر پر باندھیں گے۔چنانچہ تعویذ کو تو سر پر رکھا اور باقی عطیہ غربا میں تقسیم کر دیا۔بس پھر کیا تھا وہی حالت ہوگئی جو پہلے تھی کہ آج کھانے کو ہے تو کل فاقہ ہے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ہمارا فقر اختیاری ہے اضطراری نہیں ہے۔ہم تو سنت سمجھ کر اس حالت کو اختیار کرتے ہیں کیونکہ ہمارے محبوب کا یہی طرز تھا۔

باطنی دولت سے ظاہری مصیبت بڑی نعمت معلوم ہوتی ہے

صاحبو! ان حضرات کا تو یہ حال ہے کہ جس غربت اور افلاس کو آپ تباہی اور بربادی کہتے ہیں۔وہ اسکو سنت سمجھ کر خوشی سے اختیار کرتے ہیں۔اور اس پر نازاں ہیں۔بتلایئے کبھی آپ نے بھی اس سنت پر عمل کیا ہے کبھی سنت سمجھ کر فاقہ بھی کیا ہے۔ایسے آدمی اب مسلمانوں میں کہاں ہیں ہاں کبھی طبیعت کے کہنے سے تو فاقہ کر لیا ہوگا۔مگر سنت سمجھ کر کبھی فاقہ نہ کیا ہوگا۔تو ان حضرات پر اگر مصیبت آئے گی تو یہ کوئی مصیبت ہے۔ہرگز نہیں۔ہاں مصیبت کی صورت ہے۔حقیقت میں وہ ہرگز مصیبت نہیں میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص مٹھائی کا کریلا بنا دے اور اس کے متعلق دو شخصوں میں اختلاف ہو۔ایک تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ کریلا ہے اور دوسرا یہ سمجھتا ہے کہ یہ مٹھائی ہے۔اب دوسرے نے اس کو توڑ کر کھانا شروع کر دیا۔تو کیا آپ یہ کہیں گے کہ یہ کریلا کھا رہا ہے ہرگز نہیں درحقیقت وہ مٹھائی کھا رہا ہے۔ہاں صورت کریلے کی ہے۔جس سے نادان کو شبہ ہوتا ہے کہ اس کا منہ کڑوا ہو گیا ہوگا۔مگر اس کھانے والے سے کوئی اس کے مزہ کو پوچھے۔بس یہی مثال اہل اللہ کی مصیبت اور عوام کی ہے اہل اللہ پر جو مصیبت آتی ہے وہ کریلے کی صورت میں مٹھائی ہے جس سے ان کو لذت حاصل ہوئی ہے۔اور عوام کی مصیبت حقیقت میں کریلا ہے جس سے

ان کو تلخی اور پریشانی حاصل ہوتی ہے۔ میں نے اس مثال میں اس باریک مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا۔ آپ رات دن دیکھتے ہیں کہ مٹھائی کے کھلونے اور مختلف پھل بنائے جاتے ہیں۔ مگر وہ محض صورت ہی صورت ہوتی ہے حقیقت میں وہ خالص شکر ہے۔

میں نے سنا ہے کہ محمود آباد میں ایک باورچی نے مٹھائی کا انار بنایا تھا جو ڈیڑھ سو روپے میں تیار ہوا تھا۔ جسکے اندر جھلی اور دانوں میں سرخ شربت تھا۔ اور یہ تو میرے سامنے کا واقعہ ہے کہ ایک دعوت میں باورچیوں نے مٹھائی کا پان بنایا تھا۔

تو کسی شخص نے اگر ایسا ہی کریلا بنایا اور ایک شخص اس کو کھانے لگے اور دوسرا اس پر رحم کرنے لگے تو یہ اس کی حماقت ہے یا نہیں۔ یقیناً حماقت ہے تو جس طرح کریلے کی دو قسمیں ہیں اسی طرح مصیبت کی بھی دو قسمیں ہیں ایک صورۃً ایک حقیقتاً اور نعمت کی بھی دو قسمیں ہیں ایک صورۃً اور ایک حقیقۃً۔ کفار کو جو دولت دنیوی اور عیش و آرام دیا گیا ہے یہ ظاہری نعمت ہے۔ حقیقت میں یہ سب وبال جان ہے اور مسلمانوں کو جو مصیبت پیش آتی ہے وہ ظاہری مصیبت ہے حقیقت میں وہ بڑی نعمت ہے۔ صاحبو! اس کو وہ سمجھے گا جو اس مزہ کو پہلے چکھ چکا ہو اور جس نے باطنی دولت کا مزہ نہیں چکھا وہ اس کو نہیں سمجھ سکتا۔

پرسید یکے کہ عاشقی چیست ☆ گفتم چو ماشوی بدانی

ایک شخص نے دریافت کیا کہ عاشقی کس کو کہتے ہیں۔ میں نے جواب دیا جب تم ہماری طرح عشق میں مبتلا ہو جاؤ گے تب خود بخود تم کو اس کا علم ہو جائے گا۔

کیا آپ نے ختنہ کے وقت یا فصد کراتے وقت بچوں کو روتے ہوئے نہیں دیکھا۔ بچہ کے دل سے پوچھئے وہ اس کو کیا سمجھتا ہے۔ وہ تو اس کو سخت مصیبت کہے گا مگر آپ کے نزدیک وہ مصیبت نہیں راحت ہے۔

طفل مے لرزد زنیش احتجام ☆ مادر مشفق ازاں غم شاد کام

یعنی بچہ نشتر لگنے سے لرزتا ہے مادر مشفق اس سے خوش خرم ہوتی ہے۔

کیا کبھی آپ نے اپنے یا اپنے کسی عزیز کے نشتر نہیں دلوایا۔ اور کیا پھر نشتر دینے والے کو انعام نہیں دیا۔ ضرور دیا ہے تو کیا نشتر دینے کے وقت کی تکلیف دیکھ کر کوئی کہہ سکتا

ہے کہ اس نے انعام کا کام نہیں کیا۔ ہرگز نہیں۔ آپ کا دل جانتا ہے کہ اس نے بڑا احسان کیا اور بہت راحت پہنچائی کہ آئندہ کی تکلیف سے نجات دیدی۔ اگر نشتر دیتے وقت آپ کے آنسو بھی نکلے ہوں گے تب بھی دل اندر سے راضی ہوگا۔ معلوم ہوا کہ بعض مصائب ایسے بھی ہیں جو صورت میں مصیبت ہیں اور حقیقت میں راحت معلوم ہوتی ہیں۔ پس اہل اللہ کے مصائب کو بھی ایسا ہی سمجھئے وہ خوب جانتے ہیں کہ ان تکالیف کی وجہ سے ہماری آخرت درست ہو رہی ہے۔ جتنی ہم کو یہاں کلفت ہوتی ہے۔ اسی قدر عذاب جہنم سے ہم کو نجات نصیب ہوتی ہے تو وہ ان تکالیف کو بالکل ویسا ہی سمجھتے ہیں جیسا کہ آپ نشتر کی تکلیف کو سمجھتے ہیں۔ آپ نشتر کی کلفت پر دل سے راضی ہیں وہ فقر و فاقہ طاعون وغیرہ کی تکلیف پر دل سے راضی ہیں۔ اب یہ شبہ زائل ہو گیا کہ انبیاء و اولیاء تو گناہوں سے معصوم اور محفوظ ہوتے ہیں ان پر یہ مصیبتیں کیوں آتی ہیں۔ معلوم ہو گیا کہ ان حضرات پر واقع میں مصیبت ہی نہیں اور واقع میں مصیبت ہے وہ بد اعمالیوں ہی سے آتی ہے افسوس آجکل مسلمان یا تو اس کے معتقد ہی نہیں بلکہ بعض لوگ تو اس کو سن کر تمسخر کرتے ہیں۔ اور اگر معتقد بھی ہیں تو اضافت میں غلطی کرتے ہیں۔ یعنی اپنی بداعمالیوں کو ان مصائب کا سبب کوئی نہیں سمجھتا۔ زید تو عمرو کے گناہوں کو اس کا سبب بتلاتا ہے اور عمر زید کے گناہوں کو ہر شخص کے پاس عیوب کے دو تھیلے ہیں۔ ایک آگے لٹکا ہوا ہے ایک پیچھے۔ دوسروں کے عیوب ہر شخص کے پیش نظر ہیں اور اپنے عیوب کو ہر شخص پس پشت ڈالے ہوئے ہے۔ حالانکہ ہم کو چاہیے کہ سب سے پہلے اپنے عیوب پر نظر کریں کیونکہ اپنے عیوب سب یقینی ہیں جن کو ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے اور دوسروں کے عیوب اکثر بدگمانی اور ظن و تخمین کا نتیجہ ہیں۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کی تواضع

پہلے حضرات کی یہ حالت تھی۔ کہ ایک بار حضرت ذوالنون مصریؒ سے لوگوں نے کہا کہ دعا فرمایئے کہ بارش ہو قحط کی وجہ سے سب لوگ پریشان ہیں آپ نے فرمایا کہ جب تک موانع مرتفع نہ ہوں اس وقت تک بارش نہیں ہو سکتی۔ اور بارش کے مانع ذوالنون مصریؒ کے گناہ ہیں۔ تو مجھے پہلے شہر سے نکال دو جب بارش ہوگی لوگ یہ سن کر رونے لگے۔ آپ کو

شہر سے کون نکالتا۔ آخر آپ کو خود ہی بھاگ گئے ۔ خدا کی شان آپ کے بھاگنے کے بعد بارش ہوگئی۔ حضرات یہ موقع ہے امتحان کا۔ ذوالنون مصریؒ کے بھاگنے کے بعد بارش ہوجانے کو بہت ہی کم لوگوں نے تو سمجھا ہوگا کہ آپ کی اس تواضع کی برکت سے ہوئی اور بعضے ایسے بھدے لوگ بھی ہوں گے کہ سچ مچ حضرت ذوالنون مصریؒ کے گناہوں کو بارش نہ ہونے کا سبب سمجھے ہوں گے۔ کہ دیکھو واقعی جب تک یہ شہر میں رہے بارش نہ ہوئی جب یہ نکل گئے فوراً بارش ہوگئی معلوم ہوا کہ یہی بارش سے مانع تھے اور ایسے بھولے لوگ ہر زمانہ میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ اب بھی ایسے لوگ بہت سے ہیں۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کی تواضع

ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے اپنی نسبت فرمایا۔ واللہ میں کچھ نہیں ہوں مجھے کچھ نہیں آتا۔ جو لوگ میرے معتقد ہیں وہ محض حسن ظن سے معتقد ہیں سو بعضے بھدے لوگ اس سے یہ سمجھنے لگے کہ جب مولانا قسم کھا رہے ہیں تو سچ مچ ان کو کچھ نہ آتا ہوگا۔ غضب یہ کہ حضرت کے ایک معتقد کو شبہ ہوگیا کہ حضرت نے اس بات پر قسم کیسے کھائی۔ اب یا تو حضرت کی قسم جھوٹی یا ہمارا اعتقاد ہی جھوٹا ہے۔ میں نے کہا کہ بندہ خدا کمالات دو قسم کے ہیں ایک موجودہ ایک آئندہ۔ حضرت کی نظر کمالات آئندہ پر ہے۔ جن کے سامنے وہ کمالات موجودہ کو کوئی چیز نہیں سمجھتے اس لیے ان کی قسم صحیح ہے۔ کیونکہ عارفین جس قدر ترقی کرتے جاتے ہیں وہ اپنی پہلی حالت اور گزشتہ مقامات سے توبہ کرتے جاتے ہیں مثلاً آج ہم کو خدا تعالیٰ کی جس قدر معرفت حاصل ہے جب اس سے آگے ہم کو ترقی ہوگی تو ہم سمجھیں گے کہ اب تک ہم خدا تعالیٰ کی نسبت ناقص اعتقاد کئے ہوئے تھے۔ جب یہ حالت ہے تو عارفین کا آئندہ کمالات کے اعتبار سے موجودہ کمالات کی نفی کر دینا بالکل سچا ہے۔ اور ہمارا اعتقاد حضرت کے موجودہ کمالات پر ہے جو ان کی نظر میں چاہے کمالات نہ ہوں۔ مگر ہم تو ان کو یقیناً کمالات سمجھے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کی قسم بھی صحیح اور ہمارا اعتقاد بھی سچا، تو ہماری ایک غلطی تو یہ ہے کہ گناہوں کو مصائب کا سبب ہی نہیں سمجھتے اور اگر سمجھتے بھی ہیں۔ تو دوسروں کے گناہوں کو سبب سمجھتے ہیں اپنے گناہوں کو سبب نہیں سمجھتے۔ اسی لئے کسی

کو اپنی اصلاح کی فکر نہیں ہوتی بلکہ ایسے وقت میں دوسروں کے عیوب بیان کرتے ہیں۔ کہ میاں طاعون کیوں نہ آئے قحط کیوں کر نہ پڑے۔ فلاں شخص اپنی بہو پر بدنگاہی کرتا ہے۔ فلاں شخص غریبوں کی زمین دباتا ہے اور منشاء اس کا یہ ہے کہ ہم کو اپنے عیوب پر نظر نہیں ورنہ دوسروں کے عیوب پر نظر کرنے کی فرصت ہی نہ ہوتی۔ اور سب بلاؤں کا سبب اپنے ہی گناہوں کو سمجھتے تو ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے عیوب پر نظر کریں۔ جب ہر شخص اپنے عیوب پر نظر کر کے ان کی اصلاح کی فکر کرے گا۔ اس وقت سب بلائیں خود بخود جاتی رہیں گی۔ اور اگر پھر بھی آئیں گی تو اس وقت وہ مصیبت ہو کر نہ آئیں گی۔ بلکہ ان سے لذت اور راحت ہی پہنچے گی۔ گو جسم کو تکلیف ہو یہ ساری تقریر اس پر ہوئی کہ میں کہہ رہا تھا کہ جب ہم نے اپنے اندر بخل نہ دیکھا تو اپنے کو بے عیب سمجھنے لگے اور یہ نہ دیکھا کہ ہمارے اندر بخل نہیں ہے تو اسراف تو ہے۔ مگر اسراف کو ہم عیب ہی نہیں سمجھتے اس لئے اس پر نظر کیوں کر ہو اور بات وہی ہے کہ بخیل کو سب ذلیل سمجھتے ہیں۔ اور مسرف (فضول خرچی کرنے والے) کو کوئی ذلیل نہیں سمجھتا کیونکہ دیکھتے ہیں کہ خوب خرچ کر رہا ہے۔ یار دوستوں کو کھلا رہا ہے تو معلوم ہوا کہ اچھے برے کا معیار ہمارے نزدیک طبیعت ہو گئی ہے۔ شریعت کو معیار قرار نہیں دیتے تو طبعی امر یہ ہے کہ اسراف سے چونکہ دوسروں کو نفع پہنچتا ہے۔ اس لئے اس کو ذلیل نہیں سمجھا جاتا۔ مگر شریعت میں بخل اور اسراف دونوں مذموم ہیں۔ بلکہ اسراف زیادہ مذموم ہے کیونکہ وہ زیادہ مضر ہے تو یوں سمجھئے کہ گناہ فی نفسہ سب برابر ہیں۔ مگر کوئی زیادہ برا ہے کوئی محض برا ہے۔ اور وجہ تفاوت اس کے آثار ہیں۔ جس گناہ میں مفاسد زیادہ ہوں وہ زیادہ برا ہو گا۔ اور یہ علم بہت وسیع ہے مگر اہل علم دو چار نظیروں کو دیکھ کر سمجھ جاتے ہیں مثلاً قتل ہے اور غیبت۔ تو قتل غیبت سے زیادہ سخت ہے کیونکہ اس کے آثار زیادہ سخت ہیں۔

اسراف بخل سے زیادہ برا ہے

اب غور کیجئے کہ مفاسد اسراف کے زیادہ ہیں یا بخل کے سوا ایک مدت تک میں بھی اس غلطی میں رہا کہ میں بھی بخل کو اسراف سے زیادہ برا سمجھتا تھا۔ مگر اس وقت تک آثار پر میری نظر نہیں تھی۔ مگر جب آثار کو دیکھا۔ تو معلوم ہوا کہ اسراف زیادہ برا ہے۔ بخل.

میں تو صرف یہی ہے کہ دوسرے کو نفع نہیں پہنچتا۔ پس یہی ایک خرابی ہے مگر یہ کوئی زیادہ نقصان نہیں جیسے کہ تجارت میں۔ اگر نفع نہ ہو تو یہ ٹوٹا نہیں ہے۔ تو بخیل آدمی صدقہ خیرات کے ثواب سے محروم رہتا ہے۔ مگر اس سے دوسروں کو تکلیف اور نقصان نہیں پہنچتا۔ بلکہ بخیل آدمی کو دیکھا ہے کہ وہ اکثر خوشامدیں لوگوں کی بہت کیا کرتا ہے۔ اور خوشامد کر کے کام نکالتا ہے۔ تا کہ روپیہ خرچ نہ ہو جائے۔ تو بخیل آدمی اول تو خوشامدی بہت ہوتا ہے تو کسی کو ستاوے گا کیا دوسرے خرچ کے ڈر کے مارے وہ کسی پر ظلم بھی نہیں کرتا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ نالش کرے۔ پھر خواہ مخواہ روپیہ خرچ کرنا پڑے۔ تو بخیل کے ہاتھ سے ظلم بہت کم ہوتا ہے اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچتا۔ مگر شریعت نے بخل کو اس لئے جرم قرار دیا ہے کہ اس سے کسی کو نفع بھی نہیں پہنچتا۔ اور مسرف سے لوگوں کو نقصان بہت پہنچتا ہے۔ کیونکہ آج جو یہ لوگوں کو دے رہا ہے آخر یہ آتا ہے کہاں سے۔ ظاہر ہے کہ قارون کا خزانہ تو ہے نہیں یقیناً ایک دن روپیہ ختم ہو جائے گا۔ پھر یہ لوگوں سے قرض لے گا۔ دوسروں کی امانتیں خرچ کرے گا۔ کسی کی چیز مانگ کر بازار میں رہن رکھے گا اور روپیہ اپنے خرچ میں لائے گا۔

اسراف کا انجام

کانپور میں ایک صاحبزادے تھے۔ جو اپنے باپ کی وفات کے بعد ایک بہت بڑے مال کے وارث ہوئے اور بے دردی سے اس کو اڑانا شروع کیا۔ ان کے باپ کے وقت کے ایک رفیق آئے اور ان کو نصیحت کی کہ صاحبزادے اس طرح فضول خرچی مناسب نہیں بعد میں پچھتاؤ گے۔ تو وہ اٹھ کر طاق میں سے ایک لنگوٹی اٹھالائے کہ بہت سے بہت یہ انجام ہوا کہ مجھے لنگوٹی باندھنی پڑے گی۔ سو میں اس پر پہلے سے آمادہ ہوں آخر یہی ہوا کہ اسراف کی بدولت وہ بالکل خالی ہاتھ رہ گئے اور اس وقت پچھتانا پڑا۔ اور وہ ساری بہادری خاک میں مل گئی کہ میں لنگوٹی باندھنے پر راضی ہوں۔ کیونکہ کہہ دینے اور کرنے میں بڑا فرق ہے۔ تو اسراف کا یہ انجام ہوتا ہے کہ وہ لوگوں سے جھوٹ سچ ملا کر باتیں بنا کر روپے لیتا ہے۔

چنانچہ میں نے اسی سفر میں ایک بزرگ زادے کو دیکھا کہ کسی سے اس نے دس روپے قرض لئے کسی سے بیس روپے لئے اور سب ہضم۔ اب ان کے گھر پر لوگوں کے خطوط

آرہے ہیں۔ کسی کی امانت تھی وہ اڑادی پھر جھوٹ بہت بولتے ہیں۔ کہ فلاں جگہ سے آجکل میں روپے آنے والا ہے۔ اور بے غیرت ایسے ہو جاتے ہیں کہ قرض خواہوں کے تقاضہ سے شرماتے نہیں۔ ایک مقروض رئیس کہتے تھے کہ ذرا اس تقاضے سے رونق ہوتی ہے۔ آج دس آدمی مانگ رہے ہیں۔ کل پانچ آدمی سر ہو رہے ہیں۔ استغفر اللہ وہ اس کو رونق سمجھتے تھے۔ حالانکہ شریف آدمی کیلئے تو سخت مصیبت کا سامنا ہے۔ پھر مسرف آدمی سے لوگوں کو وحشت ہوتی ہے۔ اور جو کچھ رعب وداب ہے۔ یہ سب خوف کی وجہ سے ہیبت ہے ورنہ وہ سب کی آنکھوں میں خار ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایسا شخص لوگوں کو بہت تکلیف دیتا ہے۔ قلب کو دکھاتا ہے اب اگر کوئی کہے کہ اس سے نفع بھی تو ہوتا ہے کہ دس پانچ آدمیوں کو دیتا دلاتا ہے۔ تو سمجھو کہ شریعت کا قاعدہ ہے کہ اگر کسی کام میں ایک ضرر ہو اور پچاس مصالح ہوں تو وہ بھی حرام ہے۔ اور اسراف میں تو مفاسد زیادہ ہیں مصلحت بس ایک ہی ہے کہ دو چار کو دعوت کر کے کھلا پلا دیا۔ وقت نہیں ہے ورنہ میں اس قاعدہ کو مبسوط بیان کرتا۔ مگر مختصراً اتنا سمجھئے کہ جس امر میں ایک مفسدہ ہو اور پچاس مصالح ہوں شریعت نے اس ایک مفسدہ کی رعایت سے تمام مصالح کو نظر انداز کیا ہے۔ اور بہت دور تک شریعت نے اس قاعدہ کو نبھایا ہے۔ مثلاً ایک کافر لڑائی میں مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا چکا ہے۔ اور مسلمانوں کا سخت دشمن ہو۔ سینکڑوں آدمیوں کو اس نے قتل کیا ہو پھر بہزار دقت مسلمانوں نے اس پر قابو پایا ہو مگر عین تلوار اٹھانے کے وقت وہ لا الہ الا اللہ کہہ لے تو حکم ہے کہ تلوار روک لو حالانکہ بظاہر اس وقت اس کا کلمہ پڑھنا محض جان بچانے کے لئے ہے۔ اور اس کا قتل کر دینا ہی مصلحت معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے چھوڑ دینے میں اندیشہ ہے کہ وہ اس وقت جان بچا کر پھر مسلمانوں کے مقابلہ میں اسی طرح آئے گا۔ جس طرح پہلے آچکا ہے مگر جہاں اس کے قتل میں مصالح ہیں اسی کے ساتھ اس میں مفسدہ بھی بہت بڑا ہے۔ وہ یہ کہ ایک محتمل شخص کو قتل کرنا لازم آتا ہے کیونکہ جیسے یہ احتمال ہے کہ اس نے تقیہ سے کلمہ پڑھا ہو یہ بھی احتمال ہے کہ وہ سچ مچ ہو گیا ہو تو محتمل شخص کو قتل کرنا حرام قرار دیا گیا۔ کیونکہ علاوہ مواخذہ آخرت وہتک حرمت

مسلم کے اس میں شریعت کی بدنامی ہے کہ مسلمانوں کو بھی قتل کیا جاتا ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں
کہ اگر اس شخص کو قتل کرنے میں لاکھوں مصالح ہوں اور خرابی صرف اتنی ہو کہ ایک محتمل شخص
کو قتل کرنا اندیشہ ہے تو اس صورت میں بھی قتل کرنا یقیناً حرام ہے۔ یہ ہے شریعت کا قانون
کوئی دوسری اقوام میں ہم کو ایسا قانون دکھلا سکتا ہے کہ ایک شخص پر قرائن سے یقین ہے کہ
یہ دشمن ہے مگر اس کو قتل نہ کر سکتے ہوں۔ سو بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو ظاہر کے اعتبار کا حکم
ہے۔ کسی کے باطن پر ان کو حکم لگانے کی اجازت نہیں جب ایک شخص ظاہر میں اسلام لے آیا
ہے تو چاہے باطن میں وہ اسلام کا کیسا ہی دشمن ہو مسلمانوں کو حکم ہے کہ اس کو مسلمان سمجھیں
اور اس کی عداوت کا حال خدا کے حوالے کریں اور اسی وجہ سے مسلمان بہت بھولے ہوتے
ہیں اور دوسروں کو بھی سچا سمجھتے ہیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ تم بھولے ہی رہو لیکن دیندار ہو جاؤ۔
اس دینداری سے بڑے بڑے لوگوں پر اثر ہو جاتا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا ایفاء عہد

حضرت عمر فاروقؓ کے پاس فارس کا ایک شہزادہ آیا آپؓ نے اس پر اسلام پیش
کیا اس نے انکار کیا آپ نے اسکے قتل کا حکم دیا وہ کہنے لگا کہ امیر المومنین آپ مجھے قتل
تو کریں ہی گے لیکن اس سے پہلے میری ایک درخواست پوری کر دیجئے وہ یہ کہ مجھ کو پانی
پلا دیجئے میں پیاسا ہوں۔ آپ نے حکم دیا کہ اس کو پانی پلا دیا جائے۔ جب پانی اس کے
پاس آیا تو وہ کہنے لگا کہ امیر المومنین اس کا وعدہ فرمالیں کہ جب تک میں یہ پانی نہ پی چکوں
اس وقت تک مجھے قتل نہ کیا جائے گا۔ تا کہ پینے کے درمیان میں مجھ کو کوئی قتل نہ کر دے۔
حضرت عمر فاروقؓ نے وعدہ فرمالیا۔ اس نے وہ پانی زمین پر گرا دیا اور کہا لیجئے آپ مجھ کو قتل
کیجئے۔ آپ مجھے قتل ہی نہیں کر سکتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا قد خدعنی الرجل کہ مجھے اس شخص
نے بڑا دھوکہ دیا۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ اس کو قید سے رہا کر دیا جائے۔ حضرات ہے کہیں
ایسا قانون جو ایک قیدی کے مقابلہ میں سلطان وقت کو عاجز کر دے کہ اب وہ اس کا کچھ نہیں
بگاڑ سکتا۔ مگر اس کا یہ اثر ہوا کہ اس شہزادے نے تھوڑی دیر کے بعد کہا اشھد ان لاالہ الا
اللہ محمد رسول اللہ ﷺ میں گواہی دیتا ہوں کہ بجز اللہ کے کوئی معبود نہیں اور محمد

ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور کہنے لگا امیر المومنین اسلام میرے دل میں پہلے ہی آ چکا تھا۔ مگر اس وقت اگر میں اسلام لاتا تو آپ یہ سمجھتے کہ تلوار کے خوف سے اسلام لایا ہے۔ اس واسطے میں نے یہ تدبیر کی کہ پہلے آپ کو اپنے قتل سے میں نے عاجز کر دیا۔ پھر اسلام ظاہر کیا۔ حضرت عمرؓ کو اس بات کی بڑی قدر ہوئی اور ان سے ہمیشہ امور سلطنت میں مشورہ کیا کرتے تھے۔

بہر حال یہ بات ٹھہری ہوئی ہے کہ جن کاموں میں مصلحت ہو اور مفسدہ بھی ہو وہ حرام ہے۔ اب سمجھئے کہ اسراف میں جو شبہ ہوتا ہے اس سے لوگوں کو نفع بھی پہنچتا ہے تو شریعت اس کے مفاسد پر نظر کر کے اس کو حرام کہتی ہے اور یقیناً اسراف میں مفاسد بہت ہیں اور یہ وہ قانون ہے جس پر تمام اہل تمدن بالا جماع عمل کرتے ہیں۔ اگر ایک شخص رات کو ڈکیتی کر کے صبح کے وقت سب مال غرباء کو دیدے تو کیا یہ شخص ڈکیتی کے جرم سے بری ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ تو یہ بات ثابت ہو گئی کہ اسراف بخل سے زیادہ برا ہے۔ دوسرے ان دونوں میں ایک اور باریک فرق ہے جس سے یہ بات زیادہ واضح ہو جائے گی کہ اسرف بخل سے زیادہ اشد ہے وہ یہ کہ بخل میں یہ احتمال نہیں ہے کہ وہ شخص اپنے دین کو چھوڑ دے۔ اور اسراف میں یہ اثر ہم کو معلوم ہوا ہے بلکہ بخیل اکثر بہت دیندار ہوتا ہے۔ نمازیں بہت پڑھتا ہے اور مال کی حفاظت کے لئے راتوں کو تہجد بھی پڑھتا ہے اور روٹی کی کفایت کیلئے روزے بھی بہت رکھتا ہے۔ افطار میں مسجد کی گھونگنیوں سے پیٹ بھر لیتا ہے۔ سحری میں تھوڑا بہت کھا کر دودھ کی جگہ پانی بہت سا پی لیا۔ اور اپنے مال کو بچا لیا غرض بخیلوں کو اکثر دیندار اور نمازی ہی دیکھا گیا ہے۔ دوسرے بخیل کا دل مستغنی ہوتا ہے اس کو روپے کا نشہ ہر وقت سوار رہتا ہے۔

دو چیزیں مقوی قلب ہیں

میں کہتا ہوں کہ دو چیزیں بہت مقوی قلب ہیں ایک بچوں کو دیکھنا کہ ان کی طفلانہ حرکتوں سے دل کو فرحت ہوتی ہے۔ دوسرے چاندی سونے کا مالک ہونا۔ اطبا مقویات اور مفرحات میں ان دونوں کا ذکر کرنا بھول گئے۔ مشہور ہے کہ سو روپے میں ایک بوتل کا نشہ ہوتا ہے۔ غرض بخیل اس تصور سے ہر دم خوش رہتا ہے کہ میرے پاس اتنے ہزار

روپے ہیں۔ اتنی جائیداد ہے تو اسکا دل مستغنی ہوتا ہے۔ اس لئے وہ کبھی نصرانی یا آریہ نہیں ہوسکتا۔ اور ایک مسرف صاحب کو ہم نے خود دیکھا ہے۔ کہ اپنی جائیداد وغیرہ سب کھا چاٹ گئے۔ جب خالی ہاتھ رہ گئے تو اب فاقوں کی نوبت آئی۔ ہنر کوئی آتا نہ تھا جو اس سے ہی پیٹ پالیں اور ہنر سیکھنے کو آج کل عیب بھی سمجھا جاتا ہے۔ ایک صاحب کہتے تھے کہ ہم کو اولاد کو تعلیم دینے کی کیا ضرورت ہے ہمارے پاس اتنی جائیداد ہے جو مصارف کیلئے کافی ہے پھر پڑھانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ تعلیم صرف کھانے کمانے کیلئے دی جایا کرتی ہے۔ اگر کھانے کو پاس ہو تو پھر تعلیم کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر یہی مقصود ہے تو گویا آدمی ایک جانور اور بہیمہ کے برابر ہو گئے۔ جس کو کھانے پینے کے سوا کچھ مقصود ہی نہیں۔ غرض ان مسرف صاحب کے پاس کوئی ہنر تو تھا نہیں۔ اب یہ سوجھی کہ عیسائی ہو جاؤ۔ چنانچہ ہو گیا۔ اسراف کا یہ انجام ہوا۔ مگر یہ جتنے لوگ مسلمان ہو کر عیسائی ہوتے ہیں وہ محض لالچ سے ہوتے ہیں۔ ورنہ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ اسلام کے مقابلہ میں کوئی دوسرا مذہب دل سے حق معلوم ہو۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی مذہب حق معلوم نہ ہو کیونکہ جو شخص ایک ضعیف شبہ کی وجہ سے اسلام کو باطل سمجھے گا۔ تو دوسرے مذاہب میں تو قوی شبہات موجود ہیں ان کو کیونکر حق سمجھ سکتا ہے تو افلاس کی پریشانی ایسی بری بلا ہے کہ اس کی وجہ سے اسلام کو چھوڑ کر بعض لوگ عیسائی ہو گئے ہیں اور اسراف سے ایسے افلاس کی نوبت آسکتی ہے کہ اور مالدار بخیل کو یہ نوبت نہیں آتی اس لئے بخیل کا دین چھوڑنا بہت مشکل ہے تو تعجب ہے کہ لوگوں نے بخیل کی مذمت کیلئے تو بہت سی حکایت تصنیف کرلیں اور اسراف کیلئے کچھ بھی نہیں تو یہ شریعت کا اتباع نہیں بلکہ عادت کا اتباع ہے اور مسلمانوں میں یہ مرض زیادہ ہے اور اس مرض کو بھی نہیں سمجھتے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دل میں مال کی قدر نہیں ہوتی اور دوسری قوموں کے دل میں مال کی بڑی قدر ہوئی ہے۔

مسلمان بچوں میں مال کی قدر کم ہوتی ہے

میں نے قصبہ انبہٹہ میں دو لڑکوں کو دیکھا کہ ایک مسلمان کا لڑکا تھا اور دوسرا ہندو کا وہ دونوں ایک سکول میں پڑھتے تھے۔ اور دونوں کو ناشتہ کے واسطے گھر سے پیسے ملتے تھے۔

تو استاد سے اجازت لیکر کچھ کھانے کے لئے سکول سے باہر آتے تھے۔ آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کیا کھانا چاہیے۔ مسلمان صاحب تو فرماتے ہیں کہ ہم تو مٹھائی کھائیں گے۔ اور وہ ہندوزادہ کہتا ہے بھائی ہم تو سنگھاڑے لیں گے کہ پیٹ میں کچھ بوجھ بھی ہو۔ ان تجویزوں ہی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے بچوں تک میں بھی ابتدا سے مال کی محبت اور قدر کم ہوتی ہے۔ اور ہندوؤں کے بچوں میں ابتدا ہی سے مال جوڑنے کی فکر پیدا ہوجاتی ہے۔ اس لئے اگر مسلمان اسراف سے رکیں تو یہ بڑا مجاہدہ ہے اور ان کو اسراف سے رکنے پر ثواب بھی زیادہ ملے گا۔ اور مسلمانوں کے علاوہ دوسری قومیں اگر اسراف سے رکیں تو کونسا کمال ہوا۔ ان کو تو مال جمع کرنے کی محبت ہوتی ہی ہے۔ تو مسلمان جس قدر اسراف سے بچیں گے ان کو اس میں زیادہ ثواب ملے گا۔ اس لئے میں نے اسراف کا مضمون اس وقت بیان کرنے کیلئے تجویز کیا اور گو ذہن میں اسراف فی المال (مال میں فضول خرچی کرنا) کا مضمون تھا اور اب بھی وہی غالب ہے۔ لیکن شرعاً اسراف مال ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر گناہ اسراف میں داخل ہے۔ مگر چونکہ آج کل اسراف فی المال کے بارے میں بہت بے توجہی کی جارہی ہے۔ حتیٰ کہ بہت لوگ اس کو عیب بھی نہیں سمجھتے اور اس کے مفاسد بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے اس وقت میں زیادہ تر اسی کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔

اسراف کی ایک خرابی

صاحبو! اسراف کی بدولت بہت سے خاندان تباہ و برباد ہوگئے ہیں، میں نے ایسے بہت لوگ دیکھے ہیں کہ ان کے آباؤ اجداد بڑے بڑے متمول تھے۔ لیکن یہ پریشان پھرتے ہیں میں نے دہلی میں تیموری خاندان کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ ان میں سے بعضوں کی تنخواہ بھی ہے۔ مگر وہ روپے کو بہت زیادہ اڑاتے ہیں۔ اسی اسراف نے ان کو تباہ حال بنا رکھا ہے۔ ایک خرابی اسراف میں یہ ہے کہ ایسے لوگ جب ان کا کوئی مورث ہوتا ہے تو اسی اسراف کی گنجائش حاصل کرنے کے لئے دوسروں کا حق نہیں دیتے۔ چنانچہ ہمارے نواح میں ایسا ہوا کہ ایک شخص مالدار مرے اور ایک بیوی چھوڑی اور ایک بیٹی۔ اور ایک دور کا عصبہ تو عصبہ کا حق دیتے ہوئے جی دکھتا تھا۔ چنانچہ ان بی بی

نے عصبہ کا حق خوشی سے نہیں دیا اور نوبت بعدالت پہنچی تب اس کا حق ملا۔ اور اس سے بڑھ کر خرابی یہ ہونے لگی کہ شریعت پر اعتراض کرنے لگے۔ ان بی بی کے ایک عزیز کہنے لگے۔ کہ یہ بھی کوئی بات ہے کہ ایک عصبہ دور کا ہے۔ ساری عمر اس نے مورث کی صورت بھی نہیں دیکھی اور نہ کوئی خدمت کی۔ اور مورث کے مرنے کے بعد بیوی سے زیادہ حصہ اس کو ہو گیا۔ میں نے کہا کہ بس زبان بند کرو۔ فرض کرو کہ تم اگر کسی نواب کے عصبہ ہو جاؤ اور عدالت فیصلہ کرے کہ شریعت کے موافق فرائض نکال کر ترکہ تقسیم کیا جائے۔ اور تم کو معلوم ہو جائے کہ میرا حق دس ہزار ہے۔ ہم تو جب جانیں کہ تم اپنا حق یہ کہہ کر چھوڑ دو کہ میں نے ساری عمر نواب صاحب کی کوئی خدمت بھی نہیں کی۔ میرا حق نہ ہونا چاہیے۔ نہیں اس وقت آپ یہ فرمائیں گے کہ قربان جائیے شریعت کے کہ کتنی دور کا لحاظ کیا۔ اور اس وقت اگر اس نواب کا کوئی وارث آپ سے وہی بات کہنے لگے کہ جو آج تم دوسرے عصبہ کے بارے میں کہہ رہے ہو تو لڑنے مرنے پر تیار ہو جاؤ اور عدالت میں فرائض پر فرائض نکلوا کر داخل کرو۔ اسی طرح آج کل جو رشوت کا بازار گرم ہے وہ بھی اسی اسراف ہی کی بدولت ہے۔

خرچ میں کفایت شعاری کی ضرورت

کیونکہ تنخواہ میں کفایت شعاری کر کے گزارہ کیا نہیں جاتا لمبے چوڑے خرچ اپنے ذمے بڑھا لئے ہیں جن کے لئے تنخواہ کافی نہیں ہوتی۔ اب خواہ مخواہ رشوت لینی پڑتی ہے۔ میں اکثر ان لوگوں کو کچھ نہیں کہتا ہوں جس کی تنخواہ دس روپے کی ہے اور خرچ بیس روپے کا ہے۔ اگر چہ جائز تو میں ان کیلئے بھی نہ کہوں گا اور ان سے بھی یہ کہہ سکتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے خرچ کو کم کرو۔ اگر کہیں یہ خرچ کم نہیں ہو سکتا بدون رشوت کے گزارہ مشکل ہے تو میں ان سے کہوں گا اگر یہ صورت ہو کہ حاکم تم پر ایک چپڑاسی مسلط کر دے کہ جب یہ شخص رشوت لے فوراً ہم کو اطلاع دو اور تم کو معلوم ہو جائے کہ حاکم نے میرے واسطے یہ انتظام کیا ہے تو اس وقت تم کیا کرو گے یقیناً رشوت نہ لو گے اور جس طرح بن پڑے گا تنخواہ ہی میں گزارہ کرو گے۔ تو سن لو کہ اب بھی ایک نگران تم پر موجود ہے اور وہ احکم الحاکمین کا مسلط کیا ہوا ہے۔ ان علیکم لحفظین کراما کاتبین یعلمون ماتفعلون۔ تمہارے اوپر بزرگ

فرشتے نگرانی کے واسطے مقرر کئے گئے ہیں جو تمہارے سب اعمال کو جانتے اور لکھتے رہتے ہیں اور روزانہ تمہاری رپورٹ خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ تو کس قدر افسوس ہے کہ ایک دنیوی حاکم کی نگرانی سے تو تمہارے سب حیلے بہانے ختم ہو جاتے ہیں اور رشوت سے تم ہاتھ روک لیتے ہو۔ حالانکہ سارے خرچ اس وقت بھی موجود ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ کی نگرانی کے خوف سے تم کچھ نہیں کرتے اپنی حالت کی اصلاح نہیں کرتے اور اسی طرح حیلے بہانے کئے جاتے ہو تو یہ سوال بالکل بیہودہ ہے کہ صاحب رشوت نہ لیں تو کیا کریں۔ اس کا ہمارے پاس وہی جواب ہے کہ وہ کرو جو حاکم کی نگرانی کے وقت کرتے ہو۔ اسی طرح بعض لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ قرض نہ لو تو کہتے ہیں بدون قرضہ کے کام نہیں چلتا میں کہتا ہوں کہ اگر کہیں سے قرضہ نہ ملے تو کیا کرو گے جو اس وقت کرو گے وہ آج ہی سے کرلو۔

غیر ضروری اشیاء

غرض جن کی آمدنی کم ہے۔ وہ یقیناً تو معذور نہیں ہیں۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا مگر خیر وہ بظاہر معذور معلوم ہوتے ہیں۔ گو یہ عذر خدا تعالیٰ کے پاس نہ چل سکے گا۔ لیکن جن کی تنخواہ اور آمدنی وافر ہے ان کو کیا ہوا وہ کس لئے رشوت لیتے ہیں۔ ان کے پاس تو کوئی بھی جواب نہیں بجز اس کے کہ وہ اسراف ہی کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ رشوت کی بنا بھی اسراف ہی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ صاحب ضرورت پڑتی ہے جبھی تو رشوت لیتے ہیں میں کہتا ہوں کہ ضرورت کی حقیقت ہی آپ نے نہیں سمجھی۔ سنئے ضرورت وہ ہے جس کے بدون ضرر اور تکلیف ہونے لگے۔ اب اس قاعدہ کو پیش نظر رکھ کر دیکھے کہ ضرورت کی چیزیں کتنی ہیں آپ اپنے اسباب کا جائزہ لیجئے تو بہت سی چیزیں آپ کو ایسی ملیں گی جن کے ہونے کی آپ کو خبر بھی نہ ہوگی۔ تو بھلا اس کو کون ضرورت مان لے گا۔ کہ ایسی چیزوں سے گھر بھر رکھا ہے جن کی بابت یہ بھی معلوم نہیں کہ ہماری ملک میں بھی ہیں یا نہیں حضرت ضرورت کی چیزیں آپ کو بہت کم ملیں گی اور باقی سارا گھر غیر ضروریات سے بھرا ہوا ملے گا۔ خوب کہا ہے۔

حرص قانع نیست صائب ورنہ اسباب معاش ☆ آنچہ ما درکار داریم اکثرے درکار نیست

(حرص کی وجہ سے قناعت نہیں ورنہ اسباب معاش جو ہمارے پاس موجود ہیں ان میں سے اکثر ایسے جن کی ضرورت نہیں ہے)۔

مجھے سفر کے وقت اکثر یہ خیال آیا کرتا ہے کہ اے نفس ضرورت کی چیزیں تو بس اتنی ہیں جتنی اس وقت سفر میں ساتھ ہیں۔ کہ دو چار کپڑوں کے جوڑے ہیں۔ بستر اور لوٹا ہاتھ میں ہے۔ اب مجھے سفر کیے ہوئے دو ماہ ہوئے ہیں۔ ان چیزوں کی کچھ بھی ضرورت نہیں۔ جو گھر میں بھری ہوئی ہیں۔ بلکہ سفر میں بھی بعض چیزیں جو غیر ضروری معلوم ہوئیں تو گھر بھیج دی گئیں اور مجھ کو تو اس پر بھی شرم آتی ہے۔ کہ آلہ آباد سے بعض زائد چیزیں وطن واپس کر دی گئیں۔ لیکن میں کیا کروں میں تو بہت بچنا چاہتا ہوں کہ زیادہ بکھیڑا جمع نہ ہو۔ مگر حق تعالیٰ میرے پاس بہت کچھ بھیجتے ہیں میرے دوست احباب کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں وہ بہت سی چیزیں بھیج دیتے ہیں جن کو واپس کرتا ہوں تو ان کا دل بہت برا ہوتا ہے لیکن میں اکثر اپنی مملوک چیزوں کا جائزہ لیتا ہوں اور غیر ضروری اشیاء کو نکالتا رہتا ہوں۔ مگر میرا مطلب یہ نہیں کہ اگر گھر میں کوئی چیز زیادہ ہو تو اس کو نکال کر پھینک دو بلکہ مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی چیز اپنے پاس نہ ہو تو خدا کو ناراض کر کے مت لو بس تم اسی پر نفس سے صلح کر لو۔ یہ تم کر نہ سکو گے کہ ضرورت سے زیادہ کوئی شے نہ رکھو۔ مگر یہ کیا ستم ہے کہ خدا کو ناراض کر کے فضولیات سے گھر بھر لیا۔ ایک صاحب فخر کر کے کہتے تھے کہ میرے کوٹ کا کپڑا تو چار روپے والا ہے مگر سلائی کے سولہ روپے دیئے کیوں؟ اس لئے کہ فیشن ہے تو ایسے فیشن کی کیا ضرورت ہے۔ شعر گفتن چہ ضرور۔ شعر کہنا کیا ضرور ہے یعنی فیشن کی کیا ضرورت ہے۔ اس پر مجھے یاد آیا کہ فائق نے غالب کے پاس اپنی غزل بھیجی تھی۔ ایک شعر میں آپ نے لفظ ید کو مشدد کر دیا اور حاشیہ پر لکھ دیا کہ بضرورت شعر ایسا کیا گیا ہے۔ غالب بڑا مسخرہ تھا اس نے جواب میں دو شعر لکھے جس میں بہت سے مخففات کو مشدد کیا۔

چہ خوش گفت فائق شاعر غرا ☆ کہ کس ہچو من ذہن رسا نباشد

فائق شارع نے کیا اچھا کہا کہ میری مثل کوئی شخص ذہن رسا نہیں۔

چومقام ضرورت شعر افتد ☆ تشدید جائز چرا نباشد

مقام ضرورت میں شعر کا اتفاق ہو تو تشدید کس لئے جائز نہ ہو گی۔

ہے تو ہنسی کی حکایت مگر اس نے ثابت کر دیا کہ شعر گفتن چہ ضرورت جب شعر میں الفاظ بگڑتے ہوں تو ایسا شعر ہی کہنا کونسا فرض ہے اسی طرح میں کہتا ہوں کہ ایسے فیشن ہی کی کیا ضرورت ہے جس سے چار روپے کے کپڑے کی سلائی سولہ روپے دینے پڑے۔ خواہ مخواہ روپیہ برباد کرنا ہے۔ وہی مثل ہو گئی کہ دمڑی کی گڑیا ٹکا سر منڈائی کا۔ اب تو لوگ فیشن کو ایسا ضروری سمجھتے ہیں کہ چاہے کتنی ہی تکلیف ہو مگر فیشن کو نہیں چھوڑتے۔ ایک صاحب کہتے تھے کہ میں نے ریل میں ایک غریب آدمی کو دیکھا کہ سردی کے موسم میں صرف ایک گبرون کا کوٹ پہنے ہوئے تھے اور جنٹلمین بنے ہوئے سفر کر رہے تھے۔ رضائی ساتھ لیناتو ان کو عار ہے جس کے لئے پرانے بزرگوں کا قول ہے۔

میفکن گول گرچہ عار آیدت ☆ کہ ہنگام سرما بکار آیدت

گدڑی کو مت پھینکو۔ اگرچہ تم کو عار ہی معلوم ہو اس لئے کہ وہ موسم سرما میں تمہارے کام آئے گی۔

غرض ان کے پاس اوڑھنے کے لئے کوئی کپڑا نہ تھا اور سردی میں ان کا برا حال تھا۔ مگر بہادری کی وجہ سے ظاہر نہ کرتے تھے۔ یہ تو تھا ہی اوپر سے یہ غضب ہوا کہ ایک اسٹیشن پر گاڑی ٹھہری تو کسی انگریز نے برف والے سے برف کا پانی مانگا۔ ان حضرت کو بھی تقلید کی سوجھی تو آپ نے بھی برف کا پانی لیکر پیا۔ اس کے بعد جوان کو سردی لگی ہے تو برا حال تھا۔ تھرتھر کانپنے لگے۔ آخر مجھے رحم آیا تو میں نے اپنی رضائی ان کو دی اس کو اوڑھ کر ان کے حواس درست ہوئے۔

سفر میں ضروری سامان کی حاجت

ایک اور حکایت مجھ سے ایک مولوی صاحب نے بیان فرمائی ہے جو بہاولپور

ریاست میں ملازم ہیں وہ کہتے تھے۔ کہ میں بہاولپور سے وطن کو چلا چونکہ لمبا سفر اور گرمی کا موسم تھا۔ اس لئے میرے ساتھ صراحی وغیرہ پانی کے چند برتن تھے۔ جن میں اسٹیشن سے پانی بھروالیا تھا۔ جس گاڑی میں میں جا کر بیٹھا اس میں ایک صاحب جنٹلمین بھی سوار تھے۔ یہ لوگ عموماً پانی کا برتن ساتھ نہیں رکھتے۔ بس بیک بنی و دو گوش۔ ایک ناک اور دو کان یعنی بدون سامان ضروری کے سفر کرتے ہیں وہ صراحی کو دیکھ کران سے کہنے لگے کہ یہ کیا برتن ہے جیسے بھنگیوں کا برتن ہوتا ہے میں خاموش رہا۔ تھوڑی دیر میں ان صاحب کو بھی پیاس لگی۔ مگر شرم کے مارے مجھ سے پانی نہ مانگ سکتے تھے۔ کیونکہ تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ صراحی کو بھنگیوں کا برتن کہہ چکے تھے۔ لیکن پیاس کی وجہ سے بار بار صراحی کو تکتے تھے اور اس کے منتظر تھے کہ یہ سو جائے تو ہم پانی پئیں۔ میں بھی سمجھ گیا کہ ان کا یہ ارادہ ہے تو میں نے قصداً آنکھیں بند کر لیں اور اپنے کو سوتا ہوا بنا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ان میں سے وہ صاحب تختہ پر سے اتر کو صراحی کے پاس آئے اور اس کو منہ لگا کر لگے پانی پینے میں خاموش پڑا رہا۔ جب وہ پانی پی چکے اور اٹھنے لگے۔ میں نے فوراً ہاتھ پکڑ لیا کہ کیوں صاحب آپ نے بھنگیوں کے برتن میں سے پانی کیوں پیا۔ آپ کو شرم و غیرت نہ آئی کہ ابھی تو آپ نے اس برتن پر اعتراض کیا تھا پھر خود ہی اس برتن کو منہ لگا کر پانی پی لیا۔ بس میرا یہ کہنا تھا کہ ان پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اور اب میں نے ان کو خوب ہی سنانا شروع کیا کہ بھلے مانس اتنا بھی فیشن پر عاشق نہ ہونا چاہیے کہ اگر کسی نے صراحی رکھ لی تو یہ کیا برائی ہے۔ اب تو آپ کو اس کی قدر معلوم ہوئی۔ مگر انہوں نے گردن تک نہ اٹھائی پھر جو یہ معلوم ہوا کہ میں بہاولپور ریاست مدرسہ کا پروفیسر ہوں پھر تو وہ بہت معافی چاہنے لگے کیونکہ ذرا معزز مولوی کے سامنے یہ لوگ بہت لچتے ہیں ایسے ویسے کو یہ کچھ بھی نہیں سمجھتے۔ بس اس کی وجہ کیا تھی۔ وجہ اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ انگریز صراحی نہیں رکھتے۔ اس لئے وہ انگریزی فیشن کے خلاف ہونے کی وجہ سے بری ہے۔ انا للہ۔

لارڈ ڈفرن کا اسلامی وضع کو پسند کرنا

مولوی عبدالجبار صاحب بردوانی لارڈ ڈفرن سے جب ملے ہیں تو وہ کہتے تھے۔ میں عبا وغیرہ پہن کر ان سے ملنے گیا تھا تو وہ کہتے تھے کہ لارڈ صاحب نے میری عبا کا دامن پکڑا اور کہا کہ مولوی صاحب اس لباس میں آپ شہزادے معلوم ہوتے ہیں اور یہ بھی کہا کہ مولوی صاحب ہم تو اپنی قومی وضع سے مجبور ہیں مگر آپ کی قوم کو کیا ہوا کہ وہ اپنی راحت کی وضع چھوڑ کر ہماری وضع اختیار کرتے ہیں۔ میں نے لوٹ کر الہ آباد میں ایک وعظ میں کہا کہ جنٹلمینو! تمہارے لارڈ صاحب کا فتوی تو قابل تقلید ہے۔ اب لارڈ صاحب ہی کے فتوے سے اس انگریزی وضع کو چھوڑ دو۔ تو حقیقت یہ ہے کہ لوگ انگریزی وضع اس خیال سے اختیار کرتے ہیں کہ اس سے کچھ ہماری عزت ہوگی۔ مگر اس سے انگریزوں کی نظر میں اور ذلت ہوتی ہے۔ انگریز بھی اسی کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو اپنی اسلامی وضع میں ان سے ملے۔ پھر انگریزی وضع میں سراسر تکلیف کے سوا راحت کچھ بھی نہیں۔ آدمی اس میں سرے سے پیر تک بندھ جاتا ہے۔ دیکھئے مسلمانوں کی وضع بھی گو ایک مخصوص وضع ہے۔ مثلاً کرتہ، پاجامہ، ٹوپی، عمامہ، عبا وغیرہ۔ مگر ان میں سے لازم ملزوم ایک بھی نہیں۔ کسی وقت چاہے تو پاجامہ کی جگہ لنگی بھی باندھ سکتے ہیں اور دوسرا لباس بحالہ رہے۔ لیکن اگر کسی فیشن ایبل کا پتلون خراب ہو جائے تو ان سے کبھی ممکن نہیں کہ وہ کوٹ کے ساتھ لنگی باندھ سکیں۔ غرض سر سے پیر تک وہ لوگ مقید ہیں۔ پھر وہ آزاد کدھر سے ہیں۔ آزاد تو وہ ہے جو شریعت پر عمل کرے وہ کہہ سکتا ہے

زیر بارند درختاں کہ ثمرھا دارند ☆ اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد

جو درخت کہ پھل رکھتے ہیں وہی زیر بار ہیں سرو کی خوش نصیبی کہ وہ بند غم سے آزاد ہے یعنی جو لوگ فیشن کے دلدادہ ہیں وہ بڑی تکلیف میں ہیں۔ شریعت پر عمل کرنے والا اچھا کہ ان تمام قیود سے آزاد ہے۔

اور باوجود اس بے قیدی کے اس میں ایک دلربائی اور دلفریبی بھی ہوتی ہے اسی کی نسبت کہتے ہیں ۔

نو تعلیم حضرات کا جدید زیور

دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند ☆ دلبر ماست کہ با حسن خداداد آمد

(خودرو پودے زیور سے آراستہ ہیں ہمارے محبوب میں خداداد حسن ہے)

زیور بستند پر مجھے یاد آیا کہ ایک بی بی نے عجیب بات کہی کہ ان نو تعلیم یافتہ لوگوں نے عورتوں سے تو زیور چھڑا دیا۔ چنانچہ جنٹلمین لوگ اپنی عورتوں کو تاکید کرتے ہیں کہ میموں کی طرح بوچے کان رکھو۔ نہ بالی ہو نہ پتہ کچھ زیور نہ ہو اور سفید کپڑے پہنو تو عورتوں سے تو زیور چھڑا دیا۔ مگر اپنے لئے زیور تجویز کر لیا۔ دیکھئے ہمارا جھومرا تار کر اپنے لئے جھومر تجویز کیا کہ ترکی ٹوپی میں پھندنا لگاتے ہیں۔ اور ہمارا گلوبند اتار کر اپنے لئے ایک طوق تجویز کیا یعنی کالر اور اپنے کف تجویز کئے اور ہماری پہنچیاں اتروا کر اپنے پہنچے پر گھڑی باندھتے ہیں۔ اور اپنے لئے پیر کا زیور تجویز کیا کہ بائیسکل چلاتے وقت پاجامہ کی حفاظت کے لئے ایک لوہا باندھتے ہیں۔ کہنے لگیں کہ اچھا انصاف کیا عورتوں کو مرد بنایا اور خود عورت بننے لگے کہ خود عورتوں کی طرح مانگ پٹی بھی کرتے ہیں اور زیور بھی اپنے لئے طرح طرح کے تجویز کرتے ہیں اور عورتوں کو مرد بنانا چاہتے ہیں۔

مستورات کا جوہر

چنانچہ ہمارے نوجوان بھائی اس کی بھی فکر میں ہیں کہ عورتوں کا پردہ ٹوٹ جائے لیکن واللہ اگر پردہ ٹوٹ گیا تو وہ خرابیاں پیدا ہوں گی کہ پھر سر پکڑ کر روئیں گے۔ چنانچہ بعضے بے پردہ لوگوں میں ایسے واقعات رات دن ہوتے ہیں مگر ان کو تو شرم و حیا نہ ہوگی۔ مگر آپ کے یہاں تو شرم حیا کی بھی تعلیم ہے۔ فحش باتوں سے روکا گیا ہے۔ آپ پردہ توڑ کر کیونکر چین سے بیٹھ سکتے ہیں۔ پھر آپ پچھتائیں گے مگر اس وقت پچھتانا فضول ہوگا۔ آپ اس وقت ہزار کوشش کریں گے کہ پردہ کرائیں مگر پھر نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ اس وقت تو عورتوں کے لئے پردہ طبیعت ثانیہ ہو گیا ہے۔ ان کو دنیا کی خبر ہی نہیں آزادی کی ہوا

ان کو لگی ہی نہیں اس لئے وہ بسہولت پردہ کی پابندی کر سکتی ہیں۔ مگر آزادی کی ہوا چند دن کھا کر پھر پردہ میں بیٹھنا ان کو محال ہوگا۔ اب تو ہمارے بزرگوں نے ان کے دلوں میں یہ رچا دیا ہے کہ عورت کی عزت پردہ ہی میں ہے۔ اس لئے وہ خوشی کے ساتھ اس قید کو گوارا کرتی ہیں۔ لیکن اگر یہ تعلیم ان کے دلوں سے نکال دی گئی اور یہ سمجھا دیا گیا کہ عزت اسی میں ہے کہ باہر پھرو تو پھر وہ قیامت تک پردہ کی مصیبت کو برداشت نہ کریں گی۔ صاحبو! عورتوں کا جوہر یہی ہے کہ ان کو اپنے گھر کے سوا دنیا کی کچھ بھی خبر نہ ہو۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نیک عورتوں کی تعریف میں فرماتے ہیں۔ الغافلات المؤمنات بھولی بھالی مسلمان عورتیں لوگ ان کو معذور اور اپاہج خیال کرتے ہیں کہ یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ آدمی گھر کی چار دیواری میں قید رہے۔ مگر دیکھئے خدا تعالیٰ ان کے غافل اور بے خبر ہونے کو مدح کے موقع میں بیان فرماتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بے خبر اسی وقت رہ سکتی ہے جب تک کہ وہ پردہ میں مقید ہیں۔ پردہ سے نکل کر تو وہ دنیا بھر سے خبردار ہو جائیں گی۔ اس پر مجھ کو بھائی کا مقولہ یاد آتا ہے۔ جب بعضی خاندان کی عورتوں نے ان سے کہا کہ بھلا دنیا میں یوں بھی کہیں ہوتا ہے تو انہوں نے کہا تم کیا جانو کہ دنیا کیا چیز ہے۔ بس میرا گھر دیکھ لیا بھائی کا گھر دیکھ لیا یہ دنیا ہو گئی۔ تو واقعی ان کو دنیا کی کیا خبر ہے۔

آج کل کے فیشن میں قید ہی قید ہے

غرض وہ بی بی کہنے لگیں کہ آجکل کے مردوں نے ہمارا زیور اتروا کر اپنے لئے یہ زیور نکالے واقعی عجیب نکتہ نکالا۔ مجھ کو یہ مضمون اس پر یاد آیا کہ آجکل کے فیشن میں سر سے پیر تک قید ہی قید ہے اور اسلامی وضع میں نہایت آزادی ہے کبھی لنگی باندھ لی کبھی پاجامہ پہن لیا اور اس طرز میں علاوہ آزادی کے دلفریبی اور سادگی بھی بہت ہے۔ وہ دلفریبی یہ ہے کہ جس کو متنبی کہتا ہے۔

حسن الحضارة مجلوب بتطرية ☆ وفی البداوة حسن غیر مجلوب

شہر والوں کا حسن بناؤ سنگار سے حاصل ہوتا ہے۔ اور دیہاتوں میں قدرتی حسن ہے۔ جو بناؤ سنگار سے حاصل نہیں کیا جاتا واقعی بات ہے کہ شہر میں تو بناؤ سنگار کا حسن ہے اور دیہات والوں میں سادگی کا حسن ہے اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ان فیشن والے لوگوں میں دور سے حسن معلوم ہوتا ہے اور پاس سے برے معلوم ہوتے ہیں اور سادہ وضع والے ایسے ہوتے ہیں کہ قریب سے دیکھئے تو ان میں اور زیادہ حسن معلوم ہوتا ہے۔ بشرطیکہ وہ نظافت اور صفائی کے ساتھ رہیں اور بعض لوگ ایسے ہی کہ وہ بین بین ہوتے ہیں۔ **لا الیٰ ھؤ لا و لا الیٰ ھؤ لاء** نہ ادھر نہ ادھر۔ یعنی وہ کچھ تو پرانی وضع رکھتے ہیں اور کچھ نئی وضع رکھتے ہیں۔ یہ سب سے برے۔ بعضے لوگ لنگی باندھ کر اوپر سے ترکی ٹوپی پہنتے ہیں یہ تو بہت ہی برے معلوم ہوتے ہیں۔ غرض فیشن کوئی چیز نہیں ہے۔ اس بلا کو سر سے ٹالنا چاہیئے۔ بس راحت کے اعتبار سے وہی پرانی واضع اچھی ہے۔ کانپور میں ایک صاحب مجھ سے ملنے آئے۔ میں مسجد میں بیٹھا پڑھا رہا تھا۔ اب بجائے اس کے کہ وہ میرے پاس آئیں باہر کھڑے رہے۔ کیونکہ سر سے پیر تک جکڑے ہوئے تھے۔ آئیں تو کس طرح آئیں۔ جوتا ہی اتارتے ہوئے گھنٹے لگتے۔ اس کے منتظر رہے کہ میں ان کے پاس جاؤں مگر مجھے کیا ضرورت تھی۔ غرض بہت دیر کھڑے رہ کر تنگ ہو کر چلے گئے اور میری شکایت کی کہ مجھ کو دیکھ لیا اور آئے نہیں اسی طرح میرے پاس ایک ایسے شخص آئے کہ جکڑے ہوئے تھے میں اس وقت مدرسہ میں تھا میرے پاس تک پہنچ گئے مگر بیٹھیں کس طرح اور میں کرسیاں ان کے واسطے کہاں سے منگاؤں اور اگر ان کو فرش پر بٹھلاؤں تو ان کو بیٹھنا مشکل بس بھد سے گر پڑے کہ ہاتھ پیر کہیں یہ بھی بہت غنیمت ہے کہ یہ لوگ کبھی کبھی ہم طالب علموں سے ملنے آجاتے ہیں۔ گو ہم ان کا احترام نہ کر سکیں۔ اور میں اپنی جماعت کو اکثر یہ بھی مشورہ دیتا ہوں کہ ایسے لوگ آئیں تو ان سے سختی نہ کریں۔ کیونکہ ان لوگوں سے دین کی طرف اتنی توجہ بھی غنیمت ہے۔ اور میں تو واللہ اس وقت بھی ذکر کرتے ہوئے شرماتا ہوں مگر کیا کروں اس فیشن اور اسراف کی بدولت اتنا ذکر آ گیا۔ اور جن صاحب نے میری شکایت کی تھی کہ میں مولوی صاحب سے ملنے گیا تھا۔ انہوں نے بات

تک نہ پوچھی۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ میں تو کوٹ پتلون میں مقید تھا۔ اس لئے اندر نہ جا سکا۔ مگر وہ بھی میرے پاس نہ آئے۔ میں نے سن کر کہا کہ میں بھی مقید تھا۔ میں اس وقت حدیث پڑھا رہا تھا، میں کیونکر آتا۔ حدیث کو چھوڑ کر اٹھنا بے ادبی تھی۔

گر دو صد زنجیر آری بگسلم ☆ غیر زلف آن نگار مقلم

بجز اس محبوب کی زلف کے جو ہمارے روبرو ہے۔ اگر دو سو زنجیریں بھی لاؤ توان کو توڑ ڈالیں یعنی محبوب کو چھوڑ کو دوسرے کی طرف ہرگز توجہ نہ کریں گے۔

تمہیں غیروں سے کب فرصت ہے ہم اپنے غم سے کب خالی
چلو بس ہوچکا ملنا نہ ہم خالی نہ تم خالی

جن سے انہوں نے شکایت کی تھی۔ انہوں نے ان سے کہا کہ تم کو ایسی حالت میں جانا نہ چاہئے تھا۔ تو اس فیشن کی وجہ سے یہ قباحتیں ہوتی ہیں۔ اور یہ غضب اور بھی ہے کہ ایسے لوگ لباس خود نہیں پہن سکتے۔ ایک نوکر کرتہ پہنانے کو چاہئے ایک کرتہ اتارنے کو۔ غرض پوری طرح مجبور و مقید ہوتے ہیں۔

جدید فیشنوں میں اسراف کثیر

ایک صاحب جب بریلی میں اپنا دماغی علاج کرانے آئے تھے۔ اور میری قیام گاہ کے سامنے کے کمرہ میں ٹھہرے تھے۔ طبیبوں کو ان کے اصطلاحی مرض پر رحم آتا تھا۔ اور مجھے ان کے حقیقی مرض پر رحم آتا تھا۔ کہ وہ ہر وقت ہر حالت کے مناسب لباس ہی بدلتے رہتے تھے۔ اور اس مصیبت کی وجہ سے کئی روز تک وہ مجھ سے نہ مل سکے۔ کئی روز کے بعد ملے اور ذرا سادہ لباس میں ملے کہنے لگے کہ میرا جی بہت چاہتا تھا کہ آپ سے ملوں مگر فرصت نہیں ہوئی۔ میں نے کہا کہ واقعی میں بھی دیکھتا تھا کہ ہر وقت آپ پریشانی میں مبتلا تھے۔ خیر ان سب مصائب کو تو گوارہ کر لیا جائے مگر اس کو کیونکر گوارہ کیا جائے کہ اس فیشن کی بدولت مسلمانوں کا روپیہ بہت ضائع ہوتا ہے۔ اور میں مولویوں کو بھی کہتا ہوں کہ یہ سادہ پنے میں بھی بہت اسراف کرتے ہیں۔ مثلاً کپڑا تو بنایا پرانی ہی وضع کا مگر بنایا بہت قیمتی تو یہ بھی اسراف میں مبتلا ہے۔ کیونکہ انہوں نے قیمتی کپڑے کی ہوس میں خدا کے مال کو اڑایا۔

اور بعض لباس مولویوں میں بھی ایسے رائج ہو گئے ہیں جو ضرورت سے زیادہ ہیں۔ مثلاً بہت سے لوگ صدری پہنتے ہیں۔ میری سمجھ میں آج تک اس لباس کی کوئی حکمت نہیں آئی۔ اکثر دوستوں سے پوچھا کرتا ہوں کہ تم نے صدری کیوں پہنی کسی نے آج تک مجھے اس کا سبب زینت کے سوا کچھ نہیں بتلایا۔ ایک طالب علم صدری پہن کر میرے پاس آئے میں نے ان سے کہا کہ تم صدری کو کرتہ کے نیچے پہن لو اب بھی کم نظر نہ آئے گی۔ کچھ نہیں یہ محض ایک تاویل تھی اور اصل وجہ وہی زینت ہے بعضے گھڑی وغیرہ رکھنے کے لئے صدری پہنتے ہیں۔ مگر اس کا بھی علاج آسان یہ ہے کہ کرتہ میں اندر جیب لگوائی جائے یا صدری ہی نیچے پہن لی جائے۔ مگر اس صورت میں زینت تو نہ ہوگی۔ اور بعضے صدری میں بھی یہ غضب کرتے ہیں کہ آگے پیچھے دو قسم کا کپڑا لگاتے ہیں۔ جیسے جنٹلمینوں کی عادت ہے۔ سو طالب علموں کو کیا ہوا کہ وہ انگریزی خوانوں کی وضع اختیار کرتے ہیں۔

لباس میں اسراف

حدیث میں ہے جس شخص میں جو صفت نہ ہو اس کو ظاہر کرنے والا ایسا ہے جیسے دو کپڑے جھوٹ کے پہننے والا اس کی ایک تفسیر تو ظاہر ہے کہ اس نے دو کپڑے یعنی لنگی چادرہ جھوٹ کی پہن لی۔ یعنی سراسر جھوٹ ہو گیا۔ اور ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ کپڑا تو ایک ہو مگر معلوم دو ہوتے ہیں۔ جیسے اس میں دوسرے کپڑے کا ایسے طور پر جوڑ لگایا جس سے یہ دھوکا ہوتا ہو کہ شاید دو کپڑے پہنے ہیں۔ لیکن اگر کپڑا اتروا کر دیکھو تو نیچے کچھ بھی نہیں۔ اتروا کر دیکھنے پر یاد آیا کہ ایک منشی عمامہ خراب باندھتے تھے۔ اور دوسرے منشی اچھا باندھتے تھے۔ حاکم نے ایک روز ان سے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ تم خراب عمامہ باندھتے ہو۔ آخر یہ دوسرے منشی بھی تو ہیں دیکھو یہ کیسا عمامہ باندھتے ہیں۔ ان منشی صاحب نے کہا کہ حضور یہ لوگ اپنی بیبیوں سے بندھوا کر آتے ہیں۔ اور میں خود اپنے ہاتھوں سے باندھتا ہوں۔ اس وجہ سے ان کے عمامے خوبصورت بندھے ہوئے نظر آتے ہیں اور اگر آپ کو میرا اعتبار نہ آئے تو سب کو حکم دیجئے کہ اپنے اعمامے کھول کر آپ کے سامنے باندھیں۔ چنانچہ حاکم نے سب کے عمامے

کھلوا کر حکم دیا کہ ہمارے سامنے باندھو دوسرے منشی اس کے عادی تھے کہ سامنے آئینہ رکھ کر عمامہ باندھتے اور بار بار اسکو کھولتے درست کرتے تھے۔ اس وقت چونکہ آئینہ ان کے سامنے نہ تھا۔ اس لئے ویسا نہ باندھ سکے جیسا کہ روزانہ باندھ کر آیا کرتے تھے۔ اور پہلے منشی نے اپنا عمامہ کھول کر ویسا ہی باندھ لیا۔ جیسا کہ ہمیشہ باندھتے تھے۔ اس وقت آئینہ دیکھنے والوں کو بڑی خفت ہوئی۔ حاکم نے کہا منشی سچ کہتا ہے کہ تم لوگ اپنی بیبیوں سے عمامے بندھوا کر آتے ہو تو جو لوگ تکلف کرتے ہیں کبھی ان کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ سو ایک صورت یہ بھی ثوبی زور (دو کپڑے جھوٹ کے) میں داخل ہے کہ صدری آگے سے اور طرح کی اور پیچھے سے اور طرح کی یہ بھی ان لوگوں سے کہہ رہا ہوں جو کہ پرانی وضع کے پابند ہیں اور پھر ان تکلفات اور خرافات میں مبتلا ہیں تو اب ہر شخص کو دیکھنا چاہئے کہ فضول خرچی لباس میں کس کس طرح سے ہوتی ہے۔ اور یہ سب اسراف ہی میں داخل ہے جس سے بچنا چاہئے اور فضول خرچی کچھ لباس کے ساتھ مخصوص نہیں۔ دوسری اشیاء میں بھی ہوتی ہے۔ مثلاً برتن وغیرہ برتنے کے آلات بعض لوگ شیشے چینی کے خریدتے ہیں۔ ان میں تمام روپیہ برباد ہوتا ہے اگر ایک شخص پانچ سو روپے کماتا ہے تو مشکل سے پچاس روپے اس کے کام آتے ہیں اور باقی سب یونہی برباد ہو جاتے ہیں کہ آج شیشے کے برتن خریدے جارہے ہیں۔ کل چینی کی رکابیاں آرہی ہیں۔ بھلا شیشے کے برتن میں کھانے کی کیا ضرورت ہے۔ سب سے اچھا برتن تانبے کا ہے اگر ٹوٹ بھی جائے تو آدھی قیمت تو وصول ہو سکتی ہے۔ اور چینی اور شیشے کے برتن جہاں ٹوٹے اسی وقت سارا روپیہ مٹی میں مل جاتا ہے۔ اور آجکل ایک نئی چیز اور نکلی ہے تام چینی وہ تو نہایت ہی مہمل ہے۔ خصوصاً جہاں اس کا روغن اترا پھر تو اس میں کھانا خراب ہو جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ آج کل عجیب عجیب قسم قسم کے کھیل نکلے ہیں کہ ان میں بھی مسلمانوں کا روپیہ بہت ضائع ہوتا ہے کہ پیسہ کی چیز اور چار آنہ قیمت بھلا ان فضولیات میں روپیہ ضائع کرنا کونسی عقلمندی ہے۔ یورپ والوں نے ان خرافات کے ذریعہ سے ہندوستانیوں کا روپیہ خوب کھینچا ہے اور یہ ہندوستانی ایسے بیوقوف

ہیں کہ ان کو روپیہ کا درد بھی نہیں ہے اور میں زیادہ شکایت ان لوگوں کی کرتا ہوں جن کے پاس وسعت کم ہے اور وہ قرض ادھار کر کے مصیبت میں پھنستے ہیں۔ بس اجمالاً تو میں نے بتادیا کہ مسلمان آج کل کس قدر اسراف میں مبتلا ہیں اور اس کی بدولت وہ کس مصیبت میں گرفتار ہیں کہ خاندان کے خاندان تباہ ہو گئے۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ اسراف کی حقیقت کیا ہے اور اس کے درجے کس قدر ہیں کیونکہ اسراف کے مدارج مختلف ہیں۔ پس میرے بیان پر اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ کیا سب کے سب گاڑھے کا کپڑا پہنا کریں تو وہ شبہ اسراف کے مدارج سننے کے بعد رفع ہو جائے گا۔

اسراف کی حد حقیقی

اسراف کی حد حقیقی تو یہ ہے کہ التجاوز علی الحد الشرعی حد شرعی سے آگے بڑھنا اس تعریف سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اسراف مال ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ سب کو عام ہے۔ یعنی غیر اموال میں بھی اسراف ہوتا ہے مگر میں اس وقت اسراف فی الاموال (مالوں میں فضول خرچی کرنا) ہی کو بیان کر رہا ہوں۔ تو شریعت کی حد سے تجاوز کرنا یہ ہے اسراف مگر جب تک شریعت کی حدود نہ معلوم ہوں اس وقت تک اس کی پوری حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک کپڑا میں پہنوں تو میں مسرف (فضول خرچ) ہوں اور نواب رامپور پہنیں تو وہ مسرف نہیں۔ مثلاً دس روپے گز کا کپڑا پہننا نواب صاحب کے لئے اسراف نہیں کیونکہ ان کے نزدیک دس روپے کی حقیقت اتنی ہے جتنی ہمارے نزدیک دس کوڑیوں کی ہے تو ایک اسراف تو ایسا ہے جو ہر شخص کی حالت اور وسعت کے تابع ہے اور ایک اسراف وہ ہے جو کسی کی حیثیت کا تابع نہیں دوسری عبارت یوں سمجھئے کہ ایک اسراف عام ہے جو ہر شخص کے لئے اسراف ہے اور ایک اسراف خاص ہے کہ وہ بعضوں کے حق میں اسراف ہے اور بعضوں کے حق میں اسراف نہیں۔ اسراف عام تو یہ ہے کہ جس چیز کی شریعت میں صریح ممانعت ہر مسلمان کے لئے آئی ہو۔ اس کا مرتکب ہونا مثلاً مرد کے لئے چار انگل سے زیادہ ریشمی کپڑا جائز نہیں یا اتنا نیچا پاجامہ

جس سے ٹخنے ڈھک جائیں مرد کیلئے حرام ہے۔اس کی صریح ممانعت آگئی ہے۔اس کا ارتکاب ایک نواب بھی کرے گا تو وہ مسرف ہے اور غریب تو بدرجہ اولیٰ ہاں چار انگل تک ریشم مرد کو بھی جائز ہے۔اور اگر اس سے زیادہ ہو لیکن اس میں فرجات ہوں یا تانا بانے میں یہ اختلاف ہو کہ تانا ریشم اور بانا سوت ہو وہ بھی جائز ہے۔اس کے علاوہ نہیں اور یہاں ایک نکتہ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے اس کو بھی سمجھ لینا چاہئے۔اول اجمالاً یوں سمجھ لیجئے کہ ریشم کی تھوڑی سی اجازت شریعت نے اس لئے دی ہے کہ حضور ﷺ جانتے ہیں کہ ہماری امت میں نواب بھی ہوں گے وہ ریشم پہننا چاہیں گے۔اگر اس میں بالکل تنگی کی گئی تو وہ حرام کے مرتکب ہوں گے۔اس لئے اس قدر گنجائش رکھ دی گئی مگر علت کا مقتضا یہ ہے کہ تھوڑا سا ریشم پہننا مباح ہے اور کوئی ثواب اس پر نہ ملے گا۔

صاحب ہدایہ کا عجیب نکتہ

لیکن صاحب ہدایہ نے جو نکتہ لکھا ہے وہ ایسا ہے کہ اگر اس سے کام لیا جائے تو کسی قدر ریشم پہننا طاعت بھی ہو جائے گا اور اس نیت سے ریشم پہننے پر ثواب ملے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں لیکون انموذ جالحریر الجنۃ یعنی قدر قلیل حریر کی اجازت اس لئے دی گئی تا کہ اس کو دیکھ کر حریر جنت یاد آئے اور اس کی تحصیل کی کوشش کریں۔اب اگر کوئی اس نیت کو کام میں لائے اور ریشم کا استعمال حریر جنت کا نمونہ سمجھ کر کرے اس کو ضرور اس نیت پر ثواب ملے گا۔سو واقعی صاحب ہدایہ نے کیسا عجیب نکتہ بیان فرمایا جس سے ایک مباح کو طاعت بنانے کا طریقہ بتلا دیا پھر یہ نکتہ حریر ہی کے ساتھ خاص نہیں اس سے تمام نعمتوں میں کام لیا جا سکتا ہے۔آپ ایک لذیذ کھانا اپنی حیثیت کے موافق کھائیں تو اس کا کھانا صرف مباح ہے اور اس حیثیت سے کھائیں کہ یہ نعماء جنت کا نمونہ ہے اس سے آخرت کی طرف رغبت ہوتی ہے تو اس میں ثواب بھی ملے گا حقیقت میں فقہا اور صوفیہ حکماء امت ہیں اور آج کل چاہے کوئی کتنا پڑھ لے مگر وہ بات کہاں سے لائیگا جو ان حضرات میں تھی خوب کہا ہے ؎

شاہد آں نیست کہ موی ومیانے دارد ☆ بندہ طلعت آں باش کہ آنے دارد

محبوب وہ نہیں جس کے بال عمدہ کمر پتلی ہو بلکہ محبوب وہ ہے جو ایک آن اور ادا رکھتا ہو جو محبوب اور دلکش ہوتی ہے۔ اور یہ کہ ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند ☆ نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

جو شخص بھی چہرہ کو برافروختہ کرلے انہیں لازم ہے کہ اس میں دلبری کی شان ہو جیسے جو شخص بھی آئینہ بنانا جانتا ہو ضروری نہیں کہ سکندری بھی جانتا ہو۔ ؎

ہزار نکتہ باریک تر زمو ایں جاست ☆ نہ ہر کہ سر بتر اشد قلندری داند

سر منڈوانے سے قلندر نہیں ہوتا بلکہ اس جگہ ہزاروں نکتے بال سے زیادہ باریک ہیں۔

محقق کی شان

یہ بات نہیں کہ جو کوئی کتابیں پڑھ لے وہ محقق ہوجائے اور خدا تعالیٰ نے اس امت میں ہر زمانے کے اندر محقق پیدا کیے ہیں ان کی یہ شان ہوئی ہے کہ کتابیں پڑھنے والے ان کے برابر نہیں ہوسکتے نہ کوئی ان کے ساتھ مزاحمت کرسکتا ہے اور وہ وہاں پہنچتے ہیں جہاں کوئی نہیں پہنچتا اسی کو کہتے ہیں ؎

بنی اندر خود علوم انبیاء ☆ بے کتاب و بے معین واستاد

بلا واسطہ کتاب ومعین واستاد اپنے اندر انبیاءؑ جیسے علوم پاؤ گے۔

کہ نہ ان کو استاد کی ضرورت ہے نہ کتاب کی مگر علوم کا دریا بلا واسطہ قلب پر موجزن ہے۔ لوگ غزالیؒ اور رازیؒ کو یاد کرتے ہیں۔ مگر آج بھی غزالی اور رازی موجود ہیں لیکن لوگ ان کی قدر نہیں کرتے۔ حالانکہ ان کی قدر زیادہ کرنی چاہیے کیونکہ جتنا نفع ہم کو ان سے ہوسکتا ہے غزالی اور رازی سے ہم کو نہیں ہوسکتا۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کی شیخ سے محبت

حضرت مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ اگر ایک مجلس میں جنید بغدادیؒ اور ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ مجتمع ہوں تو ہم تو جنیدؒ بغدادی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں بس

ہم تو حاجی صاحب ہی کو دیکھتے رہیں گے۔ ہاں حاجی صاحب اگر چاہیں تو حضرت جنیدؒ کی طرف دیکھیں وہ ان کے لئے جنید ہو سکتے ہیں۔ ہمارے جنید تو حاجی صاحب ہی ہیں۔

صاحبو! قدر دان لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ مگر آج کل ایسا مذاق بگڑا ہے کہ اپنے زمانے کے مشائخ وعلماء کی لوگ قدر نہیں کرتے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ بعض لوگ تو عوام کے عالم ہوتے ہیں عوام کو ان سے ہی نفع پہنچ سکتا ہے اور بعضے لوگ خواص کے ہیں ان سے خواص ہی کو نفع ہو سکتا ہے عوام کو نہیں تو جنیدؒ اور غزالی سے عوام کو نفع کم ہوتا ہے کیونکہ وہ ان کو سمجھ نہیں سکتے۔ ہاں خواص کو ان سے نفع ہوتا ہے پس عوام کو تو اپنے زمانے کے مشائخ سے منتفع ہونا چاہئے اور وہ مشائخ جنیدؒ اور غزالیؒ کے علوم سے نفع حاصل کریں۔ غرض اس نظر سے اگر کوئی ریشم پہنے گا اس کو ثواب ملے گا۔ حضرت حاجی صاحب بھی بعض بزرگوں کے خوش ذائقہ اور لذیذ غذائیں کھانے کا یہی نکتہ نظر فرمایا کرتے تھے کیونکہ بعضے بزرگ بہت اچھا کھاتے پہنتے ہیں جس سے ظاہر بینوں کو شبہ ہو جاتا ہے کہ یہ کیسے بزرگ ہیں یہ تو بڑے عیش میں رہتے ہیں کہ دنیا دار بھی ایسی عیش میں نہیں۔

حضرت غوث اعظمؒ کا لذیذ کھانوں کے استعمال کا سبب

حضرت غوث الاعظمؒ کی خدمت میں ایک بڑھیا نے اپنے لڑکے کو سپرد کیا کہ حضرت اس کو بھی اللہ کا رستہ بتا دو۔ حضرت نے اس کو حمام کی خدمت سپرد کی اور دونوں وقت جو کی ایک موٹی روٹی اس کو ملا کرتی تھی۔ ایک دن بڑھیا اپنے لڑکے کو دیکھنے آئی دیکھا کہ جو کی روٹی روکھی کھا رہا ہے اور حضرت غوث اعظمؒ کو دیکھا کہ مرغ پلاؤ کھا رہے ہیں وہ بڑھیا کہنے لگی کیا انصاف ہے کہ آپ خود تو مرغے کھا رہے ہیں اور میرے بیٹے کو جو کی روٹی ملتی ہے۔ حضرت نے مرغ کی سب ہڈیاں جمع کر کے فرمایا قم باذن اللہ (اللہ کے حکم سے) کھڑا ہو جا۔ آپ کی دعا سے وہ مرغ زندہ صحیح وسالم کھڑا ہو گیا آپ نے فرمایا کہ بڑی بی جس دن تیرا بیٹا اس قابل ہو جائے گا اس وقت وہ بھی مرغے کھایا کرے گا۔ باقی ابھی تو وہ جو کی روٹی ہی کے قابل ہے۔ یہ جواب اس بڑھیا کی فہم کے موافق تھا ورنہ حقیقی جواب یہی تھا کہ

جو ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ نے دیا ہے کہ حضرت غوثؒ جو لذیذ کھانے کھاتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو اس میں نعمائے جنت کا عکس نظر آتا تھا اور صاحب ہدایہ کا یہ نکتہ محض نکتہ ہی نہیں بلکہ اس کی اصل اس سے نکلتی ہے کہ قرآن شریف میں جا بجا ذکر ہے کہ جنت میں سونے چاندی کے زیور اور انار انگور وغیرہ کے پھل ملیں گے۔ اسی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ دنیا کے انگور و انار میں اور آخرت کے انگور و انار میں صرف نام کا اشتراک ہے۔ اور یہ محض نمونہ ہیں آخرت کی نعمتوں کا ورنہ اس کی حقیقت اور ہے اور اس کی حقیقت اور مگر ان ناموں سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ ان کی مناسبت سے ان کی رغبت ہو۔

حضرات عارفین کے لذائذ کے استعمال میں نیت

خلاصہ یہ کہ اس کھانے میں دو حیثیتیں ہیں ایک یہ کہ وہ اس عالم کی چیز ہے دوسرے یہ کہ وہ اس عالم کی چیز ہے۔ یعنی وہاں کے کھانے کا نمونہ ہے تو پہلی حیثیت سے استعمال کرنا مباح اور دوسری حیثیت سے استعمال کرنا طاعت اور موجب ثواب ہے اور ایک صورت میں پہلی حیثیت سے استعمال کرنا بھی ثواب ہے وہ یہ کہ اس وجہ سے ان کو استعمال کرے کہ ہم ان کے محتاج ہیں ان کے استعمال کرنے سے ہماری احتیاج ظاہر ہوتی ہے تو اس صورت میں تمام نعمتیں اس عالم کے جزو ہونے کے اعتبار سے بھی مطلوب ہیں اور حضرات عارفین کو اسی طرح اپنے نفس کے اندر بھی دو اعتبار نظر آتے ہیں ایک یہ کہ وہ ہمارا نفس ہے۔ اس جہت سے وہ اس کی خدمت نہیں کرتے دوسرے یہ کہ وہ خدا کی چیز ہے۔ سرکاری مشین ہے اس جہت سے ان کو اپنے نفس سے بھی محبت ہوتی ہے اور اسی جہت سے وہ اس کی خدمت بہت کرتے ہیں۔

نفس کا حق

ایک بزرگ شاہ جہاں کے پاس بیٹھے تھے۔ ذرا دیوار جھکی تو فوراً ہٹ گئے بادشاہ بھی بعد میں ہٹے۔ تو ان سے شکایت کی کہ آپ کو اپنی جان کی فکر پڑ گئی میرا کچھ خیال نہ ہوا فرمایا کہ واقعی یہی بات ہے کیونکہ تم مرجاتے تمہارا بیٹا تمہاری جگہ کام کرتا مگر میں مرجاتا تو

میری جگہ کون دین کا کام کرتا۔ غرض یہ حضرات اس لئے اپنی جان کی قدر کرتے ہیں کہ وہ سرکاری چیز ہے اور سرکاری چیز کی نگہبانی اور قدر لازمی ہے۔ اگر کوئی شخص سر میں تیل اس لئے لگائے کہ یہ سرکاری مشین ہے اگر اس کو تیل نہ دوں گا خراب ہو جائے گی پھر سرکار ناراض ہوں گے۔ تو اس کو تیل لگانے میں بھی ثواب ہے اور اگر محض یہ نیت ہے کہ مجھے اس سے آرام ملے گا اس نیت سے ثواب نہ ملے گا اور اسی نسبت پر اس حدیث کو محمول کر سکتے ہیں۔ **ان لنفسک علیک حقا ان لعینک حقا (مسند احمد ٦:٢٦٨، المستدرک للحاکم ٤:٦٠)** (یعنی تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے) یعنی یہ سب چیزیں خدا تعالیٰ کی ہیں تمہارے پاس بطور امانت کے ہیں۔ ان کا حق ادا کرنا تمہارے ذمہ خدا نے فرض کیا ہے تو خدا کی چیز سمجھ کر ان کا حق ادا کرو۔ اس صورت میں تم کو سونے میں کھانے پینے میں بھی ثواب ملے گا۔ اسی مضمون کو کسی نے نظم کیا ہے ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است ☆ فتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

(اپنی آنکھوں کی وجہ سے مجھ کو ناز ہے کہ انہوں نے آپ کے جمال کو دیکھا ہے اور اپنے قدموں سے مجھ کو محبت ہے کہ انہوں نے آپ کے کوچہ کا شرف حاصل کیا ہے)

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را ☆ کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

(یعنی ہر دم اپنے ہاتھوں کو ہزاروں بوسے دیتا ہوں اس لیے کہ اس نے محبوب کا دامن پکڑ کر اس کو میری طرف کھینچا ہے۔)

چار انگشت حریر کا استعمال جائز ہے

یعنی چونکہ ان ہاتھوں پیروں سے خدا کی اطاعت کے کام ہوئے ہیں اور اس اطاعت سے قرب الٰہی میسر ہوا ہے اس حیثیت سے ان کو اپنی جان کے ساتھ اپنے اعضا کے ساتھ محبت ہوتی ہے اور خدا کی تمام نعمتوں کو بھی وہ اسی حیثیت سے محبوب رکھتے ہیں۔ اس لئے یہاں تھوڑا سا حریر جائز کر دیا جس کی مقدار شریعت نے چار انگشت رکھی ہے اس سے زیادہ خود کے لئے بھی ناجائز ہے اور بچوں کو پہنانا بھی ناجائز ہے ہاں لڑکیوں کے لئے

جائز ہے۔ غرض ایک اسراف تو یہ ہے کہ ایسا لباس پہنا جائے جس کو شریعت نے صراحۃً حرام کیا ہو اس پر بعض لوگ شبہ کرتے ہیں کہ اس کی کیا وجہ کہ بھاگلپوری ٹسر جو کہ کم قیمت ہے وہ تو ناجائز ہے اور اونی کپڑے بعض بڑے قیمتی ہیں وہ جائز ہیں۔ اس شبہ کا منشا ہے کہ ان لوگوں نے اپنی طرف سے یہ ایک بات تراش لی کہ ریشم زیادہ قیمت ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوا۔ حالانکہ یہ وجہ نہیں ہے اور نہ ہمارے ذمہ یہ واجب ہے کہ اس کی وجہ بیان کریں کہ شریعت نے ریشم کیوں حرام کیا۔

ہمارا مذہب تو یہ ہونا چاہئے کہ ؎

زبان تازہ کردن باقرار تو ☆ نینگیختن علت از کار تو

زبان سے اقرار کرنا چاہئے کوئی علۃ تلاش نہ کرنی چاہئے۔

دین میں شبہات پیدا ہونے کا سبب

ہم کو احکام شرعیہ کی تعمیل محض اس وجہ سے کرنی چاہئے کہ خدا کا حکم ہے۔ علت دریافت کرنے کے درپے نہ ہونا چاہئے۔ صاحبو! حکام کے لئے گورنمنٹ کا یہ قانون ہے کہ پھل وغیرہ ڈالی میں لینا رشوت نہیں۔ اگرچہ وہ دس بیس روپے کی قیمت کے ہوں اور ایک روپیہ لینا رشوت ہے آخر یہ کیا بات ہے۔ یہاں آپ کو شبہ کیوں نہیں ہوتا آپ کہیں گے کہ ضابطہ یہی ہے تو میں بھی کہوں گا کہ ضابطہ وہی ہے کہ ریشم نہ پہنو اور اونی کپڑا پہنو اور اونی کپڑا پہن سکتے ہو۔ اگرچہ ریشم کی قیمت کم ہو اور اون کی زیادہ۔ میں نہایت افسوس کے ساتھ پھر کہوں گا کہ ہمارے بھائی دین میں آ کر بھولے ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اس کی نظائر دنیوی قوانین میں رات دن وہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ مگر وہاں کسی کو کچھ شبہ نہیں ہوتا۔ سارے شبہات دین ہی میں پیدا ہوتے ہیں۔ واقعی بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کا تعلق ہم کو مفت میں مل گیا۔ اس کے لئے کچھ رقم صرف کرنی نہیں پڑی اس کی قدر نہیں۔ اگر حضور ﷺ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے لئے کم از کم مڈل پاس کرنا بھی ضروری ہوتا یا مولوی ہونے کی شرط ہوتی تب قدر ہوتی اب تو مفت میں لا الہ الا اللہ پڑھ لیا اور آغوش میں پہنچ گئے۔

مسلمان ہو گئے۔اب شریعت کے احکام کی کیا قدر ہو۔تو جو چیز سستی ملتی ہے اس کی یہ حالت ہوتی ہے۔

ہر کہ او ارزاں خرد ارزاں دھد ☆ گوہر طفلے بقرص نان دھد

(جوشخص کسی چیز کو ارزاں لیتا ہے وہ ارزاں دیتا ہے اس کی قدر نہیں کرتا۔چنانچہ بچہ نادان قیمتی موتی کو ایک قرص نان کے عوض میں دے دیتا ہے۔)

اس پر گویا حق تعالیٰ کی طرف سے شکایت ہوسکتی ہے کہ ہم نے اتنی بڑی دولت تم کو مفت دیدی تھی مگر تم نے اس کی یہ ناقدری کی کہ دنیاوی قوانین سے بھی اس کی وقعت کم کر دی اسی کو فرماتے ہیں۔

اے گر انجاں خوارستی مرا ☆ زانکہ بس ارزاں خریدستی مرا

(اے کاہل تو نے مجھ کو بے قدر سمجھ رکھا ہے وجہ یہ ہے کہ میں تجھ کو مفت میں مل گیا ہوں۔تو حضور ﷺ آپ کو مفت مل گئے ہیں۔اس لئے آپ کے احکام کی قدر نہیں کی جاتی۔)

مفت کی قدر نہیں ہوتی

حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ کے سامنے جب کوئی فقر وفاقہ کی شکایت کرتا تو آپ بڑے خفا ہوتے اور فرماتے کہ میاں اس کی قدر ہم سے پوچھو کہ سلطنت بلخ دے کر ہم نے اس کو مول لیا ہے۔تم کو گھر بیٹھے یہ دولت مل گئی ہے اس لئے اس کی ناقدری کرتے ہو اسی طرح ہم کو حضور ﷺ کی قدر نہیں ہے۔جبھی تو احکام شرعیہ میں یہ مین میکھ نکالے جاتے ہیں لیکن حضور ﷺ سے تو کچھ پوچھ نہیں سکتے کہ آپ نے ایسے احکام کیوں مقرر فرمائے کیونکہ حضور ﷺ کی تو شان ہے

درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند ☆ آنچہ استاد ازل گفت بگو میگویم

(یعنی میں اپنی طرف سے باختیار خود کوئی بات نہیں کہتا بلکہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کہو وہی کہتا ہوں۔)

ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ حق

تعالیٰ کا حکم ہے اس لئے آپ سے پوچھنے کا تو کسی کو کچھ حق نہیں۔

علماء سے اسرار وعلل احکام دریافت کرنا مناسب نہیں

ہاں اللہ میاں بہت جلد ملیں گے خواہ خوش ہو کر یا ناراض ہو کر اس وقت پوچھ لینا۔ جیسے دلی میں ایک دیہاتی گیا تھا اور وہ بادشاہ کے درشن کرنا چاہتا تھا۔ ایک شخص نے اس کو یہ تدبیر بتلائی کہ تو کسی حرام کا ارتکاب کرلے سپاہی تجھے پکڑ کر بادشاہ کے پاس پہنچا دیں گے چنانچہ اس بیوقوف نے ایسا ہی کیا کہ کسی بھلے مانس آدمی کے چار جوتے لگا دیئے۔ بس اب کیا تھا ہتک عزت کا مقدمہ اس پر دائر ہو گیا اور شاہی عدالت میں حاضر کیا گیا بادشاہ کے درشن تو ہو گئے مگر اس صورت سے کہ آپ مجرم تھے اور بادشاہ ناراض۔ اسی طرح حق تعالیٰ سے ملنا ہر ایک کو نصیب ہوگا مگر بعضے وہاں پر مجرم بنا کر پیش کئے جائیں گے تو اس وقت اللہ میاں سے پوچھ لینا کہ یہ کیا بات ہے کہ چار روپے گز کی چکن تو آپ نے حلال کی تھی اور بھاگلپوری ٹسر ایک روپے گز کا حرام۔ اول تو وہاں پوچھنے کی گنجائش نہیں۔ **لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون** یعنی اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتے ہیں ان سے کوئی باز پرس نہیں کرسکتا اور اوروں سے باز پرس کی جاسکتی ہے اور اگر بالفرض کسی نے پوچھ بھی لیا تو حقیقی جواب وہیں سے ملے گا اور ایسا جواب ملے گا کہ بس پوری تسلی ہو جائے گی۔ لوگ خواہ مخواہ علماء کو پریشان کرتے ہیں۔ ان سے احکام کی علل (علتیں) دریافت کرتے ہیں۔ علماء کیا واضع قانون ہیں ان کو علت کی کیا خبر اور خبر ہو تو اس کا بتلانا ان کے ذمہ کدھر سے واجب ہے۔ ان کی مثال تو محض وکیل جیسی ہے۔ وکیل کے ذمہ قانون کا بیان کرنا ہے علل کا بتلانا اس کے ذمہ نہیں تو علماء سے علت پوچھنے کی کسی کو گنجائش نہیں، اور اگر علت معلوم کرنے کا ایسا ہی شوق ہے اور محقق بننا چاہتے ہو تو آؤ حدیث وفقہ پڑھو۔ احیاء العلوم وغیرہ پڑھو۔ پھر ان شاء اللہ بعض احکام کے اسرار بھی معلوم ہو جائیں گے۔ اور تم کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ عوام کے سامنے احکام کے اسرار وعلل کا بیان کرنا مناسب نہیں اس سے ان کو ضرر ہوتا ہے مگر کبھی بہت ہی ضرورت ہو تو خیر علماء کو بیان کر دینا مضائقہ بھی نہیں۔ مگر ان کا سوال پھر بھی مضر ہے۔

حریر کی خاصیت

غرض کم قیمت زیادہ قیمت ہونے پر حرمت حریر کا مدار نہیں۔ خود حریر کی خاصیت اس کو مقتضی ہے کہ وہ حرام ہو اور اسی خاصیت کا ہم کو علم ہونا ضروری نہیں شارع کو معلوم ہونا کافی ہے تو ایک تو حد شرعی یہ ہے کہ خود وہ شے ممنوع ہو۔ دوسرا حکم شرعی یہ ہے کہ بعض کسی عارض کی وجہ سے لباس کے ساتھ ممانعت متعلق ہو جاتی ہے مثلاً اہل باطل کے ساتھ تشبہ ہونے سے بھی بعضے لباس حرام ہو جاتے ہیں۔ ایک عارض یہ ہے کہ لباس فی نفسہ اسلامی ہو اور کپڑا بھی ریشم کا نہ ہو نہ ٹخنوں سے نیچا ہو۔ ظاہر میں بالکل شریعت کے موافق ہو لیکن نیت اچھی نہیں۔

امتیاز شان کی نیت شرعاً کبر ہے

علماء کی وضع کوئی شخص اس نیت سے اختیار کرے کہ ذرا شان امتیاز پیدا ہوگی تو یہ بھی حرام ہے کیونکہ منشاء اس کا یہ ہے کہ امتیاز شان اور ترفع حاصل ہو اور یہ منشاء شرعاً کبر میں داخل ہے اور یہ مرض عورتوں میں بھی بہت زیادہ ہے، کپڑا خریدنے میں اکثر ان کی نیت اچھی نہیں ہوتی۔ سردیوں میں رضائی کی چھینٹ خریدتی ہیں تو کوشش یہ ہوتی ہے کہ ایسی چھینٹ ہو کہ محلہ بھر میں ویسی نہ نکلے۔ ہمارے ہاں ایک بڑی بی ہیں وہ ہر کپڑا دو برس کا خریدتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اگلے سال ایسا کپڑا ملے یا نہ ملے اگر نہ ملے گا تو میں کچھ دنوں تک تو عمدہ کپڑا پہن لوں گی اور منشاء وہی ہے کہ چار بیبیوں میں میرا لباس ممتاز نظر آئے گا۔ عورتوں کو اس کا بڑا خبط ہوتا ہے دو وجہ سے ایک تو یہ کہ عورتیں عقل کم رکھتی ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ کم عقل آدمی کو بڑائی کا دعوی بہت ہوتا ہے اگر عقل ہو تو جس کمال میں اپنے آپ کو بڑا سمجھیں گے اسی میں بہت سے نقص بھی معلوم ہوں گے۔ اس لئے عاقل کو دعوی کمال کم ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تکلف اور بناؤ سنگار کی رغبت اس شخص کو ہوتی ہے جس میں کمال نہ ہو کیونکہ عزت تو ہر شخص کو محبوب ہے لیکن جس کے پاس کمال ہوتا ہے وہ تو اس عزت پر مطمئن رہتا ہے جو اس کو کمال کی بدولت حاصل ہے بلکہ یوں کہئے کہ اس پر

اپنے کمال کا نشہ ایسا سوار ہوتا ہے کہ تکلفات کی طرف اس کو التفات بھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ کیمیا والوں کو دیکھا ہوگا کہ ان کی ظاہری حالت بہت شکستہ ہوتی ہے اور جس کے پاس کمال نہیں ہوتا اس کو عزت تو حاصل نہیں اس وجہ سے وہ دوسرے اسباب سے اپنی عزت بڑھانے کے لئے کوشش اور تکلف کرتا ہے چنانچہ عورتوں میں کمال تو ہوتا نہیں اس لئے وہ تکلف اور بناؤ سنگار کی فکر میں رات دن رہتی ہیں اور غضب یہ ہے کہ بچیوں تک میں یہ خیالات ہوتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ بچپن ہی سے ان کو زیور میں لاد دیا جاتا ہے۔

چھوٹی بچیوں کو زیورات پہنانے کی قباحتیں

میں نے اکثر بچیوں کو دیکھا ہے کہ ان کو تکلف اور تصنع کا بہت شوق ہوتا ہے، سر سے پیر تک بڑی عورتوں کی طرح زیور میں لدی ہوئی ہیں۔ افسوس ہے کہ بچپن ہی سے نشو ونما خراب ہوجاتا ہے اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ اس کی تعلیم اور اصلاح کی طرف توجہ نہیں کی جاتی بلکہ اور اس کی تائید کی جاتی ہے۔ دوسرے جب ہر وقت ان کے ہاتھ پیروں میں زیور چھن چھن ہوگا تو اخلاق پر بھی اسکا ضرور اثر ہوگا۔ ہمارے یہاں ایک گاؤں کی لڑکی تھی اس کی پھوپھی نے اس کو جھانوریاں پہنا دیں تھیں۔ بس جھانوریاں پیروں میں کیا پڑیں کہ اس نے اینٹھنا شروع کر دیا حتی کہ ایک بار ایسا ہوا کہ ہم عمر لڑکیوں سے وہ رتبہ میں کم تھی ان کے سرہانے بیٹھنا چاہتی تھی اور سرہانے جگہ نہ تھی تو وہ کھڑی رہی اور پائنتیں پر نہیں بیٹھی اس کی پھوپھی کہنے لگی کہ جانے اس کو کیا ہوگیا یہ تو اینٹھ گئی میں نے کہا کہ جھانوریاں اس کے پیروں سے نکال دو سیدھی ہوجائے گی آخر نکال دی گئیں تو فوراً ٹھیک ہوگئی۔ تو زیور کا یہ اثر ہوتا ہے۔ اخلاق پر پھر ان کو زیور سے علاقہ ہوجاتا ہے۔ ہمیشہ کیلئے اس کی دھن اور فکر لگ جاتی ہے۔ اس لئے میری رائے یہ ہے کہ جب تک لڑکی پردہ میں نہ بیٹھ جائے اس وقت تک اس کو ہرگز زیور نہ پہناؤ اور ویسے بھی باہر پھرنے والی بچی کو زیور پہنانا نہایت خطرناک ہے۔ یہ اس کے ساتھ محبت نہیں بلکہ اس کی جان کے ساتھ عداوت ہے ہمارے ہاں ایک آٹھ نو برس کی لڑکی عید کے روز زیور پہن کر گھر سے نکلی۔ مرد سب عیدگاہ چلے گئے تھے کسی نے اسکو ایک کھنڈر میں

لے جا کر تمام زیور اتار لیا اور غنیمت ہوا کہ اس گلا نہیں گھونٹ دیا ورنہ ایسے واقعات بھی ہوئے ہیں تو بچیوں کو زیور پہنانا نہ چاہئے۔ اس میں علاوہ اخلاق خراب کرنے کے ان کی جان کو بھی خطرہ میں ڈالنا ہے ہاں اگر شوق ہو تو اس وقت پہناؤ جب وہ پردہ میں بیٹھ جائیں۔

سات برس کی بچی کو پردہ کی عادت ڈالنا مناسب ہے

اور پردہ کا وقت جو میں نے سمجھا ہے وہ سات برس کا سن ہے۔ میں نے نواب ڈھاکہ کے جواب میں بھی یہی کہا تھا اور یہ وقت میں نے اس حدیث سے سمجھا مروا صبیا نکم بالصلوٰۃ اذا بلغوا سبعاً (مسند احمد ۲:۱۸۰، حلیۃ الأولیاء ۱۰: ۳۶) کہ اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم سات برس کی عمر سے کرو۔ اس سے اتنا معلوم ہوا کہ بچوں کو احکام شرعیہ کی عادت سات برس کی عمر سے ڈالنا شروع کرو اور یہ پردہ بھی حکم شرعی ہے اور اس کا بلوغ سے پہلے ہی شروع کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ اول تو لڑکیاں بلوغ سے پہلے ہی مشتہات ہو جاتی ہیں دوسرے بلوغ سے پہلے اس کے لئے بھی وہی سن مناسب ہے جو نماز کے لئے حضور ﷺ نے تجویز کیا ہے تو اس سے میں سمجھا کہ سات برس کی بچی کو پردہ کی عادت ڈالنی چاہئے۔ اب جب وہ پردہ میں بیٹھ جائے اس کو زیور پہناؤ تو اس کے اخلاق پر برا اثر نہ ہوگا کیونکہ بچپن کی جو عمر ہوتی ہے اس میں جو کچھ جمنا ہوتا جم چکتا ہے۔ حرص، قناعت، تکبر تواضع جو کچھ بھی جمنا ہوتا ہے چار پانچ برس کی عمر ہی میں جم چکتا ہے تو سات برس کی عمر تک جب وہ بغیر زیور کے رہی ہے تو اس کے بعد اس کو زیور سے ضرر نہ ہوگا اور چونکہ اب پردہ میں رہتی ہے اس لئے اور کسی قسم کا بھی اندیشہ نہیں تو عورتوں کو چونکہ ابتداء سے زیور کا شوق ہوتا ہے اس لئے جب کبھی دو چار کو ایک جگہ بیٹھے دیکھا تو یا تو شادی بیاہ کے تذکرے یا زیور کی تول جھونک یا گوٹہ ٹھپہ کی تعریف و مذمت اسی قصہ میں ہمیشہ دیکھا ہم کو تو ان چیزوں کے نام بھی یاد نہیں۔ کبھی گوکھرو دکھلاتی ہیں کہ بی یہ اچھا بھی ہے یا نہیں۔ کوئی چیمک اور بانکڑی کے لئے صلاح لیتی ہے۔ جب ان کی محفل جمتی ہے اس میں بھی باتیں ہوتی ہیں، ایسا کبھی نہیں دیکھا کہ چار عورتیں جمع ہو کر دین کا تذکرہ کرتی ہوں۔ میں نے بعض عورتوں سے پوچھا کہ سچ سچ بتاؤ تم کو اس وقت اللہ میاں

بھی یاد آتے ہیں۔ افسوس خدا تعالیٰ کی یاد جو کہ اس شعر کا مصداق ہے

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی ☆ شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

(یعنی اس محبوب حقیقی سے یک چشم زدن کے لئے غافل نہ ہو ممکن ہے کہ کسی وقت تم پر توجہ فرمائیں اور تم بے خبر ہو۔)

حق تعالیٰ کی خاص عنایت کی گھڑی

اس کی تو ایسی بے قدری کہ ذرا بھی اس کا اہتمام اور خیال نہیں اور زیور کا اتنا خیال ہے کہ کسی وقت دل سے اترتا ہی نہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ ان لربکم نفحات فی الدھر الا فتعر ضو الھا (مجمع الزوائد ۱۰:۲۳۱ کنز العمال: ۲۱۳۲۴) ۔ کہ دن رات میں کسی وقت حق تعالیٰ کی عنایت ہوتی ہیں۔ ان کے لئے تم کو آمادہ رہنا چاہئے۔ اسی مضمون کو شعر گزشتہ میں نظم کیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ سے ایک پل بھر بھی غافل نہ ہونا چاہئے۔ ممکن ہے کہ کسی وقت وہ تم پر توجہ فرمائیں اور تم بے خبر ہو سو غفلت اور بے خبری میں ظاہر ہے کہ وہ الطاف وعنایات تمہارے حال پر نہ ہوں گی۔

شادی بیاہ میں اسراف

صاحبو! آپ نے دیکھا ہوگا کہ شادیوں میں پیسوں کا نچھاور ہوتا ہے جس کو بھنگی وغیرہ لوٹتے ہیں۔ تو وہ لوگ اس کے لئے ہر دم کیسے آمادہ رہتے ہیں کہ نچھاور کرنے والے کے ہاتھوں ہی کو تکتے رہتے ہیں تو دولت پائیدار کے لئے تو اس سے زیادہ آمادہ رہنا چاہئے۔ افسوس ہم کو خدا تعالیٰ کی خاص عنایات کی اتنی بھی قدر نہیں اور ہم ان کے لئے کچھ بھی آمادہ نہیں ہوتے۔ اور فضولیات میں اپنے وقت کو ضائع کرتے رہتے ہیں اور خیر اگر یہ بھی نہ ہو کہ ہر دم متوجہ رہیں تو غفلت کے اسباب کو تو جمع نہ کرنا چاہئے خدا نے اگر دیا ہے تو کھاؤ پہنو۔ مگر جیسا بھی مل گیا ویسا پہن لیا۔ اس کی کیا ضرورت ہے کہ سارے محلے سے صلاح لیتے پھرو کہ بہن یہ کپڑا کیسا ہے۔ یہ چھینٹ اچھی وضع کی بھی ہے یا نہیں۔ ارے بھائی جو تمہارے من کو بھائے بس وہی اچھی ہے۔ مگر عورتوں کو اس کا خبط ہوتا ہے

کہ ایسا کپڑا پہنیں گی جس پر چار بیبیوں کی نگاہیں پڑیں۔

حیف باشد دل دانا کہ مشوش باشد

یعنی اس دانا کے دل پر افسوس ہے کہ پریشان رہتا ہے۔

شوہر کے رشوت لینے کا سبب

پھر غضب یہ کہ سارے اچھے اچھے کپڑے سی پرو کر ٹا نک کر صندوق میں رکھ دیئے جاتے ہیں۔ گھر میں شوہر کے سامنے ان کا استعمال نہیں ہوتا۔ خیر اگر وہ شوہر کے لئے ایسا کرتیں تب بھی جواز کی حد میں یہ سب زینت و آرائش اور تکلف وغیرہ آسکتا ہے کیونکہ شوہر کے لئے بناؤ سنگار و زینت و آرائش کرنا مسنون اور موجب ثواب ہے مگر شوہروں کے سامنے تو یہ عورتیں بھنگیوں کی طرح خراب وخستہ حال میں رہتی ہیں اور جب کہیں جاتی ہیں تو نواب زادی اور بیگم بن کر جاتی ہیں۔ پھر غضب یہ کہ وہاں جا کر یہ بھی تو نہیں ہوتا کہ چین سے بیٹھ جائیں اس پر اکتفا نہیں کرتیں بلکہ وہاں جا کر ہر ایک کو دیکھتی ہیں کہ کس کا زیور کیسا اور کس کا لباس کیسا ہے اور پھر آ کر خاوند سے یہ فرمائش ہوتی ہے کہ فلانی کے پاس تو ایسا سامان ہے ہمارے پاس بھی ویسا ہی ہونا چاہئے۔ آخر شوہر رشوت لینے پر مجبور ہوتے ہیں

بناؤ سنگھار کا انجام

چرتھاول میں ایک بی بی تھیں اس کے خاوند کی تنخواہ بیس روپے تھی، ایک بار عورتوں کے مجمع میں ان سے شوہر کی تنخواہ کی مقدار پوچھی گئی اب بیس روپے بتلائیں تو اہانت ہے اور زیادہ کس طرح بتلا دیں تو آپ کہتی ہیں کہ تنخواہ تو بیس روپے ہیں مگر ماشاء اللہ اوپر کی آمدنی بہت ہے۔ تو رشور لیتے لیتے اس کی برائی ایسی دل سے نکلی کہ اس پر ماشاء اللہ پڑھا جاتا ہے۔ مگر جس زینت اور بناؤ سنگار کا یہ نتیجہ ہو اس کا انجام کیا ہوگا۔ بس وہ انجام ہوگا جس کو کوئی بزرگ فرماتے ہیں

عاقبت سازد ترا از دیں بری ☆ ایں تن آرائی وایں تن پروری

کہ آخر کار اس آرائش اور تن پروری میں دین برباد ہو جائے گا اور خدا کے سامنے

خالی ہاتھ ہو جاؤ گے۔ غرض عورتوں کو رات دن اسی کی فکر رہتی ہے کہ زیور ایسا ہو کپڑا ایسا ہو جوتہ ویسا ہو اور اس میں زیادہ تر تفاخر کی نیت ہوتی ہے۔ تو اس صورت میں بھی حد شرعی سے تجاوز ہوا۔ کیونکہ نیت اچھی نہیں اس لئے گناہ ہوگا۔ یہ بھی ایک قسم کا اسراف ہے۔ اب اگر کوئی سوال کرے کہ پھر لباس ''کیا'' نیت کر کے پہننا چاہئے تو اس کا بھی جواب سن لیجئے۔ لباس کی نیت کے کئی درجے ہیں۔ ایک تو نیت ہے رفع ضرورت کی یہ تو گاڑھے اور گزی سے بھی ہو سکتی ہے۔ یہ نیت تو طاعت ہے اس کے بعد ایک نیت یہ بھی ہے کہ ہم کو آسائش و آرام ہو یہ نیت بھی جائز ہے۔ اس صورت میں کپڑا ذرا قیمتی ہوگا مگر بھڑک دار ہونا ضروری نہیں۔ تیسری نیت سے آرائش یعنی تجمل کی۔ آپ آرائش کا نام سن کر ڈرے ہوں گے کہ یہ ناجائز ہوگا۔ مگر آپ گھبرائیے نہیں۔ شریعت ایسی تنگ نہیں۔ خدا کی رحمت ہے کہ یہ بھی جائز ہے مگر تجمل کے معنی یہ ہیں کہ اپنا جی خوش کرنے کے لئے عمدہ لباس پہنا جائے۔ اس کا مضائقہ نہیں ہے۔ اگر چوتھی نیت ہے نمائش کی۔ یہ ہے تکبر کا نمونہ یہ حرام ہے اس کو فرماتے ہیں **من لبس ثوب شهرة البسه الله ثواب الذل يوم القيامة (مسند احمد ۲: ۹۲' مشکوة المصابیح: ۴۳۴۶)** یعنی جو شخص شہرت کے لئے لباس پہنے گا تو اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائیں گے۔

آرائش و نمائش میں فرق

اب آرائش اور نمائش میں فرق سمجھنا چاہئے۔ آرائش کے معنی اوپر معلوم ہو چکے کہ اپنا جی خوش کرنے کے لئے عمدہ لباس پہنا اور نمائش یہ ہے کہ دوسروں کو دکھانے اور دوسروں سے نظریں لڑانے کی نیت ہو یہ حرام ہے تو آپ عمدہ لباس پہنئے اگر خدا نے وسعت دی ہو مگر نیت یہ رکھئے کہ اس سے اپنا دل خوش ہوگا۔ نمائش کی نیت نہ کیجئے مگر اپنا دل خوش کرنے کی نیت ایسی نہ ہو جیسی اسی سفر میں مجھے ایک صاحب نے عشاء کی نماز پڑھانے کو کہا۔ میں نے کہا میں قصر کروں گا۔ کوئی اور صاحب پڑھا دیں کہنے لگے کہ اقامت کی نیت کر لیجئے۔ میں نے کہا سبحان اللہ۔ اسباب بندھا رکھا ہے آدمی ٹکٹ لینے گیا ہوا ہے۔ ایسے

میں اقامت کی وہ نیت کیا خاک ہوگی۔ محض خدا کو دھوکا دینا ہوگا تو وہ نیت ایسی نیت نہ ہو کہ دل میں تو دوسروں کی نظریں لڑیں اور محض جائز کرنے کے لئے زبان سے یہ کہیں کہ ہم نے تو صرف اپنا دل خوش کرنے کی نیت سے یہ عمدہ لباس پہنا ہے۔ تو لفظوں کا نام تو نیت نہیں ہے۔ نیت تو دل سے ہوتی ہے پس لفظوں کا اعتبار نہ کرو بلکہ دل کے چور کو دیکھو تو وہ چور ایسی جلدی نہیں نکلا کرتا بلکہ اس کے لئے چند روز اس کی ضرورت ہے کہ

قال را بگذار مرد حال شو ☆ پیش مرد کا ملے پامال شو

قال کو چھوڑو حال پیدا کرو یہ اس وقت پیدا ہوگا جب کہ کسی اہل اللہ کی جوتیاں سیدھی کرو۔

اہل زینت کی اقسام

البتہ اگر کسی کو ابتداء سے اہل اللہ کی صحبت میسر ہوئی ہو تو وہ بے شک اس مرحلے کو طے کر چکا ہے۔ اس کو آج وہ بات حاصل ہے جو آپ کو برسوں کے مجاہدے کے بعد حاصل ہوگی اور اگر کسی کو ابتداء فطرت ہی سے زینت پسند ہو تو اس کو بغیر مجاہدہ کے تجمل و آرائش جائز ہے کیونکہ وہ عمدہ لباس اپنی فطری عادت کی وجہ سے پہنتا ہے اس کو کسی کا دکھانا مقصود نہیں ہوتا۔ چنانچہ بعضے روساء نفیس المزاج ہوتے ہیں۔ وہ بچپن سے عمدہ لباس ہی میں پرورش پاتے ہیں ان کی طبیعت زینت پسند ہوتی ہے وہ اپنی عادت کی وجہ سے اچھا لباس پہنتے ہیں اور ان کی نظر میں اس قیمتی لباس کی وہی وقعت ہوتی ہے جو وقعت ہمارے دل میں گاڑھے دھوتر کی ہے کیونکہ ہم اس کے عادی ہیں اس لئے اس کو کوئی عجیب چیز نہیں سمجھتے اور وہ عمدہ قیمتی لباس کے عادی ہیں وہ اس کو کوئی نئی چیز نہیں سمجھتے مگر میں اس کی ایک شناخت بتلاتا ہوں اس سے امتحان ہو جائے گا کہ خوبصورت لباس نمائش کے لئے کون پہنتا ہے اور لطافت طبیعت کی وجہ سے کون۔ وہ یہ کہ یہ دیکھو کہ یہ شخص تنہائی میں کیسے رہتا ہے تو زینت کرنے والے لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو کہ اپنے گھر میں بھی زینت سے رہتے ہیں۔ یہ تو لطافت مزاج کی علامت ہے ورنہ اگر ایسی حالت نہیں ہے بلکہ گھر میں تو معمولی حالت میں رہتے ہیں اور جب باہر نکلتے ہیں تو بن ٹھن کر نکلتے ہیں تو یہ تکلف و نمائش ہے۔

آرائش کی شرعاً اجازت ہے

میں نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ گھر میں تو رہیں گے لنگی باندھ کر جیسے کوئی مزدور ہو اور باہر نکلیں گے نواب بن کر تو آرائش کی شرعاً اجازت ہے اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے ان الله جميل يحب الجمال (الصحيح المسلم' الايمان: ۱۴۷' مشكوة المصابيح ۵۱۰۸) (اللہ تعالیٰ جمیل ہیں جمال کو پسند کرتے ہیں)۔ اس سے زیادہ آپ اور کیا چاہتے ہیں لیکن دوسروں کو اچھا معلوم ہونے کے لئے عمدہ لباس نہ پہنو کہ یہ نمائش ہے مگر اس میں بھی کسی قدر تفصیل ہے اور وہ یہ کہ اگر عمدہ لباس اس نیت سے پہنیں کہ دوسرے لوگ ہم کو حقیر نہ سمجھیں تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ ذلت سے بچنا بھی مطلوب ہے۔ اگر ایک رئیس آدمی گاڑھے کے کپڑے پہننے لگے تو لوگ اس کو بخیل اور کنجوس مشہور کریں گے کہ کمبخت کے پاس خدا کا دیا ہوا سب کچھ موجود ہے مگر صورت ایسی بناتا ہے جیسے کوئی مزدور ہو۔ تو اس ذلت سے بچنے کے لئے بھی عمدہ لباس پہننا جائز ہے۔ مگر ہاں یہ نیت جائز نہیں کہ لوگوں میں ہماری بڑائی ہوگی ممتاز معلوم ہوں گے تو دیکھئے شریعت میں کہاں تک اجازت ہے گویا چار سے صرف ربع چوتھائی کی ممانعت ہے اور اس میں سے اتنی نمائش کی بھی اجازت ہے کہ دوسروں کی نظروں میں ذلیل وحقیر نہ ہو تو گویا صرف آٹھواں حصہ ممنوع ہے مگر اب بھی آپ کہتے ہیں کہ شریعت میں بڑی تنگی ہے۔ اس آٹھویں حصہ کی بھی اجازت دینی چاہئے۔ کیوں صاحب اس کی اجازت کیوں دینی چاہئے۔ تکبر اور بڑائی کا آپ کو کیا حق حاصل ہے۔ اس کو کیوں جائز کر دیا جائے۔ غرض نمائش کرنا یعنی دوسروں کی نظر میں بڑا بننے کے لئے زینت کرنا کہ ہمیں پر نظر پڑے یہ ناجائز ہے۔

تکبر نئی ترکیبیں سکھاتا ہے

آجکل عورتیں کثرت سے اسی مرض میں مبتلا ہیں جب وہ کہیں جاتی ہیں تو اس کی کوشش کرتی ہیں کہ ساری بیبیاں ہمیں کو دیکھیں اور اس کے لئے بعض تو بجتا ہوا زیور پہنتی ہیں کہ اس کی جھنکار سن کر سب کے سب ان کی طرف متوجہ ہو جائیں اور بعض جو نیک ہیں وہ بجتا

ہو از یور تو نہیں پہنتیں مگر وہ اور ترکیب کرتی ہیں کہ محفل میں بیٹھ کر گرمی کے بہانے گلا کھول کر دکھلا دیا۔ گریبان کے بٹن کھول دیئے کان کھول کر دکھلا دئے۔ جب سب نے دیکھ لیا ان کے پاس بہت زیور ہے تو اب بھلی مانس ہو کر بیٹھ گئیں۔ حضرت یہ ان کی ترکیبیں ہیں اور یہ سکھلاتا کون ہے۔ وہ تکبر۔ یہ تکبر بہت بری بلا ہے اس سے بچنا چاہئے یہ تو اسراف کے قواعد عامہ تھے ۔اب ایک بات رہ گئی وہ یہ کہ ایک اسراف اب بھی ہے جو ہر ایک کے لئے اسراف نہیں بلکہ ایک شخص کے لئے اسراف ہے اور دوسرے کے لئے نہیں اور غالباً طالب علم بھی اس سے خوش ہوئے ہوں گے کہ ہم کو عوام سے یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ یہ ہمارے لئے اسراف نہیں تمہارے لئے اسراف ہے مگر تفصیل سن کر یہ خوشی جاتی رہے گی کیونکہ اس اسراف میں غریب لوگ زیادہ مبتلا ہیں۔ مثلاً ایک قیمتی کپڑا ہے اس کو ایک شخص خریدنا چاہتا ہے اور نمائش کی نیت سے نہیں خریدتا تو یہ اس کے لئے جائز ہے یا نہیں تو بات یہ ہے کہ وہ ایک شخص کے لئے جائز ہے اور ایک کے لئے نہیں یعنی گنجائش والے کو تو جائز ہے اور عسیر الحال تنگ دست کے لئے اسراف میں داخل ہے اور نا جائز ہے کیونکہ اس میں وہ ایک حد شرعی سے تجاوز کرتا ہے۔

صدقہ میں وسعت سے زیادہ خرچ کرنا مناسب نہیں

حدود شرعیہ میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ وسعت سے زیادہ خرچ نہ کرو حضور ﷺ فرماتے ہیں افضل الصدقة ماکان عن ظهر غنی (الصحیح للبخاری ۷ : ۸۱' الصحیح لمسلم' الزکاة ۹۵) بہتر صدقہ وہ ہے کہ دے کر بھی کچھ پاس رہے وابداء بمن یتمول۔ شروع کرو ان لوگوں سے جن کا نفقہ تمہارے ذمہ لازم ہے، ایک مقدمہ تو یہ ہوا کہ صدقہ میں وسعت سے زیادہ خرچ کرنا نہ چاہئے۔ دوسرا مقدمہ اس کے ساتھ اور ملا لیجئے وہ یہ کہ صدقہ تمام نفقات سے افضل ہے اب نتیجہ یہ نکلا کہ جب صدقہ میں یہ قید ہے کہ وسعت سے زائد خرچ نہ کیا جائے تو پھر اپنے لباس میں اس کی کہاں اجازت ہوگی کہ وسعت سے زیادہ خرچ کیا جائے یہ تو حدیث کا مضمون ہے رہی یہ بات کہ اس حدیث کا راز کیا ہے وسعت سے زیادہ خرچ کرنا ممنوع کیوں ہوا۔ سو وہ راز یہ ہے کہ وسعت سے زیادہ خرچ کرنے والا قرض لے گا اور قرض لینا بلا ضرورت جائز نہیں کیونکہ اس

سے پریشانی ہوتی ہے اور خواہ مخواہ اپنے کو پریشانی میں ڈالنا جائز نہیں نیز بعض دفعہ قرض لینے سے ذلت بھی ہوتی ہے اور اپنے کو ذلیل کرنا بھی جائز نہیں حدیث میں ہے **لا ینبغی للمؤمنین ان یذل نفسه**(سنن الترمذی، ۲۲۵۴، سنن ابن ماجة : ۴۰۱۶) مسلمان کو مناسب نہیں کہ اپنے کو ذلیل کرے **قالوا یارسول الله و کیف یذل نفسه قال تحمل من البلاء لما لا یطیقه** صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مسلمان اپنے کو ذلیل کیونکر کیا کرتا ہے فرمایا کہ اپنی سر پر ایسی بلا لے لے جس کے تحمل کی اس میں طاقت نہیں ہے۔

دیکھئے حضور ﷺ کو آپ کے ساتھ کس درجہ کی محبت ہے کہ آپ کی ذلت حضور ﷺ کو گوارا نہیں اس پر بھی مسلمان احکام شریعۃ کی قدر نہیں کرتے تو قرض کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ابواب غیر مباحہ کی طرف نظر جائے گی ذلیل کام کرنے لگے گا۔ کہیں جوا کھیلے گا کہیں جھوٹی شہادت دیگا، کہیں رشوت لے گا۔ دھوکہ دے کر کبھی ظلم کر کے لوگوں کا مال دبانا چاہے گا۔ چنانچہ ایک زمیندار کی حکایت سنی ہے کہ وہ کسی بنئے کا قرض دار تھا اور قرض بھی سودی تھا اور پاس کچھ تھا نہیں۔ یہ کاہے کی بدولت فقط اسراف کی بدولت کہ گنجائش زیادہ تھی نہیں اور خرچ بہت کرتا تھا۔ جب قرض زیادہ ہو گیا تھا۔ مہاجن نے مطالبہ کیا کہلا بھیجا کہ اچھا بھائی لے آؤ اور مجھ سے وصول کر کے اس پر دستخط کردو وہ لالچ کے مارے بھائی کے لے کر پہنچا۔ اس زمیندار نے وہاں ایک قبر کھدوا رکھی تھی مہاجن سے کہا کہ یا تو وصولیابی کے دستخط کردو ورنہ یہ قبر تمہارے لئے ہے۔ آخر دستخط کرنا پڑے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کافر کا مال لینے اور دبانے میں کیا حرج ہے مگر محققین تو یہ کہتے ہیں کہ اگر مال مارنا ہے تو مسلمان ہی کا مارو۔ کیونکہ قیامت میں اگر کسی کا حق تمہارے ذمہ ہو تو وہ تمہاری نیکیاں لے لے گا۔ تو نیکیاں دینا ہے تو بھائی مسلمان ہی کو دو کافر کو کیوں دیتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ شریعت اسلامیہ ایسی نہیں کہ وہ اپنے ہی لوگوں کی رعایت کرے۔ دوسرے کی رعایت نہ کرے۔ شریعت اسلامیہ نے اپنے مخالفین کی جیسی رعایت کی ہے کسی نے بھی ایسی رعایت نہیں کی یوں دعوی تو جس کا جی چاہے کر دے۔ مگر عمل کر کے بھی تو کوئی دکھلائے مگر افسوس ہے کہ اہل اسلام کی قدر دوسری قوموں نے بہت کم کی ہے چنانچہ آج

دیکھئے ان کے ساتھ کیسے کیسے معاملات کئے گئے ہیں۔

اسراف کا ناجائز ہونے کا سبب

اسی طرح پرانی حکایت سنی گئی ہے کہ ایک بنئے کا قرض کسی خان صاحب پر تھا اور بہت زیادہ قرض کی ادائیگی کی کوئی سبیل نہ تھی اس نے اپنے چند دوستوں کو جمع کر کے یہ تدبیر نکالی کہ اپنے گھر پر ایک مجمع کیا۔ اور ڈھول باجہ بھی منگوایا۔ جس سے دیکھنے والوں کو یہ خیال ہوا کہ برات آئی ہے پھر اس بنئے کو بلوایا اور اس سے کہا کہ لالہ جی آج ہمارے یہاں شادی ہے۔ ہمارے یہاں نوتہ آئے گا آکر اپنا حساب بے باق کر وہ وہ خوشی خوشی آ گیا جب وہ قبضہ میں آ گیا تو کہا فارغ خطی لکھ دو ورنہ تلوار سے تمہارے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔ وہ چلاتا ہے تو ڈھول تاشہ کی آواز میں کچھ سنائی نہیں پڑتا آخر لالہ جی نے فارغ خطی لکھی۔ فارغ خطی کو اپنے قبضہ میں کر کے کہنے لگا کہ لالہ جی بس اپنے گھر جاؤ روپیہ تم کو وصول ہو چکا ہے۔ یہ فارغ خطی موجود ہے وہ غریب اپنا سامنہ لے کر چلا گیا۔ ایک دفعہ وہ دوکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ باجہ بجنے کی آواز آئی اس کے لڑکے نے کہا کہ ابا میں برات دیکھ آؤں کہنے لگا کہ منکا منکا برات نہیں پھارگ رکھتی (فارغ خطی) لکھواتے ہوں گے۔ وہ غریب اب برات کو فارغ خطی ہی سمجھنے لگا۔ تو صاحبو! اس اسراف کی بدولت جب قرض ہو جاتا ہے تو ایسی ایسی ترکیبیں سوجھتی ہیں۔ خدا ایسے افلاس سے بچائے تو جب ایک شخص نے باوجود گنجائش نہ ہونے کے اچھا کپڑا پہنا تو یہ آئندہ چل کر مصیبت کا سبب ہوگا۔ اس لئے شریعت کہتی ہے کہ یہ اسراف ہے اور ناجائز ہے اسی لئے میں کہتا ہوں کہ آج کل مسلمانوں کو روپیہ پاس رکھنا چاہئے۔ خالی ہاتھ نہ رہیں کیونکہ آج کل افلاس ہزاروں گناہوں کا دروازہ ہے البتہ ایسا شخص اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے کہ جس کے ذمہ کسی کا حق نہ ہو اور خود متوکل مستغنی المزاج ہو، نہ بیوی ہو نہ بچے ہوں۔

ماہیچ نداریم وغم ہیچ نداریم (ہمارے پاس کچھ نہیں ہے اور اس نہ ہونے کا ہم کو کچھ غم بھی نہیں ہے)۔ کا مصداق ہو۔ ایسا شخص اگر مفلس خالی ہاتھ رہے تو مضائقہ نہیں۔ وہ افلاس کی وجہ سے ان گناہوں میں مبتلا نہ ہوگا۔ ایک طالب علم ہمارے ابتدائی کتب کے

استاد کے پاس آئے مثنوی پڑھنے۔ مولانا نے فرمایا کہ پہلے کھانے کی فکر کرلو کہنے لگے کہ جس نے پیدا کیا ہو خود کھانے کا سامان کرے گا۔ اور اگر کچھ نہ کرے گا تو بہت سے بہت اپنی جان لے لیگا تو میں نے اس کے لئے آمادہ ہوں، آپ بے فکر رہیں مجھے سبق شروع کرادیں۔ مولانا اس کے توکل پر حیران ہو گئے سبق شروع کردیا۔ بس اگلے ہی روز لوگ اس کے معتقد ہو گئے اور جگہ جگہ سے کھانا آنے لگا تو کوئی اتنا آزاد ہو تو اس کے لئے وہ قاعدہ نہیں کیونکہ اس کا افلاس معیت کا سبب نہ ہوگا۔ وہ خوشی سے سب تکالیف کو برداشت کرے گا۔

ضعیف یا قوی طبیعت ہونے کو بزرگی میں کچھ دخل نہیں

بہت سے اہل اللہ ایسے بھی ہیں کہ وہ کچھ اپنے پاس نہ رکھتے تھے۔ جو کچھ آیا ایک ہی مرتبہ خرچ کرڈالتے تھے اور بعض ایسے بھی ہوئے ہیں جو اپنے پاس جمع رکھتے تھے چنانچہ ایک بزرگ نے دعا کی کہ الٰہی میری ساری عمر کی روزی ایک ہی مرتبہ مجھ کو دے دے۔ ارشاد ہوا کیوں؟ کیا ہم پر اعتماد نہیں۔ عرض کیا کہ اعتماد تو ہے مگر جب میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں تو شیطان آکر مجھے بہکاتا ہے کہ کل کو کہاں سے کھائے گا میں کہتا ہوں کہ خدا دے گا، وہ کہتا ہے کہ یہ کیا ضرور ہے کہ خدا کل ہی کو بھیج دے۔ اگر کئی دن فاقہ کرا کے دیا تو کیا ہوگا۔ میں اس کی اس بات سے لاجواب ہو جاتا ہوں۔ پس اگر تو ساری عمر کی روزی جمع ہوگی تو جب وہ مجھ سے کہے گا کہ کہاں سے کھاؤ گے تو میں کہہ دوں گا کہ اس کوٹھڑی میں غلہ بھرا ہوا ہے اس میں سے کھاؤں گا اور اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ کیسے بزرگ تھے بات یہ ہے کہ اس کا منشاء ضعف طبیعت ہے اور طبیعت ضعیف یا قوی ہونا فطری امر ہے بزرگی کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

ایک بزرگ مولانا احمدؒ کی حکایت

بعض ایسے ہوئے ہیں کہ انہوں نے کچھ بھی نہیں رکھا ایک بزرگ مولانا احمد ایسے بزرگ تھے کہ وہ قرض لے لیکر لوگوں کھلایا کرتے تھے۔ ان کے ذمہ بہت قرض ہو گیا۔ آخر مرنے لگے تو لوگ آکر جمع ہوئے اور تقاضہ کررہے تھے کہ آپ تو مر رہے ہیں اس وقت ہمارا

روپیہ کہاں جائے گا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ ایک حلوائی کا لڑکا حلوے کی سینی لئے ہوئے پکارتا ہوا گزرا آپ نے اس کو بلوایا۔ اور سب حلوہ اس سے خرید لیا اور لوگوں کو کھلا دیا۔ لڑکے نے حلوے کے دام مانگے تو آپ نے فرمایا کہ جہاں یہ لوگ بیٹھے ہیں تو بھی بیٹھ جا۔ اس نے رونا شروع کیا کہ میرا باپ مار ڈالے گا لوگوں کو بہت ناگوار ہوا کہ ناحق اس کا دل دکھایا۔ آپ خاموش پڑے تھے کہ ایک رئیس کا فرستادہ بہت سا روپیہ لیکر حاضر خدمت ہوا۔ جس سے سب قرض داروں کا قرض ادا ہو گیا۔ ایک خادم نے عرض کیا کہ حضرت اس میں کیا حکمت تھی کہ آپ نے اس قدر قرض کی حالت میں مرتے ہوئے بھی حلوائی کے لڑکے کا قرض اپنے ذمے اور بڑھایا فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ سے دعا کی کہ میرا قرض ادا کرا دیں ارشاد ہوا کہ ادا کرنا کیا مشکل ہے کوئی روئے تو دریائے رحمت جوش زن ہو۔ مگر تمہارے ان قرض خواہوں میں کوئی رونے والا نہیں سب خاموش ہی بیٹھے ہیں۔ اس لئے میں نے اس لڑکے سے حلوا خریدا جب اس نے رونا شروع کیا تو رحمت حق کو جوش آیا بھائی اس واسطے یہ ترکیب کی تھی۔ مولانا فرماتے ہیں

تا نہ گرید کود کے حلوا فروش ☆ بحر بخشا لیش نمے آید بجوش

یعنی رونا ایک عجیب تاثیر رکھتا ہے دیکھو جب تک ابر نہ روئے گا چمن کیوں کر ہنس سکتا ہے یعنی جب تک بارش نہ ہو۔ باغ سرسبز و شاداب نہیں ہو سکتا اور جب تک بچہ نہ روئے دودھ کیسے جوش مار سکتا ہے اور تعلیم یافتہ فرماتے ہیں

ایکہ خواہی کز بلا جان و آخری ☆ جان خود را در تضرع آوری

یعنی اگر بلا و مصیبت سے چھٹکارا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری کیا کرو۔

در تضرع باش تا شاداں شوی ☆ گریہ کن نالے وہاں خنداں شوی

اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑانے میں مصروف ہو جاؤ تا کہ شاداں ہو اور ان کے سامنے گریہ وزاری کرو بے حد خنداں ہو گے۔

در پس ہر گریہ آخر خندہ ایست ☆ مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

ہر گریہ کا انجام خندہ ہوتا ہے اور جو شخص انجام بیں ہو وہ نہایت مبارک شخص ہے۔

اے خوشا آں دل کہ آں گریان اوست ☆ اے خوشا چشمی کہ آں گریان اوست

وہ دل نہایت اچھا ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں گریاں ہو اور وہ آنکھ بہت اچھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے عشق میں گریاں ہے۔

یہ تو مولانا کے ارشاد تھے۔ مگر اصل مقصود یہ بیان کرنا تھا کہ حضرت شیخ احمدؒ اس شان کے تھے کہ وہ اپنے پاس کچھ جمع نہ کرتے تھے۔ وہ متوکل اور مستغنی المزاج تھے تو ایسے شخص کو اچھا کپڑا اچھا کھانا بھی کوئی مضر نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی عیال دار ہے تو اس کے لئے وسعت سے زیادہ خرچ کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس کے ذمہ اہل و عیال کا بھی حق ہے تو یہ بڑی بے ہمتی ہے کہ اپنے کپڑے کھانے کا تو فکر ہو اور اہل و عیال کا فکر نہ ہو۔

نبیں آں بے حمیت را کہ ہرگز ☆ نخواہد دید روئے نیک بختی

اس بے حیا کو دیکھو ہرگز اس کو نیک بختی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔

تن آسانی گزیند خویشتن را ☆ زن و فرزند بگزارد بہ سختی

جو اپنے لئے آرام و آسائش تلاش کرتا ہے اور اہل و عیال کو سختی میں چھوڑتا ہے۔

غریب آدمی کی فکر آرائش اسراف ہے

تو غریب آدمی کا بھڑکتے رہنا اور زینت و آرائش کی فکر کرنا اسراف میں داخل ہے۔ کیونکہ خرچ اس کی وسعت سے زیادہ ہوگا۔ میں نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ گنجائش سے زیادہ بھڑکتے رہتے ہیں۔ جس میں اسراف کے علاوہ تصنع بھی ہے بعض لوگوں کو اس میں بہت غلو ہوتا ہے۔ ایک صاحب تھے جب وہ باہر نکلتے تو مونچھوں پر چراغ کا تیل لگا لیتے تھے تا کہ معلوم ہو کہ خوب گھی کھا کر آئے ہیں۔ ایک روز تیل کے ساتھ بتی بھی آ گئی اور مونچھوں میں اٹک گئی اس روز ساری قلعی کھل گئی تو آدمی وسعت سے زیادہ کیوں بناوٹ کرے بس مسلمان کا تو یہ حال ہونا چاہئے

واستغن ماأغناک ربک بالغنیٰ ☆ واذا لقیک خصاصة فتجمل

یعنی جس حیثیت پر خدا رکھے اس پر رہنا چاہئے۔ اگر وسعت ہو تو عمدہ کھانے پینے کا بھی مضائقہ نہیں۔ اگر تنگی ہو تو اس کے موافق گزر کرنا چاہئے تو یہ بھی حدود شرعیہ ہیں۔

جب ان سے تجاوز ہوگا وہ اسراف ہو جائے گا اسی پر قیاس کر کے سب سامانوں کو دیکھ لیجئے۔
میں سب کو کہاں تک گناؤں۔ کہاں تک بیان کروں۔ بہر حال یہ مضمون غفلت کے قابل نہیں ہے۔ اس کا اہتمام لازمی ہے اور آپ کو اپنی معاشرت ضرور کچھ سنبھالنی چاہیے ورنہ اس کا آخر انجام ہلاکت ہے اور یاد رکھئے صرف اس جلسہ میں اپنی حالت پر افسوس کر لینے کا کچھ اعتبار نہیں لوگ اسی کو وعظ کا نفع سمجھتے ہیں کہ اس وقت رو دھو لئے وعظ کا نفع یہ ہے کہ آپ یہاں سے جا کر اپنی حالت کی اصلاح کی فکر میں لگ جائیں اور اگر اسی حالت پر رہے تو سمجھا جائے کہ کچھ بھی نفع نہیں ہوا۔

خلاصہ وعظ

میرے سارے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اسراف کو چھوڑنا چاہیے۔ اور میں نے اس وقت تک جو کچھ بیان کیا یہ اسراف فی المال (مال فضول خرچی کرنے) کا ذکر تھا۔ اور جی تو یوں چاہتا تھا کہ ہر امر میں اسراف کے متعلق کچھ کچھ بیان ہو جائے مگر چونکہ وقت زیادہ گزر گیا ہے۔ اس لئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں ممکن ہے کہ دوسری اجزاء اسراف کے متعلق بھی کسی دوسرے موقع پر یا امروہہ میں بیان کروں۔ مگر الحمد اللہ کہ اس ضروری جزو کی تفصیل اچھی طرح بیان ہوگئی جس کو خلاصہ کے طور پر مکرر کہتا ہوں کہ اسراف کی حقیقت تو یہی ہے کہ تجاوز عن الحد الشرعی (شرعی حدود سے گزرنا) اور یہ حقیقت اموال و غیر اموال کو عام ہے۔ مگر اس کے ایک متعلق اموال میں شرعی حد تجاوز کرنا بھی ہے اور ظاہر تو یہ مسئلہ تمدن کا معلوم ہوتا ہے۔ مگر شریعت کی کیا رحمت ہے کہ اس کو بھی دین بنا دیا۔ جس سے بعضے لوگ تو تنگ آگئے کہ دنیا کے مسئلوں کو بھی دین بنا دیا۔ ہمیں ہر طرح سے مقید کر دیا۔ دنیاوی امور میں بھی ہم کو آزادی نہیں دی گئی اور یہ لوگ مولویوں پر سارا الزام رکھتے ہیں کہ ان کے یہاں ہر چیز کا ایک مسئلہ بنا رکھا ہے۔ مگر غنیمت ہے کہ یہ لوگ خدا اور رسول ﷺ کو تو کچھ نہیں کہتے۔ مولویوں ہی کو برا بھلا کہہ لیتے ہیں۔ ہم کو اس کی بھی خوشی ہے کہ اس طرح ہم خدا و رسول ﷺ کا وقایہ (آڑ) بن گئے تھے۔ اور اس سنت پر ہمارا فی الجملہ عمل ہو گیا کہ حضرت طلحہ جنگ احد میں حضور ﷺ کو اپنی آڑ میں لے کر کفار کے حملوں سے بچایا۔ تو صاحبو! ہم آپ کی ان بے جا عنایتوں سے بھی خوش ہیں خیر تم ہم کو ہی برا کہہ لو۔ مگر خدارا اللہ و رسول

صلى الله عليه وسلم کی شان میں گستاخی نہ کرنا۔ ورنہ ایمان ہی برباد ہو جائے گا مجھ کو اس مضمون کے قریب قریب ایک شعر یاد آیا۔

شادم کہ از رقیبان دامن کشاں گذشتی ☆ گومشت خاک ماہم برباد رفتہ باشد

ہم خوش ہیں کہ رقیبوں سے دامن بچا کر گذرے اگرچہ ہماری ہی مٹھی بھر خاک برباد ہو جاوے گی یعنی لوگوں سے ہم خوش ہیں کہ ہم ہی کو برا بھلا کہہ لیتے ہیں اللہ اور رسول صلى الله عليه وسلم تو بچا دیتے ہیں۔

احکام شریعت مولویوں کے من گھڑت مسائل نہیں

تو صاحبو! یہ خدا اور رسول صلى الله عليه وسلم کے احکام ہیں۔ ان کو مولویوں کے مسئلے نہ سمجھو اور ان کی اس لئے قدر کرنی چاہئے کہ اگر ان کو احکام نہ بنایا جاتا تو وہاں آخرت میں آپ کو ان کا صلہ کچھ نہ ملتا اور اب کیا خدا کی رحمت ہے کہ ان احکام سے آپ کی دنیا بھی سنور جاتی ہے یہاں کا بھی فائدہ ہے اور وہاں بھی ان کے صلہ میں آپ کو جنت ملے گی۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ ان لوگوں نے ہمارے کہنے سے اپنی دنیا سنواری تھی اس لئے ان کو ثواب دینا چاہئے۔ تو آپ بتلائیے کہ ان باتوں کا دین بنا دینا قدر کی بات ہے یا بے قدری کی۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی رئیس کہے کہ یہ کھانا کھاؤ تو تم کو پچاس روپے دونگا۔ اب اگر اس پر کوئی تنگ ہونے لگے تو یہی کہے گا کہ گدھے کو دیا تھا نمک وہ کہنے لگا کہ میری آنکھیں پھوڑ دیں۔ تو اس آیت میں حق تعالیٰ نے حرمت اسراف کے قانون شرعی ہونے کو ظاہر فرمایا ہے حالانکہ اس میں سراسر آپ کی دنیا کا بھی نفع ہے۔ فرماتے ہیں ان اللہ لا یحب المسرفین کہ حق تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو نہیں چاہتا۔ اس آیت میں حق تعالیٰ یہ بتلا رہے ہیں کہ تم ہمارے پیارے ہو اور ہم نے تم کو بغیر تمہارے کچھ کئے محبوب بنایا تھا۔

ما نبودیم و تقاضا ما نبود ☆ لطف تو نا گفتہ ما می شنود

پہلے ہم بالکل نہ تھے اور نہ ہمارا تقاضہ اور سوال تھا۔ آپ کا لطف ہماری ان کہی باتیں سنتا تھا یعنی ہم موجود بھی نہ تھے اور اسی وقت سے محبوب ہو گئے تھے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم کو ہماری اس محبت کی حفاظت کرنی چاہئے۔ ہم اسراف کرنے والوں کو نہیں چاہتے تو تم کو اسراف سے بچنا چاہئے۔ تو وہ جو محبوبیت اصلیہ ہے اس کی حفاظت کا اس آیت میں حکم

ہے اور واقعی یہ وعید جہنم کی وعید سے بڑھ کر ہے۔ اس کو وہی سمجھ سکتا ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ سے محبت ہے اور جس کو محبت نہیں ہے وہ اس کی کیا قدر کرے گا۔ دیکھو اگر محبوب یہ کہہ دے کہ میں تم سے بولوں گا نہیں تو عاشق کے دل پر اس کا ہزار بار سے زیادہ اثر ہوتا ہے اسی کو فرماتے ہیں

شنیدہ ام سخن خوش کہ پیر کنعان گفت ☆ فراق یار نہ آں من کند کہ بتواں گفت

پیر کنعان نے نہایت عمدہ بات کہی وہ یہ کہ فراق محبوب ایسی محبت ہے جس کو بیان نہیں کر سکتے۔

حدیث ہول قیامت کہ گفت واعظ شہر ☆ تشبیہ دکنایتے ست کہ از روزگار ہجراں گفت

واعظ شہر جو ہول قیامت کی حدیث بیان کرتا ہے وہ روز ار ہجر سے کنایہ اور اس کا شبہ ہے، مولانا فرماتے ہیں

از فراق تلخ مے گوئی سخن ☆ ہر چہ خواہی کن ولیکن ایں مکن

فراق کی تلخ باتیں نہ کرو جو دل چاہے کرو مگر فراق کا نام مت لو۔

عشاق کا مذاق

عاشق کا مذاق یہ ہوتا ہے کہ اور جو چاہے سزا دیدو لیکن فراق کا نام نہ لو۔ عاشق فراق کا نام سن کر تڑپ جاتا ہے اس سے اندازہ کر لیجئے کہ ان اللہ لا یحب المسرفین اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ سن کر عشاق کی جان پر کیا حالت گزری ہوگی۔ بس اب میں بیان ختم کرتا ہوں۔ حق تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائیں اور بقیہ مضامین کے بیان کی بھی توفیق فرمائیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علیٰ خیر خلقہ

سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین۔

الغاء المجازفته

بمقام جامع مسجد تھانہ بھون ۸ جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ کو ارشاد فرمایا

خطبہ ماثورہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمد اعبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی الہ واصحابہ وبارک وسلم۔

اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔

قال اللّٰہ تعالٰی ان یتبعون الا الظن (ط) وان انظن لا یغنی من الحق شیئاً (النجم: ۲۸)

یہ لوگ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں اور یقیناً بے اصل خیالات امر حق کے (اثبات میں) ذرا بھی مفید نہیں ہوتے۔ یہ پوری آیت نہیں ہے ایک آیت کا جزو ہے جو مضمون مجھ کو اس وقت مقصود بالبیان ہے اس کے لئے یہ جزو کافی ہے اور وہ مضمون ایک مختصر سا ہے لیکن اس کے شعبے کثیر ہیں۔ لیکن اس وقت ان سب شعب کو مفصلاً بیان نہ کیا جائے گا صرف ان کے لئے ایک قاعدہ کلیہ کے بیان پر اکتفا کیا جائے گا ملخص اس مضمون کا یہ ہے کہ اس آیت میں حق تعالٰی کی طرف سے اہل باطل پر ایک خاص ملامت ہے اور الزام ہے اور چونکہ وہ مرض بعض اہل اسلام میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس لئے ان کی اصلاح کے لئے اس وقت آیت کو اختیار کیا گیا ہے۔

آیت متلو کا شان نزول

شان نزول اس کا یہ ہے کہ دین کے باب میں کفار انبیاء کے مقابلے میں کچھ دعوی کیا کرتے اور وہ دعوی بلا دلیل تھے حق تعالٰی ان پر ملامت فرماتے ہیں کہ یہ لوگ صرف اپنے خیالات اور ظن کا اتباع کرتے ہیں۔ حالانکہ ظن محض سے حق ثابت نہیں ہوتا ہے۔ بعض سے مراد وہ جس کا استناد نص کی طرف نہ ہو رائے محض ہو۔ یہ محض کا لفظ اہل علم کے یاد رکھنے کے قابل ہے کیونکہ اہل علم کو اس مقام پر شبہ ہو جایا کرتا ہے کہ شریعت میں ظن کا تو

اعتبار کیا گیا ہے۔ چنانچہ خبر واحد اور قیاس، ظنی ہے۔ اسی طرح قیاس شرعی بھی ہے۔ اس کا جواب محض کے لفظ سے نکل آیا یعنی جو ظن معتبر ہے وہ محض ظن نہیں ہے بلکہ وہ ظن معتبر ہے جس کا استناد نص کی طرف ہے۔ چنانچہ خبر واحد جو ظنی ہے وہ تو اصل ہی میں ظنی الثبوت نہیں ہے۔ محض اس کی سند میں ظن عارض ہو گیا ہے ورنہ بحیثیت رسول ہونے کے فی نفسہ قطعی ہے اسی طرح قیاس گو اصل ہی میں ظنی ہے لیکن وہ خود مثبت (یعنی حکم کا ثابت کرنے والا) نہیں ہے۔ بلکہ مظہر (حکم کو ظاہر کرنے والا) ہے۔ اور مثبت تو نص ہے اور قیاس اس کی طرف مستند ہے اور یہاں جس ظن پر ملامت ہے اس سے مراد وہ ظن ہے جس کا مستند نص نہ ہو محض تخمین اور رائے اس کا منشاء ہو اور جن عقائد میں یہ ظن مستند الی الدلیل (دلیل کی طرف استناد کیا گیا) بھی کافی نہیں اس میں شبہ ہی نہیں ہو سکتا جو جواب کی ضرورت ہو مجھ کو اس بات میں تطویل مقصود نہیں ہے۔ محض کے لفظ کا ایک فائدہ یاد آ گیا تھا وہ بیان کر دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ لوگ نرے گمان سے استدلال کرتے تھے اور نرا گمان جو دلائل شرعیہ سے ماخوذ نہ ہو وہ مثبت نہیں تاوقتیکہ اس ظن کا کوئی مستند شرعی ہو دین کے بارے میں کارآمد نہیں۔ دین کی قید اس لئے لگائی ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ کسی امر میں کوئی گمان مفید نہ ہو۔ چنانچہ طب میں کہ امر دین نہیں ظن معتبر ہے البتہ امر دنیوی میں بھی جہاں جس ظن کی ممانعت ہے وہاں اس پر عمل جائز نہیں۔ مقصود یہ ہے کہ دین کے بارے میں گمان اصلاً کوئی چیز نہیں خواہ وہ گمان کرنے والا کتنا ہی بڑا ذہین ہو اور عاقل ہو۔ دین کے بارے میں جب تک دلیل شرعی نہ ہو گی اس کا خیال معتبر نہ ہو گا اور دلائل شرعیہ چار ہیں ۱۔ کتاب و۲ سنت و۳ اجماع امت و۴ قیاس۔ جو امر دلائل چہارگانہ میں سے کسی ایک سے بھی ثابت ہو وہ دین میں معتبر ہو گا ورنہ رد ہے۔ پس یہ بھی غلطی ہو گی کہ ان چار میں کسی ایک کو نہ مانا جائے گا اور یہ بھی غلطی ہو گی کہ ان چاروں سے تجاوز کیا جائے۔

ایک عام غلطی

آج کل ایک عام غلطی یہ بھی ہو رہی ہے کہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہر مسئلے کو قرآن شریف سے ثابت کریں حالانکہ دلائل شریعت کے چار ہیں۔ اگر ان میں سے ایک سے بھی

کوئی مسئلہ ثابت ہو جائے گا تو وہ شرعاً ثابت ہو جائے گا چنانچہ داڑھی رکھنے کی نسبت بعض کہتے ہیں کہ قرآن شریف سے دلیل لاؤ کہ ڈاڑھی رکھنا فرض ہے اور یہ دلائل کا مطالبہ کرنے والے ایسے حضرات ہیں کہ جن کو خود تحقیق واستدلال ہی سے اصلاً مس نہیں ان کو تو چاہئے تھا کہ محض تقلید کرتے۔

دین میں ہر شخص اجتہاد کا مدعی ہے

علماء کا قاعدہ عقلی ہے کہ جس فن کا جو جاننے والا ہوتا ہے وہ ہی اس میں دخل دے سکتا ہے اور نہ جاننے والا اگر دخل دے تو اس کو سب ہنستے ہیں۔ یہ قاعدہ ہر جگہ تو جاری کرتے ہیں لیکن دین کے اندر ہر شخص مجتہد ہونے کا مدعی ہے اور ہر کس و نا کس اس میں دخل دینے کے لئے تیار ہے۔ فن زراعت کو مثلاً میں نہیں جانتا تو میں اگر گیہوں بونے کا طریقہ بیان کروں تو جاننے والے یہ کہیں گے کہ تم کیا جانو۔ اور تمام عقلاء کے نزدیک یہ جواب کافی سمجھا جائے گا مگر حیرت ہے کہ دین کے بارے میں اگر علماء بعینہ یہی جواب دیتے ہیں تو ناکافی شمار ہوتا ہے۔ یاد رکھو فن کے جاننے والوں کے سامنے تمہارے مطالبہ دلائل کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کے پاس گھڑی ہے اور وہ بڑی معتبر ہے۔ تار گھر سے ملی ہوئی ہے اور ایک شخص آفتاب کی طرف رخ کیے ہوئے کھڑا ہے گھڑی والا کہتا ہے کہ گھڑی کے اعتبار آفتاب چھپ گیا اور اس میں ہرگز غلطی کا احتمال نہیں اور وہ کہتا ہے کہ آفتاب میرے سامنے ہے چھپا نہیں اور گھڑی والا اس سے دلیل طلب کرتا ہے اور وہ ہنستا ہے کہ یہ تو کھلی بات ہے آفتاب نظر کے سامنے ہے تم اس طرف منہ کر و دیکھو آفتاب موجود ہے دلیل کی حاجت نہیں ہے۔ بس جن لوگوں نے دین کے باب میں اپنی عمریں کھپا دی ہیں ان کا قول معتبر ہوگا یا ایک لڑکے کا جو آج ہی بالغ ہوا ہے اور یا بالغ ہے لیکن دین کا بالغ نہیں ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں

خلق اطفالند جز مست خدا ☆ نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

بجز مست عشق الٰہی کے تمام مخلوق گویا بچے ہیں پس بالغ وہی ہے جو خواہشات نفسانی سے چھوٹ گیا۔

بہرحال حساً بالغ ہو یا نہ ہو روحاً بالغ نہیں ہے بلکہ حساً بھی ہم کو تو ایسے لوگ بالغ معلوم نہیں ہوتے اس لئے کہ ظاہری علامت بلوغ کی ڈاڑھی تھی اور وہی صفا چٹ ہے۔ معلوم بھی نہیں ہوتی کہ نکلی ہے یا نہیں بہرحال ایسے لوگ جن کی یہ حالت ہے کہ علوم دین کی ان کو ہوا تک نہیں لگی وہ دلائل کا مطالبہ کرتے ہیں کہ قرآن شریف سے دلیل لاؤ میں کہتا ہوں کہ اس سوال کے اندر ایک دعویٰ مضمر ہے وہ یہ ہے کہ وہ اس کے مدعی ہیں کہ شریعت میں قرآن کے سوا کوئی دلیل نہیں ہے ہم اس دعویٰ پر ان سے اول دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں۔ہم کو یہ سمجھا دو کہ شریعت میں قرآن شریف ہی دلیل ہے اور کوئی دلیل نہیں۔

احادیث مبارکہ کے حجت ہونے کی دلیل

خود قرآن شریف سے ثابت ہے کہ علاوہ قرآن شریف کے اور بھی دلائل ہیں فرماتے ہیں۔وما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا۔(یعنی جن باتوں کا تم کو رسول ﷺ حکم کریں ان کو کرو اور جن باتوں سے منع کریں ان سے باز رہو)۔اور فرماتے ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار۔(سوائے دانشمندو عبرت حاصل کرو)۔اس سے صاف معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ کا ارشاد اگرچہ وہ قرآن شریف نہ ہو مثل قرآن شریف ہی کے حجت ہے اور کیوں نہ ہو ماینطق عن الھوی اپنی خواہشات نفسانی سے باتیں نہیں بناتے۔آپ کی شان ہے

گفتہ او گفتہ اللہ بود ☆ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

جو کچھ اس نے کہا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کا قول ہے اگرچہ اللہ کے بندے کے منہ سے نکلا ہے۔

اور فرماتے ہیں۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم۔جو شخص بھی رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا رستہ چھوڑ کر دوسری راہ ہو لیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دینگے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔

اس آیت سے اجماع امت کا حجت ہونا معلوم ہوا۔اور فرماتے ہیں ولو ردوہ

الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم (اور اگر یہ لوگ اس کو رسول ﷺ کے اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کے اوپر حوالہ رکھتے تو اس کو وہ حضرات پہچان ہی لیتے جو ان میں اس کی تحقیق کرلیا کرتے ہیں)۔ یہ آیتیں بتلا رہی ہیں کہ قیاس بھی حجت ہے پس اگر قرآن شریف کو حجۃ مطلق مانتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے کہ اس کے بعض دعاوی مسموع اور حجت اور بعض نامسموع غرض یہ سخت غلطی ہے۔ دیکھئے عدالت میں دعوے کی سماعت کے لئے شہادت مطلقہ کی ضرورت ہے مدعی اگر دو باوجاہت آدمیوں کو پیش کردے تو مدعا علیہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں جج صاحب اور فلاں مولوی صاحب گواہی دیں گے تو مانوں گا اور اگر وہ جیسا کہے تو حاکم ہرگز نہ سنے گا اور یہ کہے گا کہ تم ان گواہوں میں جرح کرو تو اس کی طرف التفات ہوگا۔ لیکن اگر یہ مجروح نہیں تو تمہاری یہ تخصیص کہ فلاں فلاں اشخاص گواہی دیں ایک لغو بات ہوگی۔ اسی طرح مسئلہ عقلیہ ہے کہ دعوے کے اثبات کے لئے مطلق دلیل صحیح کی ضرورت ہے مستدل جس دلیل کو چاہے اختیار کرے مخاطب کو یہ اختیار رہے کہ اس میں جرح کرے اس کا جواب بذمہ مدعی ہوگا لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ تم نے یہ دلیل کیوں نہ اختیار کی۔

ادلہ اربعہ

اسی طرح یہاں سمجھ لیجئے کہ کسی مسئلہ شرعیہ کے اثبات کے لئے مطلق دلیل صحیح کی ضرورت ہے جو ادلہ اربعہ چاروں دلیل قرآن، حدیث، اجماع قیاس میں سے ہو کسی خاص دلیل کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا البتہ اس کا لحاظ ضروری ہے کہ قطعی دعوے کے لئے قطعی دلیل اور ظنی دعوے کے لئے ظنی دلیل ہونا چاہئے۔ جس کی تفصیل اپنے مقام پر مذکور ہے۔ غرض ایک تو غلطی یہ ہے اور دوسرے اس کی مقابل یہ ہے کہ ان چاروں سے گزر کر نرے ظن کو ہی حجت سمجھا جائے کہ نرا گمان بھی کسی مسئلہ کا مثبت نہیں ہے۔ بلکہ دلیل صحیح ادلہ اربعہ میں سے ہونا ضروری ہے اور ہر چند کہ یہ آیت خاص جماعت کے بارے میں ہے لیکن یہ مرض اگر اور جماعت میں بھی ہو تو کیا وہ اس الزام سے بچ سکتے ہیں۔ پس اب دیکھنا چاہئے کہ یہ مرض ہم میں موجود ہے یا نہیں چنانچہ دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ بکثرت عادت ہے کہ بلا تحقیق اور تیقن

کے محض ظن اور رائے بلکہ وہم اور شک کی بناء پر بھی دین کے باب میں حکم قطعی کر دیتے ہیں۔ عوام کیا اور اہل علم کیا اکثر ہی اس میں مبتلا ہیں۔ ہاں جو علماء محققین ہیں یا وہ عوام جو ایسے حضرات علماء کے صحبت یافتہ ہیں وہ تو مستثنیٰ ہیں ورنہ بالعموم لوگوں کو اس میں ابتلاء ہے جو مسئلہ پوچھئے کبھی یہ نہ کہیں گے کہ ہم کو علم نہیں خواہ علم ہو یا نہ ہو گھڑ کر جواب دے دیں گے۔

حضرت امام مالکؒ کی قابل رشک دیانت علم

امام مالکؒ کی حکایت ہے کہ ایک مجلس میں ان سے چالیس مسائل کسی نے پوچھے اچھی طرح یاد نہیں رہا 36 کا جواب دیا اور چار میں لا ادری (میں نہیں جانتا) کہا یا چار کا جواب دیا اور 36 میں عدم واقفیت ظاہر کی۔ آج کل ادنیٰ طالب علم سے پوچھ کر دیکھئے جو ہرگز بھی یہ کہے کہ میں نہیں جانتا۔ مجھ کو باوجود اس کے کہ اتنے دن کام کرتے ہو گئے مگر اب تک ایسی ضرورت پڑتی ہے کہ یہ لکھتا ہوں کہ اس مسئلہ میں مجھ کو شرح صدر نہیں ہوا اور قواعد سے اگر جواب لکھتا ہوں تو اس میں یہ احتیاط کرتا ہوں کہ یہ لکھ دیتا ہوں کہ قواعد سے یہ جواب لکھا ہے۔ جزئیہ نہیں ملا اور کبھی جواب لکھ دیتا ہوں اور بعد میں لغزش ثابت ہوتی ہے۔ پس میں کہتا ہوں کہ جو لوگ لکھے پڑھے ہیں جب ان کو لغزشیں ہوتی ہیں تو جو ان پڑھ ہیں وہ تو بطریق اولیٰ غلطیوں میں مبتلا ہوں گے۔ اور وہ شخص بھی ان پڑھ ہی ہے جو آمد نامہ دستور الصبیان بلکہ گلستان سکندر پڑھا ہو یا انٹرنس یا ایف اے پاس ہو۔

زبان اور چیز ہے علم اور

بلکہ عربی پڑھنے والے بھی سب عالم نہیں ہیں۔ کیونکہ زبان اور چیز ہے اور علم اور چیز ہے۔ میں ریاست رامپور گیا تھا وہاں چند لڑکے طالب علم انگریزی مدارس کے دیکھے جو حماسہ وغیرہ بھی پڑھتے تھے میں نے ان سے کہہ دیا کہ اپنے کو عالم مت سمجھنا اس لئے کہ اگر محض زبان عربی جاننے سے کوئی عالم ہوتا تو ابوجہل بڑا عالم ہوتا بلکہ میں تو ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اگر علم دین بھی ہو اور عمل نہ ہو تو وہ بھی محقق عالم نہیں دلیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ولبئس ما شروا به انفسهم لو كانوا يعلمون۔ یعنی وہ شے بری ہے

جس کے عوض انہوں نے اپنی جان کو بیچ دیا کیا اچھا ہوتا کہ وہ جانتے۔ یہ علمائے یہود کے بارہ میں ہے چونکہ وہ عمل نہ کرتے تھے اس لئے باوجود اس کے کہ اس کے قبل ان کی نسبت ولقد عملوا۔ یعنی ضرور یہ یہودی اتنا جانتے ہیں کا حکم بھی کر دیا گیا ہے۔ پھر بھی لو کانو (یعنی کاش ان کو اتنی عقل ہوتی)۔ میں نے ان کے علم کی نفی کی اور ان کے علم کو کالعدم سمجھا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ علم مطلوب وہی ہے کہ جس کے ساتھ عمل ہو پس اہل علم بھی ناز نہ کریں کہ ہم نے کتابیں پڑھ لی ہیں۔ ہم مولوی ہو گئے ہیں۔

حقیقت علم تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے

یاد رکھو جو حقیقت ہے علم کی کہ احکام کو صحیح صحیح سمجھ جائیں۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ وہ بدون تقویٰ کے نصیب نہیں ہوتا۔ آپ دیکھ لیجئے کہ اگر دو آدمی ہم عمر ہوں اور ایک استاد سے انہوں نے پڑھا ہو اور فہم و حافظے میں بھی برابر ہوں لیکن فرق یہ ہو کہ ایک متقی ہو اور ایک نہ ہو تو متقی کے علم میں جو برکت اور نور ہوگا اور جیسا فہم اس کا صحیح ہوگا اور جیسے حقائق حقہ اس کے ذہن میں آئیں گے بخلاف وہ بات غیر متقی میں ہرگز نہ ہوگی۔ اگرچہ اصطلاحی عالم ہے اور کتابیں بھی پڑھا سکتا ہے مگر خالی اس سے ہوتا کیا ہے۔ ایک عالم نے وکیعؒ محدث سے اپنے سوئے حافظہ کی شکایت کی تھی کہ جو پڑھتا ہوں یاد نہیں رہتا۔ انہوں نے ان کو تقویٰ کی تعلیم فرمائی۔ چنانچہ اس مضمون کو ان عالم نے نظم فرما دیا ہے طلبہ کو چاہئے کہ اس کو یاد کر لیں۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی ☆ فاوصنی الی ترک المعاصی

میں نے سوء حافظہ کی حضرت وکیعؒ سے شکایت کی تو انہوں نے مجھ کو گناہوں کو ترک کرنے کی وصیت فرمائی۔

فان العلم فضل من اله ☆ وفضل اللہ لا یعطی للعاصی

اس لئے کہ علم اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور عاصی پر اللہ تعالیٰ کا فضل نہیں ہوا کرتا۔

اور اگر تقویٰ ہوگا تو علوم حقہ قلب پر وارد ہوں گے مولانا فرماتے ہیں

بینی اندر خود علوم انبیاء ☆ بے کتاب و بے معید و استا

یعنی متقی بن جاؤ اپنے اندر بلا کتاب و معاون و استاد کے انبیاء علیہ السلام جیسے علم دیکھو گے۔

علوم حضرت حجۃ الاسلام نانوتویؒ

مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے معاصرین سے کچھ زیادہ نہیں پڑھا تھا بلکہ عجب نہیں کہ کم پڑھا ہو اس لئے کہ مولاناؒ کی طبیعت میں ہمیشہ سے ایک آزادی تھی مگر دیکھئے علوم کے ایسے دریا تھے کہ جس کے پانی نے تمام ہندوستان کو سیراب کر دیا۔ اب بھی جس طالب علم کا جی چاہے تجربہ کر لے اور تقویٰ کو اختیار کر کے دیکھ لے کہ کیسے کیسے علوم حاصل ہوتے ہیں اگر خلوص سے تقویٰ کو اختیار کیا جائے تو اس کی برکت کی تو حد نہیں۔ اگر خلوص نہ ہو تو امتحان ہی کے لئے کر کے دیکھ لو اس کی برکت بھی کچھ نہ کچھ دیکھ لو گے بقول مولانا

سالہا تو سنگ بودی دلخراش ☆ آزموں رایک زمانے خاک باش

سنگ دل خراش تو مدت سے بنے رہے ہو۔ بھلا آزمائش ہی کی نظر سے تھوڑے دنوں خاک بن کر تو دیکھو۔

در بہاراں کے شود سر سبز رنگ ☆ خاک شوتا گل بروید رنگ برنگ

موسم بہار میں پتھر کب سرسبز ہوتا ہے۔ خاک ہو جاؤ تا کہ رنگ برنگ کے پھول پیدا ہوں یعنی تکبر کو چھوڑ کر تذلل اور کسی کی متابعت اختیار کرو تا کہ طرح طرح کے فیوض و برکات میسر ہوں۔

طلباء کو بطور خاص حصول تقویٰ کی ضرورت

اس لئے طلبہ کو خصوصیت کے ساتھ تقویٰ اختیار کرنا چاہئے۔ بعض طلبہ کہتے ہیں کہ ہم تو ابھی بچے ہیں۔ یاد رکھو یہی عمر تمہاری پختگی کی ہے جس بات کی اب عادت ہو جائے گی وہ کبھی نہ چھوٹے گی۔

سات برس کے بچے کو نماز پڑھانے میں حکمت

اسی واسطے تو ارشاد ہے مرو اصبیانکم اذا بلغوا سبعاً (مسند احمد ۲: ۱۸۰، حلیۃ الاولیاء ۱۰: ۳۶) یعنی اپنے بچوں کو نماز کا حکم کرو جب وہ سات برس کو پہنچ جائیں۔ حالانکہ نماز فرض ہوتی ہے بلوغ کے بعد اور بالغ ہوتا ہے اکثر پندرہ برس

کی عمر میں اور حکم سات برس کی عمر سے پڑھوانے کا ہے تو وجہ اس کی یہی ہے کہ عادت پڑے گی اور گو ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس سے پہلے ہی شروع کرا دی جائے تو کیا حرج ہے۔ سات ہی کی کیا تخصیص ہے مجھے بھی اس میں ایک بار شبہ ہوا چنانچہ میں نے سات برس سے کم عمر والے بچوں کو نماز پڑھوانے مسجد میں لانے کا اہتمام کیا ایک روز ایک بچہ نے عین نماز میں پیشاب کر دیا۔ اس روز اس حدیث کی حکمت معلوم ہوئی کہ سات برس سے کم عمر میں کافی سمجھ بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے نماز کے لئے مجبور کرنا مناسب نہیں۔

جمال شریعت

ایسے ایسے واقعات سے قدر ہوتی ہے شریعت کی۔ شریعت کا جمال وہ جمال ہے کہ

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم ☆ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا ست

یعنی سر سے پیر تک جس جگہ نظر ڈالتا ہوں ہر کرشمہ دامن دل کو کھینچتا ہے کہ یہی جگہ فریفتہ ہونے کی ہے۔

شریعت کے جس جزو کو دیکھو ادھر ہی دل کھنچتا ہے۔ بعض ایسے بھدے اور کور عقل ہیں کہ شریعت کو ایک خونخوار اور ڈراؤنی شکل میں سمجھتے ہیں۔ بات یہ کہ صفراوی کو شیرینی بھی تلخ معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اس کا ذوق فاسد ہے ایسے ہی ان لوگوں نے اپنے ادراک کو فاسد کر لیا ہے تو شریعت کی خوبی ان کو کیسے نظر آ سکتی ہے۔

گفت لیلیٰ را خلیفہ کان توئی ☆ کز تو مجنوں شد پریشاں دغوی

یعنی خلیفہ نے لیلیٰ سے پوچھا تو ہی ہے وہ کہ جس کی وجہ سے مجنوں پریشان اور بے راہ ہو رہا ہے۔

از دگر خوبان تو افزوں نیستی ☆ گفت خامش تو کہ مجنوں نیستی

یعنی دوسرے محبوبوں سے تو کچھ بڑھ کر نہیں ہے پھر کیا وجہ کہ مجنوں تجھ پر شیدا ہے۔ اس نے کہا کہ تو چپ رہ اس لئے کہ تو مجنوں نہیں ہے۔

دیدہ مجنوں اگر بودے ترا ☆ ہر دو عالم بے خطر بودے ترا

اگر تجھ کو مجنوں کی آنکھ ہوتی تو دونوں جہاں تیرے نزدیک بے قدر ہوتے۔

حق تعالیٰ شانہ سے محبت رکھنے کا اثر

صاحبو! خدا تعالیٰ کی محبت تو وہ شے ہے کہ اگر احکام شرعیہ (نعوذ باللہ) معتدل بھی نہ ہوتے تب بھی محبّ کے نزدیک واجب العمل تھے اس لئے کہ محبت وہ شئے ہے کہ اگر واقعی میں بھی حسن و جمال نہ ہو تو وہ حسین دکھلاتی ہے چہ جائے کہ حسن و جمال بھی ہو اور محبت بھی۔ سو شریعت کا وہ حسن ہے کہ اگر محبت بھی نہ ہو صرف نظر صحیح ہو اور احکام میں غور کیا جائے تو اس کو معلوم ہوگا کہ اسلامی احکام عین حکمت اور مصالح پر مبنی ہیں۔ چنانچہ بہت سے دوسرے مذاہب والوں نے حقانیت اسلام پر مضامین لکھے ہیں۔ غرض اس روز مجھ کو معلوم ہوا کہ سات برس کے بعد خود شریعت کا حکم ہے کہ نماز پڑھواؤ جس سے معلوم ہوا کہ بچپن ہی میں دین کی عادت ڈالنا چاہئے پس یہ خیال آنا کہ ابھی تو ہم بچے ہیں بوڑھے ہو کر کر لیں گے۔ یہ وسوسہ شیطانی ہے۔ کرنے کا زمانہ یہی ہے۔ اس وقت کے خیالات خوب پختہ ہوتے ہیں۔

بچپن میں تربیت کی ضرورت

چنانچہ ایک اللہ والے نے اپنے صاحبزادے کی تربیت کی تھی۔ جب اس کو ہوش آنے لگا انہوں نے اپنی بی بی سے کہہ دیا کہ اس کو کوئی شے تم اپنے ہاتھ مت دیا کرو۔ بلکہ ایک جگہ مقرر کر دو اور اس کو کہہ دو کہ اللہ سے مانگو اللہ تعالیٰ دیں گے اور فلاں جگہ بھیج دیں گے۔ چنانچہ جب کوئی شے وہ مانگتا یہی کہہ دیتے کہ اللہ تعالیٰ سے مانگو اور وہ مانگتا۔ غرض اس کے ذہن میں راسخ ہو گیا کہ جو کچھ دیتے ہیں اللہ میاں دیتے ہیں۔ ماں باپ دینے والے نہیں ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ وہاں کوئی شے نہ تھی اور بچے نے حسب معمول کوئی شے مانگی ماں باپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ سے مانگو اس نے مانگا اور وہاں گیا تو اس جگہ وہ شے رکھی ہوئی پائی اس روز وہ بزرگ بہت خوش ہوئے کہ اب اس کا توکل صحیح ہو گیا۔ میرا مقصود یہ نہیں کہ سب لڑکے ایسے ہی بن سکتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بزرگان دین شروع ہی سے بچوں کی تربیت کیا کرتے تھے۔

حضرت زین العابدینؒ کی خشیت خداوندی

حضرت امام زین العابدینؒ نے بچپن میں یہ آیت سنی وقودھا الناس

والحجارة یعنی دوزخ کا ایندھن آدمی اور پتھر ہونگے۔ تو بے انتہا روتے تھے۔ ایک شخص نے کہا کہ آپ تو اہل بیت میں سے ہیں آپ اس قدر کیوں روتے ہیں فرمایا کہ کنعان نوحؑ کا بیٹا تھا دیکھئے اس کیلئے ارشاد ہے انه لیس من اهلک یہ شخص تمہارے گھر والوں میں سے نہیں اس شخص نے کہا آپ تو بچے ہیں فرمایا میں نے اپنی ماں کو دیکھا ہے کہ جب چولہے میں آگ سلگاتی ہیں تو چھوٹی لکڑیوں میں آگ لگاتی ہیں۔ پھر ان سے بڑی لکڑیوں میں اسی طرح مجھ کو ڈر ہے کہ وہاں بھی یہی ترتیب نہ ہو۔

اب اس وقت کے بچے جو ہیں کیا ان پر وحی نازل ہوئی ہے کہ ان کے ذمہ بجز لہو و لعب کے کوئی کام نہیں اور یاد رکھو جو طلبہ بالغ ہیں وہ تو بچے نہیں ہیں۔ ان کو تو بے فکر نہ ہونا چاہئے۔ بہر حال طلبہ کو بالخصوص بہت اہتمام کا عمل کرنا چاہئے اور بلا عمل علم کسی کام کا نہیں اسی واسطے تو فرمایا ولقد علموا لمن اشتراه ماله فی الآخرة من خلاق. ولبئس ما شروا به انفسهم لو کانوا یعلمون (ترجمہ اور یہ یہودی بھی اتنا ضرور جانتے ہیں کہ جو شخص اس کو اختیار کرے ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور بے شک وہ چیز بری ہے جس میں وہ لوگ اپنی جان دے رہے ہیں کاش ان کو اتنی عقل ہوتی۔)

علماء محققین کی صحبت کی ضرورت

خلاصہ یہ نکلا کہ نری عربی پڑھنے سے عالم نہیں ہوتا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء بہت کم ہیں۔ گو عربی پڑھے ہوئے بہت ہوں پس عوام یا خواص کالعوام کے ظنون دین میں کیا قابل وقعت ہوں گے۔ غرض ظنون کو چھوڑ کر دلیل کا اتباع کرنا چاہئے۔ یہ تو خواص کے لئے ہے اور عوام کو حاجت کے وقت مسئلہ پوچھ کر علماء کی صحبت اختیار کرنا چاہئے اور صحبت سے یہ مراد نہیں ہے کہ علماء کی خدمت میں جا کر ڈنگ ہانکیں اور دنیا بھر کے اخبار اور حکایات بیان کریں کہ وکیل میں یہ لکھا ہے اور زمیندار میں آج یہ خبر ہے۔

صحبت اہل اللہ کس صورت میں مفید ہو سکتی ہے

صحبت مفید جب ہو سکتی ہے کہ ان سے اپنے امراض کا بیان کریں اور ان کا علاج

پوچھیں۔اس نیک صحبت کی مثال ایسی ہے جیسے عطر فروش کی دوکان کہ یا تو وہاں سے عطر خریدوگے ورنہ کم سے کم خوشبو سے تو دماغ کو راحت ہوگی اسی طرح نیک صحبت سے کوئی نہ کوئی بات کام کی حاصل ہو جاتی ہے۔

یک زمانہ صحبت با اولیا ☆ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

تھوڑی دیر کے لئے اولیاءاللہ کے پاس بیٹھ جانا سو سالہ طاعت بیریا سے بہتر ہوتا ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند ☆ صحبت طالع ترا طالع کند

صالح کی صحبت تم کو صالح کر دے گی اور بد بخت کی صحبت تم کو بھی بد بخت بنادے گی۔

صحبت نیکان اگر یک ساعت است ☆ بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است

نیکوں کی صحبت اگر ایک گھڑی بھی حاصل ہو جائے تو وہ سو سالہ زہد و طاعت سے بہت ہے۔

صحبت ناجنس سے خلوت بہتر ہے

پس دین کے جاننے کے دو ہی طریق ہیں۔علم محققانہ اور صحبت بعض لوگ باوجود علم دین نہ ہونے کے محض معمولی نوشت وخواند کے بھروسے صحبت سے بلکہ استفتاء سے بھی اپنے کو مستغنی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم خود لکھے پڑھے ہیں۔ہم کو کسی کی احتیاج نہیں خود کتابوں میں دیکھ لیں گے۔صاحبو! کبھی طب کی کتابیں دیکھ کر بیوی کو مسہل بھی دیا ہے۔ حکیم جی کے پاس کیوں دوڑے ہو اور اگر کوئی اس وقت کہتا ہے کہ تم نے کتاب میں دیکھ کر خود علاج کر لیا ہوتا تو یوں کیوں کہتے ہو کہ میاں خدا جانے کیا بل رہ جائے۔جس کی وجہ سے علاج میں غلطی ہو جائے۔ مجھ کو حیرت ہے کہ ہر فن میں تو اس کے جاننے والوں کا اتباع کرتے ہیں لیکن دین کے اندر ہر شخص مجتہد بنتا ہے۔یاد رکھو جو کچھ کسی نے پایا ہے وہ صحبت اور اتباع کی بدولت پایا ہے ایک کتاب کے اندر آج ہی دیکھا ہے کہ خواجہ عبیداللہ احرارؒ کے پاس چند آدمی جمع تھے اس کا تذکرہ آیا کہ جمعہ کے اندر ایک ساعت ایسی ہے کہ جو کچھ دعا اس وقت کی جائے قبول ہو جائے گی۔ ہر ایک نے اپنی ایک ایک تمنا کا ذکر کیا کہ اگر ہم کو وہ وقت میسر ہو تو ہم یہ مانگیں خواجہ صاحب نے فرمایا کہ مجھ کو وہ ساعت ملے تو نیک صحبت

مانگوں۔ تو صاحبو نیک صحبت وہ شے ہے کہ بزرگوں نے بھی اس کی تمنا فرمائی۔ البتہ اگر نیک صحبت میسر نہ ہو تو صحبت ناجنس پر خلوت بہتر ہے ورنہ نیک صحبت ایک دم کی بھی بعض مرتبہ ایسی موثر ہو جاتی ہے کہ برسوں کا مجاہد بھی وہ کام نہیں کرتا ہے۔

ایک دنیا دار عالم اور درویش

ایک درویش کی حکایت ہے کہ وہ کسی دنیا دار عالم کے پاس پہنچے جن کے یہاں بڑے بڑے محل اور دنیا کا سامان تھا۔ عرض کیا کہ حضرت مجھے وضو کرنا نہیں آتا مجھے وضو کرا دیجئے۔ چنانچہ وہ عالم ان کو وضو کرانے لگے۔ اس درویش نے کسی عضو پر چار مرتبہ پانی ڈال لیا تو مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ اسراف ہے تین مرتبہ ڈالو۔ درویش صاحب نے فرمایا کہ یہ اتنے بڑے بڑے محل اور طرح طرح کے سامان جو تمہارے یہاں میں دیکھتا ہوں اس میں اسراف نہیں ہے۔ اور ایک چلو پانی میں اسراف ہو گیا۔ ان مولوی صاحب کے دل پر ایک چوٹ لگی اور سب ذخیرہ خیرات کر کے اللہ کی یاد میں مشغول ہو گئے۔ دیکھئے اس ایک دم کی صحبت نے کیا کچھ کر دیا۔ اور اس حکایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علم دین وہی کار آمد ہے کہ جس سے دین درست ہو اور دنیا سے بے رغبت کر دے۔ صحابہؓ میں آخر کیا بات تھی کہ وہ علوم اصطلاحیہ سے بالکل واقف نہیں تھے۔ لیکن جو مقصود اصلی ہے علم کا وہ ان میں اس درجہ تھا کہ قیامت تک کسی میں نہ ہوگا۔ ان میں اکثر کی شان یہ تھی **نحن امة امية لا نكتب ولا نحسب** (مسند احمد ۱۲۲:۲) (یعنی ہم ان پڑھ امت ہیں حساب اور لکھنا نہیں جانتے ہیں۔) حق تعالیٰ نے جہاں ہدی کا مسئلہ بیان فرمایا ہے اور اس کے عوض دس روزے تین قبل از حج اور سات بعد حج رکھنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔ اس کے آخر میں ارشاد ہے **تلك عشرة كاملة**۔ یعنی یہ پورے دس ہیں اس میزان الکل کے بیان فرمانے سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ فن حساب وغیرہ میں نہایت سادہ تھے۔ ایک تاریخ میں نظر سے گزرا ہے کہ ایک صحابی کی فارس میں کسی عورت پر نگاہ جا پڑی اس پر فریفتگی ہو گئی۔ حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ شاید وہ شہر فتح ہو تو وہ عورت مجھے دے دیجئے اور آپ لکھ دیجئے۔

حضور ﷺ نے لکھوا دیا۔ خدا کی قدرت حضرت عمرؓ کے وقت میں لشکر اسلام وہاں پہنچا اور وہ ملک فتح ہو گیا اور وہ عورت جو کہ شہزادی تھی قید ہو کر آئی انہوں نے وہ تحریر دکھلائی چنانچہ وہ ان کو مل گئی۔ اس کے بھائی کو اطلاع ہوئی تو اس نے روپیہ دے کر چھڑانا چاہا پوچھا کیا لو گے فرمایا کہ ایک ہزار روپیہ لوں گا۔ سمجھے کہ ایک ہزار روپیہ بہت ہوتا ہو گا وہ دیا گیا فرمانے لگے میں تو سمجھا تھا کہ ایک ہزار روپیہ بہت ہوتا ہو گا یہ تو کچھ بھی نہیں۔ میں نہیں لیتا اس نے کہا آپ کو لینا پڑے گا۔ غرض امیر لشکر نے فیصلہ کیا کہ آپ کو حسب وعدہ لینا پڑے گا۔ غرض صحابہؓ اس قدر بھولے تھے کہ ان کو کچھ خبر نہ تھی۔ اسی واسطے سورۃ قدر میں الف کا عدد کہ جو کنایہ ہے کثرت سے اختیار کیا اس لئے کہ اکثر عرب الف کو بہت شمار کرتے تھے۔

حضرت علیؓ کی عجیب حکایت عدل

البتہ بعض محاسب بھی تھے۔ چنانچہ میں قصہ بیان کرتا ہوں کہ دو شخص راہ میں رفیق ہوئے۔ کھانے کا وقت آیا ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس تین روٹیاں۔ اتفاقاً ایک مسافر بھی آ گیا اس کو بھی بلا کر کھانے میں شریک کیا تینوں نے مل کر وہ روٹیاں کھائیں جب وہ مسافر ان سے علیحدہ ہوا تو اس نے ان کے احسان کے صلہ میں آٹھ درہم ان کو دیئے کہ تم آپس میں ان کو تقسیم کر لیجیو۔ تقسیم میں دونوں رفیقوں میں اختلاف ہوا۔ پانچ والے نے کہا کہ بھائی تیری تین روٹیاں تھیں تین درہم تو لے اور میری پانچ تھیں پانچ مجھ کو دیدے۔ تین والے نے کہا نہیں نصفا نصف تقسیم ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ دونوں عدد قریب قریب ہیں۔ یہ قصہ حضرت علیؓ کی خدمت میں پہنچا حضرت نے دونوں کو سمجھایا کہ صلح کر لو صلح پر راضی نہ ہوئے اور درخواست حساب سے دینے کی کی تو تین والے کو فرمایا ایک تم لو اور سات اس کو دے دو۔ محاسب سن کر بہت حیران ہوئے کہ یہ کیا فیصلہ ہے۔ لیکن سننے کے بعد معلوم ہوا کہ عین عدل ہے۔ اس لئے کہ کل روٹیاں آٹھ تھیں اور تین آدمیوں نے کھائیں اور کمی بیشی کا اندازہ ناممکن اس لئے یوں کہیں گے کہ تینوں نے برابر کھائیں تو اب دیکھنا چاہئے کہ ہر ایک نے کتنا کھایا۔ پس ہر روٹی کے تین تین ٹکڑے کر لو تو

کل 24 ٹکڑے ہوئے پس ہر شخص نے آٹھ آٹھ ٹکڑے کھائے۔ سو تین والے کی روٹیوں کے نو ٹکڑے ہوئے جس میں سے آٹھ تو اس نے خود کھائے ایک بچا وہ مسافر نے کھایا۔ اور پانچ والے کی روٹیوں کے پندرہ ٹکڑے ہوئے جن میں سے آٹھ اس نے کھائے اور سات مسافر نے کھائے بس یہی نسبت درہم میں بھی ہونا چاہئے کہ سات درہم پانچ والے کو اور ایک تین والے کو ملنا چاہئے۔ اس قسم کے بہت قصے حضرت علیؓ کے ہیں کہ جو حضرت کی ذکاوت وفطانت پر دال ہیں۔ لیکن اکثر صحابہؓ لکھے پڑھے کم تھے۔ مگر دیکھ لیجئے کہ صحابہؓ کی کیا فضیلت ہے تو یہ سب ایک ذات پاک کی صحبت کی برکت ہے۔ اسی صحبت کی نسبت حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

شراب لعل و مے بیغش و رفیق شفیق ☆ گرت مدام میسر شود زہے توفیق

یعنی خالص محبت الٰہی اور مرشد کامل شفیق اگر ہمیشہ تم کو میسر ہوتے رہیں تو بہت اچھی توفیق ہے۔

اتباع ظن مہلک مرض ہے

غرض صحبت نیک بہت بڑی دولت ہے اس کا بہت اہتمام والتزام کرنا چاہئے غرض غیر علماء کو علماء کی صحبت اور اتباع اور علماء کو اتباع دلیل طرق سلامتی ہے اور اتباع ظن دونوں کے لئے مرض مہلک ہے بس یہ ہے کہ وہ مرض جو اس آیت میں مذکور ہے جس کی نسبت میں نے دعویٰ کیا تھا کہ یہ مرض مسلمانوں میں بھی موجود ہے اور اس مرض کی مختلف صورتیں ہیں۔ بعض تو ایسا کرتے ہیں کہ کسی سے کوئی مسئلہ سنا اب یہ تحقیق نہیں کرتے کہ بیان کرنے والا معتبر ہے یا غیر معتبر اس کو نقل کر دیتے ہیں اگر پوچھو تم نے کس سے سنا ہے تو کہتے ہیں کہ ایک مولوی صاحب سے وعظ میں سنا تھا۔ خدا جانے کہاں کے رہنے والے تھے کون تھے۔ کہاں انہوں نے پڑھا تھا کچھ خبر نہیں۔ یاد رکھو جب تک تحقیق نہ کرلو کہ یہ شخص معتبر عالم ہے اس وقت تک وعظ بھی سننا ایسے مولوی کا جائز نہیں اور نہ مسئلہ سن کر عمل کرنا جائز ہے اور بعض سنتے تو ہیں عالم معتبر سے لیکن پوری بات نہیں سنتے صرف آدھی سنتے ہیں

اور وہی آدھی نقل کر دیتے ہیں اور بعض میں یہ مرض اس صورت سے ہے کہ علماء محققین سے مسائل سن کر کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو نئی بات ہے پہلے ہم نے کبھی نہیں سنی اس لئے صحیح نہیں سو دین میں یہ حکم محض اپنی رائے سے لگاتے ہیں۔ جس کا مبنی یہ لغو خیال ہے کہ جو بات کبھی نہ سنی ہو وہ غلط ہوتی ہے۔ میں نے یہ سنا تھا کہ بعض دیہات میں مردے کو بے نماز پڑھے ہوئے دفن کر دیتے ہیں۔ اس لئے وہاں کوئی ملا نماز پڑھانے والا نہیں ہوتا۔ خدا بھلا کرے ان مسجدوں کے ملانوں کا انہوں نے بھولے بھالے دیہاتیوں کے ذہن میں یہ بٹھا دیا ہے کہ جب تک ہم نماز نہ پڑھائیں نماز ہی جنازہ کی نہ ہوگی اور یہ کفن کے ساتھ جو جانماز ہوتی ہے یہ بھی ان لالچی ملانوں کی گھڑت ہے اپنی آمدنی کے لئے تجویز کی ہے۔ اب وہ ایسی رسم ہوگئی کہ اس کو جز کفن جاننے لگے۔ اور اسی طرح اوپر کا چادرہ بھی کفن میں داخل نہیں ہے یہ بھی انہی حضرات کا ایجاد ہے اگر احترام کے لئے ڈھانپنا منظور ہے تو کوئی شخص اپنا چادر ڈال دیا کرے کافی ہے۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ ذہن میں جما رکھا ہے کہ اپنا چادر ڈال دیں گے تو وہ مردے کے تعلق سے منحوس ہو جائے گا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ مردے کی جائیداد اور روپیہ منحوس نہیں ہوتا اگر اس کے تعلق کی ایسی ہی نحوست ہے تو چاہئے کہ جائیداد اور روپیہ بھی مردے کا نہ کھائیں۔ اگر کسی کو اب بھی شبہ رہے میں اجازت دیتا ہوں کہ میرا چادرہ لے کر مردے پر ڈال دیں۔ پھر میں اس کو پہنوں دیکھوں کیسی نحوست مجھ کو لگے گی۔ غرض یہ جا نماز اور چادرہ داخل کفن نہیں پس اگر بعض ورثہ نابالغ ہوں تو یہ چادرہ اور جاء نماز بالغین اگر چاہیں تو اپنے حصہ سے بنانا چاہیے ایک موقع پر ایک شخص بہت خفا ہوئے اور کہنے لگے کہ اگر یہ مولوی رہے تو مردوں پر کفن پڑنا بھی چھوٹ جائے گا۔ میں نے کہا کہ ہاں سچ ہے دین کی خدمت میں شہادت ملا کرے گی اور شہداء پر کفن نہیں پڑتا۔ غرض کہ میں نے سنا تھا کہ بعض دیہات میں بے نماز پڑھے ہوئے دفن کر دیتے ہیں۔ میرا دل بہت دکھا اس لئے کہ جو مردہ بے نماز پڑھے ہوئے دفن کیا جاتا ہے تو اس جگہ کے سب لوگ گنہگار ہوتے ہیں اور تین دن کے اندر جہاں جہاں خبر پہنچتی ہے وہ سب گنہگار ہوتے ہیں۔

جنازہ میں چار تکبیرات فرض ہیں

اس لئے میں نے یہ مسئلہ بیان کیا کہ اگر جنازہ کی نماز کی دعائیں یاد نہ ہوں تو وضو کر کے جنازہ پر چار مرتبہ اللہ اکبر کہہ دیا کرو نماز ہو جائے گی اس لئے چار تکبیریں ہی اس میں فرض ہیں اور درود و دعائیں سنت ہیں۔ بعض نے میرے اس مسئلے پر انکار کیا اور وہ بھی ایسے لوگوں نے جو محض جاہل علم دین سے مس بھی نہیں رکھتے۔ بات یہ کہ جاننے والوں پر اعتماد نہیں خود علم نہیں تو جو دل میں آئے گا بکیں گے۔

اغلاط العوام

اسی طرح بہت سے ایسے مسائل مشہور ہیں کہ جن کی کوئی سند نہیں چنانچہ ایک مسئلہ یہ ہے کہ جنازہ کی نماز کے لئے جو وضو کیا جائے فرض نماز اس سے پڑھنا جائز نہیں۔ ایک مسئلہ یہ مشہور ہے کہ اذان داہنی طرف ہو اور تکبیر بائیں طرف اور عورتوں میں یہ مشہور ہے کہ رات کو درخت کو ہلانا نہ چاہئے اس لئے کہ گناہ ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ ایک کتاب ایسی لکھوں جس میں ایسے غلط مسائل درج ہوں۔ کچھ لکھے بھی ہیں اور اس کا نام اغلاط العوام رکھا جائے گا تاکہ لوگوں کو اطلاع ہو جائے کہ یہ مسائل غلط ہیں میں نے اس وجہ سے اس کا تذکرہ کیا تاکہ کوئی صاحب دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرنے کی توفیق دے دیں یہ تو ظن وتخمین کے باب میں عوام الناس کے اغلاط کا بیان تھا اور بعض غلطیاں علماء کے اندر ہیں۔ اس سے عوام کو اور زیادہ دھوکہ ہوتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہر کسی سے مسئلہ سن کر اعتماد نہ کر لیا کریں۔ جب تک محققین علماء سے نہ دریافت کر لیں۔ چنانچہ ایک مسئلہ ہے جس میں بعض لکھے پڑھے لوگ بھی تسامح کرتے ہیں کہ ایک مسجد میں اگر چونا اینٹ وغیرہ کی ضرورت ہو اور دوسری مسجد سے لگایا جائے تو جائز ہے یا نہیں تو یہ مشہور ہے کہ مسجدیں سب یکساں ہیں جو شے ایک مسجد سے زائد ہو دوسری میں لگا دینا جائز ہے۔ یہ محض رائے ہے اور رائے بھی ایسی ہے کہ ذرا غور کرو تو غلطی اس رائے کی ثابت ہوتی ہے اگر سب مسجدیں ایک ہوں تو خدا خیر کرے بدھنوں اور چٹائیوں کی اگر کوئی کہے کہ مراد یہ ہے کہ جب کوئی شے نکمی

ہوتو دوسری مسجد میں لگانا جائز ہےتو ثابت کیجئے کہ چونا وغیرہ نکما ہے اور اگر نکمے سے مراد زائد از حاجت ہے اس سے تو لازم آتا ہے کہ جو چٹائیاں بچھ رہی ہیں وہ نہ لینا چاہئے اور جو زائد کھڑی ہیں وہ لینا جائز ہیں اور بعض ان سے بھی بڑھ کر ایسے بہادر اور پہلوان ہیں کہ مسجد کی چیزیں اپنے گھر لے جاتے ہیں اور اگر کوئی منع کرتا ہے تو کہتے ہیں کیا تمہارے باوا ملک ہے ان سے کوئی پوچھے کہ تمہارے باوا کی ملک بعض لوگ حمام میں سے گرم پانی گھر لے جاتے ہیں اور حیرت تو یہ ہے کہ بعض متقی پرہیزگار بھی اس میں بھی مبتلا ہیں۔اسی طرح بعض لوگ استنجے کے ڈھیلے لے جاتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ آخر یہ پانی اسی واسطے تو ہے کہ وضو کریں خواہ یہاں کریں خواہ مکان پر کریں یاد رکھو مسجد کی چیز کا خلاف مصرف میں برتنا سخت گناہ ہے اور وبال اکثر یہ ہوتا ہے کہ اس وبال میں آئے ہوئے سے زیادہ گھر سے نکل جاتا ہے۔کانپور میں ایک شخص تھے انہوں نے مسجد کا ایک کونہ دبالیا۔ایک درویش آئے ان سے ہم نے شکایت کی انہوں نے کہا خوش ہو وہ کونہ اب سارے مکان کو مسجد میں لائے گا چنانچہ تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ ان کو حاجت شدید پیش آئی اور وہ گھر ان کو بیچنا پڑا اور مسجد میں خرید کر شامل کر دیا گیا۔غرض ایک مسجد کے لئے جو شے وقف ہو اور وہاں کے کام کی نہ رہی ہو وہ دوسری مسجد میں بہ قیمت جا سکتی ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ وہاں کے منتظمین کی اجازت ہو اور بغیر اس کے ہرگز جائز نہیں فقہا نے لکھا ہے کہ اگر مسجد میں پانی پینے کے لئے رکھا ہے تو اس سے وضو کرنا حرام ہے۔

مسائل معلوم کرنے کا قاعدہ کلیہ

غرض مسائل تو بہت ہیں کہاں تک بیان کئے جائیں میں قاعدہ کلیہ بیان کئے دیتا ہوں کہ جو بات سنو محققین علماء سے تحقیق کرلو جو کچھ ہم نے سنا ہے یہ صحیح ہے یا غلط اگر وہ صحیح فرمائیں تو اس پر عمل کرو اور اپنے قیاس اور رائے پر عمل نہ کیا کرو اور عوام کے قیاس کا تو کیا اعتبار ہے خود وہ لوگ جو برسوں سے یہ کام کر رہے ہیں بلکہ اپنی عمر ہی اس میں کھپا دی ہے رائے میں ان کی بھی غلطی ہوتی ہے۔

مردار کی ہڈی بعد رطوبت خشک ہوجانے کے پاک ہے

ایک مسئلہ بیان کرتا ہوں کہ اس میں مجھے اپنی ایک غلطی معلوم ہوئی اور اس مسئلے سے پہلے ایک قاعدہ سمجھنا چاہئے وہ یہ ہے کہ مردے کے اجزاء بعد مرنے کے نجس ہوجاتے ہیں اس لئے کہ موت منجس ہے اس بناء پر میں یہ سمجھے ہوئے تھا کہ مردہ جانور کا دودھ بھی حلال نہ ہوگا لیکن ایک شخص کے پوچھنے پر احتیاطاً کتاب میں جو دیکھا تو اس میں حلال لکھا تھا بہت دیر تک حیرانی رہی کہ اس کی کیا وجہ ہے بہت دیر کے بعد اس بناء کی غلطی ظاہر ہوئی وہ یہ کہ مردار جو نجس ہوتا ہے تو موت منجس ہے تو جن اجزاء میں موت حلول کرے گی وہ اجزاء نجس ہوں گے اور موت کا اثر وہاں ہوگا جہاں پہلے سے حیات ہو اور جن اجزاء میں حیات نہ ہوگی وہاں موت بھی موثر نہ ہوگی چنانچہ اسی وجہ سے مردار کی ہڈی بعد رطوبت خشک ہوجانے کے پاک ہے۔ اسی طرح دودھ میں بھی بوجہ بیجان ہونے دودھ کے موت کا اثر نہ ہوگا جیسے پہلے پاک تھا بعد موت کے بھی پاک رہے گا۔ اس سے خود اندازہ کرلو کہ جب ہم لوگوں کی رائے غلط ہوتی ہے تو جو گلستان بوستان پڑھ کر یا انٹرنس پاس ہوکر مسائل شرعیہ میں رائے زنی کریں ان کی رائے کس درجہ میں ہوگی۔ بعض لوگ مردے پر اجرت ٹھہرا ٹھہرا کر قرآن شریف پڑھتے ہیں اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہ رسم یہاں بھی ہے بہت افسوس ہوا کہ لوگوں نے دین کے کاموں کو بھی ایک پیشہ بنالیا ہے اور تمام تر فکر و توجہ اس طرف ہے کہ کھانے کو ملے دین جائے یا رہے۔

عاقبت ساز و ترا از دین بریں ☆ ایں تن آرائی وایں تن پروری

یہ تمہاری من آرائیاں اور تن پروریاں تم کو انجام کار دین سے جدا کردیں گی۔

اور اگر کوئی منع کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس میں کیا خرابی ہے ہم نے اللہ کے واسطے پڑھ دیا اس نے اللہ کے واسطے دے دیا۔ جناب ایسے ہی آپ اللہ کے واسطے پڑھنے والے ہیں کسی اور مردے پر کیوں نہ پڑھ دیا اور اگر اللہ کے واسطے پڑھا ہے تو اس ٹھیرانے کے کیا معنی ہیں۔ بس اپنی من سمجھوتی کرلی اور اگر زبان سے بھی نہ ٹھہرایا دل میں تو ٹھیرا رکھا ہے حتیٰ

کہ اگر اس سے کم ملے تو ناراض ہوتے ہیں۔اس میں بعض نیم ملا قیاس کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تعلیم قرآن پر اجرت لینا علماء نے جائز کر دیا ہے تو اس میں کیا حرج ہے اس میں اور اس میں کیا فرق ہے جناب من ایک آدھ مسئلہ جاننے سے عالم نہیں ہوتا ہے۔

نہ ہر کہ آئینہ دار سکندری داند ☆ نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند

یعنی جو شخص آئینہ بنانا جانتا ہو ضروری نہیں کہ وہ سکندری بھی جانتا ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو شخص بھی چہرہ کو برافروخت کرلے اس میں دلبری کی شان بھی ہو۔

جبکہ ایک شخص صاحب تقوی کہتا ہے کہ یہ صورت جائز ہے اور وہ ناجائز ہے تو تمہارے لئے اس کا قول حجت ہے۔

ہر مسئلہ کی وجہ معلوم ہونا لازم نہیں

ایک شخص پوچھنے لگا کہ گاؤں میں جمعہ نہ ہونے کی کیا وجہ ہے اس زمانہ میں لوگوں کو مجتہدیت کا ہیضہ بھی ہو گیا ہے ہر بات کی وجہ سمجھنا چاہتے ہیں میں نے ان صاحب سے پوچھا کہ کیا آپ نے ہر مسئلہ کی وجہ معلوم کرلی ہے تو میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ مجھے اس کی وجہ بتلائیے کہ مغرب کی تین رکعتیں اور عشاء کی چار کیوں ہیں اور اگر ہر مسئلہ کی وجہ معلوم نہیں ہے تو اسی مسئلہ کی کیا تخصیص ہے۔اس کو بھی اسی فہرست میں داخل کرلو۔ایسے ہی یہ سوال ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے اور ایصال ثواب کے لئے ناجائز بات یہ ہے کہ حکم شرعی اسی طرح ہے قانون یہی ہے۔

اگر جج کے یہاں مقدمہ ہو اور ایک شخص ہار جائے اور وہ ہارنے والا یہ کہے کہ اس دفعہ کی رو سے بیشک میں ہار گیا لیکن اس دفعہ کی وجہ کیا ہے جج فوراً کان پکڑ کر نکال دے گا کہ قانون سرکاری کی گستاخی کرتا ہے۔اسی طرح عوام کو مسائل شرعیہ کی وجوہ دریافت کرنا شریعت کی بے ادبی ہے اور منشاء اس کا قلب میں احکام کی عظمت نہ ہونا ہے ہاں اگر طالب علم ہو اور فن سیکھتا ہو اس کو وجہ اور دلائل کا سوال کرنا برا نہیں بلکہ اس کو ضروری ہے اس لئے کہ وہ دین کے اندر محقق بننا چاہتا ہے۔اگر کوئی کہے کہ ہم بھی محقق بننا چاہتے ہیں تو ہم ان

سے کہیں گے کہ جناب نوکری چھوڑ یئے زراعت تجارت دنیا کے سب کام چھوڑ یئے اور ہمارے پاس کم از کم دس برس رہئے دیکھئے آپ کو بھی ہم بتلائیں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اپنا مذہب یہ رکھو۔

زباں تازہ کردن باقرار تو ☆ نینگیختن علت از کار تو

یعنی زبان سے اقرار کرنا چاہئے کوئی علت تلاش نہ کرنی چاہئے۔

اور مشرب یہ رکھو

زندہ کنی عطائے تو ور بہ کشی فدائے تو ☆ دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

زندہ کریں تو آپ کی عطا ہے اگر قتل کریں تو آپ پر قربان ہیں دل آپ پر فریفتہ ہو گیا ہے جو کچھ آپ تصرف کریں ہم راضی ہیں۔

کسی محقق معتبر عالم سے آپ کو یہ سننا امتثال حکم ماننے کیلئے کافی ہونا چاہئے کہ شریعت کا حکم ہے اپنی طرف سے کوئی بات مت تراشو ورنہ جو شکایت حق تعالیٰ نے اس آیت شریف میں کفار کی فرمائی اس کے مورد تم بھی ہو گے۔ اب اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اتباع نصیب فرمائیں آمین۔